

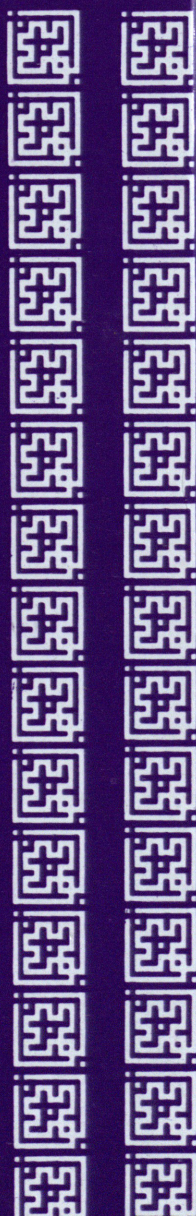
تفسیر الکتاب



مثنیٰ — مرقس

ولیم میکڈونلڈ

جلد اول



تفسیر الکتاب

کلام الہی کی عام فہم اور آیت بہ آیت تشریح

جلد اول

(مثنیٰ ————— مرثیٰ)

از
ولیم میکڈونلڈ

مترجم

جیکب سموئل ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ

ناشرین

مسیحی اشاعت خانہ

۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور

چہارم	_____	بار
ایک ہزار	_____	تعداد
۷۰ روپے	_____	قیمت

۲۰۰۲ء

Copyright © 1990 by William MacDonald.
Urdu edition published by permission of author.

اردو ایڈیشن کے مجلہ حقوقِ سچتِ مسیحی اشاعت خانہ، لاہور محفوظ ہیں۔

مینجر مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور نے موسیٰ کاظم پرنٹرز، لاہور سے
چھپوا کر شائع کیا۔

پیش لفظ

مسیحی علمائے کرام نے بائبل مُقدس کی مُتعدد تفسیریں رقم فرمائی ہیں تاکہ بائبل کے طالب علم اور بالخصوص ایسے طلباء جو بائبل کی اصل زبانوں یعنی عبرانی اور یونانی سے نا آشنا ہیں اُسے بخوبی سمجھ سکیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لیکن جو بات اس تفسیر کو دیگر تفاسیر سے ممتاز بناتی ہے یہ ہے کہ اسے آسان اور سادہ اور غیر فنی زبان میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مُصنّف نے مُشکل بیانات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے برعکس اُس نے نہ صرف اُن پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے بلکہ دیگر علمائے اختلافی تشریح کو بھی شامل کیا ہے۔

مُصنّف نے ہر کتاب کی تشریح سے پیشتر اُس کا پس منظر بھی بیان کیا ہے اور پھر کُل کتاب کو موضوعات کے لحاظ سے تقسیم کر کے سطر بہ سطر اس کی تفسیر کی ہے جس سے ایک قاری کو متن سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

بے شک بائبل کے ہر ایک مُفسر کا اپنا مخصوص زاویہ نگاہ اور انداز بیان ہوتا ہے۔ لہذا عبرانی کی کوئی بات نہیں کہ بعض اوقات جب بائبل کا طالب علم کسی آیت کی تشریح کو اپنے زاویہ نگاہ سے مُختلف پاتا ہے تو شش و پنج میں پڑ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر قاری کو خود فیصلہ کرنا چاہئے کہ اُس کے اپنے مخصوص حالات میں پاک متن کا کیا مطلب ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تفسیر کی اشاعت سے اُردو خوان مسیحیوں کو بڑی مدد ملے گی اور وہ کتاب مُقدس کو اُردو بھی بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بن جائیں گے۔

مُصَنَّف کا دبیابہ

”تفسیر الکتاب“ پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسیحی خُدا کے کلام کا سنجیدہ طالب علم بن جائے۔ لیکن کوئی تفسیر بھی بائبل مُقدس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ تفسیر عام فہم انداز میں پاک متن کی سادہ تشریح پیش کر دے اور پھر مزید گہرے مطالعہ کے لئے قاری کو پاک صحائف کی طرف واپس بھیج دے۔ یہ تفسیر سادہ اور غیر تکنیکی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کہ یہ ایک عالمانہ کاوش ہے جس میں علم الہیات کے دقیق نکات پر بحث کی گئی ہے۔ بھرپور سے ایماندار پڑانے اور نئے عہد نامہ کی اصل زبانوں سے واقفیت نہیں رکھتے۔ لیکن اس دہرے انہیں خُدا کے کلام کے عملی فوائد سے محروم رہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صحائف کے باقاعدہ اور ترتیب وار مطالعہ سے ہر مسیحی ایک ایسا شخص بن سکتا ہے جس کو شروندہ ہونا نہ پڑے اور جو حق کے کلام کو درستی سے کام میں لانا ہو“ (۲۔ تسمیٰ ۱۵:۲)۔

تبصرہ مختصر اور مُجمل ہے مگر ضروری اور اہم نکات کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ کسی بھی حصے کو سمجھنے کے لئے قاری کو طویل عبارتوں سے گزرنا نہیں پڑتا۔ آج کے تیز رفتار زمانے کا تقاضا ہے کہ سچائی کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے۔ تو بھی مُشکل حصوں سے پہلو تہی نہیں کی گئی۔ متبادل تشریحات بھی درج کی گئی ہیں اور یہ فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ کون سی تشریح سیاق و سباق کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتی ہے۔

بائبل مُقدس کا صرف علم حاصل کر لینا ہی کافی نہیں۔ ضرور ہے کہ پاک کلام کا زندگی پر عملی اطلاق کیا جائے۔ چنانچہ اس تفسیر میں یہ مشورے بھی دئے گئے ہیں کہ خُدا کے لوگوں کی زندگیوں میں پاک صحائف کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں۔

اگر اس تفسیر کے مطالعہ ہی کو مقصد بنا لیا گیا تو یہ کتاب مُعاون ثابت ہونے کی بجائے ایک پھندا یا جال ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کتاب کے باعث پاک صحائف کے شخصی مطالعہ کی تحریک مل جائے اور خُداوند کے آئین و احکام کی تعمیل کے لئے آمادگی پیدا ہو جائے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

میری دُعا ہے کہ رُوحِ اَلْقُدُس جس نے بائبل مُقَدَّس کا اِمام عَطَا کیا قاری کے
 دِل و دِمَاغ کو روشن کرے، تاکہ وہ کلامِ پاک کے وسیلے سے خُدا کا عِرْفَان
 حاصل کرے۔ آمین۔

نئے عہد نامہ کا تعارف

”نئے عہد نامہ کی کتب تواریخی بھی ہیں اور روحانی بھی۔ مگر ان کی قدر و قیمت ان کی تعداد اور طوالت سے کہیں زیادہ ہے اور تاریخ اور زندگی پر ان کے اثرات کا تو اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں۔ جو دن عدن میں طلوع ہوا تھا وہ اب اپنے نقطہٴ عروج کو پہنچا ہے۔ پرانے عہد نامہ کی نبوت کا مسیح نئے عہد نامہ میں تاریخ کا مسیح بن گیا ہے۔ خطوط میں وہ تجریرہ کا مسیح اور مکاشفہ میں جلال کا مسیح بن جاتا ہے۔“

ڈبلیو۔ گراہم۔ سکروگی

۱۔ نئے عہد نامہ کی وجہ تسمیہ

نئے عہد نامہ کی گہرائیوں میں اترنے سے پہلے، بلکہ اس کی کسی خاص کتاب کے محدود علاقے کے تفصیلی مطالعہ سے بھی پہلے بہتر اور مفید ہوگا کہ اس مقدس کتاب کے بارے میں عام حقائق کا ایک مختصر خاکہ پیش کر دیا جائے۔

”عہد“ یونانی لفظ *diatheke* کا ترجمہ ہے۔ بائبل مقدس کے دو حصوں کو پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ یا عہد عتیق اور عہد جدید کہنا عین مناسب ہے کیونکہ یہ کتاب خدا اور اُس کی اُمت کے درمیان ایک ”معاہدہ“، ایک ”اتحاد“ یا ”عہد“ کی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں عہد نامے خدا کے الہام سے تحریر ہوئے، اس لئے مسیحیوں کے لئے دونوں ہی یکساں طور پر فائدہ مند ہیں۔ لیکن مسیح پر ایمان رکھنے والا شخص فطری طور پر بائبل مقدس کے اُس حصے کی طرف زیادہ رجوع کرے گا جو خاص طور پر اُس کے خداوند اور خداوند کی کلیسیا کا بیان کرتا اور یہ بتاتا ہے کہ اُس کے شاگرد کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔

اوسطین نے پرانے عہد نامہ اور نئے عہد نامہ کے باہمی تعلق کو بہت عمدگی سے یوں بیان کیا ہے :

نیا پرانے میں پوشیدہ ہے۔ پرانے میں آشکارا ہے۔

۲۔ نئے عہد نامہ کی فہرستِ مُسلمہ

کلیسیائی حلقوں میں جب لفظ فہرستِ مُسلمہ استعمال کئے جاتے ہیں تو دراصل یونانی لفظ *kanon* کے مفہوم میں استعمال کئے جاتے ہیں، جس کا مطلب ہے ”قاعدہ“ یا ”قانون“ جس کے مطابق کسی چیز کی قدر و قیمت یا معیار کا تعین کیا جاتا ہے۔ نئے عہد نامہ کی فہرستِ مُسلمہ الہامی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ ہمیں کس طرح علم ہوا کہ صرف یہی کتابیں اس فہرست میں ہونی چاہئیں؟ بدیہی تحریریں بھی تو ابتدائی دور ہی سے موجود تھیں۔ چنانچہ ہمیں کیسے یقین ہوا کہ یہی کتابیں درست ہیں؟

اکثر کہا جاتا ہے کہ ایک کلیسیائی کونسل نے چوتھی صدی کے اواخر میں ایک فہرستِ مُسلمہ یعنی مُستند کتابوں کی فہرست مرتب کی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کتابیں جب لکھی گئیں اسی وقت ”مُستند“ تھیں۔ خدا پرست اور رُوحِ انبیا رکھنے والے شاگرد شروع ہی سے الہامی صحائف کو تسلیم کرتے آئے ہیں جیسے کہ پطرس نے پولس کی تحریروں کو تسلیم کیا ہے (۲۔ پطرس ۱۵: ۳-۱۶)۔ البتہ چند ایک کتابوں کے بارے میں (مثلاً یہوداہ کا خط، یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط) بعض کلیسیاؤں میں کچھ عرصہ تک اختلاف رائے موجود رہا۔

عام طور سے اگر کتاب کسی شاگرد مثلاً متی، پطرس، یوحنا یا پولس کی تصنیف ہوتی، یا رُوی حلقے میں سے کسی کی مثلاً مرقس یا لوقا کی تو اُس کے مُستند ہونے پر کوئی شک نہیں ہوتا تھا۔ جس کونسل نے موجودہ کتابوں کو مُستند قرار دیا، دراصل اُس نے اُن کتابوں کی تصدیق کی جو برسوں سے مسلمہ چلی آرہی تھیں۔ کونسل نے کتابوں کی کوئی الہامی فہرست نہیں، بلکہ الہامی کتابوں کی فہرست مرتب کی تھی۔

۳۔ مُصنّف

نئے عہد نامہ کا الٰہی مُصنّف رُوحِ القدس ہے۔ اُس نے متی، مرقس، لوقا، یوحنا، پولس، یعقوب، پطرس، یہوداہ اور عبرانیوں کے گنم مُصنّف (عبرانیوں کا تعارف ملاحظہ کریں) کو لکھنے کی تحریک دی۔ نئے عہد نامہ کی ان کتابوں کے معرض وجود میں آنے کے سوال کو صحیح اور عمدہ طور سے سمجھنے کے لئے بہتر بن جواب یہی ہے کہ ”دو مُصنّفین“ ہیں۔

نیا عہد نامہ جزوی طور پر انسانی اور جزوی طور پر الہی کتاب نہیں، بلکہ بہ یک وقت کئی طور پر انسانی اور کئی طور پر الہی تصنیف ہے۔ الہی مختصر نے انسانی مختصر کو غلطی کرنے سے بچائے رکھا اور نتیجہ ایک بے نقص اور ہر قسم کی غلطی سے پاک قلمی نسخہ تھا۔

تحریری کلام کی ایک مفید اور مددگار مثال زندہ کلام یعنی ہمارا خداوند یسوع مسیح ہے۔ وہ جزوی طور پر بشر اور جزوی طور پر خدا نہیں ہے (جیسے یونانی/ہندو دیتا ہوتے ہیں) بلکہ بہ یک وقت کئی طور پر بشر اور کئی طور پر خدا ہے۔ الہی ذات نے بشری ذات کے لئے غلطی یا گناہ کرنا ناممکن بنا دیا۔

۴۔ تاریخ تصنیف

پرانے عہد نامہ کی تکمیل میں تقریباً ایک ہزار سال (تقریباً ۱۲۰۰ء - ۳۰۰ء ق م) لگ گئے۔ اس کے برعکس نیا عہد نامہ صرف نصف صدی (تقریباً ۳۰ء - ۱۰۰ء) میں مکمل ہو گیا۔

نئے عہد نامہ میں کتابوں کی موجودہ ترتیب ہر زمانے کی کلیسیا کے لئے موزوں ہے۔ اس کا آغاز مسیح کی زندگی کے بیان سے ہوتا ہے۔ پھر کلیسیا کی ابتدا اور ارتقا کا بیان ہے۔ اس کے بعد کلیسیا کے لئے ہدایات ہیں اور آخر میں کلیسیا اور دنیا کے مستقبل کا مکاشفہ ہے۔ لیکن یہ ترتیب کتابوں کے سن تصنیف کے مطابق نہیں۔ یہ کتابیں ضرورت کے مطابق لکھی گئیں۔

پہلے وہ خطوط قلم بند ہوئے جن کو فلپس "نوعمر کلیسیاؤں کے نام مراسلات" کا نام دینا ہے۔ غالباً سب سے پہلے یعقوب، گلیتوں اور تھلسینیکیوں کے خط پہلی صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں لکھے گئے تھے۔

تحریر میں آنے کی ترتیب کے لحاظ سے اگلے نمبر پر انجیل ہیں۔ سب سے پہلے متی یا مرقس کی انجیل، اُس کے بعد لوقا کی اور سب سے آخر میں یوحنا کی انجیل ضبط تحریر میں آئی۔ اور سب سے آخر میں یعنی پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں مکاشفہ کی کتاب رقم ہوئی۔

۵۔ موضوعات

نئے عہد نامہ کے موضوعات کا مختصر خاکہ یوں پیش کیا جاسکتا ہے :

تواریخی کتب ————— اناجیل، اعمال —
 خطوط ————— پلوس کے خطوط — عام خطوط
 مکاشفہ ————— مکاشفہ

جو مسیحی ان کتابوں کو اچھی طرح جان اور سمجھ لیتا ہے، ”وہ ہر نیک کام کے لئے تیار ہوگا“
 (۲- تیمتھیس ۲: ۲۱)۔ ہماری دعا ہے کہ ”تفسیر الكتاب“ سارے ایمان داروں کے لئے ایسا کرنے
 میں زبردست مددگار ثابت ہو۔

۶۔ زبان

نیا عہد نامہ روزمرہ کی زبان میں (جسے koine یا ”عام یونانی“ کہا جاتا ہے) لکھا گیا تھا۔
 پہلی صدی عیسوی کے دوران یہ تقریباً عالمگیر زبان تھی۔ یہ دور و نزدیک ایسے ہی جانی پہچانی
 اور استعمال ہوتی تھی جیسے آج کل انگریزی زبان ہو رہی ہے۔

جس طرح عبرانی زبان کا جو شہیلا اور رنگارنگ اسلوب پرانے عہد نامہ کی نبوت، شاعری
 اور حکایت و روایت کے لئے بے حد موزوں تھا، اسی طرح خدا نے یونانی زبان کو نئے عہد نامہ
 کے لئے معجزانہ طور پر تیار کر دیا تھا۔ سکندراعظم کی فتوحات کے باعث یونانی زبان دور دراز
 تک پھیل گئی تھی۔ اُس کے فوجیوں نے اس زبان کو سادگی عطا کی اور عوام میں مقبول بنا دیا تھا۔
 نئے عہد نامہ کے خطوط اور خصوصاً رومیوں کے خط میں عقیدے سے متعلق اہم سچائیوں
 کا بیان ہے۔ یونانی زبان اپنے افعال کی تصریف اور گردان، اسم کی مختلف حالتوں، ذخیرہ الفاظ
 اور دیگر خصوصیات میں صحت و درستی کے باعث ان اہم سچائیوں کے ابلاغ کے لئے بہت ہی
 مثالی زبان ہے۔

اگرچہ koine یعنی ”عام یونانی“ اعلیٰ ادبی زبان نہیں، لیکن گلی محے ”والی ادبی زبان
 بھی نہیں۔ نئے عہد نامہ کے بعض حصے ————— جبرانیوں، یعقوب، ۲- پطرس —
 اسلوب کے لحاظ سے یقیناً ادبی سطح تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں لوقا بھی کلاسیکی معیار
 کو چھو رہا ہے۔ اور بعض مقامات پر پلوس کے ہاں وہ خوبی اور حسن ہے (مثلاً ۱- کورنٹیوں
 باب ۱۳ اور ۱۵ وغیرہ) کہ باید و شاید۔

۷۔ اُردو زبان میں ترجمہ
تفصیلات کے لئے دیکھئے ”قاموس الکتاب“ مرتبہ ڈاکٹر خیر اللہ صاحب۔

اناجیل کا تعارف

”اناجیل تمام تحریروں کے پہلے پھیل ہیں۔“ (اورغین)

۱۔ پُر جلال اناجیل

ادب کا ہر طالب علم ادب کی مختلف اصناف مثلاً داستان، کہانی، ناول، ڈرامہ، نظم، سوانح حیات وغیرہ سے بخوبی واقف ہے۔ مگر جب ہمارا خداوند یسوع مسیح اس دنیا میں آیا تو ادب میں ایک بالکل نئی صنف کی ضرورت تھی جس کو انجیل بمعنی خوشخبری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اناجیل سوانح عمریاں نہیں ہیں، اگرچہ ان میں بہت سا مواد سوانح عمری کے زمرے میں آتا ہے۔ نہ وہ داستان اور کہانی ہیں، اگرچہ مُسرف بیٹے اور نیک سامری جیسی تماشیل ادب کی کسی بھی کہانی کی طرح دلچسپ اور دلکش ہیں۔ یہاں تک کہ بعض تماشیل میں تصرف کر کے ان کو ناول اور افسانہ کی صورت میں بھی لکھا گیا ہے۔ یہ اناجیل دستاویزی رپورٹس بھی نہیں ہیں، حالانکہ ان میں ہمارے خداوند کی مختلف مواقع پر گفتگو اور مباحث کو پوری صحت مگر اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

نہ صرف ”انجیل“ ادب کی ایک بے مثال اور یکتا صنف ہے بلکہ چاروں انجیل نویسوں یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا نے جب یہ اناجیل قلم بند کیں تو کسی کتاب یا ادب پارے کو مستند قرار دینے کا معیار ہی بدل گیا۔ راسخ العقیدہ مسیحی گزشتہ تقریباً دو ہزار سال سے چار اناجیل اور صرف ان ہی چار اناجیل کو مستند مانتے آ رہے ہیں۔ کئی بدعتی افراد نے بھی کتابیں لکھیں اور ان کو انجیل کا نام دیا، مگر وہ صرف کسی بدعت مثلاً غناسطیت یا عرفانیت کو بڑھانے اور پھیلانے کا گھٹیا وسیلہ تھیں اور بس۔

اناجیل چار ہی کیوں ہیں؟ پانچ کیوں نہیں تاکہ موسیٰ کی پانچ کتابوں کے مقابلے میں ایک مسیحی اسفارِ خمسہ بن جائیں؟ یا ایک ہی طویل انجیل کیوں نہیں جس میں جتنی باتیں دہرائی گئی ہیں وہ چھوڑ دی جائیں اور مزید تماشیل اور معجزات کو شامل کرنے کی جگہ بن جاتی؟ دراصل ان چاروں کو ہم آہنگ کرنے کی کوششیں تو ہوتی رہی ہیں۔ دوسری صدی عیسوی میں ططیان نے Diatessaron (یونانی ”چار میں سے“) لکھ کر ایسی ہی کوشش کی تھی۔

ارینیس کا نظریہ یہ تھا کہ چار انجیلیں دُنیا کے چار رُبعوں (رُبع = ایک چوتھائی) یا چار سمتوں اور چار ہواؤں سے مطابقت رکھتی ہیں، اس لئے کہ ”چار“ عالمگیریت کا عدد ہے۔

۲۔ چار علامات

بہت سے لوگ خصوصاً جمالیاتی ذہن رکھنے والے افراد جزئی اہل اور مکاشفہ کی چار علامات کے ساتھ اناجیل کی مطابقت کو بڑی تحسین کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ علامتیں ہیں شیر، بےبر، سانڈ (پچھڑا)، ما انسان اور عقاب۔ مگر مختلف مسیحیوں نے ان کو مختلف ترتیب سے اناجیل کے مشابہ ٹھہرایا ہے۔ ادب میں ان علامات کو ”صفات نسبتی“ کہا جاتا ہے۔ اگر انہیں اناجیل کی علامتیں سمجھنا صحیح ہے تو بےبر شیر مٹی کی انجیل کے لئے موزوں ہے جو کہ بیہوداہ کے بےبر کی شاہی انجیل ہے۔ بیل، محنت اور بوجھ اٹھانے والا جانور، مرقس سے مناسبت رکھتا ہے کہ یہ مسیح کو خادم کے طور پر پیش کرتی ہے۔ انسان بے شک نونہا کی مرکزی علامت ہے کہ یہ ”ابن آدم“ کی انجیل ہے اور عقاب یوحنا کی انجیل کا نشان ہے کیونکہ یہ انجیل بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ روحانی رویا کی انجیل ہے۔

۳۔ چار قسم کے قارئین

اناجیل چار کیوں ہیں؟ اس سوال کا بہترین جواب یہ ہے کہ رُوح القدس چار مختلف قسم کے لوگوں کو تعلیم دے رہا ہے۔ لوگوں کے چار مختلف قدیم گروہ جن کی نظیر آج بھی موجود ہے۔ سارے اتفاق کرتے ہیں کہ مٹی سب سے زیادہ یہودی انجیل ہے۔ اس میں پرانے عہد نامہ سے اقتباسات، خداوندی مسیح کے تفصیلی مباحث، خداوند کا نسب نامہ اور عام سامی لب و لہجہ تو نئے تباری کو بھی نمایاں طور پر محسوس ہونے لگتا ہے۔

مرقس نے انجیل غالباً سلطنتِ روم کے شاہی دار الحکومت میں بیٹھ کر لکھی۔ اُس کے پیش نظر رومی اور اسی قسم کے لاکھوں وہ لوگ تھے جو خیالات کی نسبت عمل و حرکت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُس نے تماشیل پر کم اور معجزات پر زیادہ توجہ دی ہے۔ اس انجیل میں نسب نامے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ کون سا رومی ہے جو سرگرم اور فعال خادم کے سامنے یہودی نسب ناموں پر توجہ دے گا؟

صاف نظر آتا ہے کہ نونہا نے اپنی انجیل یونانیوں اور بے شمار اُن رومی لوگوں کے لئے لکھی جو

یونانی ادب و فنون کو پسند کرتے اور اُس میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسے لوگ حُسن و خوبصورتی، انسانیت، ثقافتی انداز، سلیحہ ہوئے اُسلوب اور ادبی فضیلت پر جان دیتے ہیں۔

تو یوحنا نے کن لوگوں کے لئے لکھا؟ یوحنا کی انجیل عالمگیر انجیل ہے۔ اُس میں ہر کسی کے لئے کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ یہ تبلیغی انجیل ہے (۲۰: ۳۰، ۳۱) اور گرا غور و فکر کرنے والے مسیحی بھی اسے دل سے چاہتے ہیں۔ غالباً کلید اس بات میں ہے کہ ”یوحنا کی انجیل تیسری نسل کے لوگوں کے لئے ہے“ اُس زمانے کے بُت پرست لوگوں نے مسیحیوں کو ”تیسری نسل“ کا لقب دیا تھا کہ یہ نہ یہودی تھے، نہ بُت پرست۔

۴۔ دیگر خصوصیات

پرانے عہد نامہ میں کچھ دیگر چہار گونہ خصوصیات ہیں جو چاروں اناجیل میں بھی جگہ جگہ بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔

ہمارے خداوند کا ایک لقب ”شاخ“ ہے جو مندرجہ ذیل سیاق و سباق میں موجود ہے۔

”... داؤد کے لئے ایک صادق شاخ ... خداوند ہماری صداقت“ (یرمیاہ ۲۳: ۶، ۵)۔

”... میں اپنے بندہ یعنی شاخ کو لانے والا ہوں“ (زکریاہ ۳: ۸)۔

”... وہ شخص جس کا نام شاخ ہے ...“ (زکریاہ ۶: ۱۲)۔

”... خداوند کی طرف سے روئیدگی (شاخ) ...“ (یسعیاہ ۴: ۲)۔

پرانے عہد نامہ میں چار دفعہ ”دیکھ“ آیا ہے جو اناجیل کے مرکزی موضوعات سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

”دیکھ تیرا بادشاہ“ (زکریاہ ۹: ۹)۔ (متی)

”دیکھو میرا خادم“ (یسعیاہ ۴۲: ۱) (مرقس)

”دیکھو وہ شخص“ (زکریاہ ۶: ۱۲) (لوقا)

”دیکھو اپنا خدا“ (یسعیاہ ۴۰: ۹) (یوحنا)

ایک اور مطابقت بھی ہے جو اگرچہ اتنی نمایاں اور واضح تو نہیں لیکن بہتوں کے لئے باعث برکت ثابت ہوئی ہے۔ خیمہ اجتماع کو بنانے میں جو کپڑے وغیرہ استعمال ہوئے، اُن کے چار

رنگ تھے اور ہر رنگ علامتی مفہوم رکھتا تھا۔ انجیل نویسوں نے بھی ہمارے خداوند کی چار صفات کو پیش کیا ہے۔ یہ چاروں رنگ ان چاروں صفات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

آرغوانی رنگ مٹی کی انجیل سے مطابقت رکھتا ہے کہ وہ خداوند کو "بادشاہ" کے طور پر پیش کرتی ہے۔ قضاة ۸: ۲۶ سے اس رنگ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

قرمزی رنگ۔ قدیم زمانے میں یہ رنگ ایک قسم کے قرمزی کیڑے کو پھل کر حاصل کیا جاتا تھا۔ یہ رنگ مرقس کی انجیل کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو یسوع کو "خادم" کے طور پر پیش کرتی ہے۔ زبور ۶۲: ۲۲ میں زبور نویس کہتا ہے کہ "میں تو کیڑا ہوں، انسان نہیں۔"

سفید رنگ مقدس لوگوں کی راستبازی کے کاموں کو ظاہر کرتا ہے (مکاشفہ ۱۹: ۸)۔ یہ رنگ لوقا کی انجیل سے مناسبت رکھتا ہے کیونکہ وہ مسیح کی کامل بشریت کو پیش کرتی ہے۔

نیلا رنگ اُس نیلگوں گنبد کی نمائندگی کرتا ہے جسے ہم آسمان کہتے ہیں (خرودج ۲۴: ۱۰)۔ یہ رنگ مسیح کی کامل الوہیت کا مظہر ہے اور یوحنا کی انجیل سے مناسبت رکھتا ہے۔

۵۔ ترتیب اور اہمیت

اناجیل میں واقعات کا بیان ان کے وقوع پذیر ہونے کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ ہمیں شروع ہی سے ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ خدا کا روح اکثر واقعات کو ان کی اخلاقی تعلیم اور اہمیت کے لحاظ سے یکجا کرتا ہے۔ کیلی کہتا ہے کہ:

"جیسے جیسے ہم آگے بڑھیں گے ثابت ہوتا جائے گا کہ لوقا نے بنیادی طور پر اخلاقی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ وہ واقعات، خداوند کی بات چیت، سوالات اور جوابات اور مباحث کو خارجی ترتیب کے لحاظ سے یکجا نہیں کرنا بلکہ باطنی تعلق کو پیش نظر رکھتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ واقعات وغیرہ کی خارجی اور تواریخی ترتیب کو ملحوظ رکھنے سے مصنف کی ناپختگی اور بچکانہ پن کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر مؤرخ کے لئے واقعات کو اسباب و نتائج کے اعتبار سے، اور اخلاقی ترتیب کے مطابق یکجا کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ مؤرخ کا کام واقعہ نویس سے مختلف ہوتا ہے۔ خدا نے اس کا خمیر کے لئے لوقا کو استعمال کیا۔ اُس نے یہ کام نہایت احسن طریقے سے سرانجام دیا ہے۔"

اناجیل میں بظاہر اختلافات اس لئے نظر آتے ہیں کہ وہ مختلف باتوں پر زور دیتی ہیں اور ان کا اندازِ ابلاغ الگ الگ ہے۔ پہلی تینوں اناجیل کو ”اناجیل متوافقہ“ (مشترکہ نقطہ نظر رکھنے والی) کہا جاتا ہے۔ مسیح کی زندگی کے بیان میں ان کے انداز میں ایک مشابہت پائی جاتی ہے، جبکہ یوحنا کی انجیل فرق ہے۔ یوحنا نے انجیل بعد میں لکھی۔ لہذا وہ پہلے بیان شدہ باتوں کو دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے ہمارے خداوند کی زندگی اور کلام کو نہایت مفکرانہ انداز میں اور علم الہیات کے نکات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۶۔ مسئلہ توافق

پہلی تینوں اناجیل میں بہت سی مشابہت پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہ کئی عبارتیں تقریباً لفظ بہ لفظ ایک دوسری سے ملتی ہیں۔ اس کے باوجود بے شمار اختلافات بھی موجود ہیں، ان مشابہت اور اختلافات کے مسئلے کو ”مسئلہ توافق“ کہا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ مسیحیوں کے لئے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں، البتہ جو لوگ الہام کے منکر ہیں ان کے لئے بڑا مسئلہ ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں کسی پیچیدہ نظریات وضع کر لئے ہیں۔ وہ اکثر قیاسی دستاویزات کا حوالہ دیتے ہیں جن کا آج نام و نشان تک موجود نہیں۔ ان کی چند ایک باتیں تو تا: ا کی روشنی میں قابل تصور ہیں اور راسخ العقیدہ نظریات سے ٹکر نہیں کھاتیں۔ تاہم ان کے بعض نظریات اس قدر غلط ہیں کہ اگر انہیں مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ ابتدائی کلیسیا نے یسوع مسیح کے بارے میں ”دیومالائی“ کہانیوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ اس طرح کی نکتہ چینی مسیحی صحائف اور تاریخ کلیسیا سے بے دفائی کی مرتکب ہوتی ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ کوئی ایسا دستاویزی ثبوت بھی موجود نہیں جسے وہ اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر سکیں۔ مزید برآں کوئی دواغما بھی ایسے نہیں جو اس بات پر متفق ہوں کہ اناجیل متوافقہ کی زمرہ بندی اور تقسیم کس طرح کی جائے۔

اس مسئلے کا ایک بہت عمدہ حل یوحنا ۱۳: ۲۶ میں ہمارے خداوند کے الفاظ میں موجود ہے کہ ”لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔“

اس سے متنی اور یوحنا کے آنکھوں دیکھے وقائع کی وضاحت ہو جاتی ہے اور غالباً مرقس کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے اگر جیسا کہ تاریخ کلیسیا کہتی ہے اُس نے پطرس کی

یادداشتوں کو قلم بند کیا ہے۔ اس میں رُوح القدس کی بلا واسطہ مدد، وہ دستاویزات جن کا ذکر ٹوتقا ۱:۱ میں ہے اور سامی لوگوں کی سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی بالکل صحیح روایات کو شامل کریں تو مسئلہ توافقی کا جواب مل جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جتنی بھی بنیادی سچائیاں، تفصیل یا تشریحات ہیں، وہ رُوح القدس نے براہ راست ”اُن الفاظ میں جو رُوح القدس نے سکھائے“ (۱- کرنتھیوں ۲: ۱۳) عطا کیں۔

اس لئے جب ہمیں کسی تفصیل میں بظاہر کوئی تضاد یا فرق نظر آئے تو اچھا ہوگا کہ ہم کھوج لگائیں کہ متعلقہ انجیل نے فلاں واقعہ یا بات کو کیوں چھوڑ دیا، یا شامل کیا یا اس پر کیوں زور دیا ہے؟ مثال کے طور پر متی ۲۳: ۲۹-۳۱ کے (اندھے بن اور بد رُوح سے) شفا پانے کا ذکر کرتا ہے جبکہ مرقس اور ٹوتقا صرف ایک ایک کا۔ بعض لوگوں کو اس میں تضاد نظر آتا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اسے اس طور سے دیکھیں کہ متی نے انجیل یہودیوں کے لئے لکھی اس لئے ۲۳: ۲۹-۳۱ کا ذکر کیا کیونکہ شریعت کا تقاضا ہے کہ گواہوں کی تعداد ۲۰ یا تین ہو جبکہ دوسروں نے صرف مشہور شخص (اندھے برتھائی) کا ذکر کیا ہے۔

ہم یہاں چند اقتباسات دے رہے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جو باتیں بظاہر دہرائی گئی ہیں، وہ اہم فرق کو واضح کرتی ہیں۔

لگتا ہے کہ ٹوتقا ۶: ۲۰-۲۳ میں پہاڑی وعظ کو دہرایا گیا ہے۔ لیکن دراصل یہ وعظ ایک میدان (ہموار جگہ) میں کیا گیا تھا (ٹوتقا ۶: ۱۷)۔ مبارک دیاں خدا کی بادشاہی کے مثالی شہری کی خصوصیات بیان کرتی ہیں جبکہ ٹوتقا مسیح کے شاگردوں کے طرز زندگی کی نشاندہی کرتا ہے۔

لگتا ہے کہ ٹوتقا ۶: ۲۰-۲۳ میں متی ۱۰: ۲۴ کو دہرایا گیا ہے۔ لیکن متی میں یسوع مالک ہے اور ہم اُس کے شاگرد ہیں۔ جبکہ ٹوتقا میں شاگرد بنانے والا شخص مالک ہے، جبکہ جس کو وہ تعلیم دیتا ہے، وہ شاگرد ہے۔ متی ۷: ۲۲ میں ”بادشاہ“ کی خدمت پر زور دیا گیا ہے جبکہ ٹوتقا ۱۳: ۲۵-۲۷ میں مالک کے ساتھ رفاقت رکھنے کا ذکر ہے۔

ٹوتقا ۱۵: ۴-۷ میں بڑے پھبتے ہوئے انداز میں فریسیوں کی نفیصت کی گئی ہے جبکہ متی ۱۲: ۱۱، ۱۳ میں بچوں اور اُن کے لئے خدا کی محبت کا بیان ہے۔

جب حاضرین میں صرف ایماندار موجود تھے تو یوحنا اصطباخی نے کہا ”وہ تم کو رُوح القدس سے بیٹسمہ دے گا“ (مرقس ۱: ۸؛ ٹوتقا ۱: ۳۳)۔ اور جب ملی جلی بھیڑ اور خصوصاً

فریسی موجود تھے تو اُس نے کہا کہ ”وہ تم کو روح القدس اور آگ (غضب) سے بپتسمہ دے گا“ (متی ۳: ۱۱؛ لوقا ۳: ۱۶)۔

”جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو، ان الفاظ کا متی ۴: ۲ میں ہمارے عیب جوئی کے رویے پر، مرقس ۴: ۲ میں خدا کے کلام کو قبول کرنے پر اور لوقا ۶: ۳۸ میں ہماری سخاوت اور فراخ دلی پر اطلاق ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ اختلافات تضاد نہیں ہیں۔ ان کا ایک مقصد ہے اور غور و فکر کرنے والے ایماندار کے لئے یہ روحانی خوراک ہیں۔

۷۔ نئے عہد نامہ کی کتابوں کے مصنفین

بائبل مقدس کی کسی کتاب کے مصنف کو معلوم کرتے وقت شہادتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول بیرونی شہادتیں۔ دوم اندرونی شہادتیں۔ نئے عہد نامہ میں ستائیس کتابیں شامل ہیں۔ ان کے مصنفین پر بحث کرتے ہوئے ہم بھی اسی اصول کی پیروی کریں گے۔ بیرونی یا خارجی شہادتوں کے ضمن میں ان مصنفین کا حوالہ دیا جاتا ہے جو کتابوں کی تصنیف کے زمانے کے قریب ترین دور میں موجود تھے۔ ان میں عموماً دوسری اور تیسری صدی عیسوی کے آبائے کلیسیا شامل ہیں۔ ان کے علاوہ چند بدعتی یا جھوٹے استادوں کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے۔ ان افراد نے بائبل مقدس کی کتابوں سے اقتباس دئے ہیں، یا ان کا حوالہ دیا ہے، یا خصوصیت سے ان کتابوں اور مصنفوں کا بیان کیا ہے جن سے ہم دلچسپی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر روم کا کلیمنس

(Clement) پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں کنتمیوں کے پہلے خط کا اقتباس کرتا ہے۔ توصاف ظاہر ہے کہ یہ خط دوسری صدی عیسوی میں پکٹس کے نام سے لکھی ہوئی جعلی کتاب نہیں ہو سکتی۔ اندرونی یا داخلی شہادتوں میں ہم کتاب کے اسلوب بیان، ذخیرہ الفاظ اور مواد پر توجہ دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ باتیں ان دعویٰ کی تائید یا تردید کرتی ہیں جو بیرونی دستاویزات اور مصنفین نے کئے ہیں۔ مثال کے طور پر لوقا کی انجیل اور اعمال کا اسلوب بیان اس نظر سے کی حمایت کرتا ہے کہ ان کا مصنف کوئی صاحب ذوق اور تعلیم یافتہ غیر قوم طیب تھا۔

بہت سی کتابوں میں دوسری صدی کے ایک بدعتی شخص بنام مارقیون کی مرتب کردہ ”مسلّمہ“ کتب کی فہرست درج ہے۔ اُس نے لوقا کی انجیل کو بہت کانٹ چھانٹ کے ساتھ اور

پوٹس کے صرف دس خطوط کو تسلیم کیا ہے۔ تو بھی وہ اس بات میں معاون گواہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے زمانے میں کون کون سی کتابیں معیاری مانی جاتی تھیں۔ موراتوری فرسٹ مسٹر (موسوم بہ اطالوی کارڈینل موراتوری جس کو یہ دستاویزات ملی تھی) کو قدرے نامکمل ہے تو بھی اُس میں ان کتب کا ذکر ہے جنہیں راسخ العقیدہ مسیحیوں نے قبول کیا ہوا تھا۔

متی رسول کی معرفت انجیل تعارف

”بلند خیالی، تصوّر کی رفعت اور وسیع مواد کو عظیم نظریات کے تابع رکھنے میں دونوں عہد ناموں میں سے کوئی تاریخی کتاب بھی متی رسول کی انجیل کی ہمسری نہیں کر سکتی۔“
تھیودور ژااہن

مستند کتابوں میں بے مثال مقام

متی رسول کی انجیل پرانے اور نئے عہد ناموں کے درمیان ایک کامل پل ہے۔ اس کے افتتاحی الفاظ ہی ہمیں ماضی میں پرانے عہد نامے میں خدا کی امت کے جد امجد ابراہام اور بنی اسرائیل کے عظیم بادشاہ داؤد کے ڈیڑھ لاکھڑا کرتے ہیں۔ مضامین کے پُناؤ، یہودی رنگ، عبرانی صحائف سے متعدد اقتباسات اور نئے عہد نامے میں اپنے مقام کے باعث متی کی انجیل دنیا کو مسیحی پر مقام سے متعارف کرانے کے لئے نہایت موزوں ہے۔

چاروں انجیل میں اسے طویل مدت سے ترتیب کے لحاظ سے پہلا مقام حاصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بالکل جدید دور تک عالمگیر سطح پر یہی مانا جاتا تھا کہ یہی پہلی انجیل ہے جو ضبط تحریر میں لائی گئی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ متی کا انداز بیان واضح اور منظم و مرتب ہے، اس لئے کلیسیا یا جماعت میں پڑھنے کے لئے بالکل موزوں ہے۔ چنانچہ یہ ہر اول عزیز انجیل رہی ہے بلکہ بعض اوقات اس لحاظ سے یوحنا کی انجیل سے مقابلہ کرتی رہی ہے۔

البتہ راسخ العقیدہ ہونے کے لئے یہ ایمان رکھنا ضروری نہیں کہ متی کی انجیل ہی سب سے پہلے تحریر ہوئی تھی۔ تاہم ابتدائی مسیحی تقریباً سب کے سب یہودی مذہب سے آئے تھے اور ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ اور یہ بات بالکل منطقی معلوم ہوتی ہے کہ پہلے مسیحیوں کی ضرورت کو پہلے پورا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

۲۔ مصنف

خارجی شہادت قدیم بھی ہے اور عالمگیر بھی کہ متی محصول لینے والا، جس کو لاوی بھی

کہتے ہیں، اُس نے پہلی انجیل قلم بند کی۔ چونکہ وہ رسولی گروہ کا نمائیاں رکن نہیں تھا، اس لئے اگر اس انجیل کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق نہیں تھا تو اس پہلی انجیل کو اُس کے نام سے منسوب کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔

قدیم دستاویز ”دوئے“ (بارہ رسولوں کی تعلیمات)، پھر یوسطین شہید، کرنٹھس کا دیونوسیس، انطاکیہ کا تھیوفلس، اور اٹھینے کا اٹیناگرس اس انجیل کو مستند قرار دیتے ہیں۔ کلیسیا کے مورخ یوسٹس نے لکھا ہے کہ پیاس کتا ہے کہ ”متی نے لوگیا (یسوع کے مقولات) کو عبرانی زبان میں رقم کیا اور ہر شخص اپنی لیاقت و صلاحیت کے مطابق ان کی تشریح کرتا تھا۔“ ایرینیئس، پنطینس اور اورغین بنیادی طور پر اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔ ”عبرانی“ سے عام طور پر مراد وہ ارامی بولی ہے جس میں ہمارے خداوند کے زمانے کے عبرانی لوگ روزمرہ بات چیت کیا کرتے تھے۔ نئے عہد نامے میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ ”لوگیا“ میں کیا؟ اس یونانی لفظ کا عام مطلب ”غیبی آواز“ یا ”آسمانی وحی“ ہے جیسا کہ پُرانے عہد نامے میں خدا کی ”وحی“ درج ہے۔ لیکن پیاس کے بیان میں اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ اس بیان کے بارے میں تین بڑے نظریات ہیں: (۱) اس سے مراد متی کی انجیل ہے یعنی متی نے اس انجیل کا ایک ایڈیشن ارامی زبان میں لکھا۔ جس کا خاص مقصد یہودیوں کو مسیح کے لئے جیتنا اور عبرانی مسیحوں کو تعلیم دینا تھا مگر بعد میں ایک یونانی ایڈیشن بھی تیار کیا گیا۔ (۲) اس میں صرف یسوع کے ”مقولات“ درج تھے، بعد میں ان کو انجیل میں ضم کر دیا گیا۔ (۳) اس میں ”شہادتیں“ یعنی پُرانے عہد نامے کے وہ اقتباسات درج تھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یسوع ”مسیح موعود“ ہے۔ نظر یہ نمبر ۳ کی نسبت نظر یہ نمبر ۲ زیادہ قابل قبول ہیں۔

متی کی یونانی اگرچہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتی، مگر ایسی وسیع اور مشہور روایت (اور قدیم زمانے میں اس سے کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا) کی کچھ نہ کچھ بنیاد تو ہوگی۔ روایت کہتی ہے کہ متی پندرہ برس تک فلسطین میں منادی کرتا رہا۔ پھر دوسرے علاقوں میں تبلیغ کرنے کو نکل گیا۔ عین ممکن ہے کہ ۳۰ء کے لگ بھگ اُس نے اپنے پیچھے انجیل کا ارامی مسودہ (یا مسیح کے ”مباحث“) چھوڑا ہو۔ یہ اُن یہودیوں کے لئے تھا جنہوں نے یسوع کو اپنا مسیح موعود مان لیا تھا اور بعد میں عالمگیر استعمال کے لئے یونانی ایڈیشن تیار کیا ہو۔ متی کے ہم عصر یوسٹس نے بھی اسی قسم کا کام کیا تھا۔ اس یہودی مصنف نے اپنی کتاب ”یہودی جنگیں“ کا پہلا

مُسودہ اِرامی زبان میں تیار کیا اور پھر حتمی کتاب یونانی میں لکھی۔

اس پہلی انجیل کی داخلی شہادتیں اس دیندار یہودی سے بہت موافقت رکھتی ہیں جو پرانے عہد نامے سے محبت رکھتا تھا اور جس کو خُدا نے احتیاط اور توجہ کے ساتھ تصنیف و تالیف کی نعمت سے نوازا تھا۔ وہ رومی حکومت کا سرکاری ملازم تھا۔ اس حیثیت سے وہ اپنی قوم کی زبان (ارامی) اور جاہلوں کی زبان (رومی) اپنی سلطنت کے مشرقی حصوں میں لاطینی نہیں بلکہ یونانی زبان استعمال کرتے تھے، دونوں میں دسترس رکھتا تھا۔ لہذا اعداد و شمار کی تفصیل، روپے پیسے سے متعلق تماشیل اور مالی اصطلاحات ایک محضول لینے والے کے ساتھ گہری مطابقت رکھتی ہیں۔ اسی طرح منظم اور اجمالی انداز بیان بھی مطابقت رکھتا ہے۔

انہی عالمگیر خارجی اور قوی داخلی شہادتوں کے باوجود آزاد خیال علماء کی اکثریت اس روایتی نظریہ کو رد کرتی ہے کہ محضول لینے والا متی اس انجیل کا مُصنّف ہے۔ وہ اس کی دُوجوہا پیش کرتے ہیں:

اول۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ضبط تحریر میں آنے والی پہلی انجیل مرقس کی انجیل ہے (آج کل بہت سے حلقوں میں اس نظریہ کو حتمی حقیقت سمجھا جاتا ہے) تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک رسول اور عینی شاہد مرقس کے مواد کا اس قدر استعمال کرے (مرقس کا ۹۳ فی صد مواد دوسری اناجیل میں موجود ہے)؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ مرقس کی انجیل سب سے پہلے لکھی گئی تھی۔ قدیم ترین شہادت کہتی ہے کہ متی کی انجیل کو اولیت حاصل ہے۔ اور چونکہ ابتدائی مسیحی زیادہ تر یہودی تھے، اس لئے یہ دلیل بہت وزن رکھتی ہے۔ لیکن اگر ہم مرقس کی مہینہ اولیت کو مان بھی لیں (اور اکثر اسخ الاعتقاد منتے بھی ہیں) تو متی یقیناً پہچان لیتا کہ مرقس کی تحریر (جیسا کہ قدیم روایت کہتی ہے) زیادہ تر خوشیلے اور سرگرم شمعون پطرس کی یادداشتوں پر مشتمل ہے کیونکہ پطرس متی کا ساتھی رسول تھا۔ (مرقس کا تعارف دیکھئے)۔

اس انجیل کے متی (یا کسی بھی عینی شاہد) کی تصنیف ہونے کے خلاف دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں واضح تفصیل کا فقدان ہے۔ مرقس کے بارے میں کوئی عالم بھی دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ مسیح کی خدمت کا عینی گواہ تھا مگر مرقس ایسی رنگین اور دل چسپ تفصیل درج کرتا ہے جن سے تاثر ملتا ہے کہ وہ خود موقع پر موجود تھا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک عینی

گواہ صرف واقعاتی انداز میں تحریر کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ محضول لینے والے کی شخصیت کا تقاضا ہی تھا۔ یہ لاوی ہمارے خداوند کے مباحث اور تعلیمات کو زیادہ جگہ دینا چاہتا ہے اس لئے بغیر ضروری تفصیل سے گریز کرتا ہے۔ یہ دلیل اُس صورت میں اور بھی وزنی ہوگی کہ اگر مرقس نے انجیل پہلے لکھی تھی تو متی نے دیکھ لیا ہوگا کہ پطرس کی ذاتی یادداشتوں کی بڑی عمدہ نمائندگی ہو چکی ہے۔

۳۔ سن تصنیف

وسیع حلقے یقین رکھتے ہیں کہ متی نے انجیل (یا کم سے کم یسوع کے مقولات کا مجموعہ) کا پہلا ایڈیشن ارامی زبان میں تیار کیا۔ اگر یہ درست ہے تو ۴۵ء یعنی یسوع مسیح کے صعود سے پندرہ برس بعد کی تاریخ قدیم روایت کے ساتھ بالکل موافقت رکھتی ہے۔ اس صورت میں وہ انجیل کا مکمل اور یونانی زبان کا مستند ایڈیشن ۵۰ء تا ۵۵ء یا کسی قدر اور تاخیر کے ساتھ پیش کر سکتا تھا۔

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ یہ انجیل یروشلم کی بربادی (۷۰ء) کے بعد لکھی گئی تھی۔ اس نظریہ کے پیچھے یہ بے اعتقادی کارفرما ہے کہ یسوع مستقبل کے واقعات کی تفصیلی پیش گوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ استدلالی نظریات بھی ہیں جو خدا کی طرف سے الہام کا انکار کرتے ہیں۔

۴۔ پس منظر اور موضوع

جب یسوع نے متی کو بلایا تو وہ جوان سال شخص تھا۔ وہ پیدائشی یہودی، تربیت اور پیشے کے اعتبار سے محضول لینے والا تھا۔ اُس نے مسیح کی خاطر سب کچھ ترک کر دیا۔ اس کے عوض اُسے مسیح کے بارہ شاگردوں میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ دوسرا اعزاز یہ ہے کہ اُسے وہ کتاب لکھنے کے لئے منتخب کیا گیا جسے ہم ”پہلی انجیل“ کہتے ہیں۔ عام خیال ہے کہ متی ہی لاوی ہے (مرقس ۲: ۱۴؛ لوقا ۵: ۲۷)۔

اپنی انجیل میں متی کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یسوع ہی بنی اسرائیل کا وہ مسیح موجود ہے جس کے وہ مدتوں سے منتظر تھے۔ اور وہی داؤد کے تخت کا واحد قانونی دعوے دار ہے۔

یہ کتاب مسیح کی زندگی کا مکمل اور جامع بیان ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ اس کا آغاز مسیح یسوع کے نسب نامے اور ابتدائی زندگی کے بیان سے ہوتا ہے۔ اس کے فوراً بعد یسوع کی عام خدمت کا بیان ہے جو اُس نے تقریباً تیس سال کی عمر میں شروع کی تھی۔ رُوح القدس کی راہنمائی اور ہدایت سے مسیحی اپنے نجات دہندہ کی زندگی اور خدمت کے اُن پہلوؤں کا انتخاب کرتا ہے جو تصدیق کرتے ہیں کہ وہ خدا کا مسوح ہے۔ رفتہ رفتہ کتاب اپنے نقطہء عروج کی طرف بڑھتی ہے اور خداوند یسوع کے مقدمہ اور پیشی، موت، تدفین، حیات اٹھنے اور صعود کا بیان سامنے آتا ہے۔ اور اسی نقطہء عروج میں انسان کی نجات کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اسی لئے اس کتاب کو انجیل (خوشخبری) کا نام دیا گیا ہے۔ اس لئے ہمیں کہ یہ اُس راہ کو متعین کرتی ہے جس پر چل کر بنی نوع انسان نجات حاصل کر سکتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ مسیح کی قرآنی اور کفارہ کے کام کا بیان کرتی ہے جس سے نجات ممکن ہوئی۔

ہمارا مقصد تفسیرِ کتاب کو جامع اور تکنیکی کتاب بنانا نہیں ہے بلکہ قاری کو خود غور و فکر اور مطالعہ کرنے کی تحریک دلانا ہے۔ سب سے بڑا مقصد قاری کے دل میں یہ تڑپ پیدا کرنا ہے کہ ”بادشاہ“ جلد دوبارہ آجائے۔

خاکہ

- ۱— مسیح موعود اور بادشاہ کا نسب نامہ اور پیدائش — باب ۱
- ۲— مسیح موعود اور بادشاہ کے ابتدائی سال — باب ۲
- ۳— مسیح موعود کی خدمت کے لئے تیاری اور خدمت کا آغاز — ایوای ۳، ۳
- ۴— بادشاہت کا آئین (دستور العمل) — ایوای ۵ تا ۷
- ۵— مسیح موعود کی قدرت اور فضل کے معجزات اور ان کے لئے مختلف رد عمل —
۸ تا ۹: ۳۳
- ۶— مسیح موعود اور بادشاہ کے رسولوں کو بنی اسرائیل کے پاس بھیجا جاتا ہے —
۹: ۳۵ تا ۱۰: ۲۲
- ۷— مخالفت میں اضافہ اور رد کیا جانا — ایوای ۱۱، ۱۲
- ۸— بنی اسرائیل کی طرف سے رد کئے جانے کے باعث بادشاہ بادشاہت کی ایک نئی عبوری صورت کا اعلان کرتا ہے — باب ۱۳
- ۹— مسیح موعود کے فضل کی فراوانی، جواب میں بڑھتی ہوئی دشمنی — ۱۳: ۱ تا ۱۶: ۱۲
- ۱۰— بادشاہ اپنے شاگردوں کو تیار کرتا ہے — ۱۶: ۱۳ تا ۱۷: ۲۷
- ۱۱— بادشاہ اپنے شاگردوں کو ہدایات دیتا ہے — ایوای ۱۸ تا ۲۰
- ۱۲— بادشاہ کا پیش کیا جانا اور رد کیا جانا — ایوای ۲۱ تا ۲۳
- ۱۳— کوہ زیتون پر بادشاہت کا مجسمت — ایوای ۲۳، ۲۵
- ۱۴— بادشاہ کا دکھ اٹھانا اور موت — ایوای ۲۶، ۲۷
- ۱۵— بادشاہ کی فتح — باب ۲۸

تفسیر

۱۔ مسیح موعود اور بادشاہ کا نسب نامہ اور پیدائش

(باب ۱)

۱۔ یسوع مسیح کا نسب نامہ (۱:۱-۱۷)

نئے عہد نامہ کو سرسری طور پر پڑھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ اس کا آغاز شجرۂ نسب جیسی خشک چیز سے کیوں ہوتا ہے۔ شاید کوئی شخص یہ نتیجہ بھی نکالے کہ ناموں کی اس فہرست سے کوئی اہم بات اخذ نہیں کی جاسکتی اور انہیں چھوڑ کر وہاں سے شروع کرے جہاں کچھ عمل و حرکت کا بیان ہے۔

لیکن یہ نسب نامہ ناگزیر ہے۔ یہ بعد کے سارے واقعات کی بنیاد ہے۔ اگر یہ ثابت نہ کیا جا سکے کہ یسوع داؤد کا آئینی جانشین ہے اور شاہی نسل سے تعلق رکھتا ہے تو یہ ثابت کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا شاہی مسیح موعود ہے۔ چنانچہ مثنیٰ وہیں سے شروع کرتا ہے جہاں سے شروع کرنا چاہئے تھا۔ یعنی اس دستاویزی ثبوت سے کہ اپنے سوتیلے باپ یوسف کے وسیع سے یسوع کو داؤد کے تخت کا آئینی حق وراثت میں بلا ہے۔

یہ نسب نامہ ثابت کرتا ہے کہ آئینی جانشین ہونے کے باعث یسوع بنی اسرائیل کا بادشاہ ہے۔ لوقا کی انجیل میں درج نسب نامہ ثابت کرتا ہے کہ اپنی ماں مریم کی معرفت یسوع نسلِ ابراہام سے ابنِ داؤد ہے۔ مثنیٰ نسب نامے کے بیان میں شاہی نسل کی پیروی کرتا ہے جو داؤد سے اُس کے بیٹے سلیمان سے چلی جو داؤد کے بعد بادشاہ ہوا جبکہ لوقا نسب نامے میں نحوی نسل کی پیروی کرتا ہے جو داؤد سے اُس کے دوسرے بیٹے ناتن سے چلی۔ مثنیٰ کا نسب نامہ یوسف پر ختم ہوتا ہے جس کا یسوع متبذنی بیٹا تھا جبکہ لوقا باب ۳ میں درج نسب نامہ غالباً مریم کے اجداد کا پتہ دیتا ہے اور یسوع اُس کا حقیقی بیٹا تھا۔

کوئی ایک ہزار سال پیشتر خدا نے داؤد کے ساتھ غیر مشروط معاہدہ کیا تھا اور اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تیری بادشاہی تا ابد قائم رہے گی اور تیری نسل ہمیشہ تک حکمران رہے گی (زبور ۸۹، ۴، ۳۶، ۳۷)۔ اب مسیح میں وہ عہد (وعدہ) پورا ہوا۔ وہ یوسف

کے وسیلے سے تخت کا آئینی وارث، اور مریم کے وسیلے سے داؤد کی حقیقی نسل ہے۔ چونکہ وہ ابد تک زندہ ہے اس لئے اُس کی سلطنت تا ابد قائم ہے اور وہ داؤد کے عظیم تر فرزند کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حکومت کرتا رہے گا۔ یسوع کی ذات میں اسرائیل کے تخت کے لئے دونوں دعوے (آئینی اور نسلی وراثت) یکجا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ وہ اب بھی زندہ ہے اس لئے اور کوئی دعوے دار ہو نہیں سکتا۔

۱۰:۱-۱۵۔ یہاں آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ ”یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ“۔ یہ فارمولا پیدائش ۱:۵ سے مشابہت رکھتا ہے کہ ”یہ آدم کا نسب نامہ ہے“۔ پیدائش کی کتاب ”آدم اول“ کو پیش کرتی ہے اور مئی کی کتاب ”آدم آخر“ کو۔ پہلا آدم پہلی یا جسمانی مخلوقات کا سر تھا، مسیح جو پچھلا آدم ہے، نئی یا روحانی مخلوقات کا سر ہے۔ اس انجیل کا موضوع ”یسوع مسیح“ ہے۔ ”یسوع“ نام اُس کو یہوداہ مہنجی کے طور پر پیش کرتا ہے اور لقب ”مسیح“ (مسیح کیا گیا یا مسوح) اُسے بنی اسرائیل کے مسیح موعود کے طور پر پیش کرتا ہے جس کا مدتوں سے انتظار ہو رہا تھا۔ ”ابن داؤد“ کا لقب پرانے عہد نامہ میں بادشاہ اور مسیح موعود دونوں حیثیتوں سے متعلق ہے اور ”ابن ابرہام“ کا لقب ہمارے خداوند کو اُس ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے جس میں بالآخر وہ سارے وعدے پورے ہوئے جو عبرانی قوم کے جد امجد کے ساتھ کئے گئے تھے۔

نسب نامہ تین تواریخی حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ ابرہام سے یسعی تک، دوسرا داؤد سے یوسیاہ تک اور تیسرا یونیاہ سے یوسف تک۔ پہلا حصہ داؤد تک لے آتا ہے، دوسرا حصہ سلطنت کے دور کا احاطہ کرتا ہے اور تیسرے حصے میں اسیری (۵۸۶ ق م و مابعد) کے دوران شاہی نسل کے تسلسل کے بیان کو محفوظ کیا گیا ہے۔

اس فہرست میں کئی دلچسپ خصوصیات ہیں۔ مثال کے طور پر اس میں چار عورتوں یعنی ”تمر، راحب، روت اور بت سبع“ (جو پہلے اور یاہ کی بیوی تھی) کا ذکر آتا ہے۔ مشرقی نسب ناموں میں کسی عورت کا ذکر شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ اس لئے ان عورتوں کا ذکر اور بھی حیرت افزا ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ ان میں سے دو (تمر اور راحب) کسبیاں تھیں۔ ایک (بت سبع) زمانہ کی مرتکب ہوئی تھی اور دو (راحب اور روت) غیر اقوام سے آئی تھیں۔ ان کو مئی کی انجیل کے تعارف میں شامل کرنے سے یہ لطیف اشارہ ملتا ہے کہ مسیح کی آمد سے گنہگاروں کو نجات ملے

گی، غیر قوموں پر فضل ہوگا اور رنگ و نسل اور جنس کی حد بندیاں ٹوٹ جائیں گی۔
اس فرست میں یونیاہ نامی بادشاہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔۔۔ ۲۲: ۳۰۔
یہ خدانے اس آدمی پر لعنت بھیجی تھی :

”خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس آدمی کو بے اولاد لکھو جو اپنے دنوں میں اقبال مندی
کا منہ نہ دیکھے گا۔ کیونکہ اس کی اولاد میں سے کوئی ایسا اقبال مند نہ ہوگا کہ داؤد
کے تخت پر بیٹھے اور یہوداہ پر سلطنت کرے۔“

اگر یسوع یوسف کا حقیقی بیٹا ہوتا تو یہ لعنت اُس پر بھی ہوتی۔ لیکن داؤد کے تخت
کے حق کا وارث ہونے کے لئے اُس کا یوسف کا قانونی بیٹا ہونا ضروری تھا۔ اس مسئلے
کو کنواری سے جنم کے معجزے سے حل کیا گیا۔ یسوع یوسف کے وسیلے سے تخت کا
قانونی وارث تھا اور مریم کے وسیلے سے وہ داؤد کا حقیقی بیٹا تھا۔ چونکہ مریم یونیاہ
کی نسل سے نہیں تھی اس لئے یونیاہ کی لعنت کا اُس پر اور اُس کی اولاد پر اطلاق
نہیں ہوتا۔

۱۶: ۱۔ ”جس سے“۔ اصل یونانی زبان میں یہ اسم ضمیر واحد اور مؤنث ہے جس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ یسوع مریم سے پیدا ہوا نہ کہ یوسف سے۔ نسب نامے کی ان دلچسپ خصوصیات
کے جلاوہ ان مشکلات کا ذکر بھی ہونا چاہئے جو اس کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔

۱۷: ۱۔ متی خصوصیت سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ نسب نامے میں
”پودہ چودہ پشتوں“ کے تین حصے ہیں۔ لیکن پیرانے عہد نامے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس
فرست میں کئی نام موجود نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر یورام اور عزریاہ (آیت ۸) کے درمیان
تین بادشاہوں اثزیاہ، یوآس اور امصیاہ نے حکومت کی (۲۔ سلاطین ابواب ۸-۱۳) اور
۲۔ تواریخ ابواب ۲۱-۲۵)۔

متی اور لوقا کے نسب نامے دو ناموں کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ یہ نام ہیں سیالیتی ایل
اور زربابل (متی ۱: ۱۲، ۱۳؛ لوقا ۳: ۳۷)۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایسا لگتا ہے
کہ مریم اور یوسف کی جدان دونوں پر اگر بل جاتی ہے اور پھر الگ الگ ہو جاتی ہے۔ یہ
مشکل اس لئے اور بھی بڑی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں انجیلی نویس زربابل کو سیالیتی ایل کا
بیٹا لکھنے میں عزرا ۳: ۲ کی پیروی کرنے میں جبکہ ۱۔ تواریخ ۳: ۱۹ میں اُسے فدا یاہ کا بیٹا

بیان کیا گیا ہے۔

تیسری مشکل یہ ہے کہ متی داؤد سے یسوع تک سناٹیس پشستیں شمار کرتا ہے جبکہ لوقا بیالیس پشستیں قرار دیتا ہے۔ اگرچہ انجیل نویس الگ الگ شجروں کے خاکے پیش کر رہے ہیں تو بھی عجیب معلوم ہوتا ہے کہ پشستوں کی تعداد میں اتنا فرق ہے۔

ان بظاہر اختلافات اور مشکلات کے بارے میں بائبل مقدس کے طالب علم کا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ اول۔ ہمارا بنیادی دعویٰ یہ ہے کہ بائبل مقدس خدا کا الہامی کلام ہے اس لئے ہر قسم کی غلطی سے مُبرّا ہے۔ دوم۔ کہ یہ کلام لاحقہ دوسرے اس لئے کہ ذات الہی کی لا محدودیت کو منعکس کرتا ہے۔ ہم کلام پاک کی بنیادی سچائیوں کو تو سمجھ سکتے ہیں مگر جو کچھ اس میں موجود ہے اُسے کامل طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں۔

چنانچہ ان مشکلات کے سلسلے میں ہم یہی نکتہ اخذ کرتے ہیں کہ مشکل یہ ہے کہ ہمارا علم ناقص اور محدود ہے۔ بائبل مقدس بے خطا ہے۔ بائبل مقدس کی یہ ظاہری مشکلات ہمیں چیلنج کرتی ہیں کہ گہرا مطالعہ کریں اور ان کے جواب تلاش کریں۔ ”خدا کا جلال راز داری میں ہے لیکن بادشاہوں کا جلال معاملات کی تفتیش میں“ (امثال ۲۵: ۲)۔

تاریخ دانوں کی گہری تحقیق اور ماہرین آثارِ قدیمہ کی دریافتیں ثابت نہیں کر سکیں کہ بائبل مقدس کے بیانات میں جھوٹ ہے۔ جو باتیں ہم کو مشکلات اور تضادات معلوم ہوتی ہیں، اُن کی معقول تشریحات اور تاویلات موجود ہیں اور یہ تاویلات روحانی اہمیت اور فائدہ سے بھری ہوئی ہیں۔

ب۔ یسوع مسیح مریم سے پیدا ہوا (۱۸: ۱-۲۵)

۱۸: ۱۔ ”یسوع مسیح کی پیدائش اُن تمام لوگوں کی پیدائش سے مختلف تھی جن کا ذکر نسب نامے میں آیا ہے۔ وہاں بار بار لکھا ہے کہ ”فُلاں سے فُلاں پیدا ہوا۔“ لیکن اب اُس پیدائش کا بیان درج ہوتا ہے جو غیر باپ کے ہوئی۔ اس معجزانہ ہیٹ میں پڑنے کے واقعات کو بڑی متانت اور سادگی سے بیان کیا گیا ہے۔ ”مریم“ کی منگنی ”یوسف“ سے ہو چکی تھی یعنی وعدہ وعید ہو چکا تھا کہ مریم کی شادی یوسف کے ساتھ ہوگی، لیکن تاحال شادی ہوئی نہیں تھی۔ نئے عہد نامہ کے زمانے میں منگنی آج کل کی نسبت بہت زیادہ پکی اور

منسبوت ہوتی تھی۔ اسے صرف طلاق ہی سے توڑا جاسکتا تھا۔ اگرچہ منسوب جوڑا شادی سے پہلے اکٹھا نہیں رہتا تھا، مگر بے وفائی کو زنا کاری مانا جاتا تھا جس کی سزا موت تھی۔

منگنی کے دوران ہی مریم ”رُوح القدس“ کے معجزے سے حاملہ پائی گئی۔ ایک فرشتے نے مریم کو اس واقعے کی خبر دے دی تھی کہ ”رُوح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی“ (لوقا: ۳۵)۔ شک اور بدنامی کے بادل مریم پر منڈلانے لگے۔ بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں کنواری سے کبھی کوئی جنم نہیں ہوا تھا۔ جب کوئی بے بیابھی عورت حاملہ ہو جاتی تو لوگوں کے نزدیک اس کا ایک ہی سبب ہوتا تھا۔

۱۹:۱۔ یوسفؑ کو بھی اپنی منگیتر کی حالت کے راز کا علم نہیں تھا۔ دو وجوہات کی بنا پر وہ مریم سے ناراض ہو سکتا تھا۔ ایک اس لئے کہ وہ بظاہر بے وفا نکلی اور دوسرا اس لئے کہ لوگوں کی نگاہ میں وہ خود بھی مورد الزام ٹھہرا۔ چونکہ اُسے اب بھی مریم سے محبت تھی اور وہ عدل کو بھی ٹھیس نہیں لگانا چاہتا تھا اس لئے وہ اُسے پھٹکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ اپنی منگیتر کو علانیہ بے عزتی سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

۲۰:۱۔ یہ نرم خور اور مدبّر شخص مریم کو ہر قسم کی بدنامی سے بچانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا کہ ”خداوند کے فرشتے نے اُسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد!...“ اُس کو یوسف ابن داؤد کے لقب سے مخاطب کرنے کا مقصد یقیناً یہ شعور بیدار کرنا تھا کہ تیرا تعلق شاہی نسب سے ہے۔ مزید براں اُسے بنی اسرائیل کے مسیح موعود بادشاہ کی آمد کے غیر معمولی واقعے کے لئے تیار کرنا بھی ایک مقصد تھا۔ اُسے مریم کے ساتھ شادی کرنے میں کسی قسم کی بے اعتباری اور ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ اُس کی پاکیزگی اور پاک دامنی کے بارے میں ہر قسم کا شک و شبہ بے بنیاد تھا۔ اُس کا حمل ”رُوح القدس“ کا ایک معجزہ تھا۔

۲۱:۱۔ اس کے بعد فرشتے نے اُس نیچے کی جو ابھی پیدا نہیں ہوڑا تھا، جنس، اُس کا نام اور مقصد زندگی بیان کیا۔ مریم کے بیٹا ہوگا۔ اُس کا نام یسوع (مطلب یہوداہ نجات ہے) یا یہوداہ منجی رکھنا ہوگا۔ اپنے نام کی مناسبت سے ”وہی اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے نجات دے گا“ یہ مقصد والا پتھر خود یہوداہ تھا جو اس دُنیا میں آیا تاکہ لوگوں کو گناہ کی سزا سے

اے خدا کے بھرتی نام ”یہوہ“ کی نقل لفظی ”یہوداہ“ ہے۔ روایتی طور پر اس کا ترجمہ ”خداوند کیا جاتا ہے۔“

بچائے اور گناہ کی قدرت سے رہائی دلائے ، بلکہ بالآخر گناہ کی موجودگی ہی سے آزادی دلائے ۔
 ۲۲:۱۔ جب متی ان واقعات کی روئیداد فلم بند کر رہا تھا اُسے پورا پورا احساس تھا کہ
 نسلِ انسانی کے ساتھ خدا کے سلوک کی تاریخ میں ایک نئے دور کی صبح طلوع ہو چکی ہے ۔ مسیح موعود کے
 بارے میں پیش گوئی کے الفاظ جو صدیوں سے سوئے پڑے تھے اب بیدار ہو چکے ہیں ۔ یسعیاہ کی
 مخفی نبوت اب مریم کے بیٹے میں پوری ہو چکی ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”یہ سب کچھ اس لئے ہوا
 کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو“ متی دعویٰ کرتا ہے کہ یسعیاہ کے الفاظ خدا کے
 الہام سے تھے ۔ خداوند نے نبی کی معرفت مسیح سے کم از کم ۷۰۰ سال پہلے کلام کیا تھا ۔

۲۳:۱۔ یسعیاہ ۷: ۱۴ کی نبوت میں متعدد باتیں شامل تھیں مثلاً بے مثال پیدائش (ایک
 کنواری حاملہ ہوگی) ، بچے کی جنس (بیٹا پیدا ہوگا) اور بچے کا نام (وہ اُس کا نام عموانوں رکھے گی) ۔
 متی اس نام ”عموانوں“ کے ساتھ اس کے مطلب کا اضافہ کرتا ہے کہ ”خدا ہمارے ساتھ“ ۔ ایسا
 کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ زمینی زندگی میں مسیح کو کبھی ”عموانوں“ کے نام سے پکارا گیا ہو ۔ اُس کو
 ہمیشہ ”یسوع“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۔ البتہ ”یسوع“ نام کے مطلب (آیت ۲۱ کی تفسیر
 ملاحظہ کریں) میں ”خدا ہمارے ساتھ“ کا مفہوم مضمر ہے ۔ ہو سکتا ہے ”عموانوں“ بھی مسیح
 کے لئے ایک خطاب ہو ، جو بنیادی طور پر اُس کی دوسری آمد کے موقع پر استعمال ہوگا ۔

۲۴:۱۔ فرشتے کی مداخلت پر یوسف نے مریم کو طلاق دینے کا ارادہ ترک کر دیا ۔ وہ یسوع
 کی پیدائش تک اُس کے ساتھ ملگنی کو تسلیم کرنا رہا ۔ یسوع کی پیدائش کے بعد اُس نے
 مریم کے ساتھ شادی کر لی ۔

۲۵:۱۔ بعض لوگ تعلیم دیتے ہیں کہ مریم تنہا کنواری رہی لیکن یہ آیت ثابت کرتی
 ہے کہ بعد میں اُن کے ازدواجی تعلقات قائم ہوئے ۔ دیگر حوالہ جات میں
 بھی ذکر ہے کہ یوسف سے مریم کی اولاد ہوئی ۔ دیکھئے متی ۱۲: ۴۶؛ ۱۳: ۵۵؛ ۵۶؛ مرقس
 ۶: ۳؛ یوحنا ۷: ۵۳؛ اعمال ۱: ۱۴؛ ۱۔ کرنتھیوں ۹: ۵ اور گلیتوں ۱: ۱۹ ۔

مریم کو یہوی قبول کرنے کے ساتھ اُس نے مریم کے بیٹے کو بھی اپنا متبنا بنالیا اور
 اس طرح یسوع داؤد کے تخت کا آئینی وارث بن گیا ۔ فرشتے کے حکم کی تعمیل میں اُس نے
 ”اُس کا نام یسوع رکھا“

موعودہ بادشاہ امیج کی پیدائش اس طرح ہوئی ۔ وہ ازلی ہستی وقت یا زمان میں

داخل ہوئی۔ تادمطلن نے ایک ننھے شیرخوار کی صورت اختیار کی۔ جلال کے خداوند نے اپنے جلال کو انسانی جسم کے نقاب سے ڈھانپ لیا۔ ”الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے“ (کلیسیوں ۲: ۹)۔

۲۔ مسیح موعود اور بادشاہ کی ابتدائی زندگی (باب ۲)

۱۔ مجوسی بادشاہ کو سجدہ کرنے آتے ہیں (۱۲: ۱-۱۲)

۲: ۱۱، ۱۲۔ مسیح کی پیدائش سے متعلقہ واقعات کی تواریخی ترتیب کے بارے میں الجھن کا شکار ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ آیت ایک سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ ہیروڈیس نے یسوع کو اُس وقت قتل کروانے کی کوشش کی جب مریم اور یوسف ابھی بیت لحم میں قیام پذیر تھے۔ لیکن متحدہ شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ ایک یا دو سال بعد کا ہے۔ آیت الیٰ میں مٹی کہتا ہے کہ مجوسیوں کی یسوع سے ملاقات ایک ”گھر“ میں ہوئی تھی۔ ہیروڈیس نے حکم دیا تھا کہ دو سال یا اس سے کم عمر کے لڑکوں کو قتل کیا جائے (آیت ۱۶)۔ اس حقیقت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی پیدائش کے بعد ایک غیر معینہ عرصہ گزر چکا تھا۔

ہیروڈیس اعظم عیسو کی نسل سے تھا اس لئے روایتاً یہودیوں کا دشمن تھا۔ اُس نے یہودیت کو قبول کر لیا تھا لیکن غالباً اُس کے پیچھے سیاسی مصلحت اور محرمات تھے۔ اُس کے دور حکومت کے آخری ایام تھے جب ”پورب سے مجوسی“ یہودیوں کے بادشاہ کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچے۔ شاید یہ افراد بت پرست کاہن تھے، جن کے رسم و رواج قدرتی عناصر کے گرد گھومتے تھے۔ اپنے علم و دانش اور مستقبل کے حالات دریافت کر لینے کی صلاحیت کے باعث اُن کو اکثر بادشاہوں کے مشیر مقرر کیا جاتا تھا۔ ہمیں کچھ علم نہیں کہ یہ مجوسی مشرق میں کہاں کے باشندے تھے، اُن کی تعداد کیا تھی اور سفر میں اُن کو کتنا عرصہ لگا۔

اُن کو ”بادشاہ“ کی پیدائش کی خبر ”پورب میں اُس کے ستارہ“ سے ملی اور وہ اُس کو سجدہ کرنے آئے۔ عین ممکن ہے کہ وہ مسیح موعود کی آمد کے بارے میں پُرانے عہد نامے کی پیش گوئیوں سے واقف تھے۔ شاید وہ بلعام کی اس پیش گوئی کو بھی جانتے تھے کہ ”یعقوب میں سے ایک ستارہ نکلے گا“ (گنتی ۲۴: ۱۷) اور انہوں نے اس کو ستر ہفتوں کی

اُس پیش گوئی کے ساتھ بلایا ہو جس میں مسیح کی پہلی آمد کے بارے میں بتایا گیا ہے (دانی ایل ۹: ۲۴، ۲۵)۔ لیکن زیادہ تر یہ قیاس بات یہی ہے کہ اُن کو یہ علم فوق الفطرت انداز میں میں پہنچا تھا۔

ستارے کے ظہور کے بارے میں متعدد سائنسی نشریات پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس وقت کرہ ہائے سماوی کا اجتماع ہوا تھا۔ لیکن اس ستارے کا مدار بالکل بے قاعدہ تھا۔ یہ مجوسیوں کے آگے آگے چل کر اُن کو یروشلم سے اُس گھر تک لے آیا جہاں یسوع کا قیام تھا (آیت ۹)۔ پھر وہ ٹھہر گیا۔ درحقیقہ... سب کچھ اتنا غیر معمولی تھا کہ اسے معجزہ ہی قرار دے سکتے ہیں۔

۲:۲- جب "ہیروڈیس بادشاہ" نے سنا کہ ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو یہودیوں کا بادشاہ بنے گا تو وہ "گھبرا گیا"۔ یہ بچہ اُس کی بے امن حکومت کے لئے خطرہ تھا۔ اس کے ساتھ یروشلم کے سب لوگ گھبرا گئے۔ وہ شہر جس کو ایسی خبر پر خوش ہونا چاہئے تھا، وہ ہر ایسی خبر سے گھبرا جاتا تھا جس سے اُس کی موجودہ حیثیت میں فرق آتا ہو، یا جس سے رومی حاکموں کے ناراض ہو جانے کا خدشہ ہو۔ حالانکہ ان غیر قوم حاکموں کو سخت ناپسند کیا جاتا تھا۔

۲:۲-۶ - ہیروڈیس نے یہودی مذہبی لیڈروں کو طلب کر لیا تاکہ معلوم کرے کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہئے؟ "سردار کاہنوں" سے سردار کاہن اور اُس کے بیٹے (اور غالباً گھرانے کے دیگر افراد بھی) مراد ہے۔ "قوم کے... فقیروں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذہبی راہنما تو نہیں تھے لیکن موسیٰ کی شریعت کے ماہر عالم تھے۔ وہ شریعت کو محفوظ رکھتے، اُس کی تعلیم دیتے اور سنہیڈرن (یہودیوں کی سب سے بڑی عدالت اور مذہبی مجلس) میں جج کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ان کاہنوں اور فقیروں نے فوراً میکاہ ۵: ۲ کا حوالہ دیا جو یہودیہ کے بیت لحم کی شناخت کرتا ہے کہ بادشاہ یہیں پیدا ہوگا۔ میکاہ کی نبوت کے متن میں اس شہر کو "بیت لحم افراتاہ" کہا گیا ہے۔ چونکہ فلسطین میں متعدد قصبے تھے جن کا نام "بیت لحم" تھا، اس لئے یہ حوالہ شناخت کرتا ہے کہ مذکورہ قصبہ افراتاہ کے علاقے میں ہے جو کہ یہوداہ کے قبیلے کی حدود میں ہے۔

۲:۷-۸ - "ہیروڈیس (بادشاہ) نے مجوسیوں کو بچکے سے بلا کر اُن سے تحقیق کی کہ

وہ ستارہ کس وقت دکھائی دیا تھا۔ یہ چپکے سے بلانا اُس کی جلا دانہ نیت کی چغلی کھاتا ہے۔ اگر وہ صبح بچے پر ہاتھ نہ ڈال سکا تو اُسے ایسی معلومات کی ضرورت پیش آئے گی۔ اپنی نیت کو چھپانے کی غرض سے وہ مجوسیوں کو اُس بچے کی تلاش میں بھیجتا اور اُن سے درخواست کرتا ہے کہ جب مل جائے تو مجھے خبر دینا۔

۹:۲۔ جب مجوسی روانہ ہو گئے تو ”جوستارہ اُنہوں نے پورب میں دیکھا تھا“ وہ دوبارہ نظر آنے لگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ستارے نے مشرق سے سارے راستے ان کی راہنمائی نہیں کی تھی۔ مگر اب وہ یقیناً اُن کی راہنمائی کرتا ہوا اُس گھر تک لے آیا ”جہاں وہ پچھ تھا“۔

۱۰:۲۔ یہاں خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے کہ مجوسی ستارے کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ یہ غیر قوم افراد تین دہی اور جاں فشانی سے مسیح کی تلاش کر رہے تھے۔ ہیرو دیس اُسے مار ڈالنے کے منصوبے بنائے بیٹھا تھا جبکہ کاپرنوں اور فقیہوں کو کوئی پروا نہیں تھی اور ہرولیم کے لوگ گھبرائے ہوئے تھے۔ ان رویوں سے پہلے سے ہی پتہ چلتا ہے کہ مسیح موعود کو بعد بعد میں کس طرح قبول کیا جائے گا۔

۱۱:۲۔ مجوسیوں نے اُس گھر میں داخل ہو کر بچے کو اُس کی ماں مریم کے پاس دیکھا۔ اُنہوں نے اُس کے آگے گر کر اُسے سجدہ کیا اور قہمتی نذرانے یعنی سونا، مر اور لبان اُس کو پیش لکے۔ غور کریں کہ اُنہوں نے یسوع کو اُس کی ماں کے پاس دیکھا۔ عام حالات میں ماں کا ذکر پہلے آتا ہے اور بچے کا بعد میں۔ مگر یہ بچہ یکتا اور بے مثال ہے چنانچہ اس کا ذکر پہلے آنا ضرور ہے (آیات ۱۳، ۱۴، ۲۰ اور ۲۱ بھی دیکھئے)۔ مجوسیوں نے یسوع کو سجدہ کیا۔ مریم یا یوسف کو نہیں (اس بیان میں یوسف کا کوئی ذکر نہیں، بہت جلد اس انجیلی بیان سے وہ بالکل ہی غائب ہو جائے گا)۔ یسوع ہی ہماری پرورش کا حق دار ہے۔ مریم یا یوسف قطعاً نہیں۔ مجوسیوں کے نذرانوں میں معنوں کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ ”سونا“ اُوہیت اور جلال کی علامت ہے۔ یہ اُس کی الہی ذات کی بے جلال کاملیت کا بیان کرتا ہے۔ ”لبان“ ایک مرہم یا خوشبو ہے اور بے گناہ زندگی کی کاملیت کی خوشبو کا پتہ دیتا ہے۔ ”مر“ ایک کڑوی جڑی بوٹی ہے۔ یہ اُن دکھوں کی آگاہی دیتا ہے جو وہ دنیا کے گناہوں کو اٹھانے کے سلسلے میں برداشت کرنے کو تھا۔ غیر قوم افراد کے یہ نذرانے ہمیں یسعیاہ ۶۰:۶ کی زبان و بیان کی یاد دلاتے ہیں۔

یسعیاہ نے پیش گوئی کی تھی کہ غیر تو میں ہیئے لے کر مسیح نو خود کی خدمت میں حاضر ہوں گی۔ مگر اُس نے صرف سونے اور لُبَان کا ذکر کیا ہے۔ ”... وہ ... سونا اور لُبَان لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔“ یسعیاہ نے ”مُر“ کا ذکر کیوں چھوڑ دیا؟ اس لئے کہ وہ مسیح کی آمد ثانی کا بیان کر رہا تھا جب وہ بڑی قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ آئے گا۔ اُس وقت مُر نہیں ہوگا کیونکہ اُسے دکھ نہیں اُٹھانے ہوں گے۔ لیکن متی مُر کو شامل کرتا ہے کیونکہ مسیح کی پہلی آمد اُس کے سامنے ہے۔ متی کی انجیل میں مسیح کے دکھوں کا بیان ہے جبکہ یسعیاہ میں اُس بڑے جلال کا جو بعد میں آئے گا۔

۱۲:۲۔ خُدا نے مجوسیوں کو خواب میں خبردار کر دیا کہ ہیرودیس کے پاس واپس نہ جائیں۔ چنانچہ وہ حکم مان کر ”دوسری راہ سے اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔“ جو شخص بھی سچے دل کے ساتھ یسوع کے ساتھ ملاقات کرتا ہے اسی راہ سے واپس نہیں آتا۔ یسوع کے ساتھ حقیقی ملاقات زندگی کو یکسر بدل ڈالتی ہے۔

ب۔ یوسُف، مریم اور یسوع مصر میں پناہ لیتے ہیں

(۲: ۱۳-۱۵)

۱۳:۱، ۱۳:۲۔ پیچھن ہی سے ہمارے خُداوند کے سر پر موت کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ صاف نظر آتا ہے کہ وہ مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا تھا۔ لیکن اُسے مقررہ وقت پر مرنا ضرور تھا۔ جو شخص بھی خُدا کی مرضی پر چلتا ہے، اُس وقت تک نہیں مَرتا جب تک اس کا کام مکمل نہ ہو جائے۔ ”خُداوند کے فرشتے نے یوسُف کو خواب میں“ خبردار کر دیا کہ اپنے خاندان کو لے کر ”مصر کو بھاگ جا“ ہیرودیس اپنا ”تلاش اور ہلاک“ کرنے کا مشن شروع کرنے کو تھا۔ یہ خاندان ہیرودیس کے غضب کے باعث ”پناہ گیر“ بن گیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کتنا عرصہ مصر میں رہے لیکن ہیرودیس کی موت سے اُن کی وطن واپسی کے راستے کھل گئے۔

۱۵:۲۔ یہاں پرانے عہد نامے کی ایک اور نبوت نے ”معانی میں پلٹی ہوئی نظر آتی ہے۔“ خُدا نے ہوسیع ”نبی کی معرفت کہا تھا“ کہ ”میں نے... اپنے بیٹے کو مصر سے بلا لیا“ (ہوسیع ۱۱:۱)۔ اپنے اصل سیاق و سباق میں اس کا اشارہ بنی اسرائیل کی مصر سے رہائی کی طرف تھا جو خروج کے موقع پر پایہ تکمیل کو پہنچی تھی۔ مگر اس بیان کا مطلب دُہرا ہے۔

کہ مسیح موعود کی تاریخ بھی بنی اسرائیل کے بالکل مُنشاہ ہوگی۔ یہ پیش گوئی مسیح کی زندگی میں پوری ہوئی۔ وہ مہصر سے اسرائیل میں واپس آیا۔

جب خداوند راستی کے ساتھ بادشاہی کرنے کو واپس آئے گا تو مہصر بھی اُن ممالک میں شامل ہوگا جو ہزار سالہ برکات میں شریک ہوں گے (یسعیاہ ۱۹: ۲۱-۲۵؛ صفیناہ ۲: ۲۹-۳۱؛ زبور ۶۸: ۳۱)۔ یہ قوم جو روایتی طور پر بنی اسرائیل کی دشمن ہے، اس پر ایسی ہیر پاتی کیوں؟ کیا یہ خدا کی طرف سے اُجر کی علامت ہے کہ اس مُلک نے خداوند یسوع کو پناہ دی تھی؟

ج۔ ہیرودیس بیت لحم کے بچوں کو قتل کرانا ہے

(۲: ۱۶-۱۸)

۱۶: ۲۔ جب جوہسی بادشاہ کے پاس واپس نہ گئے تو "ہیرودیس" کو احساس ہو گیا کہ بچے بادشاہ کو تلاش کرنے کی میری چال ناکام ہو گئی ہے اور جوہسی مجھے دھوکا دے گئے ہیں تو احمقانہ غصے اور طیش میں آکر اُس نے حکم صادر کیا کہ "بیت لحم اور اُس کی سب سرحدوں کے اندر کے اُن سب لڑکوں کو قتل" کر دیا جائے جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے۔ قتل ہونے والے بچوں کی تعداد کے اندازے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مُصنّف کی رائے میں تقریباً چھبیس بچے قتل ہوئے ہوں گے۔ تعداد کا سیکڑوں تک پہنچنا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔

۱۸: ۲۔ بچوں کے قتل کے بعد جو "رفنا اور بڑا ماتم" ہو، وہ "یرمیاہ نبی" کی نبوت کی تکمیل تھی کہ

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ رامہ میں ایک آواز سُناؤ دی۔ نوتر اور زار زار رونا۔

راہل اپنے بچوں کو رو رہی ہے۔ وہ اپنے بچوں کی بابت تسلی پذیر نہیں ہوتی کیونکہ

وہ نہیں ہیں" (یرمیاہ ۳۱: ۱۵)۔

نبوت میں "راہل" بنی اسرائیل قوم کی نمائندگی کرتی ہے۔ قوم کے غم کو راہل سے منسوب کیا گیا ہے جسے رامہ میں (بیت لحم کے نزدیک جہاں قتل عام ہوا تھا) دفن کیا گیا تھا۔ تصویر یہ ہے کہ جب غم زدہ والدین اُس کی قبر کے قریب سے گزرتے تھے تو گویا وہ بھی اُن کے ساتھ رو اور ماتم کر رہی ہے۔ اپنے نو عمر حریف کو ختم کرنے کی کوشش میں ہیرودیس کو حاصل تو

کچھ نہ پڑا، البتہ تاریخ میں بدنام اور بے عزت افراد کی فہرست میں اُس کا نام بھی شامل ہو گیا۔

د۔ یوسف، مریم اور یسوع ناصرت میں مستقل رہائش اختیار کرتے ہیں

(۲: ۱۹-۲۳)

ہیروڈیس کی وفات کے بعد ”خداوند کے فرشتے نے... یوسف کو“ یقین دلایا کہ اب وطن واپس جانے میں کوئی خطرہ نہیں۔ ”اسرائیل کے ملک“ میں واپس آنے پر یوسف نے سنا کہ ہیروڈیس کا بیٹا ”ارخلاؤس“ اپنے باپ ہیروڈیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے ”تو وہ اُس علاقے میں جانے سے ہچکچانے لگا۔ خدا نے ”خواب میں“ اُس کی تشویش اور خدشے کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ وہ شمال کی طرف ”گیلیل“ کے علاقے کو روانہ ہو گیا اور ناصرت نام ایک شہر میں جا بسا۔“

اس باب میں متی جو تھی دفعہ یاد دلاتا ہے کہ نبوت پوری ہوئی ہے۔ یہاں وہ کسی نبی

کا نام نہیں لیتا بلکہ صرف اذنا کرتا ہے کہ ”نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا“ کہ مسیح ”موسعود“ ناصری کہلائے گا۔“ پڑانے عہد نامے کی کسی آیت میں یہ بات براہ راست نہیں کہی گئی۔ بہت سے علما کا خیال ہے کہ یہاں متی نے یسعیاہ ۱۱: ۱ کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں مرقوم ہے کہ ”یسی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اُس کی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہوگی۔“ جس عبرانی

لفظ کا ترجمہ ”کونپل“ کیا گیا ہے، ”وہ نصر“ ہے۔ لیکن یہ تعلق دُور کی کوٹری لانے کے مترادف ہے۔ زیادہ بہتر تشریح یہ ہوگی کہ جو شخص بھی ناصرت میں رہتا تھا، ”وہ ناصری“

کہلاتا تھا۔ باقی لوگ اس قصبے کو تحقیر کی نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ تن ایل اسی بات کو اس مثالی سوال سے ظاہر کرتا ہے کہ ”کیا ناصرت سے کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے؟“ (یوحنا ۱: ۴۶)۔

اس ”غیر اہم“ قصبے کے ساتھ جو حقارت وابستہ تھی، وہ اُس کے باشندوں کے حصے میں بھی آتی تھی۔ چنانچہ جب آیت ۲۳ میں کہا گیا ہے کہ ”وہ ناصری کہلائے گا“ تو مطلب یہ ہے کہ اُس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک روا رکھا جائے گا۔ اگرچہ ہمیں کوئی نبوت نہیں ملتی کہ یسوع ناصری کہلائے گا لیکن ایک نبوت میں یہ ضرور کہا گیا ہے کہ ”وہ آدمیوں میں حقیر و مُردود“

(یسعیاہ ۵۳: ۳) ہوگا۔ ایک اور نبوت میں کہا گیا ہے کہ ”وہ انسان نہیں بلکہ کبیرا ہوگا جو سب آدمیوں میں انگشت نما اور حقیر ہوگا“ (زبور ۲۲: ۶)۔ چنانچہ اگرچہ نبیوں نے بالکل وہی

لفظ تو استعمال نہیں کئے تھے، لیکن انکار نہیں کیا جاسکتا کہ متعدد نمونوں کی رُوح یہی ہے۔
 بہت حیرت افزا بات ہے کہ جب تاجدارِ خدا اس زمین پر آیا تو اُسے ایک ملامت اور
 حقارت بھرا عرف دیا گیا۔ جو لوگ اُس کی پیروی کرتے ہیں اُن کا اعزاز ہے کہ اس میں بھی شامل
 ہوں (عبرانیوں ۱۳: ۱۳)۔

۳۔ مسیح موعود کی خدمت کے لئے تیاری اور خدمت

کا آغاز (ابواب ۳، ۴)

۱۔ یوحنا پتیسرہ دینے والا راہ تیار کرتا ہے (۱: ۳-۱۲)

باب ۲ اور ۳ کے درمیان اٹھائیس یا انتیس برس کا وقفہ ہے۔ اس وقفے کے واقعات
 کے بارے میں متنی کچھ نہیں کہتا۔ اس عرصہ کے دوران یسوع ناصرت میں تھا اور آنے والے
 کام کی تیاری کر رہا تھا۔ ان سالوں کے دوران اُس نے کوئی معجزہ نہ کیا لیکن خدا کی نظر میں کامل طور
 پر مقبول رہا (مستی ۲: ۱۷)۔ اس باب کے ساتھ ہم یسوع کی خدمت کے آغاز پر پہنچتے ہیں۔
 ۱: ۲-۳۔ یوحنا پتیسرہ دینے والا اپنے رشتہ کے بھائی یسوع سے چھ ماہ بڑا تھا
 (لوقا ۱: ۲۶، ۳۶)۔ اُس نے اسرائیل کے بادشاہ کے نقیب کی حیثیت سے تاریخ کی اسٹیج پر
 قدم رکھا۔ اُس کی غیر معمولی خدمت کا میدان ”یہودیہ کا بیابان“ تھا یعنی یروشلم سے دریائے
 یردن تک پھیلا ہوا خشک اور بنجر علاقہ۔ یوحنا کا پیغام یہ تھا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی
 بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ بادشاہ بہت جلد ظاہر ہونے کو ہے۔ لیکن وہ اُن لوگوں پر حکومت
 نہیں کر سکتا، نہ کرنا چاہتا ہے جو اپنے گناہوں سے چمٹے رہتے ہیں۔ ضرور ہے کہ وہ اپنا رخ بلوں
 اپنے گناہوں کا اقرار کر کے انہیں ترک کریں۔ خدا اُن کو تاریکی کی بادشاہی سے آسمان کی بادشاہی
 میں بلارہا ہے۔

آسمان کی بادشاہی

آیت دو میں پہلی دفعہ آسمان کی بادشاہی کے الفاظ آئے ہیں۔ اس انجیل میں اس

تشریح کو بتیس دفعہ استعمال کیا گیا ہے۔ مئی کی انجیل کو درست طور پر سمجھنے کے لئے اس تصور کا سمجھنا از حد ضروری ہے۔ اس لئے مناسب اور نمونوں ہے کہ یہاں اس اصطلاح کی وضاحت کی جائے۔

آسمان کی بادشاہی وہ علاقہ ہے جس میں خدا کی حکمرانی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ لفظ "آسمان" خدا کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا ثبوت دانی ایل ۴: ۲۵ سے ملتا ہے جہاں دانی ایل کہتا ہے کہ "حق تعالیٰ انسان کی مملکت میں حکمرانی کرتا ہے۔" اگلی آیت میں وہ کہتا ہے کہ "بادشاہی کا اقتدار آسمان کی طرف سے ہے۔" جہاں کہیں انسان خدا کی حکمرانی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں، وہاں آسمان کی بادشاہی موجود ہوتی ہے۔

آسمان کی بادشاہی کے دو پہلو ہیں۔ وسیع تر مفہوم میں اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اقرار کرتا ہے کہ میں خدا کو اعلیٰ ترین حاکم تسلیم کرتا ہوں، جبکہ محدود تر مفہوم میں اس میں صرف وہی افراد شامل ہیں جو حقیقت میں ایمان لائے ہیں۔ ہم اس بات کی وضاحت

دو ہم مرکز دائروں کی مدد سے کر سکتے ہیں۔ باہر کا حلقہ ہے۔ اس میں وہ سب شامل ہیں جو بادشاہ کی خالص رعایا ہیں اور وہ بھی جو اس کے حلیف اور وفادار صرف دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ بات بیچ بونے والے راہی کے دانے (مئی ۱۳: ۳۱-۳۲) اور خمیر (مئی ۱۳: ۳۳) کی

ظاہر ہوتی ہے۔ چھوٹے دائرے میں صرف وہی شامل ہیں جو خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے کے وسیلے سے نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اندرونی پہلو کے اعتبار سے آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان "پھرے" (مئی ۱۸: ۳) اور مسیح پر ایمان لائے۔

اس بادشاہی سے متعلقہ بائبل مقدس کے سارے حوالوں کو یکجا کرنے سے ہم جان سکتے ہیں کہ اس کے توارنجی ارتقا کے پانچ مراحل ہیں۔

اول۔ پیرانے عہد نامے میں اس بادشاہی کی "پیش گوئی" کی گئی تھی۔ دانی ایل نے نبوت کی کہ خدا ایسی بادشاہی قائم کرے گا جو کبھی نیست نہ ہوگی اور نہ اپنا اختیار اعلیٰ کسی دوسری قوم کے سپرد کرے گی (دانی ایل ۲: ۴۴)۔ اس نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ



یسوع آئے گا اور عالمگیر اور ابدی اختیار قائم کرے گا (دانی ایل: ۷: ۱۳، ۱۴، مزید ملاحظہ کریں۔ یرمیاہ ۲۲: ۶، ۷)۔

دوم۔ یوحنا۔ پینتیسرہ دینے والے، یسوع اور اُس کے بارہ شاگردوں نے بیان کیا کہ خدا کی بادشاہی نزدیک یا موجود ہے (متی ۳: ۲؛ ۴: ۱۷؛ ۱۰: ۷)۔ متی ۱۲: ۲۸ میں یسوع نے کہا کہ ”اگر میں خدا کے روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آ پہنچی۔“ پھر کوفنا ۱۷: ۲۱ میں اُس نے فرمایا کہ ”دیکھو، خدا کی بادشاہی تمہارے درمیان ہے۔“ یا تمہارے اندر ہے۔ یہ بادشاہی بادشاہ کی ذات میں موجود تھی۔ ہم آگے چل کر واضح کریں گے کہ ”خدا کی بادشاہی“ اور ”آسمان کی بادشاہی“ متبادل اصطلاحات ہیں۔

سوم۔ اس بادشاہی کا بیان ”عبوری“ انداز میں ہوا ہے۔ اسرائیلی قوم نے اُسے (بادشاہ کو) رد کر دیا تو وہ واپس آسمان پر چلا گیا۔ یہ بادشاہی آج بھی موجود ہے البتہ بادشاہ غیر حاضر ہے۔ جتنے بھی اُس کے بادشاہ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، یہ بادشاہی اُن سب کے دلوں میں موجود ہے اور پہاڑی وعظ سمیت اس کے اخلاقی اصولوں کا آج بھی ہم پر اطلاق ہوتا ہے۔ بادشاہی کی اس عبوری منزل کا بیان متی ۱۳ باب کی تمثیلوں میں کیا گیا ہے۔

چہارم۔ بادشاہی کا پچوتھا مرحلہ وہ ہے جسے ”ظہور“ کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ اس دنیا میں مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی کا دور ہے جس کی تصویر مسیح کی صورت بدل جانے کے واقعے میں نظر آتی ہے جب اُس کو اپنی آنے والی حکمرانی کے جلال میں دیکھا گیا (متی ۱: ۸-۱)۔ اس مرحلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے متی ۸: ۱۱ میں یسوع نے کہا کہ ”... بہتر ہے پُورب اور تپچکم سے اگر ابرہام اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی ... میں شریک ہوں گے۔“

پنجم۔ اس بادشاہی کا آخری مرحلہ ”ابدی یا ہمیشہ کی بادشاہی“ ہوگا۔ اس کا بیان ۲- پطرس ۱: ۱۱ میں ملتا ہے۔ ”... ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کی ابدی بادشاہی ...“۔ ”آسمان کی بادشاہی“ کی اصطلاح صرف متی کی انجیل میں استعمال ہوئی ہے جبکہ خدا کی بادشاہی کی اصطلاح چاروں انجیلوں میں ملتی ہے۔ درحقیقت ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، دونوں

کے لئے ایک سی باتیں کہی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر متی ۱۹: ۲۳ میں یسوع نے کہا کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور مرقس (۱۰: ۲۳) اور لوقا (۱۸: ۲۴) دونوں رقم طراز ہیں کہ یسوع نے یہی بات ”خدا“ کی بادشاہی کے بارے میں کہی۔ (مستی ۱۹: ۲۴) بھی دیکھئے، جس میں ویسے ہی مقولے کے لئے ”خدا کی بادشاہی“ استعمال کیا گیا ہے۔)

م نے اوپر ذکر کیا ہے کہ آسمان کی بادشاہی بیرونی پہلو اور اندرونی حقیقت رکھتی ہے۔ یہی بات خدا کی بادشاہی پر بھی صادق آتی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں اصطلاحات کا مطلب ایک ہی ہے۔ خدا کی بادشاہی میں بھی اصلی اور جعلی دونوں شامل ہیں یہ بات بیچ بونے والے (لوقا ۸: ۴-۱۰)، رائی کے دانے (لوقا ۱۳: ۱۸، ۱۹) اور خمیر (لوقا ۱۳: ۲۰-۲۱) کی تشبیہوں سے واضح ہوتی ہے جہاں تک اس کی حقیقی اور اندرونی حقیقت کا تعلق ہے خدا کی بادشاہی میں صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جو نئے برے سے پیدا ہوئے ہوں (یوحنا ۳: ۵)۔ اب ایک آخری نکتہ۔ بادشاہی سے مراد کلیسیا نہیں ہے۔ بادشاہی اُس وقت شروع ہوئی جب مسیح نے اپنی عام خدمت کا آغاز کیا۔ جبکہ کلیسیا بپتیسما کے دن شروع ہوئی (اعمال باب ۲)۔ اس دُنیا میں بادشاہی اُس دن تک جاری رہے گی جس دن یہ زمین نیست کی جائے گی جبکہ کلیسیا اس دُنیا میں ”فضائی استقبال“ (جب مسیح آسمان سے اترے گا اور سارے ایمانداروں کو آسمانی گھر میں لے جائے گا۔ ۱۔ تھیسلسنیکیوں ۴: ۱۳-۱۸) تک موجود رہے گی۔ مسیح کی آمدنی کے موقع پر کلیسیا اُس کے ساتھ واپس آئے گی اور اُس کی دلہن کی حیثیت میں اُس کے ساتھ بادشاہی کرے گی۔ فی الحال جو لوگ بادشاہی کی اصلی اور اندرونی حقیقت میں شامل ہیں وہ کلیسیا میں بھی شامل ہیں۔

۳: ۳۔ متی کے باب ۳ کی تفسیر کی طرف آتے ہوئے اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ یوحنا سے سات سو سال سے زیادہ پہلے یسعیاہ نے اُس کی خدمت کے بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ

”پکارنے والے کی آواز! بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کے لئے شاہراہ ہموار کرو“ (۳: ۳)۔

یہ آواز ”یوحنا تھا۔ روحانی معنوں میں اسرائیلی قوم ”بیابان“ تھی۔ خشک اور بخر۔ یوحنا نے پکار کر لوگوں سے کہا کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور انہیں ترک کرنے سے خداوند

کی راہ تیار کرو۔ اُس کے راستے سیدھے بناؤ۔ اپنی زندگیوں سے ہر وہ بات دور کرو جو اُس کی کامل حکمرانی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

۳:۴۔ پینتسمہ دینے والے کالیاس "اُونٹ کے بالوں" کا بنا ہوا تھا۔ آج کل اُونٹوں کے بالوں سے بننے والے نرم و ملائم کپڑے کی طرح کا نہیں، بلکہ ایک دیہاتی مزدور کا سا موٹا اور کھردرا لباس۔ وہ کمر بند بھی باندھتا تھا۔ یہ پوشاک ویسی ہی تھی جیسی ایلیناہ کی ہوتی تھی (۲۔ سلاطین ۱: ۸) اور ہوش مند یہودی اس لباس کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ یوحنا اور ایلیناہ کا مقصد ایک ہی ہے (ملاکی ۴: ۵؛ یوحنا ۱: ۱۷؛ مئی ۱۱: ۴؛ ۱۷: ۱۰-۱۱)۔ یوحنا "مڑیاں اور جنگلی شہد" کھاتا تھا۔ اُسے اپنے مشن سے اتنا لگاؤ تھا اور وہ اس میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ معمولی خوراک پر گزارا کرتا تھا۔ اُسے عام آسائشوں کی پروا نہ تھی۔ یوحنا کو اُن چیزوں اور باتوں کی قطعاً پروا نہ تھی جن پر عام لوگ جان دیتے ہیں۔ اُس سے ملاقات انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتی اور دل میں پچھندا لگا دیتی تھی۔ وہ روحانی سچائیوں میں اتنا مگن تھا کہ انسان اُس کے سامنے خود کو بے وقعت محسوس کرنے لگتا تھا۔ اُس کی خود انکاری اور ترک دنیا اپنے دور کے دنیا داروں کو مجرم ٹھہراتی تھی۔

۶:۵:۳۔ "یرشلیم اور سارے یہودیہ اور یردن کے گرد و نواح" سے لوگ جوق درجوق اُس کی باتیں سننے آتے تھے۔ کچھ لوگ اُس کے پیغام سے متاثر ہوتے اور "دربارے یردن میں اُس سے پینتسمہ" لیتے اور کہتے تھے کہ ہم آنے والے بادشاہ کے ساتھ پوری وفاداری اور اُس کی پوری تابع داری کرنے کو تیار ہیں۔

۷:۳۔ لیکن "فریسیوں اور صدوقیوں" کا معاملہ فرق تھا۔ جب وہ اُس کی باتیں سننے آتے تو یوحنا کو معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی نیت صاف نہیں۔ "فریسی" دعویٰ کرتے تھے کہ ہم شریعت کو دل و جان سے مانتے ہیں۔ لیکن باطن میں وہ نہایت بگڑے ہوئے، فرقت پرست اور ریاکار تھے۔ "صدوقی" گویا معاشرے کے "اشراف" تھے۔ مذہبی لحاظ سے شک پرست تھے۔ وہ بدن کی قیامت، فرشتوں کے وجود، رُوح کی بقا اور ابدی سزا جیسے بنیادی عقائد کے مُنکر تھے۔ اس لئے یوحنا نے دونوں فرقوں کو "سانپ کے بیچو" کہہ کر مذمت کی کیونکہ وہ "آنے والے غضب" سے بچنے کی خواہش کا صرف بہانہ کر رہے تھے مگر اُن میں سچی توبہ کے کوئی آثار نہ تھے۔

۸:۳۔ یوحنا نے اُن کو پھیلچ کیا کہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینا کہ وہ اور توبہ کے موافق پھیل لاؤ۔

جیسا کہ ہے۔ آرملر لکھتا ہے: اگر سچی توبہ صرف چند آنسو، پچھتاوے کی ایک جھڑپ جھڑپی یا ذرا سا ڈر ہی پیدا کرتی ہے تو بے سود ہے۔ ضرور ہے کہ جن گناہوں سے ہم توبہ کرتے ہیں اُن کو ترک کریں اور پاکیزگی کی نئی اور صاف ستھری راہوں پر چلیں۔

۹:۳۔ یہودیوں کو یہ خام خیالی ترک کر دینی چاہئے کہ ہمارا ابراہام کی نسل سے ہونا آسان کے لئے پاسپورٹ ہے۔ نجات کا فضل طبعی پیدائش سے منتقل نہیں ہوتا۔ خدا دریا تے یردن کے پتھروں سے ابراہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور یہ عمل فریسیوں اور صدوتیوں کو تبدیل کرنے سے کہیں آسان ہوگا۔

۱۰:۳۔ یوحنا کہتا تھا کہ ”درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔“ مطلب یہ تھا کہ خدا کی عدالت اور غضب کا کام شروع ہونے کو ہے۔ مسیح کی آمد اور موجودگی تمام انسانوں کو آزمائے گی۔ بے پھل نیست کے جائیں گے جیسے بے پھل درخت کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔

۱۲:۱۱، ۱۲۔ آیات ۷۔ ۱۰ میں یوحنا صرف فریسیوں اور صدوتیوں سے مخاطب تھا (دیکھئے آیت ۷) لیکن اب وہ تمام سامعین سے مخاطب ہے جن میں پُر خلوص اور بے خلوص سمی شامل ہیں۔ وہ وضاحت کرتا ہے کہ میری خدمت اور مسیح موجود جو کہ بہت جلد آنے والا ہے کی خدمت میں بہت نمایاں فرق ہے۔ یوحنا تو توبہ کے لئے پانی سے بہتسمہ دیتا تھا۔ پانی تو ایک رُومانی اور علامتی چیز ہے جس میں پاک صاف کرنے کی اہلیت نہیں۔ توبہ بے شک سچی بھی ہو، مگر انسان کو پوری نجات تک نہیں لاتی۔ یوحنا اپنی خدمت کو بڑی اور صرف تیاری کی خدمت سمجھتا تھا۔ مسیح موجود کے آنے پر یوحنا بالکل پیچھے ہٹ گیا کیونکہ وہ یوحنا سے زور آور ہے۔ وہ زیادہ لائق ہے۔ اُس کا کام بہت آگے تک جائے گا۔ وہ رُوح القدس اور آگ سے بہتسمہ دے گا۔

”رُوح القدس کا بہتسمہ“ اور آگ کا بہتسمہ دونوں ایک دوسرے سے الگ اور فرق ہیں۔ اول الذکر برکت کا بہتسمہ ہے اور مؤخر الذکر غضب کا۔ اول الذکر پنٹکُست کے وقت ملا تھا، مؤخر الذکر مُستقبل میں ملے گا۔ اول الذکر سے خداوندیسوع پر سچا ایمان لانے والے سارے ایماندار لطف اُٹھاتے ہیں، مؤخر الذکر سارے بے ایمانوں کا حصہ ہوگا۔ اول الذکر اُن اسرائیلیوں کے لئے تھا جن کا ظاہری بہتسمہ باطنی توبہ کا نشان تھا، مؤخر الذکر فریسیوں

اور صدوقیوں اور ان سب کے لئے ہے، جن میں سچی توبہ کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔
 بعض لوگ تعلیم دیتے ہیں کہ رُوح القدس کا پینتسمہ اور آگ کا پینتسمہ ایک ہی واقعہ ہیں، یعنی
 کیا آگ کا پینتسمہ ان آگ کے شعلوں کی سی زبانوں کی طرف اشارہ نہیں کرتا جو پینتسٹ پر رُوح
 القدس کے نزول کے وقت دکھائی دی تھیں؟ لیکن آیت ۱۲ میں آگ اور غضب کو ایک ہی چیز کہا
 گیا، اس کی روشنی میں مندرجہ بالا دلیل قابل قبول نہیں رہتی۔

آگ کے پینتسمے کا ذکر کرنے کے فوراً بعد یوحنا غضب کا ذکر کرتا ہے۔ تصویر یہ پیش کرتی
 ہے کہ خداوند ”جھاج“ استعمال کر رہا ہے اور ٹھوسے کو ہوا میں اڑا رہا ہے۔ ”گیموں“ کے دانے
 (ایماندار) سیدھے زمین پر گرتے ہیں اور وہ انہیں ”کھتے“ میں جمع کر لیتا ہے۔ ”ٹھوسے“ (بے
 ایمان) کو ہوا کچھ دور اڑا لے جاتی ہے اور وہ ”اُسے اُس آگ میں جلانے کا جو جھننے کی نہیں“
 آیت ۱۲ میں آگ کا مطلب غضب ہے۔ یہ آیت گیارہویں آیت کی صراحت کرتی ہے، اس
 لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا بجا اور مقول ہے کہ آگ کا پینتسمہ غضب کا پینتسمہ ہے۔

ب۔ یوحنا یسوع کو پینتسمہ دیتا ہے (۳: ۱۳-۱۴)

۱۳:۳۔ یسوع ”گلیل سے“ تقریباً ساٹھ میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے زریں ”یردن“ تک آیا،
 تاکہ ”یوحنا سے پینتسمہ“ لے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یسوع پینتسمے کی رسم کو کتنی اہمیت دیتا
 ہے۔ اور آج اُس کے پیروؤں کو بھی اس رسم کو یہی اہمیت دینی چاہئے۔
 ۱۵:۱۴۔ یوحنا کو پورا پورا احساس تھا کہ یسوع نے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ اُسے
 توبہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ اُس کو پینتسمہ دینے کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ اُس کا
 سچا وجدان کہتا ہے کہ درست ترتیب توبہ ہے کہ یسوع اُسے (یوحنا کو) پینتسمہ دے۔
 یسوع نے اس بات سے انکار نہیں کیا بلکہ صرف اپنی درخواست کو دہرایا کہ ”اسی طرح ساری
 راستبازی پوری کرنا مناسب ہے۔“ اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ پینتسمے میں اپنے آپ کو
 ان دیندار اسرائیلیوں کے مماثل دکھائے جو توبہ کا پینتسمہ لینے آتے تھے۔

لیکن ایک اور گہرا مطلب بھی ہے۔ پینتسمے کی رسم سے اُس نے ظاہر کیا کہ وہ کس طرح
 انسان کے گناہ کے بارے میں خدا کے تمام مطالبات کو پورا کرنے والا تھا۔ اُس کا پانی
 میں غوطہ لینا کلوری پر خدا کے غضب کے پانیوں میں پینتسمہ لینے کی مثال ہے۔ اُس

کا پانی سے باہر آنا اُس کے جی اُٹھنے کا عکس ہے۔ وہ اپنی موت، دفن اور قیامت سے خُدا کے انصاف کے سارے تقاضوں کو پورا کرنے کو تھا اور یوں وہ صادق بنیاد مہیا کرنے والا تھا جس سے گنہگار راستباز ٹھہرائے جانے کو تھے۔

۱۶:۳-۱۷:۱۔ جو نہی یسوع پانی کے پاس سے اُپر گیا اُس نے ”خُدا کے رُوح“ کو آسمان سے اُترتے اور اپنے اُپر آتے دیکھا جس طرح پرنے عہد نامے میں مسیح کرنے کے پاک تیل (خرچ: ۳۰: ۲۵-۳۰) سے انسانوں اور چیزوں کو مقدس مقاصد اور استعمال کے لئے پاک کیا جاتا تھا اُسی طرح اُسے رُوح القدس سے مسیح موعود کی خدمت کے لئے مسخ کیا گیا۔

یہ نہایت مبارک موقع تھا کیونکہ تثلیث کے تینوں اتانیم ظاہر ہوئے۔ ”پیارا بیٹا“ موجود تھا، ”کبوتر“ کی شکل میں ”رُوح القدس“ وہاں موجود تھا اور ”آسمان سے“ باپ کی آواز نے یسوع پر برکت کا اعلان کیا۔ یہ موقع اس لئے بھی یادگار ہے کہ خُدا کی آواز پاک صحائف کا اقتباس کرتی ہوئی سنائی دی کہ ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں“ (ذبورہ: ۲: ۷ اور لعیاح: ۴۲: ۱)۔ یہ اُن تین میں سے ایک موقع ہے جبکہ آسمان پر سے باپ نے بول کر اپنے بے مثال بیٹے سے خوش ہونے کا اعلان کیا (دوسرے دو موقعوں کا بیان مئی ۱۷: ۵ اور یوحنا ۲۸: ۱۲ میں درج ہے)۔

ج۔ یسوع شیطاں سے آزما یا جاتا ہے (۱: ۳-۱۱)

۱: ۳۔ یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ”رُوح“ یسوع کو آزمائے جانے کے لئے لے گیا۔ کیا وجہ تھی کہ رُوح القدس یسوع کو ایسے مقابلے یا تصادم کے لئے لے گیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ آزمائش اس لئے ضروری تھی تاکہ ثابت ہو جائے کہ یسوع اخلاقی اعتبار سے اُس کام کا اہل ہے جس کے لئے وہ دُنیا میں آیا ہے۔ پہلا آدم اختیار یا حکمرانی کے لئے اُس وقت نااہل ثابت ہوا جب باغ عدن میں اُس کا مقابلہ مخالف سے ہوا۔ یہاں پچھلا آدم ایلیس سے زبردست ٹکر لیتا اور فتح مند ہوتا ہے۔ اُسے قطعی کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ ”آزما“ کیا گیا ہے، اُس کے دو مطلب ہیں: (۱) آزما یا جانچنا (یوحنا: ۶: ۶؛ ۲۔ کرنتھیوں: ۱۳: ۵؛ عبرانیوں: ۱۱: ۱۷) (۲) بُرائی یا گناہ کی ترغیب دینا۔ رُوح القدس نے مسیح کو آزما یا جانچنا۔ ایلیس اُسے گناہ کرنے کی ترغیب دیتا رہا۔

ہمارے خداوند کی آزمائش کے ساتھ ایک گمراہ بھید وابستہ ہے۔ لامحالہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا وہ گناہ کر سکتا تھا؟ اگر جواب ”نہیں“ ہو تو اگلا سوال سامنے آتا ہے کہ اگر وہ آزمائش میں گر ہی نہیں سکتا تھا تو پھر یہ حقیقی آزمائش کیسے ہوئی؟ اگر جواب ”ہاں“ ہو تو ہمارے سامنے یہ مسئلہ آجاتا ہے کہ مجسم خدا کس طرح گناہ کر سکتا ہے!

یاد رکھنے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ یسوع مسیح خدا ہے اور خدا گناہ نہیں کر سکتا۔ یہ بھی حقیقت اور سچ ہے کہ وہ بشر ہے۔ لیکن اگر یہ کہیں کہ بحیثیت بشر وہ گناہ کر سکتا تھا اور بحیثیت خدا گناہ نہیں کر سکتا تھا تو ایسی صورت حال کھڑی کر دیتے ہیں جس کی کلام پاک کی رو سے کوئی بنیاد نہیں۔ نئے عہد نامہ کے مصنف اکثر مواقع پر مسیح کی بے گناہی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ پولس لکھتا ہے کہ وہ گناہ سے واقف نہ تھا (۲- کرنتھیوں ۵: ۲۱)۔ پطرس لکھتا ہے کہ ”نہ اُس نے گناہ کیا۔۔۔“ (۱- پطرس ۲: ۲۲) اور یوحنا رقم طراز ہے کہ ”اُس کی ذات میں گناہ نہیں“ (۱- یوحنا ۳: ۵)۔

ہماری طرح یسوع کی بھی باہر سے آزمائش ہو سکتی تھی۔ شیطان نے آکر اُس کو وہ مشورے دئے جو خدا کی مرضی کے خلاف ہیں۔ لیکن اُس کو اپنے باطن سے آزمائش نہیں آ سکتی تھی۔ اُس کے اندر کوئی گناہ آلودہ خواہشات یا شہوتیں پیدا نہیں ہو سکتی تھیں۔ علاوہ ازیں اُس کے اندر کوئی ایسی بات نہ تھی جو ابلیس کی ترغیبات کو قبول کرنی (یوحنا ۱۴: ۳۰)۔ اگرچہ یسوع گناہ نہیں کر سکتا تھا مگر آزمائش بالکل حقیقی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ گناہ کی ترغیبات اُس کے سامنے آئیں مگر اخلاقی لحاظ سے اُس کا گر جانا ممکن نہ تھا۔ وہ صرف وہی کام کر سکتا تھا جو باپ کو کرتے دیکھتا تھا (یوحنا ۵: ۱۹) اور یہ تو سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ باپ کو کبھی گناہ کرنے دیکھ سکتا ہے۔ وہ اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا تھا (یوحنا ۵: ۳۰) اور خدا اُسے ہرگز یہ اختیار نہیں دے سکتا تھا کہ آزمائش کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ آزمائش کا مقصد یہ دیکھنا نہیں تھا کہ وہ گناہ کر سکتا ہے یا نہیں بلکہ یہ ثابت کرنا تھا کہ سخت ترین دباؤ کے مقابلے میں بھی وہ سوائے خدا کے کلام کی تعمیل کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اگر بحیثیت بشر وہ گناہ کر سکتا تو مسئلہ یہ ہوتا کہ وہ آسمان میں اب بھی بحیثیت

انسان موجود ہے۔ کیا وہ اب بھی گناہ کر سکتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ نہیں۔“

۴: ۳۶۲۔ ”چالیس دن اور چالیس رات قافہ کر کے آخر کو اُسے (یسوع کو) بھوک لگی۔“

پاک صحائف میں چالیس کا عدد اکثر آزمائشوں یا آزمائشی عرصے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ طبعی بھوک نے ”آزمائے والے“ کو ایک اچھا موقع فراہم کر دیا۔ ایسی حالت میں وہ بہت سے لوگوں کو درغلانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اُس نے مشورہ دیا کہ یسوع اپنی مُعجزانہ قدرت کو استعمال کر کے بیابان کے ”پتھروں“ کو ”روٹیاں“ بنا لے۔ شروع کے الفاظ ”اگر تو خدا کا بیٹا ہے“ کا مقصد شک و شبہ کا اظہار کرنا نہیں۔ ان کا اصل مطلب ہے کہ ”چونکہ تو خدا کا بیٹا ہے“ ایلیس خدا کے اُن الفاظ کا حوالہ دے رہا ہے جو اُس نے پستے کے وقت یسوع کے بارے میں کہے تھے۔ وہ ایک یونانی ترکیب استعمال کرتا ہے جس میں مانا جاتا ہے کہ بیان بالکل سچا اور درست ہے۔ چنانچہ وہ یسوع کو لکارتا ہے کہ اپنی قدرت استعمال کر کے اپنی بھوک مٹا۔

شیطان کے کہنے پر اپنی الٰہی قدرت کو طبعی بھوک مٹانے کے لئے استعمال کرنا براہ راست خدا کی نافرمانی کے مترادف ہے۔ شیطان کے مشورے کے پیچھے پیدائش ۶: ۳ کی یہ بازگشت ہے کہ کھانے کے لئے اچھا ہے۔ ”یوحنا“ اس آزمائش کو ”جسم کی خواہش“ (۱۔ یوحنا ۲: ۱۶) کے زمرے میں رکھتا ہے۔ اس کے مطابق ہماری آزمائش یہ ہوتی ہے کہ طبعی خواہشات کو پورا کرنے کے پیچھے پڑے رہیں۔ خدا کی بادشاہی اور اُس کی راستبازی کو تلاش کرنے کی بجائے زندگی میں آرام و آسائش کی راہ اختیار کریں۔ ایلیس یہی کہتا رہتا ہے کہ ”آخر تمہیں زندہ بھی تو رہنا ہے کہ نہیں رہنا؟“

۴: ۴۔ یسوع نے آزمائش کا ”جواب“ خدا کے کلام سے دیا۔ ہمارے خداوند کے نمونے

سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہمیں زندہ ہی نہیں رہنا، بلکہ خدا کی فرمانبرداری کرنی ہے۔ زندگی میں سب سے اہم اور ضروری کام روٹی حاصل کرنا نہیں بلکہ ”ہر بات... جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے“ اُس کی تعمیل اور فرماں برداری کرنا سب سے اہم ہے۔ چونکہ یسوع کو

لے یہ شرط قطعی ہے کہ حالتِ بیانیہ کے ساتھ ei استعمال ہوتا ہے۔ سلیس زبان میں ”اگر تو خدا کا بیٹا ہے اور میں مانتا ہوں کہ تو ہے“ بہ الفاظ دیگر ”چونکہ تو خدا کا بیٹا ہے...“

یاب سے پتھروں کو روٹیاں بنانے کی ہدایت نہیں ملی تھی، اس لئے وہ اپنی مرضی کرنے اور شیطان کی بات ماننے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کی جھوک کتنی بھی شدید تھی، لیکن شیطان کی بات ہرگز ماننے کو تیار نہیں تھا۔

۴:۵، ۶۔ دوسری آزمائش یروشلیم میں "ہیکل کے گنگرے" پر آئی۔ ابلیس نے یسوع کو چیلنج کیا کہ اپنے آپ کو "بچھے گرا دے"۔ یہ تیرے خدا کا بیٹا ہونے کا شان دار مظاہرہ ہوگا۔ یہاں بھی جملے کا پہلا لفظ "اگر" شک کا مفہوم نہیں رکھتا۔ شیطان خدا کے اُس وعدے کا حوالہ دیتا ہے جس میں مسیح موعود کی محافظت کا بیان ہے (زبور ۹۱: ۱۲، ۱۱)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شک کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یسوع کے لئے آزمائش یہ تھی کہ ایک سنسنی خیز کرتب دکھا کر ثابت کر دے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ وہ بغیر دکھ اٹھائے جلال حاصل کر سکتا تھا۔ وہ صلیب سے کتر کر تخت تک پہنچ سکتا تھا۔ لیکن یہ کام خدا کی مرضی کے خلاف تھا۔ یوحنا ایسے کام کو "زندگی کی شیخی" (۱-یوحنا ۱۶:۲) کہتا ہے۔ یہ باخ عدن میں اُس درخت کی مانند ہے جو عقل بخشنے کے لئے خوب سپرائش لگتا ہے۔ یہ دونوں باتیں ہی خدا کی مرضی کو نظر انداز کر کے شخصی جلال حاصل کرنے کے مترادف ہیں۔ ہم پر یہ آزمائش اس صورت میں آتی ہے کہ مسیح کے دکھوں میں شریک ہوئے بغیر مذہبی شان اور نام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے لئے بڑی بڑی چیزوں کی خواہش کرتے ہیں مگر ذرا سی مشکل آتی ہے تو بھاگ کر چھپ جاتے ہیں۔ جب ہم خدا کی مرضی کو پس پشت ڈال دیتے اور اپنے آپ کو سر بلند کرتے ہیں تو خدا کو آزماتے ہیں۔

۴:۷۔ اب بھی یسوع نے پاک صحائف میں سے اقتباس پیش کر کے شیطان کے جملے کو ناکام بنا دیا۔ اُس نے کہا "لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر" دیکھئے استثنا ۱۶:۶)۔ خدا نے مسیح موعود کی محافظت کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن اس ضمانت کی پہلی شرط یہ ہے کہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ نافرمانی کر کے خدا کے وعدے کا دعویٰ دار بننا خدا کو آزمانا ہے۔ وقت آنے والا تھا جب آشکارا ہونا تھا کہ یسوع ہی مسیح موعود ہے لیکن اس سے پہلے صلیب کا آنا ضروری تھا۔ ضرور ہے کہ تخت سے پہلے قربانی کا مذبح آئے اور جلال کے تاج سے پہلے کانٹوں کا تاج آئے۔ یسوع اس بات پر قائم ہے کہ خدا کے وقت کا انتظار کرے اور اُس کی مرضی کو پورا کرے۔

۹۱۸:۳ - تیسری آزمائش کے لئے ابلیس یسوع کو ایک بھرت اُونچے پہاڑ پر لے گیا اور دُنیا کی سب سلطنتیں اور اُن کی شان و شوکت اُسے دکھائی۔ اور ایک سجدے کے عوض سب سمجھ اُسے دینے کی پیشکش کی۔ اگرچہ اس آزمائش کا تعلق ”سجدہ“ سے ہے جو کہ رُوح کا فعل ہے لیکن دراصل یہ ایک کوشش تھی کہ یسوع کو ماٹل کر لیا جائے کہ وہ شیطان کو سجدہ کر کے دُنیا پر شاہی اختیار حاصل کرے۔ سجدے کے صلے میں ”دُنیا کی سب سلطنتیں اور اُن کی شان و شوکت“ مل رہی تھی۔ یہ ہے آنکھوں کی خواہش (۱- یوحنا ۲: ۱۶)۔

ایک لحاظ سے فی الحال دُنیا کی سلطنتیں شیطان کی ملکیت ہیں۔ اُس کو ”اس جہان کا خدا“ (۲- کنھیوں ۴: ۴) کہا گیا ہے۔ اور یوحنا بیان کرتا ہے کہ ”ساری دُنیا اُس شرمیر کے قبضہ میں پڑی ہوئی ہے“ (۱- یوحنا ۵: ۱۹)۔ جب اپنی آمدنی کے موقع پر یسوع ”بادشاہوں کے بادشاہ“ (مکاشفہ ۱۹: ۱۶) کی حیثیت سے ظاہر ہوگا تو دُنیا کی بادشاہی اُس کی ہو جائے گی (مکاشفہ ۱۱: ۱۵)۔ یسوع خدا کے نظام اوقات کی خلاف ورزی نہیں کرنے کا اور شیطان کو ہرگز سجدہ نہیں کرنے کا۔ ہم پر آزمائش ڈو طرح سے آتی ہے۔ اول کہ اس دُنیا کی عارضی اور فانی شان و شوکت کے عوض اپنی روحانی پیدائشی میراث بیچ ڈالیں۔ دوم کہ خالق کی بجائے مخلوق کی پرستش اور اُسے سجدہ کریں۔

۱۰:۴ - تیسری دفعہ بھی یسوع نے پُرانے عہد نامے کو استعمال کر کے آزمائش کا مقابلہ کیا کہ ”تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔“ پرستش اور اُس سے پیدا ہونے والی خدمت صرف خدا کے لئے ہے۔ شیطان کو سجدہ کرنا اُسے خدا تسلیم کرنے کے برابر ہے۔

مٹی کی درج کردہ آزمائشوں کی ترتیب لوقا کی ترتیب (لوقا ۴: ۱-۱۳) سے مختلف ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ مٹی والی ترتیب بنی اسرائیل کی اُن آزمائشوں کی ترتیب سے مطابقت رکھتی ہے، جن کا سامنا انہیں بیابان میں چوڑا (خروج ابواب ۱۶، ۱۷، ۱۸)۔ یسوع نے ثابت کر دیا کہ مشکل کے وقت میرا ردِ عمل بنی اسرائیل کے ردِ عمل کے بالکل برعکس ہے۔

۱۱:۴ - جب یسوع نے پوری کامیابی کے ساتھ شیطان کی آزمائشوں کو رد کر دیا تب ”ابلیس اُس کے پاس سے چلا گیا“۔ آزمائشیں مسلسل بہاؤ کی صورت میں نہیں بلکہ لہروں کی

صورت میں آتی ہیں۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس موقع پر ”فرشتے آکر اُس کی خدمت کرنے لگے۔“ لیکن اس فوق الفطرت اعانت اور مدد کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ غالباً مطلب یہ ہے کہ فرشتوں نے وہ جسمانی غذا پہنچائی جس کا اُس نے شیطان کے کہنے پر اپنے لئے مہیا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

یسوع کی آزمائش سے ہم یہ سبق سیکھتے ہیں کہ ایلیس اُن لوگوں پر حملہ کر سکتا ہے جو رُوح القدس کے کنٹرول میں ہوتے ہیں لیکن جو خدا کے کلام کے ساتھ اُس کا مقابلہ کرتے ہیں وہ اُن کے سامنے بالکل بے بس ہوتا ہے۔

د۔ یسوع اپنی گلیلی خدمت شروع کرتا ہے (۱۲:۴-۱۷)

یسوع تقریباً ایک برس تک یہودیہ میں خدمت کرتا رہا مگر مئی اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اس ایک سال کے عرصے کا بیان یوحنا ۴:۴۷ میں کیا گیا ہے اور مئی ۱۱:۴ اور ۱۲:۴ کے درمیان آتا ہے۔ مئی آزمائش کے بعد فوراً گلیلی خدمت کا بیان کرتا ہے۔

۱۲:۴۔ ”جب اُس (یسوع) نے سنا کہ یوحنا پکڑا دیا گیا“ یعنی اُسے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے تو اُس نے سمجھ لیا کہ یہ میرے رد کے جانے کا ایک نشان ہے۔ لوگ بادشاہ کے پیش رو کو رد کرنے میں خود بادشاہ کو بھی رد کر رہے تھے۔ اب یسوع شمال میں گلیلی کے علاقے میں آگیا۔ مگر وہ کسی ڈر کے مارے بھاگ کر یہاں نہ آیا۔ دراصل وہ تو ہیروڈیس کی سلطنت کے مرکز میں جا رہا تھا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس نے یوحنا کو قید میں ڈال دیا تھا۔ اب وہ غیر قوموں کے گلیلی میں آگیا۔ اس طرح وہ ظاہر کر رہا ہے کہ جب یہودی مجھے رد کریں گے تو اس کے نتیجے میں انجیل کی خوشخبری غیر قوموں کے پاس چلی جائے گی۔

۱۲:۴۔ یسوع اُس وقت تک ”ناصرت“ میں رہا جب لوگ اُسے اس لئے مار ڈالنے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ غیر قوموں کے لئے نجات کا اعلان کرنا تھا (دیکھئے لوقا ۴: ۱۶-۳۰)۔ پھر وہ گلیلی کی جھیل کے قریب واقع ”کفر نحوم“ میں آگیا۔ اس علاقے میں شروع میں زبولون اور نفتالی کے قبیلے آباد تھے۔ اُس وقت سے لے کر کفر نحوم

اُس کا ہیڈ کوارٹر بن گیا۔

۱۳:۱۶- یسوع کے گلیل میں آنے سے یسعیہ ۱۰۹:۲ کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔
 ”گلیل“ میں بسنے والے جاہل اور توہم پرست ”غیر قوموں“ نے ”بڑی روشنی دکھی“ یعنی مسیح کو
 جو ”دنیا کا نور“ ہے۔

۱۴:۴- ”اُس وقت سے یسوع یوحنا“ والے پیغام کی منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ
 آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔“ یہ خدا کی بادشاہی کی خاطر اخلاقی بیداری کے لئے مزید
 بلاہٹ تھی۔ بادشاہی اس لحاظ سے نزدیک آگئی تھی کہ بادشاہ خود موجود تھا۔

۴۔ یسوع چار ماہی گروں کو بلاتا ہے (۱۸:۴-۲۲)

۱۸:۴، ۱۹- دراصل یہ دوسری مرتبہ تھی جب یسوع نے ”پطرس اور اندریاس“ کو بلایا۔
 یوحنا ۱:۳۵-۴۲ میں اُن کو نجات کے لئے بلایا گیا تھا، یہاں اُن کو خدمت کے لئے بلایا
 گیا ہے۔ پہلا واقعہ یہودیہ میں اور دوسرا (یعنی موجودہ) گلیل میں وقوع پذیر ہوا۔ پطرس
 اور اندریاس ”ماہی گیر“ تھے لیکن یسوع نے اُن کو ”آدم گیر“ بنانے کے لئے بلایا۔ اُن کی
 ذمہ داری تھی کہ مسیح کے ”پیچھے چلیں“۔ اور اُس کی ذمہ داری تھی کہ اُن کو کامیاب ”آدم گیر“ بنا
 دے۔ اُن کے مسیح کے ”پیچھے چلنے“ میں صرف جسمانی قربت ہی شامل نہ تھی بلکہ مسیح کے کردار کی
 تقلید کرنا بھی شامل تھا۔ اُن کی خدمت کر دار کی خدمت تھی۔ اُن کی باتوں اور کاموں
 سے زیادہ اہم اور ضروری بات یہ تھی کہ اُن کا کردار کیا ہے۔ پطرس اور اندریاس کی طرح ہمیں بھی
 اس آزمائش سے بچنا ہے کہ حقیقی روحانیت کی جگہ خوش گفتاری، شخصیت یا ممدہ دلیل بازی
 کو اولیت نہ دینے لگیں۔ مسیح کے ”پیچھے چلنے“ میں شاگرد وہاں جانا سیکھتا ہے جہاں مچھلیاں
 تیر رہی ہوں، وہ صحیح طعمہ استعمال کرنا سیکھتا ہے۔ وہ آرام اور آسائشوں سے خالی
 زندگی بسر کرنا سیکھتا ہے۔ وہ صبر کرنا اور پس پردہ رہنا سیکھتا ہے۔

۲۰:۴- پطرس اور اندریاس نے بلاہٹ کو سنا اور ”فورا“ جواب دیا۔ حقیقی ایمان
 کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے جاہل وہیں چھوڑ دیئے۔ حقیقی مخصوصیت اور
 جہاں نشاری کے ساتھ وہ یسوع کے ”پیچھے ہوئے“۔

۲۱:۲۲- اس کے بعد اسی طرح ”یعقوب اور یوحنا“ بلائے گئے۔ وہ بھی ”فورا“

شاگرد بن گئے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے ذریعہٴ معاش کو بلکہ "اپنے باپ" کو بھی وہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ یسوع تمام دنیاوی رشتوں اور بندھنوں پر سبقت رکھتا ہے۔ مسیح کی بلا ہٹ کو قبول کر کے یہ ماہی گیر دنیا کو انجیل سناتے کے کام میں کلیدی ہستیاں بن گئے۔ اگر وہ اپنے جالوں کو نہ چھوڑتے اور وہاں سے نہ ہٹتے تو ان کا نام ہم تک کبھی نہ پہنچتا۔ مسیح کی خداوندیت کو تسلیم کرنے ہی سے سارا فرق پڑتا ہے۔

و۔ یسوع بھرت سے بیماروں کو شفا دیتا ہے (۲: ۲۳-۲۵)
 خداوند یسوع کی تین طرح کی خدمت تھی۔ وہ "عبادت خانوں میں" خدا کے کلام کی تعلیم دیتا، بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور "ہر طرح کی بیماری --- دور کرتا رہا"۔ شفا دینے کے معجزوں کا ایک مقصد اُس کی ذات اور خدمت کی تصدیق کرنا تھا (عبرانیوں ۲: ۳، ۴)۔ ابواب ۵-۷۔ اُس کی تعلیم دینے کی خدمت کی مثال ہیں جبکہ ابواب ۹، ۱۰ میں اُس کے معجزات کا بیان ہے۔ ۲: ۲۳- آیت تیسس^{۳۳} میں نئے عہد نامے میں پہلی دفعہ لفظ "خوشخبری" استعمال ہوا ہے۔ اس اصطلاح کا مطلب ہے "نجات کی اچھی خبر"۔ دنیا کی تاریخ کے ہر دور میں صرف ایک ہی خوشخبری، نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔

انجیل کی خوشخبری

انجیل کی خوشخبری کا آغاز خدا کے فضل سے ہوتا ہے (افسیوں ۲: ۸)۔ مطلب یہ ہے کہ خدا گناہ آلودہ لوگوں کو جو اس کے اہل اور حق دار نہیں ابدی زندگی مفت دیتا ہے۔ خوشخبری کی بنیاد وہ کام ہے جو مسیح نے صلیب پر کیا (۱- کرنتھیوں ۱: ۱۵-۴)۔ ہمارے منجی نے خدا کے انصاف اور عدل کے سارے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور اب خدا ایمان لانے والے گنہگاروں کو راستباز ٹھہرا سکتا ہے۔ پُرانے عہد نامے کے ایمانداروں کو بھی مسیح کے کام کے وسیلے سے نجات ملی حالانکہ اُس وقت ابھی یہ کام مستقبل میں ہونے والا تھا۔ غالباً وہ ایماندار مسیح موعود کے بارے میں اتنا کچھ نہیں جانتے تھے مگر خدا تو جانتا تھا اور اُس نے مسیح کے کام کو پہلے سے ہی اُن سے منسوب کیا۔ ہم بھی مسیح کے کام کے وسیلے سے نجات پاتے ہیں لیکن ہمارے لئے یہ کام پہلے سے ہو چکا ہے۔

انجیل کا پیغام صرف ایمان سے قبول کیا جاتا ہے (افسیوں ۲: ۸)۔ پرنے عہد نامے میں لوگوں کو نجات اُن باتوں پر ایمان لانے سے ملتی تھی جو خدا نے بنائی تھیں۔ آج کے زمانے میں نجات خدا کی اُس گواہی پر ایمان لانے سے ملتی ہے جو اُس نے اپنے بیٹے کے حق میں دی ہے کہ نجات کا واحد راستہ صرف وہی ہے (۱- یوحنا ۵: ۱۲)۔ پرنے عہد نامے کے مقتدیین کی طرح (عبرانیوں ۱۱: ۱۰-۱۲، ۱۶) ہمیں بھی ابد تک آسمان میں رہنے کی امید ہے (۲- کرنتھیوں ۵: ۱-۱۰)۔ اگرچہ انجیل کی خوشخبری صرف ایک ہی ہے لیکن مختلف زمانوں میں اس کی خصوصیات مختلف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر بادشاہی کی خوشخبری اور فضل کی خوشخبری میں الگ الگ باتوں پر زور دیا گیا ہے۔ بادشاہی کی خوشخبری کہتی ہے کہ ”توبہ کرو اور مسیح موعود کو قبول کرو تو جب زمین پر اُس کی بادشاہی قائم کی جائے گی تم اُس میں داخل ہو گے“۔ فضل کی خوشخبری کہتی ہے کہ ”توبہ کرو اور مسیح کو قبول کرو تو تم آسمان پر اٹھائے جاؤ گے تاکہ ابد تک اُس کے ساتھ رہو“۔ بنیادی طور پر دونوں ایک ہی خوشخبری ہیں۔ ایمان کے وسیلے سے نجات۔ لیکن وہ ظاہر کرتی ہیں کہ خدا کے مقاصد کے تحت مختلف انتظامی دور ہوتے ہیں۔

جب مسیح بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا تھا تو وہ اپنے بحیثیت یہودوں کا بادشاہ آنے کا اعلان کرتا اور اپنی بادشاہی میں داخلے کی شرائط کی وضاحت کرتا تھا۔ اُس کے معجزات اُس کی بادشاہی کی صحت بخشن نوعیت کو ظاہر کرتے تھے۔

۲۴: ۲۵۔ ”اُس کی شہرت تمام سواریہ میں پھیل گئی“۔ سواریہ وہ علاقہ ہے جو اسرائیل

کے شمال اور شمال مشرق میں ہے۔ ہر قسم کے بیمار لوگ اور جن میں بَد رُوحیں تھیں اُس کی شفا بخش قوت کا تجربہ کرتے تھے۔ لوگ گلیل، دکینس (شمال مشرقی فلسطین میں دس شہروں کا ایک دفاعی) یروشلم، یہودیہ اور دریائے یردن کے پار کے مشرقی علاقے سے جوق در جوق اُس کے پاس آتے تھے۔ بی۔ بی۔ وارفلڈ لکھتا ہے کہ ”اس علاقے سے بیماری اور موت ایک مختصر عرصے کے

لے ”انتظام“ dispensation کے لیے مراد انتظام چلانا یا مختاری ہے۔ اس میں اُن طریقوں کا بیان ہوتا ہے جو خدا تاریخ کے کسی خاص دور میں نسل انسانی کے ساتھ معاملات کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس لفظ کا مطلب وقت کا عرصہ نہیں بلکہ کسی بھی دور میں خدا کا پروگرام ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں مغلوں کا انتظام حکومت، تو مراد ہوتی ہے وہ پالیسیاں جن پر مغل اپنے دورِ اقتدار میں کاربند رہے۔

لئے ناپود ہوگئی ہوگی، لہذا حیرانی کی بات نہیں کہ گلیں سے ملنے والی خبروں پر لوگ دنگ رہ جاتے تھے!

۴۔ بادشاہی کا آئین (آبواب ۵-۷)

یہ کوئی اتفاقی بات نہیں کہ پہاڑی وعظ کو نئے عہد نامے کے آغاز کے قریب رکھا گیا ہے۔ اس کے مقام سے اس کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں بادشاہ اس کردار اور عادات و اطوار کا خلاصہ پیش کرتا ہے جس کی توقع اس بادشاہی کی رعیت سے ہوتی ہے۔ یہ وعظ نجات کے منصوبے کو پیش نہیں کرتا اور نہ یہ غیر نجات یافتہ لوگوں کے لئے تعلیم ہے۔ اس کے مخاطبین شاگرد تھے (۵: ۱-۲) اور مقصد وہ آئین یا قوانین اور اصولوں کا وہ نظام پیش کرنا ہے جو بادشاہ کی حکمرانی کے دوران اس کی رعیت پر لاگو ہوں گے۔ یہ ماضی، حال اور مستقبل کے اُن تمام لوگوں کے لئے ہیں جو مسیح کو بادشاہ مانتے ہیں۔ جب یسوع اس دُنیا میں تھا تو اس آئین کا اُس کے شاگردوں پر براہ راست اطلاق ہوتا تھا۔ اب ہمارا خداوند آسمان میں بادشاہی کر رہا ہے تو اس کا اُن سب پر اطلاق ہوتا ہے جو اُسے اپنے دل میں تخت نشین کرتے اور بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور بالآخر یہ ”بڑی مصیبت“ کے زمانے میں اور زمین پر مسیح کی بادشاہی کے دوران مسیح کے پیروکاروں کے لئے ضابطہ حیات ہوگا۔

اس وعظ میں یہودی رنگ نمایاں ہے جیسا کہ ۵: ۲۲ میں یہودیوں کی کونسل (یعنی سنہیڈرن) اور قربان گاہ (۵: ۲۳، ۲۴) اور یروشلیم (۵: ۳۵) کا حوالہ دینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ یہ تعلیمات صرف ماضی یا مستقبل کے اسرائیلی ایمان داروں کے لئے ہیں۔ یہ ہر زمانے کے اُن لوگوں کے لئے ہیں جو یسوع مسیح کو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔

۱۔ مبارک بادیاں (۵: ۱-۱۳)

۲۴: ۱۔ پہاڑی وعظ کا آغاز مبارک بادلیوں سے ہوتا ہے۔ یہ مبارک بادیاں، مسیح کی بادشاہی کے مثالی شہری کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ یہ خصوصیات اُن خصوصیات کے بالکل الٹ ہیں جن کو دُنیا اہمیت دیتی ہے۔ اے۔ ڈیلویٹوڈر ان کے بارے میں

یوں کہتا ہے کہ نسل انسانی کی بہت دُرسِت تصویر پیش کرنے کے لئے ان مبارک باد یوں کو لو۔ انہیں اُلٹ دو اور جو اس سے واقف نہیں ہیں، اُن سے کہو یہ ہے تمہاری نسل انسانی۔“

۵:۳۔ پہلی مبارک بادی اُن کے لئے ہے جو دِل کے غریب ہیں۔ یہاں طبعی رُحمان یا میلان کی بات نہیں کی گئی بلکہ شعوری انتخاب کی بات ہے۔ ”دِل کے غریب“ وہ ہیں جو اپنی بے مائیگی اور ناچاری کو مانتے اور خُدا کی قُدرتِ کاملہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ان کو اپنی رُوحانی ضرورت اور محتاجی کا احساس ہوتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ خُداوند اُسے پورا کر سکتا ہے۔ ”آسمان کی باد شیلی“ (جہاں خُود کفالت کوئی خوبی نہیں اور خُود ستائی ایک گناہ ہے۔) ایسوں ہی کی ہے۔

۵:۴۔ ”مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں“ کیونکہ تسلی کے ایام اُن کے منتظر ہیں۔ یہاں وہ غم نہیں جو انقلاباتِ زندگی اور گردشِ زمانہ کے باعث سہنا پڑتا ہے بلکہ وہ غم ہے جس کا تجربہ خُداوند یسوع کے ساتھ رفاقت رکھنے کے باعث ہوتا ہے۔ اس سے مراد دُنیا کی تکالیف اور گناہ کے دکھ کو محسوس کرنے میں یسوع کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ اس لئے اس میں نہ صرف اپنے گناہ کا غم بلکہ دُنیا کی زبوں حالی کا غم، دُنیا کے نجات دہندہ کو رد کرنے کا غم اور اُس کے رحم کو رد کرنے والوں کے حشر کا غم بھی شامل ہے۔ ان غمگین اور ماتم کرنے والے لوگوں کو آئندہ ایام میں تسلی ملے گی۔ اُس روز خُدا اُن کی آنکھوں کے سب آنسو پونچھ دے گا (مکاشفہ ۴۱:۴)۔

ایماندار اسی جہان میں ہی غموں اور دکھوں کو پورا کر لیں گے جبکہ بے ایمانوں کے لئے آج کا غم ابدی غم کا صرف ایک عکس ہے۔

۵:۵۔ تیسری مبارک بادی حلیموں کے لئے ہے کہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ طبعی طور پر یہ لوگ متلون مزاج، جذباتی اور تشرش رُو ہوں لیکن مسیح کے رُوح کے تابع ہونے سے وہ ”حلیم“ اور فروتن ہو جاتے ہیں (بمقابلہ مئی ۱۱: ۲۹)۔ حلیم کا مطلب ہے اپنے آپ کو ناچیز اور خاکسار مان لینا۔ ”حلیم“ شخص اگرچہ دوسروں کے دفاع اور خُدا کی خاطر شیر بر ہوتا ہے مگر جب اُس کے اپنے حق کا سوال ہو وہ نرم مزاجی اور بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اس وقت حلیم زمین کے وارث نہیں ہیں لیکن جب بادشاہ مسیح آکر زمین پر ہزار سال تک بادشاہی کرے گا تو امن اور خوش حالی کا دور دورہ ہوگا۔ اُس وقت حلیم صحیح

معنوں میں ”زمین کے وارث ہوں گے“۔

۶: ۵۔ اگلی مبارک بادی اُن کے لئے ہے جو ”راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں“۔

اُن کے لئے آسودگی کا وعدہ ہے۔ یہ لوگ اپنی زندگیوں میں راستبازی کا دلولہ اور شوق رکھتے ہیں۔ وہ معاشرے میں دیانت داری، ایمان داری اور عدل و انصاف دیکھنے کے دلدارہ ہوتے ہیں۔ وہ کلیسیا میں عملی پاکیزگی دیکھنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ اُن کی پیاس کو دنیوی ندیاں نہیں بجھا سکتیں۔ اُن کی بھوک صرف مسیح کو کھانے سے آسودہ ہوتی ہے۔ یہ لوگ مسیح کی آنے والی بادشاہی میں کامل طور سے آسودہ ہوں گے کیوں کہ راستبازی حکمران ہوگی اور بدی کی جگہ اعلیٰ ترین اخلاقی معیار قائم ہوں گے۔

۷: ۵۔ ہمارے خداوند کی بادشاہی میں ”رحمِ دل“ لوگ مبارک ہوں گے کیونکہ اُن پر رحم

کیا جائے گا۔ رحمدل ہونے کا مطلب ہے عملی طور پر ہمدرد اور دردمند ہونا۔ ایک

لفظ سے مطلب یہ ہے کہ جو سزا کے حق دار ہوں اُن کو سزا نہ دینا۔ وسیع تر مفہوم یہ ہے

کہ اُن حاجت مندوں کی مدد کرنا جو اپنی مدد خود نہیں کر سکتے۔ خدا نے ہم پر وہ غضب

نازل نہیں کیا جس کے ہم اپنے گناہ کی وجہ سے حق دار تھے۔ یوں اُس نے مسیح کے کام کے

دریچے سے ہم کو تیس اور رحم دکھایا۔ جب ہم رحمدل ہوتے ہیں تو خدا کی تقلید کرتے ہیں۔

رحمِ دلوں پر ”رحم کیا جائے گا“۔ یہاں یسوع نجات کے رحم کی بات نہیں کر رہا جو

خدا ایمان لانے والے گنہگار پر کرتا ہے۔ اس رحم کا انحصار کسی انسان کے رحمِ دل ہونے

پر نہیں بلکہ یہ مہفت اور غیر مشروط بخشش ہے۔ لہذا یہاں مسیح اُس روزمرہ رحمِ دل

کی بات کر رہا ہے جو مسیحی زندگی کے لئے درکار ہے اور مستقبل کے اُس ”رحم“ کی طرف اشارہ

ہے جب انسان کے اعمال کو آزمایا جائے گا (۱۔ کرنتھیوں ۳: ۱۲-۱۵)۔ جس شخص نے رحم

نہیں کیا اُس پر رحم نہیں کیا جائے گا یعنی انسان کا اجر اسی نسبت سے کم ہو جائے گا۔

۸: ۵۔ ”پاکِ دل“ لوگوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ ”وہ خدا کو دیکھیں گے“۔ پاکِ دل

انسان وہ ہوتا ہے جس کی نیتِ خالص اور ارادے نیک ہوں۔ جس کے خیالات صاف اور

ضمیر پاک ہو۔ ”وہ خدا کو دیکھیں گے“، ان الفاظ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں۔ اول۔ ”پاکِ

دل“ لوگ اب بھی پاک روح کی مدد سے پاک نوشتوں میں خدا کو دیکھتے ہیں۔ دوم۔ کبھی کبھی

اُن کو فوق الفطرت ظہور یا رویا نظر آتی ہے جس میں وہ خداوند کو دیکھتے ہیں۔ سوم۔ جب

یسوع دوبارہ آئے گا تو وہ اُس کی ذات میں ”خدا کو دیکھیں گے“۔ چہاں۔ وہ آسمان میں ”خدا کو دیکھیں گے“۔

۹:۵۔ اب جو ”صلح کرانے“ ہیں اُن کے لئے مبارک بادی کا اعلان ہوتا ہے کہ وہ خدا کے بیٹے کھلائیں گے۔ غور کریں کہ خداوند اُن لوگوں کی بات نہیں کر رہا جو صلح کُلی مزاج رکھتے ہیں یا جو امن اور صلح سے محبت رکھتے ہیں۔ عام رویہ یہ ہے کہ لوگ دُور کھڑے ہو کر لڑائی جھگڑے کو دیکھتے رہتے ہیں۔ الہی یا روحانی رویہ عملی قدم اُٹھانے اور صلح کرانے کا ہے خواہ اس میں گالیاں کھانی پڑیں اور شدید الزامات کا شکار ہونا پڑے۔

صلح کرانے والوں کو ”خدا کے بیٹے“ کہا گیا ہے۔ وہ اس طرح خدا کے بیٹے بنتے نہیں۔ یہ کام تو صرف یسوع مسیح کو اپنا منجی قبول کرنے سے ہوتا ہے (یوحنا ۱:۱۲)۔ صلح کرانے سے ایماندار دکھاتے ہیں، ثابت کرتے ہیں کہ ہم ”خدا کے بیٹے“ ہیں۔ اور وہ دن آتا ہے جب خدا تسلیم کرے گا کہ یہ میرے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۰:۵۔ اگلی مبارک بادی کا تعلق اُن لوگوں سے ہے جو اپنی خطاؤں اور غلطیوں کی خاطر نہیں بلکہ ”راستبازی کے سبب سے ستائے“ جاتے ہیں۔ جو ایماندار نیکی کرنے کی وجہ سے دکھ پاتے ہیں، اُن کے ساتھ وعدہ ہے کہ ”آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے“۔ اُن کی دیانت داری اور ایمان داری دنیا کو ملزم ٹھہراتی ہے اس لئے دنیا اُن کی دشمن ہو جاتی ہے۔ لوگ راست باز زندگی سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ وہ اُن کی اپنی ناراستی کو بے نقاب کر دیتی ہے۔

۱۱:۵۔ لگتا ہے کہ آخری مبارک بادی میں صرف گزشتہ مبارک بادی کو دہرایا گیا ہے۔ لیکن اس میں ایک فرق ہے۔ گزشتہ آیت کا موضوع ہے راست بازی کے سبب سے ستایا جانا۔ یہاں موضوع ہے ”مسیح کی خاطر“ ستایا جانا۔ خداوند جانتا تھا کہ میرے ساتھ تعلق اور وفاداری کے سبب سے میرے شاگردوں کو ستایا جائے گا۔ تاریخ نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے۔ شروع ہی سے دنیا مسیح یسوع کے پیروؤں کو ستاتی، جیلوں میں ڈالتی اور جان سے مار ڈالتی آ رہی ہے۔

۱۲:۵۔ مسیح کی خاطر ستایا جانا ایک اعزاز ہے اور خوشی کا باعث ہونا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح مصیبت اور دکھ کو اور ستائے جانے میں ”نبیوں“ کے ساتھی بنتے ہیں، ایک ”بڑا اجر“ اُن کا منتظر ہے۔ پرانے عہد نامے میں خدا کی طرف سے بولنے والے ہر طرح کے دکھ اور

ستائے جانے کے باوجود ثابت قدم رہتے تھے۔ جتنے اُن کی وفاداری اور ہمت و ہرأت کی پیروی کرتے ہیں، وہ اُن کی موجودہ شادمانی اور مستقبل کی سرفرازی میں شریک ہوں گے۔ مبارک بادیاں مسیح کی بادشاہی کے شمالی شہری کو پیش کرتی ہیں۔ راستبازی (آیت ۶)، صلح (آیت ۹) اور شادمانی یا خوشی (آیت ۱۲) پر خاص غور کریں۔ غالباً پوکس کے ذہن میں یہی باتیں تھیں جب اُس نے لکھا کہ ”خدا کی بادشاہی کھانے پینے پر نہیں بلکہ راستبازی اور میل ملاپ اور اُس خوشی پر موقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے“ (رومیوں ۱۴: ۱۷)۔

ب۔ ایماندار نمک اور نور ہیں (۵: ۱۳-۱۶)

۱۳: ۵۔ یسوع نے اپنے شاگردوں کو ”نمک“ سے تشبیہ دی۔ وہ دُنیا کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے روزمرہ زندگی میں نمک ہوتا ہے۔ نمک کھانے کو مزیدار کرتا ہے۔ وہ بگاڑ کو پھیلنے سے روکتا ہے۔ پیاس پیدا کرتا ہے۔ وہ کسی چیز کے مزے کو نکھار دیتا ہے۔ اسی طرح مسیح کے شاگرد مٹھا شرے میں اچھی باتوں کی بھوک پیاس پیدا کرتے ہیں۔ نیک روایتوں کو محفوظ رکھتے ہیں اور دوسروں کے دلوں میں اُس راست بازی کی تمنا پیدا کرتے ہیں جس کا بیان اُوپر کی آیات میں ہوا ہے۔

”اگر نمک کا مزہ جاتا رہے“ تو اس کی نمکینی کس طرح بحال کی جاسکتی ہے؟ اصلی، حقیقی اور طبعی مزے کو بحال کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ ایک دفعہ مزہ جاتا رہے تو وہ نمک کسی کام کا نہیں رہتا۔ اس کو راہ میں پھینک دیتے ہیں۔ ایلمنٹل بارنز اس سلسلے میں بہت معقول تبصرہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”اس نمک میں استعمال ہونے والا نمک ایک کیمیائی مرکب ہے۔ اگر اس کی نمکینی یا اس کا مزہ جاتا رہے تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ لیکن مشرقی ملکوں میں جو نمک استعمال ہوتا تھا، وہ خالص نہیں ہوتا تھا۔ اُس میں نباتاتی اور جماداتی اجزا یعنی مٹی وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ یوں اگر اُس کی ساری نمکینی بھی جاتی رہتی تو بھی کافی مقدار بے مزہ نمک) باقی رہ جاتی تھی۔ پھر یہ کسی کام کا نہیں رہتا تھا بلکہ جیسا کہا گیا ہے اُسے راستے میں پھینک دیتے تھے جس طرح ہم روشوں پر مٹی ڈال دیتے ہیں“

شاگرد کی ایک بھرت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ مبارک بادوں میں مذکور شاگردیت کی شرائط اور باقی وعظ میں بیان کردہ خوبیوں کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے ”زمین کا نمک“ ثابت ہو۔ اگر وہ اس روحانی حقیقت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر رہتا ہے تو لوگ اُس کی گواہی کو پاؤں تلے روند ڈالیں گے۔ جس ایمان دار میں خصوصیت نہیں، لوگوں کے دلوں میں اُس کے لئے سوائے حقارت اور نفرت کے کچھ نہیں ہوتا۔

۱۲:۵۔ یسوع مسیحوں کو ”دنیا کے نور“ بھی قرار دیتا ہے۔ اُس نے اپنے بارے میں بھی کہا کہ ”دنیا کا نور میں ہوں“ (یوحنا ۸: ۱۲؛ ۱۲: ۳۵، ۳۶، ۳۷)۔ ان دونوں بیانیوں میں تعلق یہ ہے کہ یسوع نور کا منبع و سرچشمہ ہے اور مسیحی اُس نور کا عکس ہیں۔ ان کا کام ہے کہ اُس کے لئے چمکیں جس طرح کہ چاند سورج کی روشنی اور جلال کو متعکس کرتا ہے۔

مسیحی اُس شہر کی مانند ہوتا ہے جو پہاڑ پر بسا ہو۔ وہ اپنے گرد و نواح سے بلند تر سطح پر ہوتا ہے اور تاریکی میں چمکتا ہے۔ جن لوگوں کی زندگیوں سے مسیح کی تعلیم کے خصائص ظاہر ہوتے ہیں، وہ ”چھپ نہیں سکتے“

۱۶:۱۵، ۱۶۔ لوگ ”جہاز جلا کر پیمانہ کے پیچھے نہیں بلکہ جہاز دان پر رکھتے ہیں تو اُس سے گھر کے سب لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے“۔ یسوع کی یہ مرضی نہیں کہ ہم اُس کی تعلیمات کی روشنی کو اپنے تک محدود رکھیں، یا چھپائے رکھیں بلکہ اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ چاہئے کہ ہماری ”روشنی“ اُس طرح ”چمکے“ کہ جب لوگ ہمارے ”نیک کاموں کو“ دیکھیں تو ہمارے ”باپ کی جو آسمان پر ہے سجدہ کریں“۔ یہاں زور مسیحی کردار کی خیریت پر ہے۔ جن زندگیوں میں مسیح دکھائی دیتا ہے، ان کی دل کشی الفاظ سے زیادہ فصاحت و بلاغت رکھتی ہے۔

ج۔ مسیح شریعت کی تکمیل کرتا ہے (۱۴: ۵۔ ۲۰)

۱۸، ۱۷: ۵۔ اکثر انقلابی ریڈر ماضی سے قطع تعلق کر لیتے اور موجودہ روایتی نظام کو رد اور ترک کر دیتے ہیں، مگر خداوند یسوع نے ایسا نہیں کیا۔ اُس نے موسیٰ کی شریعت کو سر بلند رکھا اور زور دیا کہ اسے پورا کیا جائے۔ یسوع ”توریت یا نبیوں کی

کتابوں کو منسوخ کرنے“ نہیں بلکہ پورا کرنے آیا“ تھا۔ اُس نے واضح اور تاکیدی طور پر کہا کہ ایک نقطہ یا ایک شوشرہ تورات سے ہرگز نہ ملے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔“
 ”نقطہ“ یا yod، عبرانی حروف تہجی کا سب سے چھوٹا حرف ہے جبکہ ”شوشرہ“ وہ چھوٹا سا نشان یا اعراب کا وقفہ ہوتا ہے جو حروف میں امتیاز کرتا یا تلفظ کا تعین کرتا ہے۔ مثلاً زیر، زبر اور پیش کی علامتیں۔ یسوع ایمان رکھتا تھا کہ کتاب اپنی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات تک الہامی ہے۔

یہ بات اہم اور قابل توجہ حقیقت ہے کہ یسوع نے یہ نہیں کہا کہ تورات کبھی منسوخ نہ ہوگی بلکہ یہ کہ ”جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے“۔ چونکہ ایماندار اور شریعت کا باہمی تعلق بہت پیچیدہ ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلے میں بائبل مقدس کی تعلیمات کو قدرے اختصار کے ساتھ پیش کر دیں۔

ایماندار کا شریعت کے ساتھ تعلق

شریعت قوانین اور ضوابط کا وہ نظام ہے جو خدا نے موسیٰ کی معرفت اسرائیلی قوم کو دیا۔ شریعت کا پورا متن تو خروج ابواب ۲۰ تا ۳۱، اجار اور استثنائے پر محیط ہے جبکہ اس کا خلاصہ دس احکام میں سمویا گیا ہے۔

شریعت اس لئے نہیں دی گئی تھی کہ ذریعہ نجات ہو (اعمال ۱۳: ۳۹؛ رومیوں ۲۰: ۳؛ گلتیوں ۲: ۱۶، ۲۱؛ ۳: ۱۱) بلکہ اس کا مقصد لوگوں پر اُن کے گناہ (گناہ آلودہ ہونے) کو ظاہر کرنا تھا (رومیوں ۳: ۲۰؛ ۵: ۲۰؛ ۷: ۷؛ ۱- کرنتھیوں ۱۵: ۵۶؛ گلتیوں ۳: ۱۹) تاکہ وہ نجات کے لئے خدا کی طرف رجوع ہوں۔ شریعت بنی اسرائیل کو دی گئی حالانکہ یہ اُن اخلاقی اصولوں کی حامل ہے جو ہر زمانہ کے لوگوں پر لاگو ہوتے ہیں (رومیوں ۲: ۱۴، ۱۵)۔ خدا نے بنی اسرائیل کو نوح، انسانی کے ایک نمونہ کے طور پر شریعت سے آزمایا اور اسرائیل کی خطا نے دنیا کی خطا کو ثابت کر دیا (رومیوں ۳: ۱۹)۔

شریعت کے ساتھ موت کی سزا والستہ تھی (گلتیوں ۳: ۱۰) اور ایک حکم کو توڑنے والا پوری شریعت کا خطا وار ہوتا تھا (یعقوب ۲: ۱۰)۔ چونکہ لوگوں نے شریعت کو توڑا اس لئے وہ موت کی لعنت کے ماتحت تھے۔ خدا کی راستبازی اور پاکیزگی کا تقاضا تو

کہ انہیں سزا دی جائے۔ اسی وجہ سے یسوع دُنیا میں آیا تاکہ اپنی موت سے گناہ کی سزا چکا دے۔ وہ شریعت توڑنے والوں کے گناہ کے عوض مُواً حالانکہ وہ خود بے گناہ تھا۔ اُس نے شریعت کو ایک طرف ہٹا دیا بلکہ اُس نے اپنی زندگی اور اپنی موت میں اس کی سخت ترین شرائط کو پورا کر کے اُس کے سارے مُطالبات پورے کئے۔ اس طرح انجیل شریعت کو منسوخ نہیں کرتی بلکہ اسے قائم اور سر بلند رکھتی ہے اور دکھاتی ہے کہ مسیح کے کفارے کے وسیلے سے شریعت کے سارے تقاضے کس طرح پورے ہو گئے ہیں۔

اس لئے یسوع پر ایمان لانے والا شخص شریعت کے ماتحت نہیں رہتا۔ وہ نفل کے ماتحت آجاتا ہے (رومیوں ۶: ۱۴)۔ وہ مسیح کے کام کے وسیلے سے شریعت کے اختیار سے مُردہ ہے۔ شریعت کی سزا صرف ایک دفعہ اٹھانی ہوتی ہے۔ اور چونکہ مسیح نے یہ سزا اٹھا لی اس لئے ایمان دار کو یہ سزا اٹھانے کی ضرورت نہیں رہی۔ ان ہی معنوں میں مسیحیوں کے لئے شریعت مٹ گئی ہے (۲- کرنتھیوں ۳: ۷-۱۱)۔ مسیح کے آنے تک شریعت ایک اتالیق (اُستاد) تھی لیکن نجات کے بعد اس اتالیق کی ضرورت ہی نہیں رہی (دکھتوں ۳: ۲۴، ۲۵)۔ اگرچہ مسیحی شریعت کے ماتحت نہیں تو بھی یہ مطلب نہیں کہ وہ بے شرع ہے۔ وہ شریعت سے کہیں زیادہ مضبوط اور کڑی زنجیر سے بندھا ہوا ہے۔ وہ مسیح کی شریعت کے ماتحت ہے (۱- کرنتھیوں ۹: ۲۱)۔ اُس کے کردار کی تشکیل سزا کے خوف سے نہیں بلکہ اپنے مُنہجی کو خوش کرنے کی محبت بھری خواہش سے ہوتی ہے۔ مسیح اُس کی زندگی کا دستور العن بن جاتا ہے (یوحنا ۱۳: ۱۵؛ ۱۵: ۱۵؛ افسیوں ۵: ۱۱، ۱۲؛ یوحنا ۲: ۲۰؛ ۳: ۱۶)۔

ایماندار اور شریعت کے باہمی تعلق کے ضمن میں ایک عام سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ ”کیا مجھے دسٹ حکموں کو ماننا چاہئے؟“ جواب یہ ہے کہ شریعت میں موجود بعض اُصول تو دائمی ہیں۔ پوری کرنا، لالچ کرنا اور قتل کرنا وغیرہ تو ہر زمانے میں غلط تھا اور غلط رہے گا۔ دسٹ میں سے نو حکموں کو نئے عہد نامے میں دہرایا گیا ہے لیکن ایک اہم فرق کے ساتھ۔ وہ شریعت کے طور پر نہیں دئے گئے بلکہ خدا کے لوگوں کو راسخا کی ترغیب دینے کے لئے (۲- تیمتھیس ۳: ۱۶)۔ جو ایک حکم دہرایا نہیں گیا وہ ”سبت کا حکم“ ہے۔ مسیحیوں کو سبت (ہفتے کا ساتواں دن یعنی ہفتہ یا سینچر) ماننے کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔

غیر نجات یافتہ لوگوں کے لئے شریعت کی خدمت ختم نہیں ہوئی۔ ”مگر ہم جانتے ہیں کہ شریعت اچھی ہے بشرطیکہ کوئی اُسے شریعت کے طور پر کام میں لائے“ (۱- تیمتھیس ۸:۱)۔ اس کا شریعت کے طور پر استعمال یہ ہے کہ گناہ کی پہچان کرائے اور اس طرح توبہ کی طرف لائے۔ لیکن جن کو نجات مل چکی ہے، شریعت اُن کے لئے نہیں ہے۔ ”شریعت راست بازوں کے لئے مُقرر نہیں ہوئی“ (۱- تیمتھیس ۹:۱)۔ شریعت کا تقاضا اُن لوگوں میں پورا ہوتا ہے جو ”جسم کے مطابق نہیں بلکہ رُوح کے مطابق چلتے ہیں“ (رومیوں ۸:۲) حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے خداوند کے پہاڑی وعظ کی تعلیمات میں شریعت سے کہیں بلند تر معیار مُقرر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر شریعت کہتی ہے کہ ”تو خون نہ کرنا“ اور یسوع کہتا ہے کہ ”غصہ/ نفرت بھی نہ کرنا“۔ چنانچہ یہ وعظ شریعت اور نیوں کی تعلیم کو نہ صرف برقرار رکھتا بلکہ ان کی صراحت کرتا اور ان کے گہرے مُقدمات کو واضح کرتا ہے۔

۱۹:۵ - اب ہم پھر پہاڑی وعظ کی طرف آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع اس بات کو دھیان میں رکھے ہوئے تھا کہ انسان فطری رُحمان رکھتا ہے کہ خدا کے حکموں میں ڈھیل دے۔ چونکہ یہ احکام اپنی نوعیت میں اتنے فوق العظمت ہیں کہ لوگ اُن کی تاویل میں کرتے اور اُن کی زد سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جو کوئی شریعت کے کسی ایک حصے کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کھلائیگا۔“

یہ رانی کی بات تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی بادشاہی میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی۔ مگر اس بادشاہی میں داخلہ تو صرف مسیح پر ایمان لانے پر منحصر ہے۔ بادشاہی میں کسی شخص کے رتبے کا تعین اس دنیا میں اُس کی فرمانبرداری اور وفاداری کے مطابق ہوگا۔ جو شخص بادشاہی کی شریعت کی فرمانبرداری کرتا ہے، وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کھلائیگا۔“

۲۰:۵ - بادشاہی میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ ہماری ”راست بازی“ فقہوں اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ ہو۔ (یہ لوگ مذہبی رسومات اور شعائر سے مطمئن ہوئے بیٹھے تھے۔ اُن سے انہیں ظاہری اور رسوماتی پاکیزگی تو مل جاتی تھی، مگر دل ہرگز تبدیل نہیں ہوتے تھے)۔ یسوع نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے مُبالغے کا استعمال کیا ہے کہ ظاہری راستبازی کے ساتھ اگر باطنی حقیقت نہیں ہے تو بادشاہی میں داخلہ نہیں ملے گا۔ وہ واحد راستبازی جو خدا قبول کرے گا، وہ کاملیت

ہے جو ان لوگوں کے لئے محسوب ہوتی ہے جو اُس کے بیٹے کو اپنا منجیٰ قبول کرتے ہیں (دہرکتھیبوں ۲۱: ۵)۔ بے شک جہاں مسیح پر سچا ایمان ہوگا، وہاں وہ عملی راستیازی بھی ہوگی جس کا بیان یسوع بقیہ وعظ میں کرتا ہے۔

د۔ یسوع غصے کے بارے میں خبردار کرتا ہے

(۲۱: ۵-۲۶)

۲۱: ۵۔ یسوع کے زمانہ کے یہودی جانتے تھے کہ خون کرنا خدا کی طرف سے منع ہے اور اس کی سزا ملتی ہے۔ شریعت کے نافذ ہونے سے پہلے بھی ایسا ہی تھا (پیدائش ۶: ۹)؛ بعد میں اسے شریعت میں ضم کر دیا گیا (خروج ۲۰: ۱۳؛ استثنا ۵: ۱۷)۔ مگر یسوع "لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں" کے الفاظ کے ساتھ قتل کے بارے میں تعلیم میں ترمیم کرتا ہے۔ اب کوئی شخص اس بات پر فخر نہیں کر سکتا کہ میں نے کبھی خون نہیں کیا۔ اب یسوع کہہ رہا ہے کہ "میری بادشاہی میں تم خون کرنے کا سوچنا بھی نہ"۔ وہ قتل کے فعل کو اُس کے سرچشمے تک لے جاتا ہے اور تین قسم کے "نا راست" یا غلط غصے سے خبردار کرتا ہے۔

۲۲: ۵۔ پہلا معاملہ اُس شخص کا ہے جو "اپنے بھائی پر غصے ہوگا" ایسا شخص "عدالت کی سزا کے لائق ہوگا" یعنی اُس کو کچھری یا عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اپنے غصے ہونے کی وجہ کو اپنے خیال کے مطابق صحیح قرار دیتے ہیں لیکن غصہ صرف اسی وقت جائز اور صحیح ہوتا ہے جب خدا کی عزت و تعظیم داؤ پر لگ رہی ہو یا جب دوسروں کی حق تلفی ہو رہی ہو۔ لیکن اپنے خلاف باتوں یا اپنی حق تلفی کے جواب میں غصہ کرنا کبھی جائز اور مناسب نہیں۔

لیکن اپنے بھائی کی بے عزتی کرنا اس سے بھی سنجیدہ گناہ ہے۔ یسوع کے زمانے میں لوگ "راقا" کا لفظ (ارامی اصطلاح بمعنی "خالی شخص") تحقیر اور گالی کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ لفظ استعمال کرنے والا "صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا" یعنی اُس پر سنہیڈرن (یہودیوں کی مذہبی کونسل) میں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ یہ مُلک کی سب سے اعلیٰ عدالت تھی۔

تیسرے کسی کو "امحق" کہنا تیسری قسم کا نا دا جب غصہ ہے جس کی یسوع مذمت

کرتا ہے۔ یہاں لفظ ”احق“ کا مطلب محض ”گند ذہن“ یا ”غبی“ ہی نہیں بلکہ مراد اخلاقی احق بھی ہے جسے مَر جانا چاہئے۔ اور یہ خواہش بھی شامل ہے کہ کاش وہ مر گیا ہوتا۔ آج کل اکثر لوگ یہ کہتے سنتے دیتے ہیں کہ ”تجھ پر خدا کی مار“۔ اس طرح وہ خدا کو کہتے ہیں کہ اس شخص کو جہنم کے لئے مخصوص کر دے یا جہنم میں ڈال دے۔ یسوع کہتا ہے کہ جو شخص ایسی لعنت دوسرے پر بھیجتا ہے ”وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہوگا۔“ مجرموں کو قتل کر کے انٹرن کی لاشیں یروشلم کے باہر ایک جلتے ہوئے گھوڑے کے ڈھیر پر پھینک دی جاتی تھیں۔ اس ڈھیر کو ”ہنوم“ کی وادی اور عبرانی میں ”جی ہنا“ (اردو لفظ جہنم سے مقابلہ کریں) کہا جاتا تھا۔ یہ جہنم کی آگ کی تصویر تھی جو کبھی بجھے گی نہیں۔

ہم نجات دہندہ کے الفاظ کی سختی اور شدت کو محسوس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ کہتا ہے کہ غصے میں قتل کرنے کے بیچ ہوتے ہیں۔ اور کالی گلوچ کے پیچھے قتل کرنے کی رُوح اور خواہش مضمر ہوتی ہے۔ جرم کی شدت بڑھنے کے ساتھ ساتھ سزا کے تین درجے ہیں۔ یعنی عدالت، صدر عدالت اور آگ کا جہنم۔ اپنی بادشاہی میں یسوع جرائم کی سزائوں کی شدت کے مطابق دے گا۔

۵: ۲۳، ۲۴۔ اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو غصے یا کسی اور وجہ سے ناراض کر دیتا ہے تو اُس کا خدا کے حضور ہدیہ یا نذر پیش کرنا بے فائدہ ہے۔ خداوند اس سے خوش نہ ہوگا۔ ایسے شخص کو جا کر پہلے اس غلطی کو درست کرنا چاہئے۔ تب ہی اُس کا ہدیہ یا نذرانہ قابل قبول ہوگا۔

اگرچہ یہ الفاظ یہودی سیاق و سباق میں لکھے گئے ہیں مگر ہرگز یہ مراد نہیں کہ ہمارے زمانے میں ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ پولس رسول خداوند کی عشا کے حوالے سے ان الفاظ کی تشریح کرتا ہے (ملاحظہ کریں ۱۔ کرنتھیوں باب ۱۱)۔ جو ایماندار کسی دوسرے ایماندار کے ساتھ بول چال تک کارواں نہیں، خدا اُس کی عبادت و پرستش کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ ۵: ۲۵، ۲۶۔ یہاں یسوع جھگڑالو (مقدمہ باز) رُوح اور اپنے قصور کو نہ ماننے کے رویے کے متعلق خبردار کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ مدعی کے ساتھ بلا توقف صلح کر لی جائے اور مقدمہ بازی کے خطرے میں نہ پڑ جائے کیونکہ ایسا ہو گیا تو نقصان ہمارا ہی ہوگا۔ اس

تمشیل میں کرداروں کی شناخت کے بارے میں علما میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے لیکن نکتہ واضح ہے۔ اگر آپ غلطی پر ہیں تو جلد سے جلد اعتراف کر لیں اور معطلہ درست کر لیں۔ اگر تو یہ نہیں کریں گے تو بالآخر آپ کا گناہ آپ کو پکڑے گا اور آپ کو نہ صرف پورا پورا ہر جانہ ادا کرنا پڑے گا بلکہ اضافی سزا بھی بھگتنا ہوگی۔ مزید برآں یہ کہ کچھری کی طرف بھاگنے میں جلدی نہ کریں، اگر ایسا کریں گے تو قانون آپ کی پکڑ کرے گا اور آپ کو کوٹھی کوٹھی ادا کرنا پڑے گی۔

۵۔ یسوع زنا کی مذمت کرتا ہے (۵: ۲۷-۳۰)

۵: ۲۷، ۲۸۔ موسوی شریعت میں زنا کی واضح ممانعت تھی (خروج ۲۰: ۱۴؛ استینا ۱۸: ۵)۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص فخر کرتا ہو کہ میں نے یہ حکم کبھی نہیں توڑا، لیکن اُس کی آنکھوں میں ”زنا کار عورتیں بسی ہوئی“ ہوں (۲۔ پطرس ۲: ۱۴)۔ دیکھنے میں تو وہ شریف اور معزز ہو لیکن دماغ ناپاکی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا پھرتا ہو۔ اس لئے یسوع اپنے شاگردوں کو یاد دلاتا ہے کہ صرف جسمانی طور پر اس فعل سے باز رہنا ہی کافی نہیں، باطن میں پاکیزگی ہونی چاہئے۔ شریعت نے زنا کے فعل کی ممانعت کی تھی، یسوع اس کی خواہش سے بھی منع کرتا ہے۔ ”جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی، وہ اپنے دل میں اُس کے ساتھ زنا کر چکا“ گناہ سوچ میں جنم لیتا ہے۔ اگر ہم اُس کی پرورش کرتے ہیں، تو بالآخر عملاً بھی کر گزرتے ہیں۔

۵: ۲۹، ۳۰۔ پاکیزہ خیالات والی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت سخت ضبطِ نفس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے یسوع نے سکھایا ہے کہ اگر ہمارے بدن کا کوئی عضو ہم سے گناہ کرنا ہے تو بہتر ہے کہ اس زندگی ہی میں اُس عضو سے محروم ہو جائیں تاکہ ابدیت میں رُوح کی ہلاکت سے بچ جائیں۔ کیا ہم یسوع کی بات کا لفظی مفہوم لیں؟ کیا وہ واقعی اس بات کی وکالت کر رہا تھا کہ ہم اپنے اعضا کاٹ ڈالیں؟ اُس کے الفاظ اس حد تک تو لفظی مفہوم رکھتے ہیں کہ اگر رُوح کی بجائے کسی عضو سے ہاتھ دھونا ضروری ہو تو ہمیں خوشی کے ساتھ اُس عضو سے محروم ہو جانا چاہئے۔ لیکن خوش قسمتی سے ایسی ضرورت کبھی نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے رُوح القدس ایماندار کی مدد کرتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ ایماندار تعاون کرے اور نہایت سخت نظم و ضبط

کی پابندی کرتا ہے۔

و۔ یسوع طلاق پر ناراضی کا اظہار کرتا ہے

(۳۲، ۳۱: ۵)

۳۱: ۵۔ پیرانے عہد نامے میں استثنا ۲۳: ۱-۴ کے مطابق طلاق کی اجازت تھی۔ اس حصہ کا تعلق زنا کار بیویوں سے نہیں تھا (زنا کی سزا موت تھی۔ دیکھئے استثنا ۲۲: ۲۲) بلکہ اس کا تعلق ناپسندیدگی یا باہمی گڑاوا نہ کر سکنے کی وجہ سے طلاق دینے کے ساتھ تھا۔

۳۲: ۵۔ مگر مسیح کی بادشاہی میں ”جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے، وہ اُس سے زنا کرتا ہے۔“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود بخود خود حرام کار بن جاتی ہے بلکہ فرض یہ کیا جاتا ہے کہ اب اُس کے پاس دو وقت کی روٹی کا سہارا نہیں رہا۔ اس لئے وہ کسی دوسرے آدمی کے ساتھ رہنے پر مجبور ہے۔ اس طرح وہ ایک حرام کار بن جاتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ سابقہ بیوی حرام کاری میں زندگی بسر کرتی ہے بلکہ جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے، وہ زنا کرتا ہے۔“

طلاق اور دوبارہ شادی کرنے کا موضوع بائبل مقدس میں ایک پیچیدہ موضوع ہے۔ اس سلسلے میں جتنے سوال پیدا ہوتے ہیں اصل میں ان سب کا جواب دینا ممکن نہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کا جائزہ لینا اور خلاصہ پیش کرنا مفید رہے گا جو ہماری دانست میں بائبل اس سلسلے میں سکھاتی ہے۔

طلاق اور دوبارہ شادی

خدا کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ انسان طلاق دیا کرے۔ اُس کی ازلی منشا یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت اُس وقت تک رشتہ ازدواج میں بندھے رہیں جب تک موت اُن کو جدا نہ کرے (رومیوں ۷: ۳۱، ۲)۔ یسوع نے تخلیق کے وقت خدا کی طرف سے مقرر کردہ ترتیب کا بیان کر کے فریسیوں پر اس نکتے کو واضح رکھا (مستی ۱۹: ۴-۶)۔

خدا طلاق سے یعنی ایسی طلاق سے جو کلام کے مطابق نہ ہو بیزار ہوتا ہے (ملاکی ۲: ۱۶)۔

وہ ہر قسم کی طلاق سے تو نفرت نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ میں نے اُس (اسرائیل) کو طلاق دے دی ہے“ (دیرمیاہ ۳: ۸)۔ یہ اس لئے ہوا کہ قوم اُسے ترک کر کے بت پرستی کرنے لگی تھی۔ اسرائیل بے وفا قوم نکلی۔

مستی ۵: ۳۱، ۳۲ اور ۱۹: ۹ میں یسوع نے سکھایا کہ طلاق کی ممانعت ہے۔ البتہ زندگی کا کوئی ایک ساتھی کچ روئی کا مرنیکب ہو تو طلاق ہو سکتی ہے۔ مرقس ۱۰: ۱۱ اور لوقا ۱۸: ۱۶ میں یہ استثنائی جملہ درج نہیں ہے۔

اس فرق کی بہترین وضاحت یہ ہے کہ مرقس اور لوقا دونوں ہی نے پورا مقولہ نقل نہیں کیا۔ چنانچہ طلاق اگرچہ خدا کے ارادے کے مطابق بارے میں تو بھی اس کی صرف اسی صورت میں اجازت ہے جبکہ زندگی کا کوئی ایک ساتھی بے وفائی کرے۔ یسوع نے اس صورت حال میں طلاق کی اجازت دی ہے، حکم نہیں دیا۔

بعض علما ۱۔ کرنتھیوں ۷: ۱۲-۱۶ کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ طلاق اُس صورت میں قابل قبول ہے جب ایک ایماندار کو غیر ایماندار ساتھی چھوڑ دے۔ پولس کہتا ہے کہ ”ایسی حالت میں کوئی بھائی یا بہن پابند نہیں“ یعنی دوسرا فرد (چھوڑ دئے جانے کے باعث) طلاق لینے میں آزاد ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں یہ وہی استثنائی صورت حال ہے جس کا بیان متی باب ۵ اور ۱۹ میں ہوا ہے کہ بے ایمان ساتھی کسی دوسرے کے ساتھ رہنے کو چلا جاتا ہے۔ اس لئے ایمان دار پاک کلام کی بنیاد پر صرف اسی وقت طلاق لے سکتا ہے جبکہ دوسرا فریق زنا کا مرتکب ہو۔

اکثر یہ بحث بھی کی جاتی ہے کہ نئے عہد نامے میں اگرچہ طلاق کی اجازت ہے مگر دوبارہ بیاہ کرنے پر کبھی غور نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ بحث خود جواب دہتی ہے۔ نئے عہد نامے میں بے قصور فریق کے دوبارہ شادی کرنے کی مذمت نہیں کی گئی، بلکہ قصور وار فریق کے دوبارہ شادی کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ اور پاک کلام کے مطابق طلاق لینے یا دینے کا ایک بڑا مقصد دوبارہ شادی کرنے کی اجازت دینا ہے، وگرنہ تو الگ الگ ہو جانے سے بھی طلاق کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

اس موضوع پر کسی بھی بحث میں ایک سوال کا اٹھانا ناگزیر ہے کہ ان افراد کے بارے میں کیا حکم ہے جن میں نجات پانے سے پہلے طلاق ہو گئی ہو؟ اس حقیقت میں

کوئی شک نہیں کہ ایمان لانے سے پہلے کی غیر قانونی طلاق یا دوبارہ شادی گناہ ہیں جو (ایمان لانے پر) بالکل مُعاف ہو چکے ہیں۔ (مثال کے طور پر دیکھئے ۱۔ کرنتھیوں ۶: ۱۱۔ جہاں پُلُوس زنا کاری کو بھی ان گناہوں کی فہرست میں شامل کرتا ہے جن کے مُرتکب اہل کرنتھس پہلے ہوتے رہے تھے)۔ ایمان لانے سے پہلے کئے ہوئے گناہ ایمان داروں کو مقامی کلیسیا میں شامل ہونے اور اُس کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے۔

ایک زیادہ مشکل سوال بھی ہے۔ اس کا تعلق اُن مسیحیوں سے ہے جو ایسی وُجُوہات کی بنا پر طلاق لیتے دیتے ہیں جو کلام کے مطابق نہیں ہیں اور دوبارہ شادی بھی کر لیتے ہیں۔ کیا ان کو مقامی کلیسیا کی رفاقت میں دوبارہ شامل کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کے جواب کا اخصار اس بات پر ہے کہ زنا کاری جسمانی ملاپ کا ایک ابتدائی فعل ہے یا ایک جاری عمل ہے؟ اگر یہ لوگ زنا کاری میں زندگی گزار رہے ہیں تو انہیں اپنے گناہ کا نہ صرف اقرار کرنا ہوگا بلکہ اپنے موجودہ ساتھی سے بھی الگ ہونا پڑے گا۔ لیکن خدا کسی سٹلے کا حل اس طرح کبھی نہیں کرتا کہ اضافی مسائل پیدا ہو جائیں۔ اگر ازدواجی گنجھلوں کو سلجھانے سے مُرد یا عورتیں گناہ میں جا پھنسیں اور عورتیں یا بچے بے گھر ہو جائیں یا اُن کے گزارے کی کوئی صورت نہ رہے، تو علاج بیماری سے بھی بدتر ٹھہرا۔

راقم الحروف کی رائے میں وہ مسیحی جن کو پاک کلام کے خلاف طلاق ہوئی اور انہوں نے دوبارہ شادی کر لی، وہ اپنے گناہ سے سچے دل سے توبہ کر کے خداوند میں اور کلیسیا کی رفاقت میں بحال ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک طلاق کا تعلق ہے، ہر معاملہ دوسرے سے فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ کلیسیا کے بزرگ ہر واقعہ کا فرداً فرداً جائزہ لیں، تفتیش کریں اور خدا کے کلام کے مطابق اس کا فیصلہ کریں۔ اگر کسی وقت انضباطی کارروائی (disciplinary action) کرنے کی ضرورت ہو تو تمام متعلقہ افراد بزرگوں کے فیصلے کو تسلیم کریں۔

ز۔ یسوع قسم کھانے کی مذمت کرنا ہے

۵: ۲۳-۳۷

۵: ۳۳-۳۶۔ موسوی شریعت میں خدا کا نام لے کر جھوٹی قسم کھانے کی

متعدد ممانعتیں تھیں (اجار ۱۹، ۱۲۰؛ گنتی ۳۰: ۲؛ استثنا ۲۳: ۲۱)۔ خدا کے نام سے قسم کھانے کا مطلب ہے کہ وہ میرا گواہ ہے کہ میں سچ بول رہا ہوں۔ یہودی خدا کا نام لے کر جھوٹی قسم کھانے سے بچنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کی جگہ آسمان، زمین، یروشلم یا اپنے سر کی قسم کھاتے تھے۔

یسوع شریعت کے ساتھ اس طرح کے جوڑ توڑ کرنے کی شدید مذمت کرتا ہے کیونکہ یہ قطعی ریاکاری ہے۔ وہ عام گفتگو میں ہر طرح کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے۔ نہ صرف یہ ریاکاری ہے بلکہ قسم میں خدا کے نام کی جگہ دوسرے ناموں کو استعمال کرنے سے ہم اس گناہ سے بچ نہیں جاتے۔ "آسمان کی قسم" کھانا دراصل "خدا کے تخت کی قسم" کھانا ہے۔ "زمین کی قسم" کھانا دراصل "اس کے پاؤں کی چوکی کی قسم" کھانا ہے اور "یروشلم کی قسم" دراصل شاہی سلطنت کی قسم ہے۔ اگر کوئی "اپنے سر" کی قسم کھاتا ہے تو اس میں بھی خدا شامل ہوتا ہے کیونکہ وہ سب کا خالق ہے۔

۳۷: ۵۔ ایک مسیحی کے لئے قسم کھانا قطعی غیر ضروری ہے۔ اس کی "ہاں" کا مطلب "ہاں" اور "نہ" کا مطلب "نہ" ہونا چاہئے۔ اگر ہم اپنے قول میں اس طرح زور پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو تسلیم کرتے ہیں کہ "بدی" یعنی ابلیس ہماری زندگیوں میں حکمران ہے۔ مسیحی کے لئے کسی بھی حالت میں جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ پاک کلام کا یہ حصہ سچائی میں رنگ آمیزی کرنے یا دھوکا دینے کی بھی ممانعت کرتا ہے۔ البتہ قانونی عدالت میں حلف اٹھانے سے منع نہیں کرتا۔ یسوع نے بھی سردار کاہن کی عدالت میں قسم کے تحت گواہی دی تھی (متی ۲۶: ۶۳ و بالبعد)۔ پولس بھی خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں بالکل سچ ہے (۲۔ کرنتھیوں ۱: ۲۳؛ گلٹیوں ۱: ۲۰)۔

ح۔ ایک میل فالو جانا (۳۸: ۵-۳۲)

۳۸: ۵۔ شریعت کہتی ہے کہ "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت" (خرُوج ۲۱: ۲۴؛ اجار ۲۴: ۲۰؛ استثنا ۱۹: ۲۱)۔ یہ سزا دینے کا حکم بھی تھا اور سزا کو محدود بھی کرنا تھا کہ سزا جرم سے ہرگز زیادہ نہ ہو۔ البتہ پرلے نے عمدانے کے مطابق سزا دینے کا اختیار حکومت کو حاصل تھا کسی فرد کو نہیں۔

۵-۳۹-۴۱- یسوع نے بُرائی کا بدلہ لینے کو مستوح کر دیا اور اس طرح شریعت سے آگے راستبازی کی بلند تر سطح تک جا پہنچا۔ اُس نے اپنے شاگردوں کو دکھا دیا کہ ایک وقت تھا کہ انتقام لینے کی شرعی اجازت تھی مگر اب شفقت کے ساتھ مقابلے سے گریز کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ یسوع نے اپنے پیروؤں کو ہدایت کی ہے کہ ”شریر کا مقابلہ نہ کرنا“ اگر کوئی تمہارا دہینے گال پرٹھانچے مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دو۔ اگر کوئی تمہارے گرتے (انڈرونی لباس) کے لئے نالاش کرے تو اپنا ”چوہنر“ (بیرونی لباس رات کو اوڑھنے کے کام بھی آتا تھا) بھی اُسے دے دو۔ اگر کوئی آدمی تمہیں اپنا سامان اٹھوا کر ”ایک کوس“ بے گار میں لے جانا چاہے تو رضا کارانہ ”دو کوس“ چلے جاؤ۔

۵:۲۲- کلام کے اس حصے میں یسوع نے جو آخری حکم دیا ہے، آج کے زمانے میں وہ نہایت ناقابلِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ ”جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اُس سے مُنہ نہ موڑ“۔ ہم پر مادی چیزیں حاصل کرنے کا ایسا بھوت سوار ہے اور اپنی ہر شے کے ایسے دلدادہ ہیں کہ کسی کو کچھ دینے کے خیال ہی سے ہمارا مُنہ لٹک جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم آسمان کے خزانوں پر دھیان لگانے پر آمادہ ہوں اور خوراک و لباس کے سلسلے میں صرف اپنی ضرورت کی حد تک مطمئن ہوں تو ہم یسوع کے ان الفاظ کو بڑی خوشی سے قبول کریں گے۔ یسوع کے بیان میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مانگنے والا شخص واقعی ضرورت مند ہے۔ اکثر حالات میں یہ معلوم کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ ضرورت واقعی ہے بھی یا نہیں۔ اس لئے (جیسا کسی نے کہا ہے) ”بیش جعل ساز پھکار یوں کی مدد کرنا اس سے بہتر ہے کہ ایک واقعی ضرورت مند شخص سے مُنہ موڑنے کے خطرے میں پڑا جائے“۔

جس کردار اور سلوک کا مطالعہ غلط و نڈکرتا ہے، انسانی لحاظ سے وہ ناممکن ہے۔ صرف وہی شخص ایسی خود انکاری (بلکہ اپنی قربانی دینے) کی زندگی بسر کر سکتا ہے جو پوری طرح رُوح القدس کے کنٹرول میں ہو۔ صرف وہی ایمان دار بے عزتی (آیت ۳۹)، بے انصافی (آیت ۴۰) اور بے آرامی (آیت ۴۱) کا جواب محبت سے دے سکتا ہے، جس کی زندگی میں یسوع بستا ہو۔

ط- اپنے دشمنوں سے محبت رکھو (۵: ۲۳-۴۱)

۵: ۲۳- ہمارا خداوند اپنی بادشاہی میں ایک اعلیٰ تر اور ارفع تر راستبازی کا مطالعہ

کرتا ہے اور اس راستبازی کے آخری نمونے کا تعلق انسان کے دشمنوں سے ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جو گزشتہ پیراگراف سے خود بخود پیدا ہو رہا ہے۔ شریعت نے اسرائیلیوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ ”اپنے ہمسایہ سے اپنی مانند محبت کرنا“ (احبار ۱۹: ۱۸)۔ اگرچہ ان کو وہاں کے ساتھ یہ حکم کبھی نہیں دیا گیا تھا کہ ”اپنے دشمن سے عداوت رکھنا، لیکن ان کے عقائد کی تعلیمات کے پیچھے یہی روح کار فرما تھی۔ یہ رویہ خدا کے لوگوں کو ستانے والوں کے بارے میں پُرانے عہد نامے کے نظریے کا خلاصہ پیش کرتا ہے (دیکھئے زبور ۱۳۹: ۲۱، ۲۲)۔ یہ خدا کے دشمنوں سے ”راست“ دشمنی کا رویہ تھا۔

۵: ۲۳-۲۷۔ لیکن اب یسوع اعلان کرتا ہے کہ ہم اپنے ”دشمنوں سے محبت“ رکھیں اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کریں۔ یہ حقیقت کہ ”محبت“ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ظاہر کرتی ہے کہ اس کا تعلق اولدے سے ہے جذبات سے نہیں۔ اس سے مراد طبعی لگاؤ یا چاہت بھی نہیں کیونکہ جو ہم کو نقصان پہنچاتے یا ہم سے نفرت کرتے ہیں، ان سے محبت کرنا طبعی یا فطری بات نہیں ہوتی۔ یہ فوق الفطرت فضل کا کام ہے۔ اور صرف وہی لوگ اس کا مظاہرہ کر سکتے ہیں جن میں الہی زندگی ہوتی ہے۔

اگر ہم صرف ”اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت“ رکھیں تو اس کا کوئی اجر کوئی صلہ نہیں۔ یسوع کہتا ہے کہ ایسا تو غیر ایماندار ”محمول لینے والے“ بھی کرتے ہیں۔ اس قسم کی محبت کے لئے خدائی طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی اور صرف ”اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرنے“ میں کوئی خوبی یا نیکی نہیں ہے۔ بھائیوں سے مراد رشتہ دار اور دوست ہے۔ غیر نجات یافتہ لوگ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ اس میں کون سی نمایاں مسیحی بات ہوئی؟ اگر ہمارا معیار دنیا کے معیار سے بلند نہیں ہوگا تو یقینی بات ہے کہ ہم دنیا پر کوئی اثر مرتب نہیں کر سکیں گے۔

یسوع نے کہا کہ میرے پیرو بڑائی کے بدلے میں بھلائی کریں تاکہ اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ”ٹھہریں۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ یہ خدا کے فرزند بننے کا طریقہ ہے لکہ اس طرح ہم ظاہر کرتے ہیں یعنی دوسروں کو دکھاتے ہیں کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ چونکہ نڈا ”راست بازوں“ یا ”ناراستوں“ کے ساتھ کوئی طرفداری نہیں کرتا کہ دونوں ہی ”سورج“ و ”مینہ“ سے یکساں مستفید ہوتے ہیں۔ اس لئے چاہئے کہ ہم بھی سب کے ساتھ

یکساں شفقت اور انصاف کے ساتھ پیش آئیں۔

۲۸:۵۔ یسوع اِس حصّے کا خاتمہ ایک نصیحت یا تنبیہ کے ساتھ کرتا ہے کہ ”پس چاہئے کہ تم کاہل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کاہل ہے۔“ لفظ ”کاہل“ کو سیاق و سباق کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ اس کا مطلب بے گناہ یا بے نقص نہیں ہے۔ گزشتہ آیات میں وضاحت کی گئی ہے کہ کاہل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو ہم سے عداوت رکھتے ہیں اُن سے محبت کریں، جو ہمیں ستاتے ہیں اُن کے لئے دُعا کریں، اور دوست دشمن ہر ایک سے مہربانی کا سلوک کریں۔ یہاں کارمیلٹ سے مراد وہ روحانی پختگی ہے جس سے سچی بلا تخصیص اور بے طرفداری ہر ایک سے مہربانی کا سلوک کرنے میں خدا کی تقلید کرنے والے بن سکتے ہیں۔

ی۔ خیرات کرنے میں نیک نیتی

(۱:۶-۴)

۱:۶۔ اس باب کے پہلے نصف حصّے میں یسوع ایک فرد کی زندگی میں عملی راستبازی کے نین خاص پہلوؤں کی بات کرتا ہے یعنی سخاوت کے کام (آیات ۱-۴)، دُعا (آیات ۵-۱۵) اور روزہ (آیات ۱۶-۱۸)۔ ان اٹھارہ آیات میں لفظ ”باپ“ دس دفعہ آیا ہے اور یہ اُن کو سمجھنے کی کلید ہے۔ راستبازی کے عملی کام لوگوں سے واہ واہ سُننے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کرنے چاہئیں کہ باپ کو پسند آئیں۔

وعظ کے شروع میں یسوع ایک آزمائش سے خبردار کرتا ہے کہ ہم خدا ترسی اور ”راستبازی کے کام“ اس مقصد سے نہ کریں کہ دوسرے لوگ اُنہیں دیکھیں۔ وہ کام کی نہیں بلکہ نیت کی مذمت کرتا ہے۔ اگر ایسے کام کی محرک ہی یہ نیت ہے تو اس کا واحد ”اجر“ یہی ہے کہ لوگ تعریف کر دیں۔ خدا ایسی ریاکاری کا اجر نہیں دے گا۔

۲:۶۔ یہ بات ناقابلِ تصور معلوم ہوتی ہے کہ ”ریاکار“ جب ”عبادت خانوں“ میں نذرانے وغیرہ پیش کرتے یا ”گوچوں“ میں غریب غریبا کو خیرات دیتے تھے تو شور و غل کے وسیلے سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے تھے۔ خداوند اُن کے رویے اور کردار کی مذمت ان الفاظ سے کرتا ہے کہ ”وہ اپنا اجر پا چکے“ (یعنی اُنہوں نے جو عزت و شہرت اس دُنیا میں حاصل کر لی، وہی اُن کا اجر ہے)۔

۶:۳۴- جب مسیح کا کوئی پیرو راستیازی یا "خیرات" کا کوئی کام کرتا ہے تو پوشیدگی سے کرنا چاہئے۔ یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ یہ کام اتنا پوشیدہ ہونا چاہئے کہ جو تیرا دہنا ہاتھ کرتا ہے اُسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔ یسوع یہ واضح ترکیب استعمال کر کے یہ دکھاتا ہے کہ ہمارے "راستیازی کے کام" دوسروں سے تعریف و توصیف یا انسانوں میں مشہرت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ خدا "باپ" کے لئے ہونے چاہئیں۔ کلام کے اس حصے کو ایسے نذرانے، ہدیئے یا تحفے دینے سے روکنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے جن کو دوسرے دیکھ سکتے ہیں۔ دراصل بعض خیراتی کام ایسے بھی ہیں جو گنہگار رہ کر نہیں کئے جاسکتے۔ یہاں حقیقت میں خیراتی کاموں میں نمود و نمائش اور اشتہار بازی کی مذمت کی گئی ہے۔

ک۔ خلوص نیت سے دُعا مانگنا (۶:۵-۸)

۵:۶- یہاں یسوع اپنے شاگردوں کو "دُعا" مانگتے وقت ریاکاری سے خبردار کرتا ہے۔ دُعا مانگتے وقت وہ جان بوجھ کر ایسی جگہوں پر کھڑے نہ ہوں جہاں لوگ اُن کو دیکھیں اور اُن کی خُدا پرستی کی وجہ سے اُن کی تعریف کریں۔ اگر دُعا مانگنے کا واحد مقصد مشہرت حاصل کرنا ہی ہے تو پھر ایسی مشہرت ہی اس کا "اجر" ہے۔

۶:۶- آیات ۵ اور ۶ میں "تم" یعنی جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن آیت ۶ میں خُدا کے ساتھ علیحدگی میں شخصی گفتگو پر زور دیا گیا ہے۔ اس لئے واحد کا صیغہ "تُو" استعمال کیا گیا ہے۔ مقبول دُعا کا راز یہ ہے کہ دُعا پوشیدگی میں ("اپنی کوٹھری میں جا اور دروازہ بند کر کے") کی جائے۔ اگر ہمارا اصل مقصد خُدا تک رسائی حاصل کرنا ہے تو وہ ضرور ہمازی سنے گا اور جواب دے گا۔

اگر کوئی کلام کے اس حصے کی بنیاد پر عام عبادتی یا جماعتی دُعاؤں سے منع کرتا ہے تو خُدا سے تجاؤز کرتا ہے۔ ابتدائی کلیسیا اجتماعی دُعا مانگنے کے لئے جمع ہوا کرتی تھی (اعمال ۲:۲۰)؛ ۱۲:۱۲؛ ۱۳:۱۳؛ ۱۴:۲۳؛ ۲۰:۲۶-۳۶)۔ سوال یہ نہیں کہ ہم کہاں دُعا مانگتے ہیں بلکہ یہ کہ کیوں دُعا مانگتے ہیں۔ اس لئے کہ لوگ ہمیں دیکھیں یا اس لئے کہ خُدا ہماری سُننے؟

۷:۶- دُعا باتوں کو بار بار دہرانے پر مشتمل نہیں ہونی چاہئے۔ رُٹے رُٹائے جملے دُعا

کا حصہ نہیں ہونے چاہئیں۔ غیر نجات یافتہ لوگ ایسی ہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ لیکن خدا بہت بولنے سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ دل سے اٹھنے والی مخلصانہ باتیں سُنانا چاہتا ہے۔

۸:۶ - ”تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کون کن چیزوں کے محتاج ہو۔“

اس لئے یہ سوال بہت معقول معلوم ہوتا ہے کہ ”پھر دعا مانگنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ ضرورت یہ ہے کہ دعائیں ہم اپنی حاجات کو تسلیم کرتے اور اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا ہی پر انحصار کرتے ہیں اور یہی ہماری اُس کے ساتھ باہمی گفتگو کی بنیاد ہے۔ مزید برآں دعا کے جواب میں خدا وہ کام بھی کرتا ہے جو دوسری صورت میں وہ نہ کرتا (یعقوب ۲:۴)۔

۱۔ یسوع ایک نمونے کی دعا سکھاتا ہے (۱۵-۹-۶)

۹:۶-۹ آیات ۱۳ میں وہ دعا ہے جس کو عام طور پر ”دعاے ربانی“ یا ”خداوند کی دعا“ کہا جاتا ہے۔ یہ نام استعمال کرتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یسوع خود کبھی یہ دعائیں مانگتا تھا۔ اُس نے یہ دعا بطور نمونہ اپنے شاگردوں کو سکھائی تاکہ وہ اس کے مطابق اپنی دعاؤں کو تشکیل دیا کریں۔ یہ اس لئے نہیں دی گئی کہ وہ بالکل ان ہی الفاظ میں دعا مانگا کریں۔ آیت ۷ اس امکان کی نفی کرتی ہے (کیونکہ رٹے رٹائے الفاظ کو دہراتے رہنے سے دعا بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

”اے ہمارے باپ، تو جو آسمان پر ہے۔“ دعا میں خدا باپ کو مخاطب کرنا چاہئے اور تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ کل کائنات پر حاکم اعلیٰ ہے۔

”تیرا نام پاک مانا جائے۔“ ہمیں دعا کو پرستش سے شروع کرنا چاہئے اور خدا ہی کی تعریف و تعظیم کرنی چاہئے کیونکہ وہی اس کے لائق ہے۔

۱۰:۶ - ”تیری بادشاہی آئے۔“ پرستش کے بعد ہمیں یہ مانگنا چاہئے کہ وہ باتیں نرتی کریں جو خدا چاہتا ہے۔ ہم اُس کے مقاصد کو اولیت دیں اور خاص طور پر اُس دن کے لئے دعا مانگنی چاہئے جب ہمارا مُنہجی خداوند یسوع مسیح اس دُنیا میں اپنی بادشاہی قائم کر کے راستی سے سلطنت کرے گا۔

”تیری مرضی... پوری ہو۔“ اس التجا میں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خدا جانتا ہے کہ کیا چیز بہتر ہے۔ ہم اپنی مرضی کو اُس کے تابع کرتے ہیں اور اس آرزو کا اظہار کرتے ہیں کہ ساری دُنیا میں اُسی کی مرضی کو تسلیم کیا جائے۔

”جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔“ یہ جملہ پھیلے کی تینوں التجاؤں کی وضاحت کر دیتا ہے۔ خدا کی حمد و ثنا، خدا کا کلی اختیار اور اُس کی مرضی کا پورا ہونا، سب ”آسمان“ کی حقیقتیں ہیں۔ درخواست یہ ہے کہ باتیں جیسے ”آسمان پر“ ہیں ویسے ہی ”زمین پر“ بھی موجود ہوں۔ ۱۱:۶۔ ”ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے۔“ خدا کے مقاصد کو اولیت دینے کے بعد ہمیں

اجازت ہے کہ اپنی ضروریات پیش کریں۔ یہ التجا تسلیم کرتی ہے کہ ہم اپنی روزمرہ کی خوراک — روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی خوراک — کے لئے خدا پر انحصار کرتے ہیں۔

۱۲:۶۔ ”اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں

معاف کر۔“ اس سے مراد گناہ کی سزا سے قانونی یا عدالتی معافی نہیں (وہ معافی خدا کے بیٹے پر ایمان لانے سے ملتی ہے)۔ اس سے مراد وہ پدرانہ معافی ہے جو باپ کے ساتھ رفاقت و شراکت قائم رکھنے کے لئے ہمیں ضروری طور پر درکار ہے۔ اگر ایماندار اپنے قصورداروں کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تو وہ اپنے باپ کے ساتھ رفاقت رکھنے کی توقع کس طرح کر سکتے ہیں جس نے ہماری خطائیں معاف کر دی ہیں؟

۱۳:۶۔ ”اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔“ یہ درخواست یعقوب ۱:۱۳ کی نفی کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو بیان کرتی ہے کہ خدا کسی کو نہیں آزماتا۔ البتہ خدا اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ جانچنے اور آزمائے جائیں۔ اس درخواست میں انسان کی اپنی لیاقت و قابلیت کے بارے میں ایک صحت مندانہ شک یا بے یقینی کا اظہار پایا جاتا ہے کہ میں آزمائش یا مشکلات کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا۔ یہاں اپنے تحفظ اور بقا کے لئے خداوند پر مکمل انحصار کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ”بلکہ بُرائی (یا شریر) سے بچا۔“ یہ اُن سب کی دُعا ہے جو دل سے چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی قدرت کی مدد سے گناہ سے بچے رہیں۔ یہ زندگی میں شیطان اور گناہ کی طافت سے بچنے اور ہر روز کی نجات کے لئے دل کی پُکار ہے۔

”کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ آمین۔“۔ بہت سے قدیم نسخوں میں یہ جملہ موجود نہیں ہے، اس لئے رومن کیتھولک ترجمہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ لوقا ۱۱:۲۰۔۳ میں بھی موجود نہیں اور یہاں بھی قوسین میں رکھا گیا ہے۔ لیکن ایسی عمدہ حمد خدا دُعا کا عمدہ ترین اختتام پیش کرتی ہے اور اکثر قلمی نسخوں میں موجود ہے۔ جان کیلون لکھتا ہے کہ یہ الفاظ نہ صرف ہمیں خدا کے جلال کی طرف بڑھنے پر ابھارتے ہیں بلکہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہماری ساری

دعاؤں کی بنیاد سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔“

۶: ۱۵۷۴ - یہ آیت ۱۲ کی وضاحت ہے۔ یہ دعا کا حصہ نہیں بلکہ ان کا اضافہ اس حقیقت پر زور دینے کے لئے کیا گیا ہے کہ آیت ۱۲ میں مذکور پدرانہ معافی مشروط ہے۔

م۔ یسوع روزہ رکھنے کے بارے میں تعلیم دیتا ہے (۶: ۱۶-۱۸)۔
۱۶: ۶ - یسوع ایک تیسری قسم کی مذہبی ریاکاری کی مذمت کرتا ہے کہ لوگ دیدہ دانستہ روزہ داری کی وضع بناتے ہیں۔ ”ریاکار“ تصداً ”اپنی صورت ادا سن“ بناتے ہیں، یعنی جب روزہ رکھتے ہیں تو کمزور، نڈھال اور ادا سن نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یسوع کہتا ہے کہ اس طرح کا پاکباز ہونے کا دکھاوا مضمکہ خیر بات ہے۔

۶: ۱۸۷۴ - ”سچے ایمان داروں کو روزہ ”پوشیدگی“ میں رکھنا چاہئے۔ دکھاوا اور ظاہر داری نہیں کرنی چاہئے۔“ اپنے سر میں تیل ڈالنا اور منہ دھونا“ معمول کے مطابق دکھائی دینے کا طریقہ ہے۔ اتنا ہی کافی ہے کہ ”باب“ جانتا ہو کہ تم نے روزہ رکھا ہے۔ لوگوں کی تعریفوں کی نسبت اُس کا ”اجر“ زیادہ بہتر ہوگا۔

روزہ

روزہ کا مطلب ہے جسمانی بھوک کو مٹانے سے گریز کرنا۔ یہ رضا کارانہ بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ زیر نظر حوالے میں ہے اور غیر رضا کارانہ بھی (جیسا کہ اعمال ۲۷: ۲۳ یا ۲۷: ۲۳-۲۴ کرنتھیوں ۱۱: ۲۷ میں ہے)۔ نئے عہد نامے میں اس کا تعلق ماتم (مئی ۹: ۱۵۷۴) اور دعا کے ساتھ (لوقا ۲: ۲۷؛ اعمال ۱۴: ۲۳) بھی ہے۔ ان حوالوں میں روزہ کے ساتھ دعا مانگنا اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ میں پورے دل سے خدا کی مرضی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

نجات کے حصول کے سلسلے میں روزہ رکھنے کا کوئی ثواب نہیں اور نہ روزہ رکھنے سے مسیحی کو خدا کے سامنے کوئی خاص درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک فریسی نے فخر کیا تھا کہ میں ہفتہ میں دو بار روزہ رکھتا ہوں، مگر اس سے اُسے مطلوبہ راست بازی حاصل نہ ہو سکی (لوقا ۱۸: ۱۲-۱۴)۔ لیکن جب کوئی مسیحی روحانی عمل کے طور پر پوشیدگی میں روزہ رکھتا ہے تو خدا اُسے دیکھتا اور اجر دیتا ہے۔ اگرچہ نئے عہد نامے میں روزہ رکھنے کا حکم نہیں لیکن اجر کا

دُعدہ کر کے روزہ رکھنے کی مُوصِلہ افزائی ضرور کی گئی ہے۔ روزہ غنودگی اور سستی کو دُور کرتا ہے۔ اس لئے دُعا تیرے زندگی میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ کسی سُحران کے وقت جب انسان قُدا کی مرضی کو پہچاننے کا آرزو مند ہو تو روزہ بہت قیمتی چیز ثابت ہوتا ہے۔ پھر خود خُصطی کے سلسلے میں روزہ ایک انمول چیز ہے۔ روزہ کا مُعاملہ انسان اور خُدا کے درمیان ہوتا ہے اور صرف اور صرف اس خُدا ہر ش کے ساتھ رکھنا چاہئے کہ میں خُدا کو خوش کروں۔ لیکن اگر روزہ باہر سے ٹھونسنا جائے یا غلط مقاصد سے رکھا جائے تو بالکل بے فائدہ ہوتا ہے۔

ن۔ آسمان پر مال جمع کرو (۶: ۱۹-۲۱)

اس حصے میں ہمارے خُدا زندگی بعض انقلابی تعلیمات درج ہیں۔ یہ ایسی تعلیمات ہیں جن کو اکثر یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ باب کے بقیہ حصے کا موضوع یہ ہے کہ مستقبل کے لئے تحفظ کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۲۰: ۱۹-۲۱۔ انسان ہمیشہ بری صحت کرتے اور مشورہ دیتے ہیں کہ مستقبل مالی لحاظ سے مستحکم رکھنا چاہئے۔ لیکن آیات ۱۹-۲۱ میں یسوع اس کے بالکل برعکس مشورہ دیتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ "اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو" تو وہ بیان کرتا ہے کہ مادی چیزوں میں کوئی تحفظ ہے نہیں۔ زمین پر جمع شدہ کسی بھی قسم کے خزانے کو قُدرتی عناصر دیکڑا یا زلزلہ خراب کر سکتے ہیں یا "چور" اسے چُرا کر لے جاسکتے ہیں۔ یسوع کہتا ہے کہ صرف ایک قسم کی سرمایہ کاری ہے جس میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اور وہ ہے "آسمان پر مال جمع کرنا۔"

۲۱: ۶۔ اس انقلابی مالی پالیسی کے پیچھے ایک اہم اصول ہے کہ "جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔" اگر آپ کا روپیہ پیسہ کسی سیف میں ہے تو آپ کا دل اور خواہش بھی وہیں ہوگی۔ اگر آپ کا خزانہ آسمان پر ہے تو دل بھی وہیں لگا رہے گا۔ یہ تعلیم ہمیں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ آیا یسوع نے جو تعلیم دی تھی، اس کا مطلب و مقصد بھی وہی تھا۔ اگر وہی تھا تو پھر ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ ہم اپنے دنیوی مال کے ساتھ کیا کریں؟ اگر اس کا وہی مطلب نہیں تھا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنی بائبل مُقدس کے ساتھ کیا کریں؟

س۔ بدن کا چراغ (۶: ۲۲، ۲۳)

مستقبل کے تحفظ کے بارے میں یسوع کی تعلیم بالکل غیر روایتی ہے۔ اُسے احساس تھا کہ میرے شاگرد نہیں سمجھ سکتے کہ یہ تعلیم کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس لئے اُس نے انسانی آنکھ کی مثال دے کر رُوحوانی بصیرت کے سبق کی وضاحت کی۔ اُس نے کہا کہ ”بدن کا چراغ آنکھ ہے۔“ آنکھ کے وسیلے سے بدن روشنی حاصل کرتا ہے۔ اگر ”آنکھ“ درست ہے تو سارا ”بدن“ روشنی سے معمور ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ”آنکھ خراب ہو“ تو بصارت خراب ہو جاتی ہے اور روشنی کی بجائے اُس میں ”تاریکی“ ہوتی ہے۔

اس کے مضمرات یوں ہیں: درست آنکھ اُس شخص کی ہوتی ہے جس کے ارادے اور مقاصد پاک ہوں۔ جو صرف ایک ہی خواہش رکھتا ہے کہ خدا کے مقاصد پورے ہوں اور جو مسیح کی تعلیمات کو لفظ بلفظ قبول کرنے پر آمادہ ہو۔ اُس کا سارا بدن روشنی سے معمور ہوتا ہے۔ وہ یسوع کی باتوں کا یقین کر کے دنیاوی مال و دولت کو ترک کر دیتا ہے۔ وہ اپنا مال آسمان پر جمع کرتا ہے اور جانتا ہے کہ حقیقی تحفظ صرف یہی ہے۔ اس کے برعکس خراب آنکھ اُس شخص کی ہوتی ہے جو دو دنیاؤں کے لئے زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اپنے دنیاوی خزانوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا لیکن ساتھ ہی آسمان میں بھی خزانے چاہتا ہے۔ اُس کو مسیح کی تعلیمات ناقابلِ عمل اور ناممکن معلوم ہوتی ہیں۔ چونکہ وہ تاریکی سے بھرا ہوتا ہے اس لئے اُسے واضح راہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس کے ساتھ یسوع اس بیان کا اضافہ کرتا ہے کہ ”اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریکی ہو تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی!“ مراد یہ ہے کہ اگر تم جانتے ہو کہ مسیح تحفظ کے لئے دنیاوی خزانوں پر بھروسہ کرنے سے منع کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کے پیچھے بھاگتے ہو تو پھر وہ تعلیم جس کو ماننے سے تم نے انکار کیا تاریکی بن جاتی ہے۔ یہ انتہائی شدید قسم کا رُوحوانی اندھا پن ہے۔ تم دولت کو اپنے صحیح تناظر میں نہیں دیکھ سکتے۔

ع۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے (۶: ۲۴)

یہاں ”مالکوں“ اور غلاموں کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ انسان کے لئے ”خدا“ اور

دولت دونوں کے لئے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ ”کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔“ لازمی بات ہے کہ فرمانبرداری اور وفاداری کے معاملے میں وہ دونوں میں سے ”ایک“ کو ترجیح دے گا۔ یہی حال ”خدا اور دولت“ کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ ان کے مطالبات ایک دوسرے کے الٹ ہوتے ہیں۔ ان میں سے انسان کو انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ یا تو ہم خدا کو پہلا درجہ دیں اور مادہ پرستی کی حکمرانی کو رد کریں یا ان دنیاوی چیزوں کے لئے زندگی گزاریں اور خدا کے دعوے اور مطالبے کو رد کریں۔

ف۔ فکر نہ کرو (۶: ۲۵-۳۴)

ہم اس خطرے میں ہیں کہ ہماری زندگیوں خوراک اور پوشاک کے گرد گھومتی رہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہم زندگی کے اصل مقصد کو سمجھنے سے قاصر رہ جائیں۔ کلام کے اس حصے میں یسوع اسی رجحان پر ضرب لگاتا ہے۔ کیونکہ یہ رجحان خدا کی محبت، حکمت اور قدرت کا انکار کرتا ہے۔ خدا کی محبت کا انکار اس طرح کہ اس میں یہ بات مضمحل ہے کہ وہ ہماری فکر نہیں کرتا اور حکمت کا انکار اس طرح کہ اس میں یہ بات بھی مضمحل ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ کیا کر رہا ہے، اور قدرت کا انکار اس طرح کہ اس میں یہ بات بھی مضمحل ہے کہ وہ ہماری ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔

۶: ۲۶- ”ہوا کے پرندوں“ سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنی مخلوقات کی فکر کرتا ہے۔ پرندے ہمارے سامنے یہ منادی کرتے ہیں کہ فکر کرنا کس قدر غیر ضروری ہے۔ ”وہ نہ بولتے ہیں نہ کاٹتے“ پھر بھی خدا ”ان کو کھلاتا ہے“۔ چونکہ مخلوقات میں ہماری قدر پرندوں سے زیادہ ہے اس لئے ہم یقینی توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ ہماری ضروریات کی فکر کرتا ہے۔

لیکن اس سے ہمیں یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ ہمیں روزمرہ ضروریات کی فراہمی کے لئے کوئی محنت کرنے کی ضرورت نہیں۔ پولس ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ”جسے محنت کرنا منظور نہ ہو وہ کھانے بھی نہ پائے“ (۲۔ تیمتھلیکیوں ۳: ۱۰)۔ نہ ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ کاشتکار کے لئے بیج بونا، فصل کاٹنا اور جمع کرنا سب کچھ نا واجب اور غلط ہے۔ اپنی روزمرہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے یہ کام بالکل ضروری ہے۔ یہاں یسوع جس بات سے منع کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہم خدا پر بھروسا اور توکل چھوڑ کر مستقبل کے تحفظ کے لئے فکر اور بندوبست کرنے میں

لگے رہیں۔ (وہ اس بات کی مذمت لوثا ۱۲: ۱۶-۲۱ میں مذکور امیر کاشت کاری تمثیل سے بھی کرتا ہے)۔ دلیل یہ ہے کہ اگر خدا اوتیٰ درجہ کے جانوروں کو اُن کے تعاون کے بغیر پالتا ہے تو جن کے لئے مخلوقات وجود میں آئی تو اُن کے تعاون کے ساتھ انہیں اور بھی زیادہ کیوں نہ پالے گا۔

۶: ۲۷۔ مستقبل کے لئے فکر کرنا نہ صرف خدا کی بے عزتی کرنا ہے بلکہ بے سود بھی ہے۔

خداوند اس کی وضاحت ایک سوال سے کرتا ہے کہ ”تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے“ (یا اپنے قد کو ایک ہاتھ بڑھا سکے)؟ ایسا کرنا ناممکن ہے۔ پھر بھی مقابلتاً یہ کام آسان ہے اور فکر کر کے مستقبل کی ساری ضروریات فراہم کر لینا مشکل ہے۔

۶: ۲۸-۳۰۔ اس کے بعد خداوند مستقبل میں ”پوشاک“ کے بارے میں فکر کرنے کی نامعقولیت کو واضح کرتا ہے۔ ”جنگلی سوسن (غالباً کُل لالہ) ... وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں“ تو بھی اُن کی خوبصورتی اور دلکشی سلیمان کے شاہی لباس پر سبقت رکھتی ہے۔ اگر خدا جنگلی پھولوں کو ایسی شاندار پوشاک پہنا سکتا ہے جن کی زندگی نہایت مختصر ہوتی ہے اور اگلی صبح ایندھن کے طور پر ”تور“ میں جھونک دی جاتی ہے تو وہ اپنے لوگوں کی یقیناً فکر کرے گا جو اُس کی عبادت اور خدمت کرتے ہیں۔

۶: ۳۱، ۳۲۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں اپنی زندگی مستقبل میں کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی تلاش کی فکر میں نہیں گزارنی چاہئے۔ ایمان نہ لانے والی ”غیر قومیں“ مادی چیزیں جمع کرنے میں دیوانہ وار مصروف و مشغول رہتی ہیں۔ گویا کھانا پینا اور پہننا ہی زندگی ہے۔ لیکن مسیحیوں کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اُن کا ”آسمانی باپ“ اُن کی بنیادی ضروریات کو ”جانتا ہے“۔

اگر مسیحی مستقبل کی ضروریات کی فراہمی ہی کو مقصدِ حیات بنا لیں تو اُن کا وقت اور قوت مالی وسائل اور ذخیرے جمع کرنے کے لئے وقف ہو کر رہ جائے گا۔ اُن کو کبھی اطمینان نہیں ہوگا کہ ہم نے کافی کچھ جمع کر لیا ہے، کیونکہ انہیں ہمیشہ دھڑکا لگا رہے گا کہ کوئی ناگہانی آفت پیش آئے گی، لمبی بیماری لگ جائے گی یا کوئی حادثہ مفلوج کر کے رکھ دے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ خدا کے لوگ اُس کی خدمت سے جی چرائیں گے اور جس مقصد کے لئے اُن کو خلق کیا گیا تھا اور جس مقصد سے اُن کی نئی پیدائش ہوئی تھی وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ وہ مرد و زن جو خدا کی شبیہ پر پیدا ہوئے ہیں، اس زمین پر، اس دنیا میں غیر یقینی مستقبل کا شکار ہو کر رہ جائیں گے، حالانکہ اُن کی نگاہیں ابدی اقدار پر لگی ہونی چاہئیں۔

۶:۳۳- اس لئے خداوند اپنے پیروؤں کے ساتھ ایک عہد باندھتا ہے۔ دراصل وہ کہتا ہے کہ "اگر تم اپنی زندگیوں میں خدا کے مقاصد کو اولیت دو گے تو میں تمہاری مستقبل کی ضروریات کی ضمانت دوں گا۔" اگر "نیم پیلے اس کی بادشاہی اور اس کی راستبازی کی تلاش کرو" تو پھر میں ذمہ لیتا ہوں کہ تمہیں ضروریات زندگی کی کبھی کمی نہ ہوگی۔

۶:۳۴- یہ خدا کا "سوشل سیکورٹی پروگرام" ہے۔ ایمان دار کی ذمہ داری ہے کہ خداوند کے لئے زندگی بسر کرے، مستقبل کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے اور غیر متزلزل نوکلی رکھے کہ وہ سب کچھ مہیا کرے گا۔ انسان کا کام (ملازمت وغیرہ) صرف اس کی حالیہ ضروریات مہیا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، وہ خدا کے کام میں لگاؤ ہو۔ ہماری بلا ہٹ یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک دن جنیں "کل کا دن اپنے لئے آپ فکر کر لے گا۔"

ص - عیب جوئی نہ کرو (۷:۱-۶)

عیب جوئی کے بارے میں یہ حصہ یسوع مسیح کی دنیاوی مال و دولت کے بارے میں چونکا دینے والی تعلیم کے فوراً بعد آتا ہے۔ ان دونوں موضوعات کے درمیان تعلق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جو سچی سب کچھ ترک کر دیتا ہے اس کے لئے دولت مند مسیحیوں پر نکتہ چینی اور تنقید کرنا بہت آسان ہے۔ لیکن دوسری طرف جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنے خاندانوں کی مستقبل کی ضروریات کے لئے فراہم کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے، وہ مسیح کی تعلیم پر لفظ بلفظ چلنے کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ کوئی شخص بھی پورے طور پر ایمان پر زندگی بسر نہیں کرتا اس لئے ایسی تنقید بالکل بے جا ہے۔

عیب جوئی نہ کرنے کے حکم میں مندرجہ ذیل شعبے شامل ہیں: ہم نیٹوں پر تنقید نہ کریں - صرف خدا ہی نیٹوں کو جان سکتا ہے۔ ہم ظاہری باتوں کے مطابق فیصلہ نہ دیں (یوحنا ۷:۲۴)؛ یعقوب ۲:۱-۴)۔ ہم ان لوگوں پر انگلی نہ اٹھائیں جو سچے دل سے ایسی باتوں کے بارے میں ہچکچاتے ہیں جو اپنی ذات میں اخلاقی نوعیت کی نہیں (رومیوں ۱:۱۴-۵)۔ ہم کسی دوسرے مسیحی کی عبادت یا خدمت پر نکتہ چینی نہ کریں (۱- کرنتھیوں ۴:۱-۵) اور نہ کسی ہم ایمان کے بارے میں کوئی بُری بات مٹنے سے نکالیں (یعقوب ۴:۱۱-۱۲)۔

۱:۷- بعض لوگ خداوند مسیح کے ان الفاظ کی غلط تاویل میں کر کے ہر قسم کی تنقید یا جانچ

پڑتال کی ممانعت کرتے ہیں۔ ”خواہ کچھ بھی ہو جائے“ وہ بڑے پاکباز انداز میں کہتے ہیں، ”عیب جوئی نہ کرو، تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے۔“ مگر یسوع نے تعلیم نہیں دے رہا کہ ہم ایسے لوگ بن جائیں جو کسی بات میں امتیاز نہیں کرتے، جو کسی بات کو چاہتے پرکھتے نہیں۔ ہاں، اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ ہم اپنی تنقیدی صلاحیت یا قوت امتیاز کو ترک کر دیں۔ نئے عہد نامے میں دو مہلوں کے حالات، کردار اور تعلیمات پر جائز اور حق بجانب تنقید کرنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں کئی شعبے ہیں جن میں مسیحیوں کو فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ نیک اور بد میں امتیاز کریں۔ یا اچھے اور ہنرین میں انتخاب کریں۔ ان میں یہ باتیں شامل ہیں:

۱- جب ایمانداروں کے درمیان کوئی اختلاف یا جھگڑا اٹھ کھڑا ہو تو کیسیا میں ان افراد کے سامنے پیش کیا جائے جو ایسے معاملات کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور وہی اس کا فیصلہ کریں (۱- کرنتھیوں ۶: ۱-۸)۔

۲- مقامی کلیسیا اپنے اراکان کے سنگین گناہوں کا فیصلہ کر کے مناسب اقدام کرے (متی ۱۸: ۱۷-۱۹؛ ۱- کرنتھیوں ۵: ۹-۱۳)۔

۳- ایمان دار منادی کرنے والوں اور مشوروں کی تعلیمات کو خدا کے کلام کی روشنی میں جانچیں اور پرکھیں (متی ۷: ۱۵-۲۰؛ ۱- کرنتھیوں ۱۲: ۲۹؛ ۱- یوحنا ۴: ۱)۔

۴- مسیحی دوسروں کو پرکھیں کہ وہ ایمان دار ہیں یا نہیں اور یوں پولس کے حکم کی تعمیل کریں (۲- کرنتھیوں ۶: ۱۴)۔

۵- کلیسیا کے لوگ جانچیں اور فیصلہ کریں کہ کن افراد میں ایڈریاٹیکن بننے کی ضروری صلاحیت اور استعداد ہے (۱- تیمتھیس ۳: ۱-۱۳)۔

۶- ہمیں یہ بھی امتیاز کرنا ہے کہ کون لوگ بے فائدہ چلتے ہیں، کون کم ہمت ہیں، کون کمزور ہیں وغیرہ، تاکہ ان کے ساتھ بائبل مُتقدّس کی ہدایات کے مطابق سلوک اور بتناؤ کر سکیں (۱- تھسلونیکیوں ۵: ۱۴)۔

۲: ۷- یسوع نے خبردار کیا کہ عیب جوئی کا اسی ناپ سے بدلہ ملے گا۔ ”کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی۔“ جو کچھ بوو گے وہی کاٹو گے۔

یہ تمام انسانی زندگی اور معاملات میں کارفرما نظر آتا ہے۔ مرقس (۲: ۲۴) اسی اصول کا پاک کلام کو قبول کرتے یا نہ کرنے پر اور لوقا (۹: ۳۸) خیرات کرنے میں فراخ دلی پر اطلاق کرتا ہے۔

۳:۷-۵۔ ہم میں بیڑ حجان ہے کہ دوسروں میں معمولی نقص دیکھ لیتے ہیں جبکہ اپنے اندر وہی نقص ہمیں نظر نہیں آتا۔ یسوع نے ہمارے اس رُحجان کو بے نقاب کیا اور دائرستہ مبالغہ آمیزی (شہتیر کی مثال) سے کام لیا تاکہ نکتہ بالکل واضح ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس کی آنکھ میں شہتیر بڑتا ہے اُس کو دوسرے کی آنکھ کا تینکا زیادہ نظر آتا ہے۔ یہ فرض کرنا ہی بڑی ریاضت ہے کہ ہم کسی کے نقص یا عیب ڈور کرنے میں مدد کر سکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر اس سے بھی بڑا نقص موجود ہو۔ دوسروں پر انگلی اٹھانے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلے اپنا علاج کریں۔

۶:۷- آیت چھٹے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کا مقصد ہر قسم کی ترقید سے منع کرنا نہیں تھا۔ اُس نے شاگردوں کو خبردار کیا کہ ”پاک پییر گنتوں کو نہ دو“ یا ”موتی سوڑوں کے آگے نہ ڈالو“۔ موسوی شریعت کے مطابق گنتے اور سوڑ ناپاک جانور تھے۔ یہاں اس ترکیب سے مراد بڑے یا بڈر دار لوگ ہے۔ جب ہماری ملاقات ایسے لوگوں سے ہوتی ہے جو الہی سچائیوں کی تحقیق کرتے اور سچ کی منادی کا گالیوں اور ایذا رسانی سے جواب دیتے ہیں تو پھر ہمارا فرض نہیں رہتا کہ اُن کو انجیل کی خوشخبری سناتے جائیں کیونکہ ہمارے زور دینے سے اُن کا قصور اور بڑھے گا اور اُن کی سزا بھی اور زیادہ ہوگی۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسے لوگوں کو پہچاننے کے لئے روحانی بصیرت درکار ہوتی ہے۔ شاید اسی لئے اگلی آیت میں دعا کے موضوع پر بات کی گئی ہے جس کی معرفت ہمیں دانائی اور حکمت حاصل ہوتی ہے۔

ق۔ مانگتے رہو، ڈھونڈتے رہو، دروازہ کھٹکھٹاتے رہو

(۷: ۷-۱۲)

۷:۷-۸۔ اگر ہم سوچتے ہیں کہ ہم اپنی طاقت اور قوت سے پہاڑی وعظ کی تعلیمات پر عمل کر سکتے ہیں تو ہم اُس فوق الفطرت زندگی کو نظر انداز کر رہے ہیں جس پر چلنے کا مطالعہ مسیحی دعوام کر رہا ہے۔ ایسی زندگی بسر کرنے کے لئے حکمت یا قوت اُدپر سے ملتی ہے۔ چنانچہ خداوند دعوت دیتا ہے کہ ہم مانگیں اور مانگتے رہیں، ڈھونڈیں اور ڈھونڈتے رہیں، دروازہ کھٹکھٹائیں اور کھٹکھٹاتے رہیں۔ مسیحی زندگی گزارنے کے لئے حکمت اور قوت صرف اُنہی کو ملتی ہے جو

پورے دل سے اور استقلال کے ساتھ دُعا مانگتے ہیں۔

اگر آیات ۷ اور ۸ کو سیاق و سباق سے الگ کر کے دیکھا جائے تو ایمان دار کے لئے بلیک پیک معلوم ہوتی ہیں، یعنی ہم جو کچھ چاہیں حاصل کر سکتے ہیں، مگر یہ بات بالکل درست نہیں۔ ان آیات کا مفہوم ان کے فوری سیاق و سباق اور دُعا کے بارے میں بائبل مقدس کی تعلیم اور روشنی میں سمجھا جائے۔ چنانچہ یہاں جو وعدے غیر مشروط معلوم ہوتے ہیں، دراصل دوسرے عوامل نے ان پر شرائط لگا رکھی ہیں۔ مثال کے طور پر زبور ۱۸: ۶۶ سے ہم سیکھتے ہیں کہ دُعا مانگنے والے کی زندگی میں کوئی ایسا گناہ نہیں ہونا چاہئے جس کا اُس نے اعتراف و اقرار نہ کیا ہو۔ سچی کو دُعا ایمان کے ساتھ مانگنی چاہئے (دیعقوب ۱: ۶-۸)۔ دُعا خدا کی مرضی کے مطابق ہونی چاہئے (۱- یوحنا ۵: ۱۴) اور لگاتار مانگنے رہنا چاہئے (توفا ۱: ۱۸-۸)۔ دُعا سچے دل سے ہو (عبرانیوں ۱۰: ۲۲)۔

۷: ۹، ۱۰۔ جب دُعا مانگنے کی شرائط پوری ہو جائیں تو ایک مسیحی کو قطعی یقین ہونا چاہئے کہ خدا سُننے گا اور جواب دے گا۔ اس یقین کی بنیاد خدا ہمارے باپ کے کردار یا ذات پر ہے۔ انسانی سطح پر ہم جانتے ہیں کہ اگر کسی کا بیٹا "روٹی مانگے" تو اُس کا باپ اُسے "پتھر" نہیں دے گا۔ یا "اگر چھلی مانگے" تو باپ اُسے "سانپ" نہیں دے گا۔ دنیاوی باپ اپنے بیٹے کو نہ تو دھوکا دے گا، نہ اُسے کوئی ایسی چیز دے گا جو مُضر اور نقصان دہ ہو۔

۷: ۱۱۔ خداوند کی دلیل ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بڑھتی ہے۔ اگر انسانی والدین اپنی اولاد کی درخواست پر بہترین چیز دیتے ہیں تو ہمارا "باپ جو آسمان پر ہے" اس سے کہیں زیادہ کیوں نہ کرے گا؟

۷: ۱۲۔ آیت ۱۲ کا گزشتہ آیت کے ساتھ فوری تعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہمارا باپ ہمیں اچھی چیزیں دیتا ہے تو جب ہم دُوسروں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا سلوک کرتے ہیں تو اُس باپ کی تقلید اور نقل کرتے ہیں۔ جو سلوک ہم دُوسروں سے کرتے ہیں، وہ اُن کے لئے فائدہ مند ہے یا نہیں، اس بات کا جائزہ لینے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ

اے ایسا چیک جس پر کھاتا دار اپنے دستخط کر کے دے دیتا ہے۔ وصول کرنے والا اپنی مرضی سے رقم لکھ کر بینک سے حاصل کر سکتا ہے۔

دیکھیں کہ وہی سلوک ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں یا نہیں۔ ”یہ سنسری اصول“ ہے۔ مسیح کے دور سے کوئی ۱۰۰ برس پیشتر رہتی ہللیں نے اسی اصول کو منفی انداز میں پیش کیا تھا، لیکن یسوع نے اسے مثبت انداز میں بیان کیا ہے۔ اس طرح یسوع واضح کرتا ہے کہ کسی سے محض بدی کرنے سے گریز کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اُس کے ساتھ بھلائی بھی کرنی ہے۔ مسیحیت صرف یہی نہیں کہ گناہ سے بچا جائے اور پرہیز کیا جائے، بلکہ مثبت نیکی بھی کی جائے۔

یسوع کا یہ مقولہ ”توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے“ یعنی یہ موسیٰ کی ”توریت“ اور بنی اسرائیل کے ”نبیوں“ کی ساری اخلاقی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ پیرانا عہد نامہ جس راسخبازی کا لفظا کرتا ہے، اُن ایمانداروں میں پوری ہوتی ہے جو ”روح کے مطابق چلتے ہیں“ (رومیوں ۸: ۴)۔ اگر اس آیت کی تعمیل دُنیا بھر میں ہو تو بین الاقوامی تعلقات، قومی سیاست، خاندانی اور کیسیائی زندگی کے سارے شعبوں میں انقلاب آجائے گا۔

۷۔ تنگ راستہ (۷: ۱۳، ۱۴)

اب خداوند خبردار کرتا ہے کہ مسیحی شاگردیت کا ”دروازہ تنگ“ اور ”راستہ سکرٹا“ یعنی مشکل ہے۔ لیکن جتنے لوگ وفاداری کے ساتھ اُس کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں، ان کو کثرت کی ”زندگی“ ملتی ہے۔ دوسری طرف ”چوڑا دروازہ“ یعنی عیش و عشرت اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کی زندگی ہے۔ اس زندگی کا انجام ”ہلاکت“ ہے۔ یہاں بحث ابدی ہلاکت کی نہیں بلکہ اپنے وجود کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہنے کی ہے۔

ان آیات کا اِس پیغام پر بھی اطلاق ہوتا ہے جس کا تعلق دو راستوں اور نسلِ انسانی کے دو قسم کے حشر سے ہے۔ چوڑا دروازہ اور کشادہ راستہ ہلاکت کو پہنچاتا ہے (امثال ۱۶: ۲۵)۔ تنگ دروازہ اور سکرٹا راستہ زندگی کو پہنچاتا ہے۔ یسوع دروازہ (یوحنا ۱۰: ۹) اور راستہ (یوحنا ۱۴: ۶) دونوں ہے۔ اگرچہ ان آیات کا اس طرح اطلاق کرنا بھی درست ہے لیکن ان کا پیغام زیادہ تر ایمان داروں کے لئے ہے۔ یسوع کہہ رہا ہے کہ میری پیروی کرنے کے لئے، ایمان، نظم و ضبط، بردباری اور برداشت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ ”مشکل“ زندگی ہی زندہ رہنے کے لائق زندگی ہے۔ اگر آپ آسان راستہ اختیار کرتے ہیں تو بے شمار ساتھی مل جائیں گے لیکن جو عمدہ ترین چیزیں خدا نے آپ کے لئے رکھی ہیں،

ان سے آپ محروم رہ جائیں گے۔

تش۔ اُن کے پھلوں سے اُن کو پہچان لو گے (۷: ۱۵-۲۰)

۱۵: ۷۔ جب بھی شاگردیت کی سخت شرائط کی تعلیم دی جاتی ہے تو ساتھ ہی ”جھوٹے نبی“ بھی موجود ہوتے ہیں جو پورے دروازے اور کشادہ راستے کی وکالت کرتے ہیں۔ وہ سچائی میں اس قدر جلاوٹ کر دیتے ہیں کہ بالآخر اس کا وجود اتنا بھی نظر نہیں آتا جتنی ماش کے دانے پر سفیدی۔ یہ لوگ دعوے تو کرتے ہیں کہ ہم خدا کی طرف سے کلام کر رہے ہیں، لیکن دراصل ”بھیڑوں کے بھیس میں...“ ہوتے ہیں۔ ان کی وضع قطع سچے ایمان داروں جیسی ہوتی ہے لیکن باطن میں وہ ”بھاڑنے والے بھیڑیے“ ہوتے ہیں۔ یعنی وہ بدکار اور بے ایمان افراد ہوتے ہیں جو تاپختہ، ڈانواں ڈول اور کمزور ایمان والوں کو شکار کرتے ہیں۔

۱۶: ۷۔ ۱۸۔ یہ آیات جھوٹے نبیوں کو پہچاننے کے بارے میں ہیں۔ ”اُن کے پھلوں سے تم اُن کو پہچان لو گے۔“ اُن کی بے ہمار زندگی اور ہلاکت آفریں تعلیم اُن کا بھانڈا پھوڑ دیتی ہے۔ درخت یا کودا اپنی خصوصیات کے مطابق ”پھل“ لاتا ہے۔ ”جھاڑیوں“ کو ”انگور“ اور ”اٹ کڑوں“ کو ”انجیر“ نہیں لگ سکتے۔ ”اچھا درخت اچھا پھل“ اور ”برا درخت بُرا پھل“ لاتا ہے۔ یہ اصول طبعی دنیا اور روحانی دنیا دونوں جگہ کار فرما ہے۔ جو افراد خدا کی طرف سے بولنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اُن کی زندگیوں اور تعلیمات کو خدا کے کلام سے پرکھنا چاہئے۔ اگر وہ اس کلام کے مطابق نہ بولیں تو اُن کے لئے صبح نہ ہوگی (یسعیاہ ۸: ۲۰)۔ وہ اس کلام کے مطابق اس لئے نہیں بولتے کیونکہ اُن کے باطن روشن نہیں ہوتے۔

۱۹: ۷۔ ۲۰۔ جھوٹے نبیوں کا حشر یہ ہوگا کہ وہ ”اگ میں“ ڈالے جائیں گے۔ جھوٹے استادوں اور نبیوں کا انجام ”جلد ہلاکت“ (۲۔ پطرس ۱: ۱۰) ہوگا۔ وہ اپنے پھلوں سے پہچانے جاسکتے ہیں۔

ت۔ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی (۷: ۲۱-۲۳)

۲۱: ۷۔ اب یسوع اُن لوگوں کو خردار کرتا ہے جو اُس کو اپنا منجی ماننے کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں۔ لیکن دل سے کبھی ایمان نہیں لائے۔ ”جو مجھ سے اے خداوند، اے خداوند کہتے ہیں اُن میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا۔“ اس بادشاہی میں صرف وہی

لوگ داخل ہوتے ہیں جو خدا "باپ کی مرضی" پر چلتے ہیں۔ خدا کی مرضی پر چلنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ خداوند یسوع پر ایمان لایا جائے (کوریٹھا ۶: ۲۹)۔

۲۲: ۲۳۔ عدالت کے "دن" جب بے ایمان لوگ مسیح کے سامنے کھڑے ہوں گے تو (مکاشفہ ۲۰: ۱۱-۱۵) "بہتیرے" اُس سے کہیں گے کہ ہم نے تیرے نام سے "نبوت" کی یا بدروحوں نکالیں یا "بہت سے معجزے" دکھائے، لیکن اُن کا احتجاج بے سود ہوگا۔ یسوع اُن سے "صاف" کہہ دے گا کہ "میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی" یعنی میں نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ تم میرے ہو۔

ان آیات سے ہم جانتے ہیں کہ ہر ایک معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا اور نہ تمام معجزے کرنے والوں کو خدا نے بھیجا ہوتا ہے۔ معجزے کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ کوئی فوق الفطرت قوت کام کر رہی ہے۔ یہ قوت خدا کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور شیطان کی طرف سے بھی۔ شیطان اپنے کارندوں کو قوت دے سکتا ہے کہ عارضی طور پر بدروحوں کو نکال دیں اور یہ تاثر پیدا کریں کہ یہ معجزہ خدا کی طرف سے ہے۔ ایسی صورت میں وہ اپنی بادشاہی میں پھوٹ نہیں ڈالتا، بلکہ سازش کرتا ہے کہ مستقبل میں پہلے سے بھی زور وار حملہ کرے۔

ث۔ چٹان پر تعمیر کرنا (۲۳: ۲۴-۲۹)

۲۴: ۲۵۔ وعظ کے آخر میں یسوع ایک تمثیل بیان کرتا ہے جس سے فرمانبرداری کا سبق پوری طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ ان "باتوں" کو سن لینا ہی کافی نہیں بلکہ ضرور ہے کہ ہم ان پر عمل بھی کریں۔ جو شاگرد یسوع کی باتیں سننا اور اُن پر عمل کرتا ہے، وہ اُس عقل مند آدمی کی مانند ہے جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا۔ اُس کے گھر کی بنیاد ٹھوس اور مضبوط ہے اور جب "مہینہ" اور "آندھیاں" زور مارتی ہیں تو وہ گرنا نہیں۔

۲۴: ۲۶۔ لیکن جو شخص یسوع کی "باتیں سننا ہے اور اُن پر عمل نہیں کرتا، وہ اُس بے وقوف آدمی کی مانند ہے جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا۔ جب بدحالی اور مخالفت کی آندھیاں چلتی ہیں تو ایسا آدمی اُن کے سامنے ٹکھڑ نہیں سکتا۔ جب "مہینہ برسا اور... آندھیاں چلیں" تو وہ گھر گر گیا۔ اس لئے کہ اُس کی بنیاد ٹھوس اور مضبوط نہ تھی۔ جو شخص پہاڑی وعظ کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارتا ہے، دنیا اُس کو "بے وقوف"

مگر یسوع اُس کو "عقل مند آدمی" کہتا ہے۔ دُنیا اُس شخص کو عقل مند گردانتی ہے جو آکھوں دیکھے کے مطابق زندگی گزارتا ہے جو صرف آج کے لئے اور صرف اپنی ذات کے لئے جیتتا ہے۔ تاہم یسوع ایسے شخص کو بے وقوف ٹھہراتا ہے۔ انجیل کے پیغام کی وضاحت اور تشریح کے لئے گھر بنانے والے عقل مند اور بے وقوف آدمی کی مثال دینا بالکل مُوزوں اور مناسب ہے۔ عقل مند آدمی اپنا پورا بھروسہ سچٹان یعنی یسوع مسیح پر رکھتا ہے کیونکہ وہ خداوند اور نجات دہندہ ہے۔ بے وقوف آدمی توبہ کرنے اور یسوع مسیح کو اپنا واحد نجات دہندہ ماننے سے انکار کرتا ہے۔ لیکن اس نمیش کی تشریح ہمیں نجات سے بہت آگے لے جاتی ہے اور بتاتی ہے کہ نجات مسیحی کی زندگی کو کس طرح متاثر کرتی ہے۔

۷: ۲۸، ۲۹۔ جب مسیح خداوند نے اپنا پیغام ختم کیا تو لوگ بہت "حیران" ہوئے۔ اگر ہم پہاڑی وعظ پڑھنے اور اس کی انقلابی نوعیت پر حیران نہیں ہوتے تو ہم اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

لوگوں نے دیکھا کہ یسوع کی تعلیم فقیہوں کی تعلیم سے بالکل فرق ہے۔ وہ اختیار کے ساتھ کلام کرتا تھا جبکہ فقیہوں کی باتیں ہر قسم کی تاثیر سے خالی تھیں۔ وہ آواز تھا، جبکہ فقیہ محض بازگشت تھے۔ تین علما اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"یسوع کی تعلیم سے صاف نظر آتا تھا کہ وہ شریعت کا بانی، شارح اور منصف ہے۔ یہ حقیقت اُس کی باتوں سے یوں جھلکتی تھی کہ اُس کے سامنے فقیہوں کی تعلیم ٹھٹھاتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔"

۵۔ مسیح موعود کے قدرت اور فضل کے معجزات اور لوگوں

پران کے مختلف اثرات (۸: ۱ تا ۹: ۳۴)

ابواب ۸ تا ۱۲ میں خداوند یسوع اسرائیلی قوم کے سامنے ناقابل تردید ثبوت پیش کرتا ہے کہ میں ہی مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں انبیاء نے لکھا تھا۔ مثال کے طور پر یسعیاہ نے لکھا تھا کہ مسیح موعود اندھوں کی آنکھیں کھولے گا، بہروں کے کان کھولے گا، لنگڑوں کو اچھا کرے گا اور لوگوں کو زبان دے گا (یسعیاہ ۳۵: ۵، ۶)۔ یسوع نے یہ ساری پیش گوئیاں پوری کر کے

ثابت کر چیا کہ میں ہی مسیح موعود ہوں۔ اسرائیلی اپنے صحائف کے حوالوں سے دیکھتے تو انہیں شگفتہ کرنے میں ذرہ بھر وقت نہ ہوتی کہ یہی مسیح ہے۔ مگر اُس شخص سے بڑھ کر کوئی اندھا نہیں ہوتا جو دیکھنا ہی نہ چاہے۔

ان ابواب میں جو واقعات درج ہیں، وہ ایک موضوعاتی ترتیب سے پیش رکے گئے ہیں۔ تواریخی ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ یہ خداوند کی خدمت کی مکمل روداد نہیں ہے بلکہ اُن واقعات کو پیش کیا گیا ہے جن کو رُوح القدس نے منتخب کیا تاکہ نجات دہندہ کی زندگی کے چیدہ چیدہ خصائص اور پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے۔ اس میں مندرجہ ذیل باتیں شامل ہیں :

۱۔ بیماریوں، پیدروحوں، موت اور عناصرِ قدرت پر مسیح کا کامل اختیار۔
۲۔ اُس کا یہ دعویٰ کہ میں اُن لوگوں کی زندگی کا کامل خداوند اور مالک ہوں جو میرے پیچھے آنا چاہیں۔

۳۔ بنی اسرائیل اور خصوصاً مذہبی لیڈروں کی طرف سے اُسے رد کرنے کی شدت میں مسلسل اضافہ۔

۴۔ غیر اقوام نے انفرادی طور پر اُسے شوق سے نجات دہندہ تسلیم کیا۔

۱۔ کوڑھ پر قدرت (۱:۸-۳)

۱:۸۔ اگرچہ یسوع کی تعلیم انقلابی اور انتہا درجے کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن اُس میں دوسروں کو متاثر کرنے اور اپنی طرف کھینچنے کی قوت تھی، یہاں تک کہ "بہت سی بھیڑ" اُس کے پیچھے ہولیتی تھی۔ سچائی اپنا ثبوت آپ ہوتی ہے۔ لوگ اُسے پسند کریں یا نہ کریں لیکن کبھی اُسے بھلا نہیں سکتے۔

۲:۸۔ ایک کوڑھی نے اُسے سجدہ کیا اور شفا کے لئے التجا کرنے لگا۔ یہ کوڑھی ایمان رکھتا تھا کہ خداوند مجھے شفا دے سکتا ہے اور سچے ایمان کو کبھی مایوسی نہیں ہوتی۔ کوڑھ گناہ کی نہایت عمدہ تصویر پیش کرتا ہے، کیونکہ یہ کراہیت پیدا کرتا ہے۔ یہ تباہ کن اور ہلاکت آفرین مرض ہے۔ دوسروں کو لگ جاتا ہے اور بعض قسم کا کوڑھ انسانی طور پر ناقابلِ علاج ہوتا ہے۔

۳:۸۔ کوڑھی اچھوت ہوتے تھے۔ اگر کوئی اُن سے چھو جاتا تو اُسے بھی کوڑھ لگ

جانے کا خطرہ ہوتا تھا۔ اور جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے، کوڑھی کو چھونے والا شخص رسمی طور پر ناپاک ہو جاتا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کی جماعت کے ساتھ مل کر عبادت نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب یسوع نے اُس کوڑھی کو چھوا اور شفا بخش کلمات کہے تو وہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا۔ ہمارا نجات دہندہ گناہ سے پاک صاف کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور پاک صاف ہونے والا شخص عبادت کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

۲:۸۔ مٹی کی انجیل میں یہ پہلا موقع ہے کہ یہ بات قلم بند کی گئی ہے کہ جس شخص کے لئے معجزہ ہوا یسوع نے اسے حکم دیا کہ ”کسی سے نہ کہنا“ (مزید دیکھیے ۹:۱۷؛ ۱۰:۱۷؛ ۱۱:۱۷؛ ۱۲:۱۷؛ ۱۳:۱۷؛ ۱۴:۱۷؛ ۱۵:۱۷؛ ۱۶:۱۷؛ ۱۷:۱۷؛ ۱۸:۱۷؛ ۱۹:۱۷؛ ۲۰:۱۷؛ ۲۱:۱۷؛ ۲۲:۱۷؛ ۲۳:۱۷؛ ۲۴:۱۷؛ ۲۵:۱۷؛ ۲۶:۱۷؛ ۲۷:۱۷؛ ۲۸:۱۷؛ ۲۹:۱۷؛ ۳۰:۱۷؛ ۳۱:۱۷؛ ۳۲:۱۷؛ ۳۳:۱۷؛ ۳۴:۱۷؛ ۳۵:۱۷؛ ۳۶:۱۷؛ ۳۷:۱۷؛ ۳۸:۱۷؛ ۳۹:۱۷؛ ۴۰:۱۷؛ ۴۱:۱۷؛ ۴۲:۱۷؛ ۴۳:۱۷؛ ۴۴:۱۷؛ ۴۵:۱۷؛ ۴۶:۱۷؛ ۴۷:۱۷؛ ۴۸:۱۷؛ ۴۹:۱۷؛ ۵۰:۱۷؛ ۵۱:۱۷؛ ۵۲:۱۷؛ ۵۳:۱۷؛ ۵۴:۱۷؛ ۵۵:۱۷؛ ۵۶:۱۷؛ ۵۷:۱۷؛ ۵۸:۱۷؛ ۵۹:۱۷؛ ۶۰:۱۷؛ ۶۱:۱۷؛ ۶۲:۱۷؛ ۶۳:۱۷؛ ۶۴:۱۷؛ ۶۵:۱۷؛ ۶۶:۱۷؛ ۶۷:۱۷؛ ۶۸:۱۷؛ ۶۹:۱۷؛ ۷۰:۱۷؛ ۷۱:۱۷؛ ۷۲:۱۷؛ ۷۳:۱۷؛ ۷۴:۱۷؛ ۷۵:۱۷؛ ۷۶:۱۷؛ ۷۷:۱۷؛ ۷۸:۱۷؛ ۷۹:۱۷؛ ۸۰:۱۷؛ ۸۱:۱۷؛ ۸۲:۱۷؛ ۸۳:۱۷؛ ۸۴:۱۷؛ ۸۵:۱۷؛ ۸۶:۱۷؛ ۸۷:۱۷؛ ۸۸:۱۷؛ ۸۹:۱۷؛ ۹۰:۱۷؛ ۹۱:۱۷؛ ۹۲:۱۷؛ ۹۳:۱۷؛ ۹۴:۱۷؛ ۹۵:۱۷؛ ۹۶:۱۷؛ ۹۷:۱۷؛ ۹۸:۱۷؛ ۹۹:۱۷؛ ۱۰۰:۱۷)۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ بہت سے لوگ صرف رومی جوتے سے خلاصی حاصل کرنا چاہتے اور اسی مقصد سے مجھے بادشاہ بنانے کی کوشش میں ہیں۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اسرائیلی قوم ابھی تک توبہ کی طرف مائل نہیں اور کہ یہ قوم میری قیادت کو رد کرے گی اور یہ بھی کہ مجھے پہلے صلیب تک پہنچنا ضرور ہے۔

موسوی شریعت کے مطابق ”کابن“ مُعالج یا طیب کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔ جب کوئی کوڑھی پاک صاف ہوتا یعنی شفا پاتا تھا تو اُس کا فرض تھا کہ نذر لے کر کابن کے پاس حاضر ہوتا کہ اُس کے پاک ہونے کا اعلان کیا جائے (احبار ۱۴: ۲-۶)۔ بے شک کوئی نادر موقع ہی ہوتا تھا کہ کوئی کوڑھی شفا یاب ہوتا تھا۔ لیکن یہ موقع اتنا نادر تھا کہ کابن کو چونکا ہو کہ تفتیش کرنی چاہئے تھی کہ کیا مسیح موعود واقعی برپا ہو گیا ہے۔ مگر کتاب مقدس میں کسی ایسے رد عمل کا بیان نہیں۔ یسوع نے کوڑھی سے کہا کہ اس معاملے میں شریعت کی تعمیل کرے۔

اس معجزے کے روحانی مضمرات واضح ہیں۔ مسیح موعود اسرائیل کے پاس قوم کی بیماری سے شفا دینے کی قدرت لے کر آیا تھا اور یہ معجزہ اُس نے ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ لیکن یہ قوم ابھی اپنے مخلصی دینے والے کے لئے تیار نہ تھی۔

ب۔ فالج پر قدرت (۸ : ۵-۱۳)

۸:۵، ۶۔ یہاں ایک غیر قوم ”صوبہ دار“ کے ایمان اور یہودیوں کے مسیح کو قبول نہ کرنے میں زبردست تقابل ہے۔ اگر اسرائیلی اپنے بادشاہ کو تسلیم نہیں کرے گا تو حقیر و ناجیز

غیر یہودی تو تسلیم کریں گے۔ صوبہ دار رومی فوج کا ایک افسر تھا جو تقریباً ایک سو آدمیوں پر مامور ہوتا تھا۔ یہ صوبہ دار کفرِ نجوم یا اُس کے قُرب و جوار میں تعینات تھا۔ وہ یسوع کے پاس آیا اور اپنے ”خادم“ کے لئے شفا کی درخواست کی۔ یہ خادم نہایت تکلیف دہ فالج کا شکار تھا۔ یہاں ہمیں غیر معمولی ہمدردی کا مظاہرہ نظر آتا ہے کیونکہ اکثر افسر اپنے خادموں کی قطعاً پروا نہیں کرتے تھے۔

۸: ۷-۹۔ جب خداوند یسوع نے ساتھ جا کر اُسے شفا دینے کی رضامندی کا اظہار کیا تو صوبہ دار نے وہ بات کی جس سے اُس کے ایمان کی سچائی اور گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ اُس نے کہا ”میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے۔“ اور اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ تو صرف زبان سے کہہ دینے سے میرے خادم کو شفا دے سکتا ہے۔ میں ”اختیار“ کی حقیقت کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ میں اپنے افسرانِ بالا کے احکام پر عمل کرتا ہوں اور اپنے ماتحتوں کو احکام دیتا ہوں اور وہ مانتے ہیں۔ تیرے الفاظ میرے خادم کی بیماری پر اس سے کہیں بڑھ کر اختیار رکھتے ہیں۔

۸: ۱۰-۱۲۔ یسوع نے اُس غیر قوم شخص کے ایمان پر تعجب کیا۔ پاک کلام میں صرف دو ایسے موقعے بیان ہوئے ہیں جب یسوع نے تعجب کیا۔ دوسرا موقع وہ تھا جب یسوع نے یہودیوں کی بے اعتقادی پر تعجب کیا (مرقس ۶: ۶)۔ اُس کو ”ایسا (زبردست) ایمان“ خدا کی برگزیدہ قوم اسرائیل میں بھی نہیں“ ملا تھا۔ اسی بات کی بنیاد پر اُس نے بتایا کہ میری آنے والی بادشاہی میں غیر اقوام دُنیا کے کدور و نزدیک سے جوق در جوق آکر شامل ہوں گی اور یہودی قوم کے ایمان دار آباد اجداد کے ساتھ رفاقت و ثراکت سے نطف اندوز ہوں گی جبکہ بادشاہی کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے“ جہاں وہ روئیں اور دانت پیسیں گے۔

”بادشاہی کے بیٹے“ وہ ہیں جو پیدا کنشی یہودی تھے اور جو خدا کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کا اقرار تو کرتے تھے لیکن دل سے کبھی ایمان نہ لائے۔ یہ اصول تو آج بھی کارفرما ہے۔ بہت سے لوگوں کو مسیحی گھروں میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کا شرف حاصل ہے۔ لیکن وہ مسیح کو رد کرتے ہیں۔ اس لئے وہ جہنم میں ہلاک ہوں گے، جبکہ جنگلوں میں پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے والے وحشی لوگ آسمانی جلال اور شان و شوکت میں داخل ہوں گے، اس لئے کہ وہ انجیل کے پیغام پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۳:۸ - "یسوع نے صوبہ دار سے کہا، جا، جیسا تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہو۔ خدا کی ذات پر ایمان جتنا مضبوط ہوگا اسی تناسب سے اس کا اجر ملے گا۔" اور اسی گھڑی خادم نے شفا پائی "حالانکہ یسوع کافی فاصلے پر تھا۔ اس واقعے میں ہمیں مسیح کی موجودہ وقت کی خدمت نظر آتی ہے۔ وہ غیر مستحق غیر اقوام کو گناہ کے فالج سے شفا دے رہا ہے۔ حالانکہ جسمانی طور پر خود موجود نہیں۔

ج۔ بخار پر قدرت (۱۵:۱۴:۸)

"یسوع نے پطرس کے گھر میں آکر اُس کی ساس کو تپ میں پڑی دیکھا۔ اُس نے اُس کا ہاتھ چھوا اور تپ اُس پر سے اتر گئی۔" عام طور پر بخار یا تپ انسان کو بہت کمزور کر کے رکھ دیتی ہے لیکن یہ شفا اتنی فوری اور کامل تھی کہ وہ بستر سے اُٹھ کر یسوع کی خدمت کرنے لگی۔ یہ شکر گزار کی کا نہایت نوزوں اظہار تھا کہ نجات دہندہ نے میرے لئے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ ہمیں بھی جب شفا ملتی ہے تو اُس بزرگ خانوں کی تقلید کرنی چاہئے اور نئی خصوصیت اور نئے زور کے ساتھ اُس کی خدمت کرنی چاہئے۔

د۔ بدروحوں اور طرح طرح کی بیماریوں پر قدرت (۱۶:۱۶:۸)

"جب شام ہوئی" اور سبت گزر گیا (دیکھیے مرقس ۱:۲۱-۳۴) تو لوگ بہت سے افراد کو اُس کے پاس لائے۔ "جن میں بدروحیں تھیں"۔ یہ قابلِ رحم افراد وہ تھے جن کے اندر بدروحیں بستنی اور اُن کو کٹر طول کرتی تھیں۔ کئی دفعہ تو ایسے افراد فوق البشر علم اور قوت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ کئی دفعہ بدروحیں اُن کو بے حد تکلیف اور اذیت دیتی تھیں۔ اُن کا رویہ بعض اوقات پاکلوں جیسا ہوتا تھا، لیکن جسمانی یا ذہنی بیماری کے باعث نہیں بلکہ بدروحوں کی وجہ سے۔ یسوع نے اُن بدروحوں کو زبان ہی سے کہہ کر نکال دیا۔ مزید برآں اُس نے "سب بیماریوں کو اچھا کر دیا"۔ اس طرح یسعیاہ ۵۳: ۴ کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ اُس نے آپ ہماری کمزوریاں مٹے لیں اور بیماریاں اُٹھالیں۔ ایمان سے شفا دینے والے اکثر ایت، اُکو اس بات کے ثبوت ہیں پیش کرتے ہیں کہ شفا کفارہ میں ہے، اس لئے جسمانی شفا ایک ایسی چیز ہے جسے ایمان دار ایمان کی بنیاد پر مانگ سکتا، بلکہ دعوے کے ساتھ مانگ سکتا ہے۔ لیکن یہاں خدا کا روح نبوت کا اطلاق ہمارے نجات دہندہ کی زمین پر شفا دینے کی خدمت پر کرتا ہے نہ کہ صلیب پر اُس کے کام پر۔

اب تک ہم نے اس باب میں چار معجزوں پر غور کیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :

۱- یہودی کوڑھی کو شفا دینا۔ یسوع موقع پر موجود تھا۔

۲- صوبہ دار کے خادم کو شفا دینا۔ یسوع موقع سے دور تھا۔

۳- پطرس کی ساس کو شفا دینا۔ یسوع گھر میں موجود تھا۔

۴- ان سارے افراد کو شفا دینا جو بدروحوں کے قبضے میں تھے۔ یسوع وہاں موجود تھا۔

گائبلین (Gaebelein) کہتا ہے کہ یہ معجزات ہمارے خداوند کی خدمت

کے چار مراحل کی مثال پیش کرتے ہیں :

۱- اپنی پہلی آمد کے موقع پر مسیح اپنی قوم اسرائیل میں خدمت کرتا ہے۔

۲- غیر قوموں کا دور۔ مسیح غیر حاضر ہے۔

۳- دوسری آمد۔ جب وہ گھر میں داخل ہوگا، اسرائیل کے ساتھ اپنا تعلق بحال کرے گا اور

بیمار و دختر صیون کو شفا دے گا۔

۴- ہزار سالہ بادشاہی، جب سب بیمار اور بدروحوں کے ستائے ہوئے لوگ شفا پائیں گے۔

یہ معجزات کے وسیلے سے مسیح کی تعلیم کے ارتقا کا ایک نہایت دل چسپ تجزیہ ہے۔ اس سے ہمیں ہوشیار اور چوکتا ہو جانا چاہئے کہ پاک صحائف میں بہت گہرے معنی بھی پوشیدہ ہیں۔ لیکن ساتھ ہی خبردار رہیں کہ تشریح کے اس طریقے کو انتہا تک نہ لے جائیں کہ متن پر مضمک خیز تفسیر ٹھونسنے لگیں۔

۵- انسانی انکار کا معجزہ (۱۸:۸-۲۲)

ہم نے مسیح کو بیماریوں اور بدروحوں پر اپنا اختیار استعمال کرتے دیکھا ہے۔ مگر جب اُس کا واسطہ عورتوں اور مردوں سے پڑتا ہے تو اُسے مزاحمت کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ انسانی انکار کا معجزہ ہے۔

۱۸:۸-۲۰۔ یسوع کفر نجوم سے گلیل کی جھیل کو پار کر کے مشرق کی طرف جانے کی

تیاریاں کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک فقیر جسے اپنے آپ پر بہت اعتماد اور مان تھا آگے بڑھا اور وعدہ کرنے لگا کہ "جہاں کہیں تو جائے گا میں تیرے پیچھے چلوں گا۔" مسیح کے جواب

نے اُسے چیلنج کیا کہ پہلے قیمت کا حساب لگا لے کیونکہ یہ خودِ املکاری کی زندگی ہے۔ ”لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پزندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔“ اپنی علانیہ خدمت کے دوران اُس کا اپنا کوئی گھر نہ تھا۔ تاہم ایسے گھر ضرور موجود تھے جہاں بطور مہمان اُس کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور عام طور سے اُسے سونے کو جگہ مل جاتی تھی۔ اُس کی بات کا اصل مطلب رُو حانی ہے۔ یہ دنیا اُس کو حقیقی اور دائمی آرام فراہم نہ کر سکی۔ اُس کے سپرد ایک کام تھا اور جب تک یہ کام پورا نہ ہو جاتا وہ آرام نہیں کر سکتا تھا۔ یہی حال اُس کے پیروؤں کا ہے۔ یہ دنیا اُن کے آرام کی جگہ نہیں ہے۔ یا کم سے کم ہونی نہیں چاہئے۔

۲۱:۸ - ”ایک اور شاگرد“ بھی بہت اچھا ارادہ رکھتا تھا۔ اُس نے بھی یسوع کی پیروی کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُس کے نزدیک ایک کام تھا جو مسیح کے پیچھے ہو لینے پر سبقت رکھتا تھا۔ ”خداوند مجھے اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں۔“ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آیا اُس وقت اُس کا باپ مر چکا تھا یا نہیں۔ بنیادی مسئلہ تو متضاد الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”خداوند مجھے... پہلے“ اُس نے خود کو مسیح سے پہلے رکھا۔ یہ بات بالکل موزوں و مناسب ہے کہ انسان اپنے باپ کی اچھی طرح تجھیز و تدفین کرے۔ لیکن یہ بات اُس وقت غلط ہو جاتی ہے جب اُسے نجات دہندہ کی بلا ہٹ پر فوقیت دی جائے۔

۲۲:۸ - یسوع نے اُسے جواب دیا کہ ”تو میرے پیچھے چل اور مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے۔“ مراد ہے کہ رُو حانی طور پر مردہ لوگوں کو اپنے جسمانی طور پر مردہ لوگوں کو دفن کرنے دے۔ یہ کام تو ایک غیر نجات یافتہ شخص بھی کر سکتا ہے مگر ایک کام ایسا بھی ہے جسے صرف تو ہی کر سکتا ہے۔ اپنی زندگی کی بہترین صلاحیتیں اُس کام میں لگاؤ جو دائمی ہے۔ یہ تو نہیں بتایا گیا کہ ان دو شاگردوں کا ردِ عمل کیا تھا، مگر معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ مسیح کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اُن کے دنیا میں آرام و آسائش کا مقام حاصل کریں اور غیر ضروری اور معمولی چیزوں سے دامن بھرتے رہیں۔ اُن پر فتوے دینے اور اُن کی مذمت کرنے سے پہلے ہم کو شاگردیت کی ان دو شرائط پر اپنے آپ کو پرکھنا چاہئے جو کلام کے اس حصے میں یسوع نے بیان کی ہیں۔

۹۔ عناصرِ فطرت پر قدرت (۸: ۲۳-۲۷)

گیلین کی جھیل فوری اور شدید طوفانوں کے لئے مشہور ہے۔ شمال میں دریائے یردن کی وادی سے ہوا میں تیزی کے ساتھ نکلتی ہیں اور تنگ گھاٹی میں ان کی رفتار اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔ جب جھیل سے طوفانی ہوا ہر قسم کی کشتی رانی نہایت خطرناک ہو جاتی ہے۔

زیر نظر موقع پر یسوع جھیل کو مغرب سے مشرق کی طرف عبور کر رہا تھا۔ جب طوفان آیا تو وہ کشتی میں "سوٹا تھا"۔ خوف زدہ شاگردوں نے اُسے جگایا اور مدد کے لئے دیوانہ وار التجائیں کرنے لگے۔ ان کے حلق میں انہی بات قابلِ تعریف ہے کہ وہ صحیح شخص کے پاس آئے۔ پہلے تو یسوع نے ان کی کم اعتقادی پر انہیں جھڑکا۔ پھر اُس نے "ہوا اور پانی کو ڈانٹا"۔ فوراً "بڑا امن ہو گیا" اور "لوگ تعجب کر کے کہنے لگے" کہ عناصرِ فطرت بھی ہمارے "معمولی" سے مسافر کا حکم مانتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے تھے کہ آج اس کشتی میں کائنات کا مالک اور سنبھالنے والا ہمارے ساتھ موجود ہے!

سارے شاگردوں کو جلدی یا بہ دیر طوفانوں کا سامنا ہونا ہے۔ کئی دفعہ محسوس ہوتا ہے کہ لہریں ہم کو نکل جائیں گی۔ مگر یہ جاننا کیسی اطمینان بخش بات ہے کہ یسوع ہمارے ساتھ کشتی میں ہے۔ جس جہاز پر سمندر اور خشکی اور آسمانوں کا مالک موجود ہو اُسے کوئی طوفان نکل نہیں سکتا اور کوئی ہستی نہیں جو خداوند یسوع کی طرح زندگی کے طوفانوں کو تھما سکے!

۱۰۔ یسوع دو آسیب زدہ آدمیوں کو شفا دیتا ہے

(۸: ۲۸-۳۴)

۲۸:۸۔ گیلین کی جھیل کے مشرقی کنارے پر گدرینوں کا ملک "تھا۔ جب یسوع وہاں پہنچا تو اُسے "دو" ایسے بدروح گرفتہ آدمی ملے جو غار نما "قبروں" میں رہتے تھے اور اتنے "تند مزاج" تھے کہ اُس علاقے میں سے ہو کر گزرنا نہایت خطرناک تھا۔

۲۹:۸-۳۱۔ جب یسوع وہاں پہنچا تو بدروحیں چلا اٹھیں "اے خدا کے بیٹے (یسوع) ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو اس لئے یہاں آیا ہے کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب میں ڈالے؟"

وہ جانتی تھیں کہ یسوع کون ہے اور کہ بالآخر وہ ہمیں ہلاک کرے گا۔ اس لحاظ سے اُن کا علم الہی آج کے بہت سے آزاد خیال علما کی نسبت زیادہ صحیح تھا۔ اُن بدرجوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ ہمیں ان آدمیوں میں سے نکال دے گا۔ اس لئے اُنہوں نے درخواست کی ”ہمیں سُوروں کے غول میں بھیج دے“۔ یہ غول نزدیک ہی پُرا رہا تھا۔

۳۲:۸ - خاصی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ یسوع نے اُن کی درخواست منظور کر لی۔ کامل اختیار کے مالک خداوند نے بدرجوں کی درخواست کیوں منظور کر لی؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں دو حقیقتوں کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ اول - بدرجوں بے بدنی کی کیفیت سے بہت کتراتے ہیں۔ وہ انسانوں کے اندر سکونت رکھنا چاہتی ہیں۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتو جانوروں یا دوسری مخلوق میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ دوم - بدرجوں کا ہمیشہ مقصد ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ اگر یسوع اُن کو اُن آسیب زدہ افراد میں سے صرف نکال دیتا تو یہ اُس علاقے کے لوگوں کے لئے ایک مہیبت بن جاتیں۔ اُن کو سُوروں میں داخل ہونے کی اجازت دے کر یسوع نے اُنہیں دوسرے آدمیوں اور عورتوں میں داخل ہونے سے روک دیا اور اُن کی تباہ کن یا ہلاکت خیز طاقت کو صرف جانوروں تک محدود کر دیا۔ ابھی وقت نہیں آیا تھا کہ خداوند اُن کو بالآخر ہلاک کر دیتا۔ جو نہی وہ سُوروں میں گھس گئیں ”سالا غول کڑاڑے (کنارے) پر سے چھپٹ کر پھیل میں جا پڑا اور پانی میں ڈوب مرا“۔

اس واقعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بدرجوں کا آخری مقصد تباہ یا ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ خوفناک امکان بھی سامنے آتا ہے کہ دو آدمیوں میں اتنی تعداد میں بدرجوں بس سکتی ہیں جن سے کوئی دوسرا سُور ہلاک ہو سکتے ہیں (مرقس ۵: ۱۳)۔

۳۳:۸ - سُور چلنے والے اس واقعے کی خبر لے کر شہر کو دوڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر کے لوگ سخت پریشان ہوئے اور یسوع کے پاس آکر ”منت کی کہ ہماری سرحدوں سے باہر چلا جا“۔ اُس وقت سے یسوع پر نکتہ چینی کی جاتی ہے کہ اُس نے سُوروں کو بلا ضرورت مروایا اور اُسے باہر چلے جانے کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جانوروں کی نسبت انسانی جانوں کی زیادہ قدر کرتا ہے۔ اگر گراسین یہودی تھے تو سُور پالنا اُن کے لئے خلافِ شرع تھا۔ خیر، یہودی تھے یا غیر یہودی بہر حال اُن کی غلطی یہ ہے کہ وہ سُوروں کے غول کو دو انسانوں کے شرفا پانے سے زیادہ اہم اور قیمتی سمجھتے تھے۔

ح۔ گناہ مُعاف کرنے کا اختیار (۱:۹-۸)

۱:۹۔ اگر ارسینیوں نے یسوع کو رد کر دیا، چنانچہ وہ گلیں کی جھیل کو دوبارہ عبور کر کے کفرِ نوحم میں آگیا۔ اب کفرِ نوحم اُس کا "اپنا شہر" بن چکا تھا۔ ناصرت کے لوگوں نے یسوع کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی (دو قاف: ۲۹-۳۱)۔ اس کے بعد سے اُس نے کفرِ نوحم کو "اپنا شہر" بنالیا تھا۔ یہی جگہ ہے جہاں اُس نے بعض بڑے بڑے مُعجزے دکھائے۔

۲:۹۔ چار آدمی "یکے مفلوج" کو چار پائی پر ڈال کر اُس کے پاس لائے۔ مرقس بیان کرنا ہے کہ پھیپڑ کے سبب سے اُن کو چھت ادھیڑ کر مفلوج کو یسوع کے سامنے لٹکانا پڑا (مرقس ۱:۲۲-۱۲)۔ "یسوع نے اُن کا ایمان دیکھ کر مفلوج سے کہا، بیٹا خاطر جمع رکھ، تیرے گناہ مُعاف ہوئے۔" غور کریں کہ یسوع نے "اُن کا" ایمان دیکھا۔ ایمان ہی نے اُن کو اُبھارا تھا کہ اس معذور شخص کو شفا کے لئے یسوع کے پاس لائیں۔ ہمارے خداوند نے سب سے پہلے اس ایمان کا اجر دیا اور اعلان کیا کہ اُس کے "گناہ مُعاف ہوئے۔" طیب اعظم نے علامات کا علاج کرنے سے پہلے اسباب کو دُور کیا۔ بیماری کے اثر سے پہلے اُس کی بڑھ چڑھ کر دی۔ اُس نے بڑی برکت پہلے دی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یسوع نے کسی کو کبھی روحانی نجات دے بغیر شفا بخشی؟

۳:۵-۹۔ "بعض فقیموں نے" یسوع سے اُس مرد کے گناہوں کی مُعافی کا اعلان سُن کر اپنے دل میں اُس پر کفر کا الزام لگا دیا کیونکہ گناہ تو صرف خدا ہی مُعاف کر سکتا ہے اور وہ اُس کو خدا تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے! خداوند یسوع عالم کُل ہے۔ اُس کو اُن کے خیالات معلوم تھے۔ اُس نے اُن کو چھڑکا کیونکہ اُن کے دلوں میں بے ایمانی کے "بڑے خیال" تھے۔ پھر اُن سے سوال پوچھا کہ "آسان کیا ہے۔" یہ کہنا کہ تیرے گناہ مُعاف ہوئے یا یہ کہنا کہ اٹھ اور چل پھر؟ درحقیقت دونوں باتیں "کہنا" یکساں آسان ہیں مگر کونسی بات "کرنا" مشکل ہے؟ انسانی لحاظ سے دونوں ہی مشکل ہیں۔ لیکن پہلے حکم کا نتیجہ نظر نہیں آسکتا، جبکہ دوسرے حکم کے اثرات فوراً نظر آتے ہیں اور آئے بھی۔

۷:۹۔ فقیموں کو یہ دکھانے کے لئے کہ "ابن آدم کو زمین پر گناہ مُعاف کرنے کا اختیار ہے" (اور اس لئے بطور خدا اُس کی تعظیم ہونی چاہئے) یسوع نے بندہ نواز می سے

کام لیتے ہوئے اُن کو وہ معجزہ دکھایا جسے دیکھ سکیں۔ چنانچہ اُس نے مفلوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ اٹھ، اپنی چار پائی اٹھا، اور اپنے گھر چلا جا۔

۸:۹۔ جب لوگوں نے اُسے اپنی چار پائی اٹھا کر اپنے گھر کو جاتے دیکھا تو انہوں نے دو جذبات کا اظہار کیا۔ ایک ڈر، دوسرے حیرت۔ ڈر اس لئے کہ وہ ایک فوق العظمت ہستی کے حضور میں تھے۔ چنانچہ وہ ”خدا کی تعجب کرنے لگے“ کہ اُس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا۔ لیکن وہ معجزے کے مفہوم اور اہمیت کو بالکل نہ سمجھ سکے۔ مفلوج کی ”دیدنی“ شفا کا مقصد اس بات کی تصدیق کرنا تھا کہ اُس آدمی کے گناہ واقعی مُعاف ہو گئے ہیں۔ یہ ایک ”نادیدنی“ معجزہ تھا۔ اس سے اُن کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ جو کچھ ہم نے دیکھا ہے، وہ اس بات کا مظاہرہ نہیں کہ خدا نے آدمیوں کو کوئی اختیار دے دیا ہے بلکہ یہ کہ خداوند یسوع مسیح کی شخصیت میں خود خدا کی حضور ہی ہمارے درمیان آگئی ہے۔ لیکن وہ کچھ بھی نہ سمجھے۔

جہاں تک فقیہوں کا تعلق ہے، ہم بعد کے واقعات سے جانتے ہیں کہ وہ اپنی نفرت اور بے اعتقادی میں اور زیادہ سخت ہوتے گئے۔

ط۔ متی کی بلا ہٹ (۹:۹-۱۳)

۹:۹۔ متی اپنی بلا ہٹ کا سادہ اور انکسارانہ بیان درج کرتا ہے۔ اس طرح یسوع کے گرد جوتناؤ کا ماحول بڑھتا جا رہا تھا، اُس کے بیان میں کچھ وقفہ پیدا ہو جاتا ہے۔ متی محضول لینے والا یعنی کسٹ ہاؤس کا افسر تھا۔ یہودی اُس سے اور اُس کے ساتھی افسروں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ لوگ بہت بد قماش تھے، دوسرے اس لئے کہ وہ لوگوں پر تشدد کر کے محضول لیتے تھے۔ تیسرے اور سب سے زیادہ اس لئے کہ وہ رومیوں کے لئے محضول جمع کرتے تھے۔ اور رومی اسرائیلیوں پر حکمران تھے۔

یسوع محضول کی چوکی کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اُس نے متی کو وہاں دیکھا اور اُس سے کہا میرے پیچھے ہولے۔ متی کا رد عمل فوری تھا۔ ”وہ اٹھ کر اُس کے پیچھے ہولیا۔“ اُس نے بددیانتی کا روایتی کاروبار ترک کر دیا اور ایک دم یسوع کا شاگرد بن گیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے، ”اُس نے ایک آرام دہ ملازمت چھوڑ دی، لیکن اپنی عاقبت سنواری۔ اچھی آمدنی پر لات مار دی، لیکن عزت پالی۔ ایک معقول تحفظ کو خیر باد کہہ دیا لیکن ایسی مہم جوئی پالی

جس کا اُسے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں آیا تھا۔ اور اُس کا یہ اعزاز ہی کیا کم ہے کہ یسوع کے بارہ شاگردوں میں شمار ہوا اور وہ انجیل لکھی جو اُسی کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے ؟

۱۰:۹۔ جس ضیافت کا یہاں ذکر ہے، اُس کا اہتمام متی ہی نے یسوع کے اعزاز میں کیا تھا (توقا: ۲۹: ۵)۔ اُس نے یسوع کا ہلانہ (قرار کرنے اور اپنے ساتھیوں کو نجات دہندہ سے متعارف کرانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ لازماً مہمان "مُحصُول لینے والے" اور ایسے ہی افراد تھے جن کو عام لوگ "گنہگار" کہتے تھے۔

۱۱:۹۔ اُس زمانے میں رواج تھا کہ کھانے کے لئے چوکیوں پر نیم دراز ہو کر بیٹھے تھے اور رُخ میز کی طرف ہوتا تھا۔ جب "فریسیوں نے دیکھا" کہ یسوع سماج کے "بازاری لوگوں" سے میل ملاپ رکھتا ہے تو وہ اُس کے شاگردوں کے پاس جا کر اُس پر الزام لگانے لگے کہ "جو گنہگاروں کے ساتھ میل ملاپ رکھتا ہے، وہ بھی گنہگار ہوتا ہے"۔ اُن کے نزدیک کوئی سچائی گنہگاروں کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا۔

۱۲:۹۔ یسوع نے اُن کی بات سُن کر جواب دیا کہ "تندرستوں کو طبیب درکار نہیں بلکہ بیماروں کو۔" فریسی اپنے آپ کو تندرست گردانتے تھے اور ماننا نہیں چاہتے تھے کہ ہمیں یسوع کی ضرورت ہے (حالانکہ اصل میں روحانی طور پر سحت بیمار تھے اور شفا پانے کی اشد ضرورت تھی)۔ لیکن ان کے برعکس مُحصُول لینے والے اور گنہگار اپنی اصل حالت کو ماننے اور سِج کے نجات بخش فضل کو تلاش کرنے پر زیادہ آمادہ تھے۔ چنانچہ وہ الزام دُرست تھا! یسوع واقعی گنہگاروں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ اگر وہ فریسیوں کے ساتھ کھانا کھاتا تو بھی الزام دُرست ہوتا۔ شاید کچھ زیادہ ہی دُرست ہوتا! اگر ہماری جیسی دُنیا میں یسوع گنہگاروں کے ساتھ کھانا نہ کھاتا، تو ہمیشہ اکیلا ہی کھاتا۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جب وہ گنہگاروں کے ساتھ کھاتا تھا تو وہ کبھی اُن کے بُرے طور طریقوں میں شریک نہیں ہوتا تھا، نہ اپنی گواہی کے بارے میں کسی قسم کا سمجھوتا کرتا تھا۔ وہ اس موقع کو آدمیوں کو سچائی اور پاکیزگی کی طرف بلانے کے لئے استعمال کرتا تھا۔

۱۳:۹۔ فریسیوں کی مشکل یہ تھی کہ اگرچہ وہ یہودیت کے رسم و رواج کی پوری احتیاط اور دُرستی کے ساتھ پیروی کرتے تھے لیکن اُن کے دل احساس سے عاری، مپے رحم اور سحت تھے۔ اسی لئے یسوع نے اُن کو ایک چیلنج دیا کہ یہوداہ کے ان الفاظ پر غور کرو کہ "میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں" (ہوسیع ۶: ۶) سے (قتباس)۔ اگرچہ قربانیوں کا نظام خُدا نے مقرر کیا تھا لیکن وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا

کہ یہ رسم و رواج باطنی راستبازی کا بدل بن کر رہ جائیں۔ خدا شریعت پرست یا رسم پرست نہیں ہے اور وہ ایسے رسم و رواج سے کبھی خوش نہیں ہوتا جن کا شخصی اور ذاتی راستبازی سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ وہ تورات کے لفظوں پر تو عمل کرتے تھے لیکن جن کو روحانی مدد دے گا رقی، اُن کے لئے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے۔ وہ صرف اُن ہی لوگوں سے میل ملاپ رکھتے تھے جو اُن کی طرح اپنے آپ ہی کو راستباز سمجھتے تھے۔

اس کے برعکس خداوند یسوع نے اُن کو واضح طور سے بتا دیا کہ ”میں راست بازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں۔“ اُس نے رحم اور قربانی کے لئے خدا کی خواہش کو پورے طور پر پورا کیا۔ ایک مفہوم میں اس دُنیا میں کوئی راستباز نہیں ہے اس لئے وہ تمام لوگوں کو توبہ کی طرف بلانے آیا تھا۔ لیکن یہاں مُکنتہ یہ ہے کہ اُس کی بلا ہٹ صرف اُن لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے جو اپنے آپ کو گنہگار تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو شفا نہیں دے سکتا جو فریسیوں کی طرح بیمار ہونے کا انکار کرنے اور اپنے آپ کو راستباز گردانتے ہوں اور توبہ کی حاجت محسوس نہ کرتے ہوں۔

ی۔ یسوع سے روزہ کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے

۱۴:۹-۱۷

۱۴:۹۔ اُس وقت تک ”یوحنا“ بپتسمہ دینے والا غالباً قید ہو چکا تھا۔ اُس کے شاگرد ایک مسئلہ لے کر یسوع کے پاس آئے۔ وہ خود ”اکثر روزہ رکھتے“ تھے جبکہ یسوع کے شاگرد ”روزہ نہیں رکھتے“ تھے۔ کیوں نہیں رکھتے تھے؟

۱۵:۹۔ خداوند نے جواب دینے کے لئے ایک تمثیل سنائی۔ وہ خود ”دلہا“ تھا اور اُس کے شاگرد ”براتی“ تھے۔ ”جب تک“ وہ اُن کے ”ساتھ“ تھا۔ انہیں روزہ رکھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ روزہ ماتم کی علامت ہے۔ مگر وہ دن آنے کو تھے جب وہ اُن سے جدا کیا جائے گا۔ تب اُس کے شاگرد ”روزہ رکھیں گے“ اور واقعی وہ اُن سے جدا کیا گیا۔ اُس کی موت اور تدفین ہوئی۔ اور اپنے صُعود سے لے کر وہ اپنے شاگردوں سے جسمانی لحاظ سے جدا ہے۔ اگرچہ یسوع کے الفاظ روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ روزہ اُن لوگوں کے لئے نہایت موزوں فعل ہے جو دلہا کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

۱۶:۹۔ یوحنا کے شاگردوں کے سوال نے یسوع کو یہ بات بتانے کی تحریک دی کہ

پوشاک کے ساتھ شریعت کے دور کا خاتمہ اور فضل کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یسوع یہ وضاحت بھی کرتا ہے کہ ان دونوں کے اصولوں کو باہم ملایا نہیں جاسکتا۔ شریعت اور فضل کو باہم ملانا ایسا ہی ہے جیسے ”کورے کپڑے کا بیوند پُرانی پوشاک میں“ لگا دیا جائے۔ جب اس پوشاک کو دھوئیں گے تو نیا کپڑا سڑکڑ جائے گا اور پُرانا کپڑا پھٹ جائے گا۔ کورے کپڑے کا بیوند الگ ہو جائے گا۔ اور اس طرح پوشاک پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جائے گی۔ گائبلین بجا طور پر مشکوہ کرتا ہے کہ

”وہ یہودیت مہمیسجیتِ خدا کی نظر میں زیادہ مکروہ ہے جو فضل اور انجیل کا پرچار کرتی ہے مگر شریعت کی پابندی اور رسوماتی راستہ سازی کو پالتی ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ اسرائیلی قوم زیادہ قابل برداشت تھی جو خدا کی پیروی کرنے کا دعویٰ کرتی مگر بتوں کی پوجا کرتی تھی۔“

۱۷:۹۔ یا مندرجہ بالا مرکب ایسے ہے جیسے ”نئے پُرانی مشکوں میں“ بھر دی جائے۔ نئے کے غیر اٹھنے کا دباؤ پُرانی مشکوں کو پھاڑ ڈالے گا کیونکہ ان کی لچک ختم ہو چکی ہے۔ انجیل کی زندگی اور آزادی رسم پرستی کی مشکوں کو برباد کر دیتی ہے۔

مسیحی دور کے آغاز کا لازمی نتیجہ ایک دباؤ اور تناؤ کی صورت میں ظاہر ہونا تھا۔ یونانی اور شادمانی مسیح لایا تھا وہ پُرانے عہد نامے کے تکلفات اور رسومات میں سما ہی نہیں سکتی تھی۔ ضرور تھا کہ ایک بالکل نیا نظام قائم ہو۔ ایک مفسر اس بات کو بڑوں واضح کرتا ہے کہ

”بادشاہ نے اپنے شاگردوں کو نئے اور پُرانے کے مرکب سے خبردار کیا... تو بھی کلیسیا کی تاریخ میں بعینہ یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ یہودیت کو بیوند لگا کر کلیسیاؤں میں اپنا لیا گیا ہے اور پُرانی پوشاک ”مسیحیت“ کا لیل لگا دیا گیا ہے۔ نتیجے میں ایک ایسا آمیزہ تیار ہو گیا ہے جس میں سوائے الجھن کے اور کچھ نہیں۔

یہ نہ یہودیت ہے نہ مسیحیت بلکہ زندہ خدا پر یقین اور بھروسہ رکھنے کی جگہ رسومات نے لے لی ہے جو مردہ کاموں کے مترادف ہیں۔ مُفتت نجات کی نئے کے کو رسومات پرستی کی پُرانی مشکوں میں بھر دیا گیا ہے۔ انجام کیا ہوؤا؟ کیوں مشکیں پھٹ کر برباد ہو گئی ہیں اور نئے نہ گئی ہے، زندگی بخش اصول نے کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا ہے اور شریعت کی دہشت جاتی رہی ہے؟ اس

لئے کہ اسے فضل کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور فضل کی خوبصورتی اور خاصہ جانا رہا ہے، اس لئے کہ اس کو شریعت کے اعمال کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا گیا ہے۔“

ک۔ لا علاج مریضوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت (۱۸:۹-۲۶)

۱۸:۹-۱۹۔ یسوع شرعی نظام کی تبدیلی پر گفتگو کر رہا تھا کہ عبادت خانے کا ایک ”سردار“ آجمل ہوا۔ اُس کی ”بیٹی“ ابھی ابھی ”مری“ تھی۔ اُس نے آتے ہی خداوند کو سجدہ کیا اور درخواست کی کہ چل کر اُس کی زندگی بحال کر۔ یہ بہت خلاف معمول بات تھی کہ یہ سردار یسوع سے نمرد مانگ رہا تھا۔ اکثر یہودی لیڈر ایسا کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف سے تضحیک اور نفرت سے ڈرا کرتے تھے۔ یسوع اُس کی درخواست پر اپنے شاگردوں کے ہمراہ اُس سردار کے گھر کو چل پڑا۔

۲۰:۹۔ اب ایک اور مداخلت ہوئی۔ اس دفعہ ایک ”عورت“ آگئی۔ اُس کے بارہ برس سے خون جاری تھا۔ یسوع ایسی مداخلت سے کبھی خفا اور نادان نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے رویے اور مزاج میں ہمیشہ توازن برقرار رکھتا تھا اور لوگ ہر وقت اُس کے پاس آ سکتے تھے۔

۲۲:۱۱-۱۲۔ علم طب اس ”عورت“ کی مدد کرنے میں ناکام ثابت ہوا تھا بلکہ اُس کی حالت مزید تراب ہوتی جا رہی تھی (مرس ۵: ۲۶)۔ انتہائی مایوس ہو کر وہ یسوع کے پاس آئی۔ وہ چاروں طرف ایک بھیڑ سے گھرا ہوا تھا۔ وہ عورت بھیڑ میں سے راستہ بناتی ہوئی اُس کے قریب پہنچی اور اُس کی پوشاک کا کنارہ چھو۔ یسوع سچے ایمان کو ہمیشہ دیکھ لیتا ہے اور اُس پر توجہ دیتا ہے۔ وہ اُس کی طرف مڑا اور اُسے بنا دیا کہ تو شفا پاگئی۔ ”وہ عورت اُسی گھڑی اچھی ہو گئی۔“ بارہ برسوں میں پہلی دفعہ وہ کامل صحت سے ہوئی۔

۲۲:۱۱-۱۲۔ اب بیان عبادت خانے کے سردار کی طرف پھرتا ہے جس کی بیٹی مر گئی تھی۔ ”جب یسوع سردار کے گھر میں آیا“ تو ہمیشہ در ماتم کرنے والے بقول شخصے ”مصنوعی علم“ سے بڑھ حال ہو کر بین کر رہے اور ”غل مجا“ رہے تھے۔ یسوع نے حکم دیا کہ

سارے افراد باہر چلے جائیں اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ ”لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے۔“ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں یسوع نے ”سونا“ موت کے استعارے کے طور پر استعمال کیا۔ لیکن بعض کا خیال ہے کہ لڑکی فحشی کے عالم میں تھی۔ یہ تشریح اس بات سے انکار نہیں کرتی کہ اگر لڑکی مری بھی گئی ہوتی تو یسوع اُس کو زندہ کر دیتا، بلکہ اس بات پر زور دینی ہے کہ یسوع اتنا سچا، کھرا اور دیانتدار تھا کہ وہ مردوں میں سے زندہ کرنے کی عزت لینے کو تیار نہیں تھا جبکہ لڑکی مری نہیں تھی۔ ایک مفسر اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ لڑکی کا باپ اور سب دوسرے لوگ کہتے تھے کہ لڑکی مر گئی ہے۔ ”یسوع“ نے کہا کہ ”لڑکی مری نہیں۔“

۲۶:۲۵:۹۔ معاملہ کچھ بھی ہو، خداوند نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا تو معجزہ رونما ہوا۔ وہ ”لڑکی اٹھی“ اور پورے علاقے میں معجزے کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔

ل۔ بینائی عطا کرنے کی قدرت

(۳۱-۲۷:۹)

۲۷:۹-۲۸۔ جب یسوع سردار کے گھر سے آگے بڑھا تو دو اندھے اُس کے پیچھے پکارتے ہوئے چلے۔ وہ بینائی پانے کے لئے التجائیں کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ طبعی بصارت سے محروم تھے، لیکن گہری روحانی بصیرت رکھتے تھے۔ انہوں نے یسوع کو ”ابن داؤد“ کہہ کر مخاطب کیا۔ اس طرح انہوں نے اقرار کیا کہ یہی وہ مسیح موعود اور اسرائیل کا بادشاہ ہے جس کا مدتوں سے انتظار تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو اُس کی ایک اہلیت یہ ہوگی کہ وہ اندھوں کو بینائی عطا کرے گا (یسعیاہ ۴۲: ۷ بحوالہ لوقا ۴: ۱۸)۔ یسوع نے اُن کے ایمان کو آزمانے کے لئے پوچھا کہ ”کیا تم کو اعتقاد ہے کہ میں یہ کر سکتا ہوں؟“ وہ اس آزمائش میں پورے اترے اور بلا توقف جواب دیا کہ ”ہاں خداوند!“

۲۹:۹-۳۰۔ اب طیب اعظم نے ”اُن کی آنکھیں چھو کر“ انہیں یقین دلایا کہ چونکہ تم ایمان لائے اس لئے دیکھنے لگو گے، اور فوراً اُن کی آنکھیں بالکل درست ہو گئیں۔

انسان کہتا ہے ”دیکھنے سے ایمان پیدا ہوتا ہے۔“ خدا کہتا ہے ”ایمان لانے سے دیکھنا پیدا ہوتا ہے۔“ یسوع نے مرتقا سے کہا، کیا میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اگر تو ایمان لائے گی تو خدا کا جلال دیکھے گی؟ (یوحنا ۱۱: ۴۰)۔ عہد انبیوں کا مصیّف رقم طراز ہے کہ ایمان ہی سے ہم معلوم کرتے ہیں۔ (عہد انبیوں ۱۱: ۳)۔ یوحنا رسول لکھتا ہے کہ ”میں نے تم کو جو . . .

ایمان لائے ہو... رکھیں کہ تمہیں معلوم ہو“ (۱۔ یوحنا ۵: ۱۳)۔ خدا ایسے ایمان سے خوش نہیں ہوتا جو پہلے معجزے کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اُس پر صرف اِس لئے ایمان رکھیں کہ وہ خدا ہے۔

ان شفا پانے والوں کو یسوع نے کیوں ”تاکید کر کے کہا“ کہ کسی کو نہ بتائیں؟ ۸: ۸ کی تفسیر کرتے ہوئے ہم نے اِس رائے کا اظہار کیا تھا کہ غالباً وہ نہیں چاہتا تھا کہ وقت سے پہلے یہ تحریک بھڑک اٹھے کہ اسے بادشاہ بنایا جائے۔ لوگ ابھی تک فریضہ تک تھے۔ جب تک وہ نے سر سے بیہوش ہوتے مسیح اُن پر بادشاہی نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اگر یسوع کے حق میں کوئی انقلابی تحریک اٹھ کھڑی ہوتی تو رومی حکومت کی طرف سے یہودیوں کے خلاف سخت انتقامی کارروائی کی جاتی۔ ان تمام باتوں کے علاوہ بطور بادشاہ بادشاہی کرنے سے پہلے اُس کو صلیب پر چڑھنا ضرور تھا۔ کلوسی کے راستے سے روکنے والی ہر چیز خدا کے پہلے سے مقرر کردہ منصوبے کے خلاف تھی۔

۳۱: ۹۔ اپنی پٹائی کی بحالی پر وہ دونوں آدمی شکرگزاری سے دہلنے ہوئے جا رہے تھے۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ انہوں نے ”اِس تمام علاقہ میں اُس کی شہرت پھیلا دی“ ہو سکتا ہے کہ ہم اُن کی بھرپور گواہی کی تعریف بھی کرنے لگیں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ سخت نافرمان ثابت ہوئے۔ لگتا ہے کہ اُن کی حرکت سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا کیونکہ لوگوں میں رُوح کی تحریک سے دلچسپی نہیں بلکہ عام تجسس پیدا ہوا۔

م۔ گویائی دینے کی قدرت (۳۲: ۹-۳۳)

۳۲: ۹۔ پہلے یسوع نے مُردوں کو زندہ کیا، پھر اندھوں کو بینائی دی، اب گونگوں کو گویائی دینا ہے۔ ان معجزوں میں ایک رُوحانی سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔ پہلے زندگی، پھر سمجھ اور ادراک، اِس کے بعد گواہی۔

ایک بد رُوح نے اُس آدمی کو گونگا بنا رکھا تھا۔ کسی شخص کو اُس آدمی کی بہت فکر تھی۔ اِس لئے وہ اُس بد رُوح گرفتہ آدمی کو یسوع کے پاس لے آیا۔ خدا اُن گنم مگر عالی مرتبت

افراد کو برکت دے جو دوسروں کو یسوع کے پاس لانے کا وسیلہ بنتے ہیں!

۳۳: ۹۔ جیسے ہی ”وہ بد رُوح نکال دی گئی تو گونگا بولنے لگا“ ہم تصور کر سکتے ہیں

کہ وہ اپنی بحال شدہ قوت گویائی کو اُس ہستی کی حمد و ثنا اور گواہی کے لئے استعمال کرنے لگا جس نے کمالِ فضل اور مہربانی سے اُسے شفا عطا کی تھی۔ عام لوگوں نے تسلیم کیا کہ اسرائیل ایسے معجزات دیکھ رہا ہے جن کی پہلے مثال نہیں ملتی۔

۳۴:۹۔ ”مگر فریسیوں نے جواب دیا یسوع بد رُوحوں کے سردار کی مدد سے بد رُوحوں کو نکالتا ہے۔“ یہی وہ بات ہے جس کو بعد میں یسوع نے وہ گناہ قرار دیا جس کی معافی نہیں ہو سکتی (۱۲: ۳۲)۔ وہ رُوح القدس کے وسیلے سے معجزے کرتا تھا۔ ان معجزوں کو شیطان کی قوت سے منسوب کرنا رُوح القدس کے خلاف کفر ہے۔ دوسرے لوگ مسیح کے شفا بخش لمس سے برکات پارہے تھے جبکہ فریسی رُوحانی طور پر مردہ، آندھے اور گونگے ہی رہے۔

۶۔ مسیح اپنے رسولوں کو اسرائیل کے پاس

بھیجتا ہے (۳۵: ۹ - ۱۰: ۴۲)

۱۔ فصل کاٹنے کے لئے مزدوروں کی ضرورت (۳۵: ۹ - ۳۸)

۳۵: ۹۔ اس آیت کے ساتھ ہی وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جن کو گلیل کا تیسرا دورہ کہا جاتا ہے۔ یسوع سارے ”شہروں اور گاؤں میں“ پھرتا اور ”بادشاہی کی خوشخبری“ کی منادی کرتا تھا۔ منادی کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ میں بادشاہ ہوں۔ اگر قوم توبہ کرے اور مجھے تسلیم کرے تو میں اُن پر بادشاہی کروں گا۔ اس موقع پر بنی اسرائیل کو بادشاہی کی حقیقی پیش کش کی گئی۔ اگر اسرائیل اس کا صحیح جواب دیتا تو کیا ہوتا؟ بائبل مقدس اس سوال کا جواب نہیں دیتی۔ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ مسیح کو وہ بنیاد فراہم کرنے کے لئے پھر بھی مرنا ضرور تھا جس سے خدا ہر زمانے کے لوگوں کو راست باز ٹھہرا سکتا۔

جب یسوع تعلیم دیتا اور منادی کرتا تھا، تو ساتھ ساتھ ہر قسم کی بیماریوں سے شفا بھی دیتا تھا۔ جس طرح معجزات مسیح کو عود کی پہلی آمد کی خصوصیت تھے اور اُس کی فروتنی اور فضل کو ظاہر کرتے تھے اُسی طرح اُس کی دوسری آمد میں وہ اُس کی قدرت اور عظیم جلال کو ظاہر کریں گے (دیکھئے جہانوں ۶: ۵ ”آئندہ جہان کی قوتوں...“)

۳۶: ۹۔ یسوع اسرائیلیوں کے بڑے، جو جم کو عود سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے محسوس ہوا

یہ لوگ ہراساں اور بے یار و مددگار ہیں۔ ”وہ اُن بھیڑوں کی مانند جن کا چرواہا نہ ہو خستہ حال اور پر لگندہ تھے۔“ اُس کو اُن لوگوں پر بے حد ”ترس آیا“۔ کاش ہم بھی رُوحانی طور پر کھوٹے ہوؤں

اور مرتے ہوؤں کی بھلائی کے لئے تڑپیں! ہمیں مسلسل دعا کرنے کی کتنی ضرورت ہے!

میں بھی بھیڑ پر گہری نظر ڈالوں۔ جیسے میرے متحجّی نے ڈالی تھی

یہاں تک کہ آنسوؤں کے باعث نظر دھندلا جائے

میں ان بھٹکتی بھیڑوں کو ترس بھری آنکھوں سے دیکھوں۔

اور اُس کی محبت کی خاطر اُن سے محبت کروں۔

۳۷:۹۔ رُوحانی فصل کو سمیٹنے کا بہت بڑا کام سامنے تھا۔ ”لیکن مزدور تھوڑے تھے۔ یہ

مسئلہ آج تک چلا آ رہا ہے۔ لگتا ہے کہ کارندے ہمیشہ ہی کم ہوتے ہیں۔

۳۸:۹۔ خُداوند یسوع نے شاگردوں سے کہا کہ ”فصل کے مالک کی مژٹ کرو کہ وہ اپنی فصل کاٹنے

کے لئے مزدور بھیج دے۔“ یاد رکھیں کہ ضرورت بذاتِ خود بُلّا ہٹ نہیں بن جاتی۔ مزدوروں کو اُس

وقت تک نہیں ”جانا“ چاہئے جب تک وہ ”بھیجے“ نہ جائیں۔

یسوع نے ”فصل کے مالک“ کی شناخت نہیں کرائی۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ رُوح القدس

ہے۔ ۵:۱۰ میں یسوع خود شاگردوں کو بھیجتا ہے۔ چنانچہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہی وہ

استی ہے جس سے ہم کو پوری دُنیا میں منادی کے معاملے میں دعا مانگنی چاہئے۔

ب۔ بارہ شاگرد بلائے جاتے ہیں (۱۰:۱-۱۲)

۱۰:۱۔ نویں باب کی آخری آیت میں خُداوند نے شاگردوں کو ہدایت کی کہ زیادہ مزدوروں کے

لئے دعا مانگیں۔ اس درخواست کو خلوص نیت کے ساتھ پیش کرنے کے لئے ضرور ہے کہ ایماندار

خود جانے پر آمادہ ہوں۔ چنانچہ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خُداوند اپنے ”بارہ شاگردوں“ کو بلاتا

ہے۔ اُس نے پہلے اُن کو پُچھا تھا، لیکن اب وہ اُن کو اسرائیلی قوم میں منادی کرنے کے خاص مشن کے

لئے بلاتا ہے۔ اس بُلّا ہٹ کے ساتھ اُن کو اختیار ملتا ہے کہ بد رُوحوں کو نکالیں اور ہر قسم کی بیماریوں

سے شفا بخشیں۔ دوسروں کی معرفت بھی مُعجزے رُو نما ہوتے مگر کسی نے بھی کسی دوسرے کو

مُعجزہ دکھانے کی قوت یا اختیار عطا نہ کیا۔

۱۰:۲-۴۔ ان ”بارہ رسولوں“ کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ شمعون جو پطرس کہلاتا ہے۔ تیز مزاج، فراخ دل، حجت کرنے والا۔ وہ پیدائشی لیڈر تھا۔

۲۔ اُس کا بھائی اندریاس۔ اُس کو یوحنا پتسمہ دینے والے نے یسوع سے بلایا تھا (یوحنا ۱: ۳۶، ۴۰)۔ پھر وہ اپنے بھائی پطرس کو یسوع کے پاس لایا تھا۔ اِس کے بعد بھی اُس کی یہی کوشش رہی کہ لوگوں کو یسوع کے پاس لے جائے۔

۳۔ زبدری کا بیٹا یعقوب۔ بعد میں ہیرودیس نے اُسے مروا دیا (اعمال ۱۲: ۲)۔ وہ بارہ شاگردوں میں پہلا شہید تھا۔

۴۔ اُس کا بھائی یوحنا۔ یہ بھی زبدری کا بیٹا تھا۔ یہی وہ شاگرد ہے جسے یسوع عزیز رکھتا تھا۔ ہم جو تھی انجیل، تین خطوط اور مکاشفہ کی کتاب کے لئے اُس کے مہنون احسان ہیں۔

۵۔ فلپس۔ یہ بیت صیدا کا باشندہ تھا اور متن ایل کو یسوع کے پاس لایا تھا۔ اِس کو فلپس مبشر کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے جس کا ذکر اعمال کی کتاب میں آتا ہے۔

۶۔ برنلمائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس کا نام متن ایل بھی تھا۔ یعنی وہ اسرائیلی جس میں یسوع نے کوئی ٹکرتہ پایا (یوحنا ۱: ۴۷)۔

۷۔ توما۔ یہ دیدیمس یعنی "توام" بھی کہلاتا تھا۔ عام طور پر اِسے "شکی توما" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس کے شکوک نے مسیح کے بارے میں شاندار اقرار کی راہ ہموار کی (یوحنا ۲: ۲۸)۔

۸۔ متی۔ یہ سابق مَحْصُول لینے والا تھا۔ زیر نظر انجیل کا مُصنّف۔

۹۔ خلفی کا بیٹا یعقوب۔ اِس کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں۔

۱۰۔ ندری۔ یہ اُس کا لقب یا خاندانی نام تھا۔ اُس کو یعقوب کا بیٹا یہوداہ بھی کہا گیا ہے (لوقا ۶: ۱۶)۔ اُس کی صرف ایک ہی بات کلام میں درج ہے جو یوحنا ۱۳: ۲۲ میں ہے۔

۱۱۔ شمعون قنانی۔ لوقا اُس کو زیلوتیس بھی کہتا ہے (لوقا ۶: ۱۵)۔

۱۲۔ یہوداہ اسکرپوتی۔ اُس نے خداوند کو دھوکے سے پکڑ دیا تھا۔

عمر کے لحاظ سے شاگرد غالباً بیسٹ اور تیسٹ سال کے درمیان ہوں گے۔ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے اور اوسط درجے کی لیاقت اور صلاحیت کے مالک تھے۔ اُن کی حقیقی عظمت یسوع کے ساتھ رفاقت تھی۔

ج۔ بنی اسرائیل کے لئے مشن (۱۰: ۵-۳۳)

۱۰: ۶، ۵۔ باب کے بقیہ حصے میں یسوع کی وہ ہدایات درج ہیں جو اُس نے "اسرائیل کے گھرانے" میں منادی کے خاص دورے کے سلسلے میں اپنے شاگردوں کو دیں۔ اس واقعہ کو بعد کے اُس واقعہ کے ساتھ ہرگز نہ بلائیں جب یسوع نے ستر شاگردوں کو بھیجا تھا (لوقا ۱۰: ۱) اور نہ ارشادِ اعظم (متی ۲۸: ۱۹، ۲۰) کے ساتھ منسلک کریں۔ یہ ایک عارضی مشن تھا؛ جس کا خاص مقصد یہ اعلان کرنا تھا کہ "آسمان کی بادشاہی" نزدیک آگئی ہے۔ بعض اصول تو خدا کے لوگوں کے لئے ہر زمانے میں دائمی قدر اور اہمیت کے حامل ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اصولوں کو بعد میں خداوند یسوع نے منسوخ کر دیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقصد ہی نہیں تھا کہ وہ اصول مستقل ہوں (لوقا ۲۲: ۳۵، ۳۶)۔

شاگردوں کو پہلے راستہ بتایا جاتا ہے یعنی اُن کو کہاں کہاں جانا ہوگا۔ اُن کو غیر قوموں کی طرف "نہیں جانا تھا، نہ سامریوں" کے پاس جانا تھا۔ سامری مخلوط نسل کے لوگ تھے۔ یہودی اُن سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اس موقع پر خدمت صرف "اسرائیل کے گھرانے کی کھوٹی ہونٹی بھیڑوں" تک محدود رکھی گئی تھی۔

۱۰: ۷۔ اور پیغام یہ اعلان کرنا تھا کہ "آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے"۔ اگر اسرائیلی قوم اس پیغام کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے تو اُن کے پاس کوئی عذر کوئی بہانہ نہیں رہے گا۔ یہ بادشاہی بادشاہ کی شخصیت میں نزدیک آگئی تھی۔ اسرائیل کو فیصلہ کرنا تھا کہ اُسے قبول کرے یا رد کر دے۔

۱۰: ۸۔ اب شاگردوں کو سند دی گئی، جس سے پیغام کی توثیق ہونا تھی۔ "انہیں بیماروں کو اچھا کرنا، مُردوں کو جلانا، کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا، بدمردوں کو نکانا" تھا۔ یہودی نشان طلب کرتے تھے (۱۔ کرنتھیوں ۱: ۲۲)۔ چنانچہ خدا نے اپنی مہربانی سے اُن کو نشانات عطا کر دئے۔ جہاں تک اُن کے معاوضے یعنی اُجرت کا تعلق ہے، خداوند کے نمائندوں کو اپنی خدمت

کے بعض کچھ وصول نہیں کرنا تھا۔ اُن کو برکات بے قیمت ملی تھیں اور انہیں بے قیمت ہی دوسروں کو دینا تھیں۔

۱۰:۹-۱۰۔ اُن کو اپنے سفر کے لئے پیشگی "زادِ راہ" کا بندوبست کرنے کی اجازت نہ تھی۔ آخروہ اسرائیلی تھے اور اسرائیلیوں میں منادی کر رہے تھے۔ اور یہودیوں میں یہ اصول مُسَلَّم تھا کہ مزدور اپنی خوراک کا حقدار ہے۔ اس لئے اُن کو سونا، چاندی اور پیسے، خوراک کی جھولی، دو دو گزنی، جوتیاں اور لاطھی وغیرہ ساتھ رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ غالباً یہاں مُراد ہے فالٹو جوتیاں اور فالٹو لاطھی۔ اگر اُن کے پاس پہلے ہی لاطھی موجود تھی تو اسے ساتھ لے جانے کی اجازت تھی (مرقس ۸:۶)۔ تصور یہ ہے کہ اُن کی روز کی ضروریات ہر روز پوری ہوتی رہیں گی۔

۱۰:۱۱۔ رات کو قیام کے لئے وہ کیا انتظام کریں گے؟ جب وہ کسی "شہر یا گاؤں" میں داخل ہوں تو اُن کو کسی "لاٹھی" میزبان کے بارے میں دریافت کرنا تھا۔ یعنی ایسا شخص جو اُن کو مسیح کے شاگردوں کی حیثیت سے قبول کرے اور اُن کا پیغام سننے کو تیار ہو۔ ایسا میزبان مل جائے تو اُس شہر میں قیام کا عرصہ اُسی کے ہاں ٹھہرے رہیں۔ اور اگر کوئی بہتر جگہ مل بھی جائے تو وہاں سے نہ جائیں۔

۱۰:۱۲-۱۳۔ اگر کوئی "گھر" اُن کو قبول کرے تو اُن کا "سلام" اُس گھرانے کو پہنچنے کا (جس لفظ کا ترجمہ "سلام" کیا گیا ہے اُس میں اطمینان اور صلح کا مفہوم پایا جاتا ہے)۔ انہیں چاہئے کہ وہ مہمان نوازی کے لئے شکر گزار ہوں لیکن اگر کوئی گھر خداوند کے ایلیچیوں کو اپنے ہاں ٹھہراتے سے انکار کرے تو اُن پر فرض عائد نہیں ہوتا کہ اُن کے لئے "دعائے خیر" کریں یعنی اُس خاندان کے لئے برکت نہ مانگیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہاں سے نکلنے وقت خدا کی ناراضی کو ڈرامائی انداز میں ظاہر کریں۔ وہ "اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ" دیں۔ جو مسیح کے شاگردوں کو رد کرتا ہے، وہ درحقیقت مسیح کو رد کرتا ہے۔

۱۰:۱۵۔ یسوع نے خبردار کیا کہ اس طرح رد کرنے کے نتیجے میں "عدالت کے دن" اُن پر غضب نازل ہوگا اور اُن کا حال "سُدم اور عمورہ" کے حال سے بھی بدتر ہوگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ میں سزاؤں کے بھی درجات ہوں گے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ بعض کا حال دوسروں کی نسبت... زیادہ برداشت کے لائق ہوگا۔

۱۰:۱۶۔ کلام کے اس حصے میں یسوع اُن بارہ کو صلاح مشورہ دیتا ہے کہ ایذا رسانی کی صورت

میں تمہارا رویہ کیسا ہونا چاہئے۔ اُن کا حال ایسا ہوگا جیسا ”بھیڑیوں کے درمیان بھیڑوں“ کا ہوتا ہے۔ وہ چاروں طرف سے ایسے خونخوار آدمیوں سے گھرے ہوں گے جو اُن کو ختم کر دینے پر تاملے ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ ”سانپوں کی مانند ہوشیار“ رہیں۔ غیر ضروری خفگی پیدا کرنے سے احتراز کریں۔ اور خیال رکھیں کہ نا واجب سمجھوٹا کرنے کا دھوکا نہ کھجائیں۔ مگر اُن کو کبوتروں کی مانند بھولنے بھی رہنا ہوگا یعنی کسی کو نقصان نہ پہنچائیں کیونکہ اُن کا راستہ کردار اور خالص ایمان اُن کی ڈھال ہوگا۔

۱۷:۱۰۔ اُن کو ایسے بیٹھادیوں سے بھی اپنی حفاظت کرنی ہوگی جو ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اُن کو ”عدالتوں کے حوالہ کریں گے۔ اور اپنے عبادت خانوں میں .. کوڑے ماریں گے۔“ اُن پر سرکاری اور مذہبی دونوں طرف سے حملے ہوں گے۔

۱۸:۱۰۔ مسیح کی خاطر لوگ اُن کو ”حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے“ پیش کریں گے۔ لیکن خدا کا معاملہ انسان کی بُرائی پر غالب ہوگا۔ جب شاگردوں کے لئے بظاہر شکست کی گھڑی ہو گی، اُسی میں اُن کو بے مثال اعزاز اور موقع ملے گا کہ حاکموں اور ”غیر قوموں“ کے سامنے گواہی دیں۔ خدا ساری باتوں سے بھلائی پیدا کرے گا۔ مسیحیت نے سرکاری افسران اور مقتدر افراد کے ہاتھوں بہت دکھ اور اذیتیں اٹھائی ہیں تو بھی حکمرانوں کے لئے کوئی بھی عقیدہ کبھی ایسا مددگار ثابت نہیں ہوا جتنا کہ مسیحی عقیدہ۔

۱۹:۱۰۔ ۲۰۔ اُن کو مشق کرنے کی ضرورت نہیں کہ پیشی یا مقدمے کے وقت ہمیں کیا کہنا ہے۔ وقت آنے پر خدا ”باپ کا روح“ اُن کو الہی حکمت بخشے گا کہ اس طرح جواب دیں کہ مسیح کو جلال ملے۔ یوں الزام لگانے والے مُنہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ آیت ۱۹ کی تشریح کرتے ہوئے دو اہتماموں سے بچنا چاہئے۔ اول۔ ہم بڑی آسانی سے فرض کر لیتے ہیں کہ مسیحی خادموں کو دغظ تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوم۔ یہ نظر یہ کہ یہ آیت آج کے زمانے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یہ بڑی معقول بات ہے کہ مُبشّر دُعا کے ساتھ خدا کے حضور ہٹھڑے اور خاص موقع کے لئے موزوں پیغام حاصل کرے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ نازک اور مُحرانی وقت میں ایمان دار خدا کے وعدوں کا دعوے کے ساتھ سہارا لے سکتے ہیں کہ وہ ہمیں بولنے کے لئے اپنی حکمت دے گا۔ وہ اپنے باپ کے روح کی ہدایت سے بولتے بلکہ اُس کے نمائندے بن جاتے ہیں۔

۲۱:۱۰۔ یسوع نے اپنے شاگردوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا کہ تمہیں عذاری اور دعا بازی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ”بھائی کو بھائی قتل کے لئے حوالہ کرے گا اور بیٹے کو باپ“۔ اولاد اپنے والدین کے خلاف مخبری کرے گی اور انہیں مروا ڈالے گی۔

جے۔ سی۔ میکالے کیا خوب لکھتا ہے کہ :

”خادم کو اپنے دشمن کے ہاتھوں ایسے بڑے سلوک کی توقع نہیں ہوتی جیسا خود خداوند کو برداشت کرنا پڑا۔ اگر دنیا یسوع کو صلیب سے بہتر کوئی چیز پیش نہیں کر سکتی تھی تو اس کے پیروؤں کو شاہی لگھی پیش نہیں کرے گی۔ اگر اس کے لئے صرف کانٹے تھے تو ہمارے لئے ہار نہیں ہوں گے۔ ہمیں صرف اس بات کا دھیان رکھنا ہے کہ ہمارے لئے دنیا کی نفرت واقعی مسیح کی خاطر ہو۔ ہمارے اپنے اندر کوئی قابل نفرت بات نہ ہو، کوئی ایسی بات نہ ہو جو ہمارے مہربان اور مہر فضل خداوند کے لائق نہ ہو۔“

۱۰: ۲۲، ۲۳۔ ”سب لوگ تم سے عداوت رکھیں گے مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی

نجات پائے گا“۔ اگر صرف اتنی ہی بات کو دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ نجات پانے کا انحصار صرف استقلال اور ثابت قدمی سے برداشت کرنے پر ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ مراد نہیں کیونکہ پورے کلام پاک میں بیان ہو رہا ہے کہ نجات ایمان کے وسیلے سے خدا کی طرف سے بخشش ہے (افسیوں ۲: ۸، ۹)۔ اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جتنے مسیح کے وفادار رہیں گے ان کو جسمانی موت سے بچا لیا جائے گا۔ اس سے پچھلی آیت میں کچھ وفادار شاگردوں کی موت کی پیش گوئی موجود ہے۔ اس آیت کی سیدھی سادی تشریح یہ ہے کہ اذیت برداشت کرنا نجات یافتہ افراد کا نمایاں نشان ہے۔ جو لوگ ایذا رسانی کے دور میں آخر تک قائم رہتے ہیں، وہ اپنے استقلال سے ثابت کرتے ہیں کہ ہم سچے ایمان دار ہیں۔ متی ۲۴: ۱۳ میں بھی یہی بیان پایا جاتا ہے۔ وہاں اس کا اشارہ بڑی مصیبت کے دوران یہودیوں کے بقیہ کی طرف ہے جو خداوند یسوع مسیح کے ساتھ اپنی وفاداری پر کسی قسم کا سمجھوتا کرنے سے انکار کرنے پر قائم رہیں گے۔ اس ”برداشت“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سچے شاگرد ہیں۔

مستقبل کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے خدا کا روح کسی دفعہ مستقبل قریب کی بات کرتے کرتے مستقبل بعید کی طرف آتا ہے۔ ایسی صورت میں نبوت کا ایک اطلاق فوری اور جزوی

ہوتا ہے اور دوسرا اُس کی کامل اور دُور کی تکمیل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مسیح کی پہلی اور دوسری آمد دونوں کو ایک حوالے میں بغیر کسی وضاحت کے اکٹھا کر دیا جاتا ہے (یسعیاہ ۵۲: ۱۴، ۱۵؛ میکاہ ۵: ۲-۴)۔ آیات ۲۲ اور ۲۳ میں خداوند یسوع اسی قسم کی ثبوت کرتا ہے۔ اُس کا اطلاق مستقبلِ قریب سے مستقبلِ بعید کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ وہ بارہ^{۱۲} شاگردوں کو خبردار کرتا ہے کہ میری خاطر تمہیں کیسی کیسی تکالیف اور مصائب برداشت کرنی ہوں گی۔ پھر یہ شاگرد اُسے اپنے اُن جاں نثار یہودی پیروؤں کی مثیل نظر آتے ہیں جن کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا۔ وہ پہلے مسیحوں کی مصیبتوں کا بیان کرتے کرتے اُن ایمانداروں کا ذکر بھی کرتا ہے جو اُس کی دوسری آمد سے پہلے دنیا میں موجود ہوں گے۔

آیت ۲۳ کا پہلا حصہ بارہ شاگردوں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ جب تم کو ایک شہر میں تائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ۔ اُن پر فرض نہیں تھا کہ اپنے دشمنوں کے جور و جبر کے ماتحت رہیں۔ اگر بچنے یا فرار ہونے کا باعزت راستہ ملے تو اُسے اختیار کریں۔ خطرے سے بھاگنا غلطی نہیں، فرض سے بھاگنا غلطی ہوتا ہے۔

آیت ۲۳ کا دوسرا حصہ ہمیں اُن دنوں تک لے جاتا ہے جو مسیح کے بادشاہی کرنے کے لئے آنے (دوسری آمد) سے پہلے آئیں گے۔ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چلو گے کہ ابن آدم آجائے گا۔ ان الفاظ کا اشارہ اُن بارہ شاگردوں کے مشن کی طرف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس وقت تو ابن آدم اُچکا تھا۔ بائبل مقدس کے بعض معلق سمجھتے ہیں کہ یہ اشارہ سنہ ۷۰ میں یروشلیم کی تباہی کی طرف ہے۔ لیکن یہ قابلِ تصور نہیں کہ اس قبل عام کو ابن آدم کی آمد کہا جاسکتا ہے۔ اس کا اطلاق آمد ثانی پر کرنا زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔ بڑی مصیبت کے دنوں میں مسیح کے وفادار یہودی بھائی بادشاہی کی خوشخبری لے کر ہر جگہ جائیں گے۔ اُن کا پیچھا کیا جائے گا اور اُن کو ہر طرح سے سنا یا جائے گا۔ وہ اسرائیل کے سارے شہروں میں پھر نہیں چکیں گے کہ خداوند یسوع اپنے دشمنوں کی عدالت کرنے اور اپنی بادشاہی قائم کرنے کے لئے دوبارہ آ جائے گا۔

آیت ۲۳ اور متی ۲۴: ۱۴ میں بظاہر ایک تضاد نظر آتا ہے۔ یہاں بیان ہوا ہے کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چلو گے کہ ابن آدم آجائے گا جبکہ وہاں لکھا ہے کہ بادشاہی کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی۔۔۔ تب خاتمہ ہوگا۔ مگر حقیقتاً کوئی

تضاد نہیں۔ خوشخبری کی منادی ساری قوموں میں کی جائے گی مگر ضروری نہیں کہ یہ پیغام فرداً فرداً ہر شخص کو دیا جائے۔ تاہم اس پیغام کو بہت سخت مخالفت کا سامنا ہوگا۔ ایلچیوں کو نہایت سخت ایذا میں دی جائیں گی اور اسرائیل میں ان کی راہ میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی۔ اس طرح اسرائیل کے تمام شہروں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔

۲۵:۲۴-۲۵۔ خُداوند کے شاگرد حیران ہوئے ہوں گے کہ ہمیں بدسلوکی برداشت کرنا کیوں ضروری ہے؟ اگر یسوع مسیح کو خود ہے تو اُس کے پیروؤں کو بادشاہی کرنے کی بجائے مُصیبتیں کیوں اُٹھانی ہوں گی؟ آیات ۲۲ اور ۲۵ میں یسوع اِس اَلحصن کو بھانپ لیتا اور اِس کا جواب دینے کے لئے اُنہیں یاد دلانا ہے کہ تمہارا تعلق میرے ساتھ ہے۔ تم شاگرد ہو، میں اُسناد ہوں۔ تم نوکر ہو، میں مالک ہوں۔ تم گھرانے کے ممبران ہو، میں گھرانے کا مالک ہوں۔ شاگردیت کا مطلب ہے اُسٹاد کے پیچھے چلنا، نہ کہ اُس سے اعلیٰ ہونا۔ نوکر کو توقع نہیں ہو سکتی کہ میرے ساتھ مالک کی نسبت بہتر سلوک کیا جائے گا۔ اگر لوگ مُعزز اور محترم مالک کو ”بعل زبول“ (دیکھیوں کا اُٹا) ایک عقرونی دیوتا جس کا نام یہودی لوگ شیطان کے لئے استعمال کیا کرتے تھے) کہتے ہیں تو وہ ”گھرانے“ کے لوگوں کے لئے اِس سے بھی بے عزتی کے الفاظ استعمال کریں گے۔ شاگردیت کا مطلب ہے رد کئے جانے میں مالک کا شریک ہونا۔

۲۷:۲۶-۲۷۔ خُداوند نے اپنے پیروؤں کو تین مرتبہ کہا کہ ”نہ ڈرو“ (آیات ۲۶، ۲۸، ۳۱)۔ اول۔ اپنے دشمنوں کی بظاہر فرج سے ”نہ ڈرو“ وہ دن آتا ہے کہ خُداوند بڑے جلال کے ساتھ اپنے مُعلّے کی صداقت کو ثابت کرے گا۔ اب تک تو انجیل کی خوشخبری نسبتاً ”دھکی“ ہوئی اور اُس کی تعلیمات نسبتاً ”چھپی“ ہوئی تھیں۔ لیکن بہت جلد وہ دن آنے والے تھے کہ اُس کے شاگرد مسیحی پیغام کو بڑی دلیری اور جرات کے ساتھ علی الاعلان پیش کریں گے، حالانکہ فی الوقت اُن کو یہ پیغام ”کان میں“ یعنی علیحدگی میں سُنا یا گیا ہے۔

۲۸:۱۰۔ دوم۔ انسانوں کے قاتلانہ غیض و غضب سے ”نہ ڈرو“۔ انسان بُرے سے بُرا سلوک یہ کر سکتا ہے کہ ”بدن کو قتل“ کر دے۔ جسمانی موت مسیحی کے لئے انتہائی المیہ نہیں ہوتی۔ مُرنے سے مُراد ہے مسیح کے پاس اور ساتھ ہونا۔ اِس لئے موت بہت بہتر بات ہے۔ اِس طرح گناہ، علم، رنج، بیماری، دکھ اور موت سے رہائی مل جاتی اور ایماندار ابدی جلال میں اُٹھایا جاتا ہے۔ لہذا انسان جو بُرے سے بُرا سلوک کر سکتا ہے، حقیقی معنوں میں وہ سب سے

ابھی بات ہے جو خدا کے فرزند کو پیش آسکتی ہے۔

شاگردوں کو انسانوں سے نہیں ڈرنا چاہئے بلکہ ان کے دلوں میں اُس مسیحی کے لئے حقیقت بھرا ڈر ہونا چاہئے ”جو رُوح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔“ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ خدا اور مسیح اور امید سے ابدی جدائی۔۔۔۔۔ رُوحانی موت وہ نقصان ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، جس کو ناپا تو لا نہیں جاسکتا۔ اس حشر اور انجام سے ہر قیمت پر بچنا چاہئے۔ آیت ۲۸ میں یسوع کے الفاظ سے خدا ترس جان ناکس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اُس کی لوح مزار پر یہ الفاظ رقم ہیں کہ

”یہاں وہ شخص پڑا ہے جو خدا سے اتنا ڈرتا تھا کہ کسی انسان کے چہرے سے کبھی

خوفزدہ نہیں ہوتا تھا“

۱۰:۲۹۔ سخت سے سخت مہیبیتوں اور آزمائشوں میں بھی شاگردوں کو بھروسا اور اعتماد ہونا چاہئے کہ خدا ہماری فکر اور نگہداشت کرتا ہے۔ خداوند یسوع اس حقیقت کو سمجھانے کے لئے ہر جگہ پائی جانے والی چڑیا کی مثال دیتا ہے۔ یہ معمولی پرندے ”پیسے کی ڈو“ کے حساب سے پکتے تھے۔ لیکن ”اُن میں سے ایک بھی تمہارے باپ کی مرضی کے بغیر“ یعنی اُس کو علم ہوئے بغیر یا اُس کی حضور کی بغیر نہیں سکتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ”خدا ایک ایک چڑیا کے جنازے پر حاضر ہوتا ہے۔“

۱۰:۳۱،۳۰۔ وہی خدا جو ایک ننھی سی چڑیا میں ذاتی دلچسپی لیتا ہے، وہ اپنے ایک ایک فرزند کے ”سر کے بالوں“ کا بھی حساب رکھتا ہے۔ ایک بال تو ایک چڑیا کے مقابلے میں بے انتہا کم قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی نظر میں اپنے لوگوں کی ”قدر تو بہت سی چڑیوں سے زیادہ ہے۔“ اس لئے وہ کیوں ڈریں؟

۱۰:۳۲۔ مندرجہ بالا ملاحظات کی بنا پر مسیح کے شاگرد کے لئے اس سے زیادہ معقول بات کیا ہو سکتی ہے کہ بے فونی اور جرات کے ساتھ ”آدمیوں کے سامنے اُس کا اقرار کرے۔“ اس سلسلے میں اُس کو جس بے عزتی یا لعن طعن کا سامنا کرنا پڑے گا، خداوند یسوع اُس کا بہت بڑا اجر دے گا کہ اپنے باپ کے سامنے جو آسمان پر ہے اُس کا اقرار کرے گا۔ اس دُنیا میں اقرار کرنے کا مطلب ہے کہ اپنے آپ کو اُس کے لئے مخصوص کریں کہ وہ خداوند اور مسیحی ہے اور اس کے نتیجے میں ہماری زندگی اور لبوں سے اُس کی گواہی ہو۔ جہاں تک اُن بارہ شاگردوں کا ذکر ہے، اُن میں سے

اکثر نے شہادت کی موت کے وسیلے سے اُس کی گواہی کی انتہا کر دی۔

۱۰: ۳۳۔ اس دُنیا میں مسیح کا انکار کرنے کا بدلہ اس صورت میں ملے گا کہ وہ بھی ”اپنے

باپ کے سامنے جو آسمان پر ہے اُس کا انکار کرے گا۔“ مسیح کا انکار کرنے کا مطلب ہے اپنی

زندگی برباد کر کے حق اور دعوے کو تسلیم نہ کرنا۔ جن لوگوں کی زندگیاں کھتی ہیں کہ ”میری کبھی تم

سے واقفیت نہ تھی“، آخر وہ اُس سے یہی سنیں گے کہ ”میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی“۔

خداوند اُس انکار کی بات نہیں کر رہا جو دباؤ میں آکر عارضی طور پر کیا جاتا ہے، جیسا کہ کپٹرس نے

کیا تھا، بلکہ وہ انکار جو مسلسل اور حتمی ہوتا ہے اور جس کا انسان عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

د۔ صلح نہیں بلکہ تلوار (۱۰: ۳۴-۳۹)

۱۰: ۳۴۔ مسیح خداوند کے الفاظ علم بیان کی ایک صنعت یا استعارہ ہیں۔ ان سے مراد یہ ہے کہ میری

آمد کے دیدنی نتائج بظاہر میری آمد کا مقصد معلوم ہوتے ہیں۔ وہ کتنا ہے کہ ”میں زمین پر۔۔۔

صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں“۔ حقیقت میں تو وہ صلح کرانے ہی آیا تھا (افسیوں ۲: ۱۴-

۱۷)۔ وہ اس لئے آیا کہ دُنیا اُس کے وسیلے سے نجات پائے (یوحنا ۳: ۱۷)۔

۱۰: ۳۵-۳۷۔ لیکن یہاں نکتہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص اُس کا پیرو بنتا ہے اُس کا

خاندان اُس کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ باپ ایمان لاتا ہے تو اُس کا بے ایمان بیٹا اُس کا دشمن

ہو جاتا ہے۔ ماں مسیحی ہوتی ہے تو اُس کی بے ایمان بیٹی اُس سے عداوت رکھنے لگتی ہے۔ نئی

پیدائش کا تجربہ حاصل کرنے والی ساس اپنی بہو کی نفرت کا نشانہ بن جاتی ہے کیونکہ بہو کو نئی پیدائش

کا تجربہ نہیں۔ چنانچہ اکثر مسیح اور خاندان کے درمیان انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ کسی بھی طبعی بندھن کو اجازت

نہیں دی جاسکتی کہ مسیح کے ساتھ قطعی وفاداری سے کسی شاگرد کو ہٹائے۔ ضرور ہے کہ مسیح کو باپ،

ماں، بیٹے یا بیٹی پر فوقیت دی جائے۔ شاگردیت کی ایک قیمت یہ ہے کہ دباؤ، تناؤ اور اپنے

خاندان سے علیحدگی کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ دشمنی اکثر زندگی کے دوسرے شعبوں میں پیش آنے والی

عداوت سے زیادہ تلخ ہوتی ہے۔

۱۰: ۳۸۔ لیکن ایک اور چیز بھی ہے جو خاندانی بندھنوں سے بھی بڑھ کر ہے اور زندگی میں

مسیح کے جائز مقام کو چھین لیتی ہے، اور وہ ہے اپنی زندگی سے جرت اور ہیار۔ اسی لئے یسوع

نے کہا: ”جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں“۔

بے شک صلیب مجرم کو سزائے موت دینے کا ایک طریقہ تھی۔ صلیب اٹھا کر مسیح کے پیچھے ہو لینے کا مطلب ہے، اُس کے لئے ایسی جاں نثاری کی زندگی بسر کرنا کہ موت کو بھی خاطر میں نہ لانا۔ تمام شاگردوں سے مطالبہ نہیں ہوتا کہ خداوند کے لئے جان بھی قربان کر دیں، لیکن سبھوں سے یہ مطالبہ ضرور کیا جاتا ہے کہ اُس کو ایسی قدر و منزلت دیں اور اتنا قیمتی اور انمول سمجھیں کہ اُس کے مقابلے میں اپنی جان بے حقیقت اور ناچیز گردائیں۔

۱۰:۳۹۔ مسیح سے محبت اپنی ذات سے محبت پر حاوی ہونی چاہئے۔ جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اُسے کھوئے گا اور جو کوئی میری خاطر اپنی جان کھوتا ہے اُسے بچائے گا۔ یہ آزمائش ہر وقت موجود رہتی ہے کہ انسان اپنی جان سے چمٹا رہے اور دکھ درد اور کامل جاں نثاری کی زندگی سے بچتا رہے۔ لیکن یہی زندگی کا سب سے بڑا نقصان ہے کہ انسان نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے پیچھے پڑا رہے۔ اور زندگی کا بہترین مُصرف یہ ہے کہ اُسے مسیح کی خدمت میں صرف کیا جائے۔ جو شخص مسیح کی جاں نثاری میں "اپنی جان کھوتا ہے" وہ اُسے بھر پور انداز میں پالے گا۔

۵۔ ٹھنڈے پانی کا ایک پیالہ (۱۰:۴۰ - ۴۲)

۱۰:۴۰۔ سبھی تو شاگردوں کے پیغام کو قبول کرنے سے انکار نہیں کریں گے۔ بعض لوگ اُن کو موعودہ مسیح کے نمائندہ مانیں گے اور قبول کریں گے۔ شاگرد ایسی مہربانی کا اجر دینے کی محدود اہلیت رکھتے ہوں گے، لیکن انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اُن کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے گا ایسے سمجھا جائے گا جیسے خود خداوند کے ساتھ کیا گیا ہے اور وہ اُس کے مطابق اجر دے گا۔ مسیح کے شاگرد کو قبول کرنا، خود مسیح کو قبول کرنے کے برابر ہے اور مسیح کو قبول کرنا اُس کے باپ کو جس نے اُسے بھیجا ہے قبول کرنے کے برابر ہے، اس لئے کہ بھیجا ہوا بھیجنے والے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایچی اپنے بادشاہ کی جگہ کھڑا ہوتا ہے۔ اس لئے اُس کو قبول کرنا اُسے مقرر کرنے والے بادشاہ کو قبول کرنا اور اُس کے مُلک کے ساتھ سفارتی تعلقات کا لطف اٹھانا ہے۔

۱۰:۴۱۔ "جو نبی کے نام سے نبی کو قبول کرتا ہے وہ نبی کا اجر پائے گا۔" اے۔ ٹی پیٹرکسن

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”یہودی نبی کے اجر کو سب سے بڑا اجر گردانتے تھے کیونکہ بادشاہ خداوند کے نام سے حکومت کرتے، اور کاہن خداوند کے نام سے خدمات سرانجام دیتے تھے، مگر نبی خدا کی طرف سے آتے اور بادشاہ اور کاہن دونوں کو ہدایت دیتے تھے۔ مسیح کہتا ہے کہ اگر تم صرف اتنا ہی کرو کہ نبی کو نبی کی حیثیت سے قبول کرو اور اس کے کام میں اس کی مدد کرو تو تم کو بھی وہی اجر ملے گا جو نبی کو ملتا ہے۔ اگر تم واعظ پر تنقید یا نکتہ چینی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو اس بات کو ذہن میں رکھو! اگر تم خدا کے نام میں کلام کرنے میں اس کی مدد کرو گے، اس کی حوصلہ افزائی کرو گے تو اس کے اجر میں سے حصہ پاؤ گے۔ لیکن اگر اس کی ذمہ داری پوری کرنے میں رکاوٹ کا باعث بنو گے تو اپنا اجر کھو دو گے۔ جو شخص نیکی اور بھلائی کرنے کی کوشش میں ہے اس کی مدد کرنا بڑی بات ہے۔ تم کو اس کے لباس، اس کے رویے، اس کے عادات و اطوار یا اس کی آواز پر نہیں جانا چاہئے بلکہ ان چیزوں سے آگے جا کر اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے کہ کیا خدا کا یہ پیغام میرے لئے ہے؟ کیا یہ آدمی میری روح کے لئے خدا کا نبی ہے؟ اگر ہے تو اسے قبول کرو۔ اس کے کام اور کلام کی بڑھ چڑھ کر تائید کرو۔ ایسی صورت میں تم اس کے اجر میں حصہ دار بن جاؤ گے۔“

”جو راستباز کے نام سے راستباز کو قبول کرتا ہے، وہ راستباز کا اجر پائے گا۔“ جو لوگ دوسروں کو ان کی جسمانی دلکشی یا مادی خوشحالی کی ترازو میں تولتے ہیں، وہ یہ دیکھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ حقیقی اخلاقی لیاقت اور قدر و قیمت عموماً غریبانہ لباس میں چھپی ہوتی ہے۔ جس انداز سے کوئی شخص نہایت معمولی اور سادہ شاگرد سے برتاؤ کرتا ہے گویا وہ خود خداوند سے وہی برتاؤ کرتا ہے۔

۱۰:۲۲ - مسیح کے پیرو پر کوئی مہربانی کر، اس پر ضرور دھیان دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ”صرف ایک پیمانہ ٹھنڈا پانی“ بھی بڑا اجر پائے گا، بشرطیکہ کسی ”شاگرد“ کو اس وجہ سے دیا جائے کہ وہ خداوند کے پیچھے چلتا ہے۔

یوں خداوند ان بارہ شاگردوں کو شاہی عزت اور وقار اور مرتبہ دے کر ایک خاص ذمہ داری ان کے سپرد کرتا ہے۔ یہ بات سچ اور برحق ہے کہ لوگ ان کو ستائیں گے، رڈ کریں گے، گرفتار کریں گے، ان پر مقدمے چلائیں گے، قید میں ڈالیں گے بلکہ شاید مردابھی ڈالیں گے۔

لیکن وہ کبھی نہ بھولیں کہ ہم بادشاہ کے نمائندے ہیں اور ہمارا بھلائی اعزاز ہے کہ اس کی خاطر کام اور کلام کریں۔

۷۔ مخالفت میں اضافہ اور رد کیا جانا (ابواب ۱۱، ۱۲)

۱۔ یوحنا پیتسمہ دینے والا قید کیا جاتا ہے (۱۱:۱-۱۹)

۱:۱۱- یسوع نے ان بارہ کو اسرائیل کے گھرانے میں منادی کے خاص اور عارضی مشن پر روانہ کر دیا اور خود وہاں سے چلا گیا تاکہ گلیں کے شہروں میں تعلیم دے اور منادی کرے۔ یہ وہ شہر ہیں جہاں پیشتر شاگرد رہتے تھے۔

۳:۲- اس وقت تک ہیرودیس "یوحنا" کو قید میں ڈال چکا تھا۔ وہ تنہائی محسوس کرتا اور بے حوصلہ ہو رہا تھا۔ اگر یسوع واقعی مسیح موعود ہے تو اپنے پیشرو کو قید خانے میں کیوں بے حال اور بے مژدہ ہونے دے رہا ہے؟ بہت سے عظیم مردانِ خدا کی طرح یوحنا بھی وقتی طور پر ایمان میں کمزور ہونے لگا۔ اس لئے اس نے اپنے دو شاگردوں کی معرفت اس (یسوع) سے پچھوا بھیجا کہ تو ہی وہ ہستی ہے جس کا وعدہ نبیوں نے کیا تھا "یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں؟" یعنی کیا تو ہی مسیح موعود ہے یا ہم کسی دوسرے کے ظاہر ہونے کا انتظار کریں؟

۵:۴- یسوع نے جواب میں "ان کو یاد دلایا کہ میں وہی معجزے کر رہا ہوں جن کی نبوت مسیح موعود کے حق میں کی گئی تھی کہ "اندھے دیکھتے" (یسعیاہ ۳۵:۵) اور لنگڑے چلتے پھرتے ہیں" (یسعیاہ ۳۵:۶)۔ کوڑھی پاک صاف کئے جاتے" (یسعیاہ ۵۳:۴۔ بحوالہ متی ۱۷:۱۶) اور ہرے سنستے ہیں" (یسعیاہ ۳۵:۵) اور مردے زندہ رکے جاتے ہیں" (یسوع موعود کے حق میں اس معجزے کی نبوت نہیں کی گئی تھی۔ یہ نبوت سے بڑھ کر تھا)۔ یسوع نے یوحنا کو یہ بھی یاد دلایا کہ یسعیاہ ۶۱:۱ میں مسیح موعود کے حق میں پیش گوئی کے مطابق "غریبوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے"۔ عام مذہبی راہنما دولت مندوں اور حاکموں پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں لیکن مسیح موعود غریبوں کو خوشخبری سناتا تھا۔

۶:۱۱- اس کے ساتھ ہی نجات دہندہ نے فرمایا "اور مبارک وہ ہے جو میرے سبب سے ٹھوکر نہ کھائے"۔ اگر کوئی دوسرا شخص یہ بات کہتا تو ایک انتہائی انا پرست کی بڑی سمجھی جاتی، لیکن

یسوع کے ہونٹوں پر یہ اُس کی شخصیت کی کاہلیت کا درست بیان تھا۔ ایک پُرشکوہ قومی جرنیل کی صورت میں ظاہر ہونے کی بجائے یسوع موعود ایک عزیز بڑھئی بن کر آیا۔ اُس کی نرم مزاجی، فروتنی اور خاکساری ایک جنگ باز جرنیل کے بارے میں مُردوبہ تاثر سے میل نہیں کھاتی تھی۔ جو لوگ جسمانی خواہشات کے پیچھے دوڑتے ہیں، وہ اُس کے اس دعوے کو شک کی نظروں سے دیکھتے تھے کہ میں بادشاہ ہوں۔ لیکن جو باطنی بصیرت رکھتے اور ناقصرت کے یسوع کو یسوع موعود جانتے اور مانتے تھے، اُن پر خُدا کی برکت ہوگی۔

آیت ۶ سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ یسوع نے یوحنا پینتمہ دینے والے کو چھڑکا۔ بعض اوقات ہر ایک کو ضرورت پڑتی ہے کہ اُس کے ایمان کی توثیق اور تقویت کی جائے۔ عارضی طور پر ایمان میں کمزور ہو جانا اور بات سے اور خُداوند یسوع کے بارے میں مستحق ٹھوکر کھانا دوسری بات ہے۔ ایک ہی باب انسان کی زندگی کی ساری کہانی نہیں ہوتا۔ اگر ہم یوحنا کی پوری زندگی پر نظر دوڑائیں تو ہمیں وفاداری، ایمان اور استقلال کا ایک شان دار ریکارڈ دکھائی دیتا ہے۔

۸:۷:۱۱ - یسوع کی دُجھمی والی باتیں سن کر یوحنا کے شاگرد جو نہی "روانہ ہوئے" تو خُداوند نے لوگوں سے "مخاطب ہو کر یوحنا پینتمہ دینے والے کے حق میں بڑی دلپسند اور تعریفی باتیں کہیں۔ یہی لوگ اُس وقت جوق درجوق بیابان میں یوحنا کے پاس جمع ہوتے تھے جب وہ منادی کیا کرتا تھا۔ کیوں؟ کیا کسی کمزور اور شش و پنج میں پڑے ہوئے آدمی کو دیکھنے جاتے تھے جو ہوا کے ہر جھونکے سے "سرکندے" کی طرح ہلنے لگتا تھا؟ ہرگز نہیں! یوحنا ایک نڈر اور بے خوف مُبشر اور باضمیر شخص تھا۔ وہ خاموش رہنے پر دکھ سہنے کو اور جھوٹ بولنے پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔ تو کیا وہ شاندار پوشاک میں ملبوس کسی دیباری امیر یا رئیس کو دیکھنے گئے تھے؟ جو محل میں عیش و عشرت کے ساتھ رہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یوحنا تو ایک سیدھا سادہ مردِ خُدا تھا جس کی نہایت سادہ اور ریاضتی زندگی ان لوگوں کی انتہائی دُنیا دارانہ زندگی کے مُنہ پر ایک طمانچہ تھی۔

۹:۱۱ - تو کیا یہ لوگ "ایک نبی دیکھنے کو" بیابان میں گئے تھے؟ ہاں، یوحنا نبی تو تھا بلکہ حقیقت میں تمام نبیوں سے "بڑا" ہے۔ یہاں خُداوند یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ اپنے شخصی کردار، تادیر الکلامی یا اپنے کلام کی تاثیر کے اعتبار سے دوسرے نبیوں سے بڑا اور برتر

تھا بلکہ اپنے مرتبے کے اعتبار سے بزرگ تھا کہ وہ مسیح موعود بادشاہ کا پیشرو تھا۔
 ۱۰:۱۱- آیت ۱۰ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یوحنا ملائکہ کی نبی (۱:۳) کی پیش گوئی
 کی تکمیل تھا۔ یوحنا وہ ”پیغمبر“ تھا جسے خداوند کے آگے آکر لوگوں کو اُس کی آمد کے لئے ”تیار“ کرنا
 تھا۔ دوسرے آدمیوں نے مسیح کی آمد کی پیش گوئی کی تھی مگر یوحنا وہ سستی تھا جس کو پُنا گیا تھا کہ منادی کرے
 کہ مسیح موعود واقعی آگیا ہے۔ کسی نے کیا توبہ کہا ہے کہ ”یوحنا نے مسیح کے لئے راستہ کھولا اور پھر مسیح کی
 خاطر راستے سے ہٹ گیا۔“

۱۱:۱۱- یہ بیان کہ ”جو آسمان کی بادشاہی میں چھوٹا ہے، وہ اُس سے بڑا ہے“ ثابت کرتا ہے
 کہ مسیح یوحنا کی سیرت و کردار کی نہیں بلکہ اُس کے اعزاز کی بات کر رہا تھا۔ وہ شخص ”جو آسمان کی
 بادشاہی میں چھوٹا ہے“ ضروری نہیں کہ اُس کی سیرت و کردار یوحنا سے بہتر ہو لیکن اُس کا اعزاز
 یقیناً ”بڑا“ ہے۔ آسمان کی بادشاہی کا شہری ہونا، اُس بادشاہی کی آمد کا اعلان کرنے سے بڑا اعزاز ہے۔
 یوحنا کو اس لحاظ سے بڑا اعزاز حاصل تھا کہ اُس نے خداوند کے لئے راہ تیار کی۔ لیکن وہ اس بادشاہی
 کی برکات سے فیض یاب ہونے اور اُن کا لطف اٹھانے تک زندہ نہ رہا۔

۱۲:۱۱- یوحنا کی خدمت کے آغاز سے لے کر اُس کی حالیہ قید تک ”آسمان کی بادشاہی پر زور (تشدد)
 ہوتا رہا“۔ فریسی اور فقیر پوری شدت سے اُس کی مخالفت کرتے رہے تھے۔ بادشاہ ہیرودیس نے
 بھی اُس بادشاہی کے نقیب کو قید کر کے اس بادشاہی کو نقصان پہنچانے میں اپنا حصہ ادا کر دیا تھا۔
 ”... اور زور اور اُسے چھین لیتے ہیں“۔ اس بیان کی دو تشریحیں ہو سکتی ہیں۔ اول۔ بادشاہی
 کے دشمنوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اسے چھین کر تباہ و برباد کریں۔ انہوں نے یوحنا بہت مہینے
 والے کو رد کر دیا۔ یہ اس بات کا پیش خیمہ تھا کہ وہ خود بادشاہ اور اس طرح بادشاہی کو بھی رد کر دیں
 گے۔ دوم۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ بادشاہ کی آمد کے لئے تیار تھے، انہوں نے
 اُس کے اعلان کا جواب پورے جوش و خروش سے دیا اور اس میں داخل ہونے کے لئے کوئی کسر
 اٹھا نہ رکھی۔ لوقا ۱۶:۱۶ کا یہی مطلب ہے ”شریعت اور انبیاء یوحنا تک رہے۔ اُس وقت سے
 خدا کی بادشاہی کی خوشخبری دی جاتی ہے اور ہر ایک زور مار کر اُس میں داخل ہوتا ہے۔“ یہاں بادشاہی
 کی تصویر ایک محصور شہر کی مانند ہے۔ باہر سے انسانوں کا ہر طبقہ اس میں داخل ہونے کے لئے زور
 مار رہا ہے۔ روحانیت میں بھی کچھ نہ کچھ زور آزمائی اور زبردستی اور تشدد ضروری ہوتا ہے۔
 کسی بھی تشریح کو اپنایا جائے، خیال اور مفہوم یہی ہے کہ یوحنا کی منادی سے ایک مشتعل

اور شہیدیدر عمل کا آغاز ہوا جس کے اثرات بہت گہرے اور وسیع تھے۔

۱۳:۱۱۔ ”کیونکہ سب نبیوں اور تورات نے یوحنا تک نبوت کی۔“ پیدائش سے لے کر ملائکہ تک پورے

پرانے عہد نامے نے مسیح موعود کی آمد کی نبوت کی ہے۔ جس وقت یوحنا نے تاریخ کے ایسٹ پر قدم رکھا تو اُس کا بے مثال اور یکتا کام صرف نبوت کرنا نہیں تھا بلکہ یہ اعلان کرنا تھا کہ مسیح کی پہلی آمد کے بارے میں ساری نبوتیں پوری ہو گئی ہیں۔

۱۴:۱۱۔ ملائکہ نے نبوت کی تھی کہ مسیح موعود کے ظہور سے پہلے ایلیاہ اُس کے پیش رو کی صورت

میں ظاہر ہوگا (ملاکی ۴:۵، ۶)۔ اگر لوگ یسوع کو مسیح موعود قبول کرنے پر آمادہ ہوتے تو یوحنا ایلیاہ کے کردار پر پورا اُترتا۔ ایلیاہ دوبارہ مجسم ہو کر یوحنا کی صورت میں نہیں آیا تھا۔ یوحنا ۱:۲۱ میں یوحنا نے ایلیاہ ہونے سے انکار کیا۔ لیکن وہ ایلیاہ کی روح اور قوت میں (لوقا ۱:۱۷) مسیح کے آگے آگے چلا۔

۱۵:۱۱۔ سارے لوگ یوحنا کو پہچان سکے اور نہ اُس کی خدمت کی بڑی اہمیت کو بھیج سکے۔

اس لئے خداوند نے یہ بھی کہا کہ ”جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔“ مطلب ہے کہ دھیان اہم توجہ دو اور اس بات کو مانو۔ جو باتیں سنتے ہو، اُن کے مفہوم اور اہمیت کو سمجھنے سے قاصر نہ رہو۔ اگر یوحنا ایلیاہ کے بارے میں پیش گوئی پوری کرتا ہے تو یسوع یقیناً مسیح موعود ہے! ان الفاظ سے یسوع نے تصدیق کی کہ یوحنا ایلیچ ہے اور دوبارہ تاکید کی طور پر کہا کہ میں ہی خدا کا مسیح ہوں۔ اگر پہلی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو دوسری بات کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے۔

۱۶:۱۱، ۱۷:۱۱۔ لیکن جس ”پشت“ یعنی جس ”زمانہ کے لوگوں“ سے وہ مخاطب تھا، وہ ان دونوں

میں سے کوئی بات قبول کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ جن یہودیوں کو اُس کی پہلی آمد دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، اُن کے دل میں نہ مسیح موعود بادشاہ کے لئے نہ اُس کے پیروؤں کے لئے کوئی دلچسپی تھی۔ اُن کے لئے یہ دونوں ہی معما تھے۔ یسوع نے اُن کو ایسے زور درج لوگوں کے مشابہ ٹھہرایا ”جو بازاروں میں بیٹھے ہوئے“ ہوتے ہیں اور صلح جوئی کی کسی قسم کی بات سے راضی نہیں ہوتے۔ اگر اُن کے دوست کہیں کہ ہم بانسلی بجاتے ہیں اور تم ناچو، تو وہ نہیں ملتے۔ اگر دوست کہتے ہیں کہ ہم ماتم کرنے کا کھیل کھیلتے ہیں تو وہ اُن کے ساتھ ماتم کرنے سے بھی انکار کرتے ہیں۔

۱۸:۱۱، ۱۹:۱۱۔ یوحنا ایک نفس کش اور ریاضت کرنے والا شخص تھا۔ یہودیوں نے اِلام

لگایا کہ ”اُس میں بد رُوح ہے۔“ دوسری طرف ”ابن آدم“ عام آدمیوں کی طرح ”کھا تا پیتا آیا۔“ یہودی یوحنا کی نفس کشی اور ریاضت پسندی سے ناخوش تھے۔ چنانچہ اُن کو یسوع کے عام انداز میں کھانے پینے پر خوش ہونا چاہئے تھا۔ لیکن نہیں! وہ اُسے ”کھاؤ اور شرابی آدمی، محسُول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار“ قرار دیتے تھے۔ بے شک یسوع نہ کھاؤ نہ تھا نہ شرابی، اُن کا الزام سراسر بہتان تراشی اور مَن گھڑت تھا۔ البتہ یہ بات بالکل درست ہے کہ وہ ”محسُول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار“ ہے۔ مگر اس مفہوم میں نہیں جس میں یہودی کہتے تھے۔ وہ گنہگاروں کا یار بنانا تاکہ انہیں اُن کے گنہوں سے بچالے۔ مگر نہ تو وہ کبھی اُن کے گنہوں میں شریک ہوؤا نہ انہیں اچھا قرار دیا۔ ”مگر حکمت اپنے کاموں سے راست ثابت ہوئی۔“ بے شک خداوند یسوع ”جسم حکمت“

(۱- کرنتھیوں ۱: ۳۰) ہے۔ غیر ایماندار بے شک اُس پر کچھ اچھا لیں، لیکن وہ اُن کاموں کے سبب سے جو وہ اپنے پیروؤں میں کرتا ہے، راست ٹھہرتا ہے۔ خواہ یہودی اُسے مسیح موعود بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کریں لیکن اُس کے معجزے اور اُس کے جاں نثار شاگردوں کا روحانی انقلاب اُس کے دعوؤں کی پوری پوری تصدیق کرتا ہے۔

ب۔ گلیل کے غیر تائب شہروں پر افسوس (۲۰: ۱۱-۲۴)

۲۰: ۱۱۔ عظیم اعزاز اور استحقاق کے ساتھ عظیم ذمہ داری بھی وابستہ ہوتی ہے۔ کسی شہر کو وہ اعزاز حاصل نہ ہوؤا جو خازین، بیت صیدا اور کفرناحوم کو ملا۔ ابن آدم ان کے گرد آؤدگی کوچوں میں چلتا پھرتا رہا اور اُن کے منظور نظر لوگوں کو تعلیم دیتا رہا اور اُن کی فسیلوں کے اندر ”معجزے“ دکھاتا رہا۔ اتنی بڑی شہادتوں کے باوجود انہوں نے توبہ کرنے سے سختی سے انکار کیا۔ چنانچہ تعجب کیسا کہ خداوند نے اُن کے لئے ایسے بُرے حشر کی خبر دی۔

۲۱: ۱۱۔ پہلے اُس نے خازین اور بیت صیدا کی بات کی۔ اُن شہروں نے اپنے منجی خدا کی فضل بھری منت سماجت سنی تھی لیکن دائرستہ مُنہ موڑ لیا تھا۔ اس سے خداوند کا خیال صُور اور صیدا کی طرف چلا گیا۔ یہ شہر اپنی یدی اور بیت پرستی کے باعث خدا کے غضب سے تباہ ہوئے تھے۔ اگر اُن کو یسوع کے معجزے دیکھنے کا اعزاز مل جاتا تو وہ اپنے آپ کو خاکسار کر کے توبہ کر لیتے۔ اس لئے ”عدالت کے دن“ صُور اور صیدا کا حال خازین اور بیت صیدا کے حال سے بہتر ہوگا۔

۲۲: ۱۱۔ ”عدالت کے دن ... حال زیادہ برداشت کے لائق ہوگا۔“ ان الفاظ سے ظاہر

ہوتا ہے کہ جس طرح آسمان پر اجر کے درجات ہوں گے (۱- کرتھیوں ۱۲:۳-۱۵) اسی طرح جہنم میں سزا کے بھی درجات ہوں گے۔ وہ واحد گناہ جو انسانوں کو جہنم کے حوالہ کر دیتا ہے، وہ یسوع مسیح کی تابع داری کہنے سے انکار ہے (یوحنا ۳: ۳۶)۔ لیکن جہنم میں دکھوں کی شدت اس بات سے مشروط ہے کہ انسان نے کتنے اعزازات کی تحقیر کی اور کتنے گناہوں کا مرتکب ہوا۔

۱۱:۲۳، ۲۴- کسی شہر پر اتنی مہربانی نہیں ہوئی تھی جتنی کفر نخوم پر۔ جب ناصرت میں یسوع کو رد کیا گیا تو اس کے بعد سے کفر نخوم ہی اس کا اپنا شہر بن گیا تھا (۱:۹ بحالہ مرقس ۱:۲-۱۲) اور اس کے بعض غیر معمولی معجزات — جو اس کے مسیح موعود ہونے کے ناقابل تردید گواہ تھے — اسی شہر میں رکے گئے تھے۔ اگر ہم جنسیت یا لواطت کے مرکز اور دلیل شہر سدوم کو ایسا شرف حاصل ہو جاتا تو وہ ضرور توبہ کر لینا اور بچ جاتا۔ لیکن کفر نخوم کا شرف تو کہیں بڑا تھا۔ اس کے باشندوں کو چاہئے تھا کہ توبہ کر کے کمال خوشی کے ساتھ خداوند کو قبول کر لیتے، مگر کفر نخوم نے موقع کھو دیا۔ اگر ہر سدوم کی برگشتگی کا گناہ بہت بڑا تھا مگر کفر نخوم نے تو خدا کے مقدس بیٹے کو رد کر دیا تھا۔ اس سے بڑا اور کوئی گناہ ہونہیں سکتا۔ اس لئے عدالت کے دن سدوم کو اتنی سخت سزا نہیں ملے گی جتنی کفر نخوم کو۔ اعزاز اور شرف کے لحاظ سے کفر نخوم کو ”آسمان تک بلند“ کیا گیا، مگر عدالت کے دن اسے ”عالم ارواح میں“ اتارا جائے گا۔ اگر یہ بات کفر نخوم پر صادق آتی ہے تو ان مقامات کا کیا حشر ہوگا جہاں بائبلوں کے انبار لگے ہوئے ہیں، جہاں ریڈیو کی نشریات کے ذریعے خوشخبری کی منادی ہوتی ہے اور جہاں کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہیں۔

ہمارے خداوند کے زمانے میں گلیل کے چار شہر بہت نمایاں اور مشہور تھے۔ یہ تھے خرازین، بیت صیدا، کفر نخوم اور تبریاس۔ خداوند نے پہلے تین شہروں پر افسوس کیا مگر چوتھے پر نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ خرازین اور بیت صیدا کی تباہی اور بربادی اتنی مکمل ہے کہ ان کی جائے وقوع تک کا علم نہیں۔ کفر نخوم کی جائے وقوع کا بھی صحیح علم نہیں ہے۔ تبریاس ابھی تک موجود ہے۔ خداوند کی پیش گوئی کی ایسی نمایاں تکمیل ایک اور ثبوت ہے کہ وہ عالم مکمل ہے اور کہ بائبل مقدس الہامی کتاب ہے۔

ج۔ اپنے رُذکے جانے پر منجھی کا رُذ عمل (۱۱: ۲۵-۳۰)

گیلگ کے ان تینوں شہروں کے پاس نہ تو خدا کے مسیح کو دیکھنے کی آنکھیں تھیں، نہ اُس سے پیار کرنے کو دل تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُن کی طرف سے رُذ کیا جانا، اس حقیقت کا پیش خیمہ ہے کہ جُھٹے وسیع تر پیمانے پر رُذ کیا جائے گا۔ اُن کی ہٹ اور کٹھن پن پر اُس کا رُذ عمل کیا تھا؟ اُس نے تلخی، تشریح مزاجی یا انتقام لینے کا رویہ نہیں دکھایا بلکہ بلند آواز سے خدا کی شکر گزاری کی کہ کوئی بات بھی اُس کے عظیم مقاصد میں سدراہ نہیں ہو سکتی۔ "اے باپ، آسمان اور زمین کے خُداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقل مندوں سے چھپائیں اور بچوں پر بظاہر کریں۔"

یہاں ہمیں دو ممکنہ غلط فہمیوں سے بچنا چاہیے۔ اول۔ یسوع گیلگ کے شہروں کی ناگزیر عدالت اور اُن پر غضب پر خوشی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ دوم۔ نہ وہ کہہ رہا تھا کہ خُدا نے ظلم کر کے روشنی کو داناؤں اور عقل مندوں سے ڈور رکھا ہے۔ ان شہروں کو ہر موقع ملا کہ خُداوند یسوع کا خیر مقدم کریں لیکن اُنہوں نے جان بوجھ کر اُس کو ماننے سے انکار کیا۔ جب اُنہوں نے نُور کا انکار کیا تو خُدا نے بھی نُور کو اُن سے روک لیا۔ لیکن خُدا کے ارادے اور منصوبے ناکام نہیں رہ سکتے۔ اگر دانا اور عقل مند لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو خُدا اُس کو سادہ اور خاکسار لوگوں پر بظاہر کرے گا۔ وہ جھوکوں کو اچھی چیزوں سے سیر کرتا اور دولت مندوں کو خالی ہاتھ لٹا دیتا ہے (لوقا: ۱۱: ۵۳)۔

جو لوگ اپنے آپ کو اتنا دانا اور فہیم سمجھتے ہیں کہ کہتے ہیں ہمیں مسیح کی ضرورت نہیں، اُن کو از روئے انصاف اندھے پن کی سزا ملتی ہے۔ مگر جو اپنی نادانی کا اقرار کرتے ہیں، اُنہیں اُس ہستی کا مکاشفہ عطا ہوتا ہے جس میں حکمت اور معرفت کے سب خزانے پوشیدہ ہیں (کلیسیوں ۲: ۳)۔ یسوع نے باپ کا اس بات پر شکر کیا کہ اُس نے ٹھہرا دیا ہے کہ جہاں کچھ لوگ مسیح کو رُذ کریں گے، وہاں دوسرے اُسے قبول کریں گے۔ عظیم بے ایمانی کے رُوبرو اُسے یہ تسلی حاصل تھی کہ خُدا کا مقصد اور ارادہ سب پر بھاری اور حاوی ہے۔

۱۱: ۲۷۔ باپ نے "سب کچھ" مسیح کو "سونپ دیا" تھا۔ اگر کوئی دوسرا شخص ایسا دعویٰ کرتا تو بہت گستاخ اور متکبر سمجھا جاتا، مگر جہاں تک خُداوند یسوع کا تعلق ہے

یہ بات بالکل سچ ہے۔ اس لمحہ، جبکہ چاروں طرف مخالفت کا زور تھا، لگتا نہیں تھا کہ سب کچھ اُس کے کنٹرول میں ہے، مگر یہ بات بالکل درست تھی۔ اُس کی زندگی کا پروگرام جلالی فتح کی طرف بڑھ رہا تھا اور کوئی اُسے روک نہیں سکتا تھا۔ ”کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے“۔ مسیح کی ذات ایک ناقابل فہم راز ہے۔ ایک ہی شخص میں الوہیت اور بشریت کا اجتماع کئی مسائل پیش کرتا ہے جو انسانی عقل کو چکرا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک تو اُس کی موت کا مسئلہ ہے، خدا مرنے نہیں سکتا۔ مگر یسوع خدا ہے، اور یسوع مر گیا۔ اس کے باوجود اُس کی الہی سیرت اور بشری سیرت کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسی طرح اگرچہ ہم اُسے جان سکتے، اُس سے محبت رکھ سکتے اور اُس پر ایمان لا سکتے ہیں مگر ایک مفہوم میں صرف باپ ہی حقیقی طور پر اُسے جان اور سمجھ سکتا ہے۔

”اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اُس کے جس پر بیٹا اُسے ظاہر کرنا چاہے۔“
 باپ بھی اتنا دقیق ہے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بالآخر خدا ہی خدا کو جان اور سمجھ سکتا ہے۔ انسان اُس کو اپنی عقل یا ذہانت سے ہرگز نہیں جان سکتا، مگر خداوند یسوع جن پر چاہتا ہے باپ کو ظاہر کر سکتا ہے، اور کرتا ہے۔ جو بیٹے کو جان لیتا ہے، وہ باپ کو بھی جان لیتا ہے (یوحنا ۱۴: ۷)۔

مگر اتنا کچھ کہنے کے باوجود ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آیت ۲۷ کی تشریح کرنے میں ہمیں ایسی سچائیوں اور حقائق سے واسطہ ہے جو ہماری عقل سے بے حد بلند اور ارفع ہیں۔ ہماری عقل محدود ہے۔ وہ تو ابدیت میں بھی خدا کی بزرگی اور عظمت کو نہیں جان پائے گی اور نہ تجسم کے بھید کو ہی سمجھ سکے گی۔ جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ خدا صرف اُن ہی پر ظاہر کیا جاسکتا ہے جن کو بیٹا چننا ہے تو شاید ہم کو خیال گزرے کہ صرف چند پسندیدہ اور منظور نظر لوگ ہی چُنتے جاسکتے ہیں اور یہ چناؤ بے بنیاد اور زبردستی کا ہوگا۔ لیکن اگلی آیت اس قسم کی تشریح سے بچاتی ہے۔ خداوند یسوع ایک عالمگیر دعوت دیتا ہے کہ جتنے محنت اٹھانے والے اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگ ہیں، سب اُس کے پاس آئیں تو وہ آرام پائیں گے۔ دوسرے لفظوں میں جن کو وہ چننا ہے کہ اُن پر باپ کو ظاہر کرے وہ لوگ ہیں جو اُس پر ایمان لاتے اور اُسے خداوند اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔ جب ہم اس بے حد مہربانی کی دعوت کا جائزہ لیتے ہیں تو یاد رکھیں کہ یہ اُس موقع پر دی گئی تھی جب گلیل کے پسندیدہ اور منظور نظر شہروں نے اُسے پوری شد و مد سے رد کر دیا تھا۔ انسان کی

نفرت، عدالت اور ہٹ دھرمی اُس کی محبت اور فضل کو ختم نہ کر سکی۔ اے سچے۔ میک
کلیں کتنا ہے کہ

”اگر یہ اسرائیلی قوم خُدا کی سمحت عدالت کی طرف بڑھ رہی ہے، بادشاہ
اپنے حتمی اور آخری کلام میں شخصی نجات کا دروازہ کھولتا اور اس طرح ثابت کرتا
ہے کہ میں عدالت اور غضب کی دہلیز پر بھی فضل کا خُدا ہوں۔“

۱۱: ۲۸۔ ”اُو“۔ اُنے کا مطلب ہے ایمان لانا (اعمال ۱۶: ۳۱)، قبول کرنا (یوحنا ۱: ۱۲)،

کھانا (یوحنا ۶: ۳۵)، پینا (یوحنا ۷: ۳۷)، متوجہ ہونا (یسعیاہ ۴۵: ۲۲)، اقرار کرنا (یوحنا ۴: ۲۰)،
سننا (یوحنا ۵: ۲۴، ۲۵)، دروازے سے داخل ہونا (یوحنا ۱۰: ۹)، دروازہ کھولنا (مکاشفہ
۲۰: ۳)، اُس کی پوشاک کا کنارہ چھونا (متی ۹: ۲۰، ۲۱) اور خُداوند مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی
زندگی کی بخشش کو قبول کرنا (رومیوں ۶: ۲۳)۔

”میرے پاس“۔ ایمان کسی کلیسیا، کسی عقیدے یا کسی مذہبی لیڈر پر نہیں، بلکہ زندہ

مسیح پر لانا ہے۔ نجات ایک ہستی میں ہے۔ جن کے پاس مسیح ہے، وہ نجات یافتہ ہیں۔

”اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو، سب ...“۔ مسیح کے پاس آنے
کے لئے انسان کو اقرار کرنے کی ضرورت ہے کہ میں گناہ کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں۔ صرف وہی نجات
پاسکتے ہیں جو تسلیم کریں کہ ہم بھٹکے ہوئے ہیں۔ خُداوند مسیح پر ایمان لانے سے پہلے خُدا
کے سامنے توبہ کرنا ضرور ہے۔

”میں تم کو آرام دوں گا“۔ غور کریں کہ یہاں ”آرام“ ایک بخشش ہے۔ ہم نے اسے کمایا
نہیں، نہ اس کے حق دار ہیں۔ ”یہ نجات کا آرام“ ہے۔ جو اس حقیقت کو جان لینے سے ملتا
ہے کہ مسیح نے کلوری کی صلیب پر مخلصی اور کفارہ کے کام کو پورا کیا۔ ”یہ ضمیر کا آرام“ ہے
جو اس حقیقت کو جان لینے کے بعد ملتا ہے کہ میرے گناہوں کا ہر جانہ ہمیشہ کے لئے
ایک ہی دفعہ ادا کر دیا گیا ہے اور خُدا اس کی دوبارہ ادائیگی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

۱۱: ۲۹۔ آیات ۲۹ اور ۳۰ میں دعوت نجات سے خدمت میں بدل جاتی ہے۔

”میرا جوتا اپنے اوپر اٹھاؤ۔“ اس کا مطلب ہے اُس کی مرضی کے تابع ہو جانا، اپنی زندگی

کا کنٹرول خُدا کے سپرد کر دینا (رومیوں ۱۲: ۱۲)۔

”اور مجھ سے سیکھو“۔ جب ہم زندگی کے ہر شعبے میں اُس کو مالک تسلیم کرتے ہیں تو وہ اپنی

راہیں ہمیں سکھاتا ہے۔

”کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن“۔ یہاں فریسیوں کے ساتھ تقابل نظر آتا ہے۔ وہ سخت اور مغرور تھے۔ سچا اور حقیقی اُستاد حلیم اور ”فروتن“ ہوتا ہے۔ جو اُس کا جُؤا اٹھاتے ہیں وہ کترین جگہ قبول کرنا سیکھتے ہیں۔

”تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی۔“ یہ ضمیر کا آرام نہیں بلکہ دل کا آرام ہے، جو خُدا اور انسان کے سامنے پست ترین جگہ قبول کرنے کے بعد ملتا ہے۔ یہ وہ آرام ہے جس کا تجربہ اُس وقت ہوتا ہے جب انسان مسیح کی خدمت کرتا اور بڑا بننے کی کوشش چھوڑ دیتا ہے۔

۱۱: ۳۰۔ ”کیونکہ میرا جُؤا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا“۔ یہاں پھر فریسیوں سے نمایاں تقابل ہے۔ یسوع نے اُن کے بارے میں کہا کہ ”وہ ایسے بھاری بوجھ جن کو اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں مگر آپ اُن کو اپنی اُنکلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے۔“ (متی ۲۳: ۴)۔ یسوع کا جُؤا ملائم ہے، اس سے رگڑیں اور خراشیں نہیں لگتیں۔

”اور میرا بوجھ ہلکا“۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مسیحی زندگی میں مسائل، مشکلات، مصائب، محنت، مشقت اور غم نہیں ہوں گے۔ تاہم یہ مطلب ضرور ہے کہ ہمیں ان کو اکیلے برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔ ہم ایک ایسی ہستی کے ساتھ جوڑے میں جنت گئے ہیں جس کا فضل ہماری ہر ضرورت کے لئے کافی و دوانی ہے۔ اُس کی خدمت کرنا غلامی نہیں بلکہ کامل خوشی ہے۔ جے۔ ایچ۔ جیوٹ کہتا ہے :

”ایماندار کے لئے مُملک غلطی یہ ہے کہ زندگی کے بوجھ کو اکیلے ہی اٹھانے کی کوشش کرے۔ خُدا کا کبھی ارادہ نہیں تھا کہ انسان اپنا بوجھ تنہا اٹھائے۔ اس لئے مسیح جوڑے کا ذکر کرتا ہے۔ جو اگر دن کا ایک ایسا ساز ہے جو دو کے لئے ہوتا ہے اور خُداوند خود جنت کرتا ہے کہ اُن میں سے ایک میں ہوں گا۔ وہ ہر تلخ اور تکلیف دہ مشقت میں ہمارا شریک بننا چاہتا ہے۔ مسیحی زندگی میں چھین اور فتح مندی کا راز اس بات میں ہے کہ ”خودی“ کے سمٹت جوڑے کو اتار پھینکو اور مالک کے ”ملائم“ جوڑے کو قبول کر لو۔“

د- یسوع مسیت کا مالک ہے (۱: ۱۲-۸)

۱: ۱۲- اس باب میں یسوع کو رد کرنے کے بڑھتے ہوئے بحران کا بیان ہے۔ فریسیوں کے بغض اور دشمنی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکنے کو ہے۔ جس تنازع نے طوفان برپا کیا، وہ تھا مسیت کا مسئلہ۔

کسی "سبت" کو "یسوع" اپنے شاگردوں سمیت "کھیتوں" میں سے ہو کر گزر رہا تھا۔ اُس کے شاگرد "بالیں توڑ توڑ کر کھانے لگے"۔ شریعت کے مطابق انہیں اجازت تھی کہ پیوسی کے کھیت میں سے حسب ضرورت کھالیں، مگر اُسے ہنسوا نہ لگائیں (استثنا ۳: ۳۵: ۲۵)۔ ۲: ۱۲۔ مگر فریسی تو شریعت میں بال کی کھال نکالتے تھے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ شاگردوں نے "سبت" کو توڑا ہے۔ اگرچہ الزام کی نوعیت بیان نہیں کی گئی مگر انہوں نے یہ الزام لگائے ہوں گے کہ (۱) فصل کاٹنا (بالیں توڑنا) (۲) فصل کو گاہنا (بالوں کو ہاتھوں میں مسنا) (۳) فصل کو اڑانا (دانے اور جھوسا الگ کرنا)۔ سبت کے دن ان میں سے کوئی کام کرنا روا نہیں تھا۔

۴: ۳: ۱۲۔ یسوع نے ان کے مضحکہ خیز اعتراض کا جواب دینے کے لئے انہیں "داؤد" کی زندگی کا ایک واقعہ یاد دلایا۔ اپنی جلا وطنی کے دنوں میں ایک دفعہ داؤد اور اُس کے آدمیوں کو بیابان میں رہنا پڑا۔ اُس موقع پر انہوں نے "نذر کی روٹیاں کھائیں" یعنی یادگاری کی وہ بارہ روٹیاں جن کا کھانا سوائے کاہنوں کے اور کسی کو رونا نہ تھا۔ نہ داؤد، نہ اُس کے آدمی کاہن تھے، مگر خدا نے اُن کو ایسا کرنے پر کبھی قصور وار نہ ٹھہرایا۔ آخر کیوں؟

وجہ یہ ہے کہ خدا کی شریعت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اپنے ماننے والوں کے لئے مشکلات پیدا کرے۔ داؤد کا کوئی قصور نہیں تھا کہ وہ جلا وطن تھا۔ ایک گناہ آلودہ قوم نے اُسے رد کر دیا تھا۔ اگر اُس کو اُس کا جائز مقام دے دیا جاتا، تو اُسے اور اُس کے آدمیوں کو نذر کی روٹیاں نہ کھانی پڑتیں۔ چونکہ بنی اسرائیل میں گناہ تھا اس لئے خدا نے ایک ایسے کام کی اجازت دے دی، جو دوسری صورت میں ناروا تھا۔

یہاں مثال بالکل صاف ہے۔ خداوند یسوع اسرائیل کا بادشاہ تھا، لیکن قوم اُسے اپنا حاکم اعلیٰ اور شہنشاہ ماننے پر آمادہ نہ تھی۔ اگر اُس کو اُس کا جائز مقام دے دیا

جاتا، تو اُس کے شاگردوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ سبت کو یا ہفتے کے کسی اور دن بھی راہ چلتے
بائیں توڑ توڑ کر رکھتے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ خداوند نے اپنے شاگردوں کو
نہیں چھڑکا کیونکہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔

۵:۱۲۔ یسوع نے فریسیوں کو یاد دلایا کہ کاہن ۔۔ سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں۔“

کہ وہ سبت کے دن جانوروں کو ذبح کرتے، اُن کی قربانی چڑھاتے اور کئی طرح کے خدمتی
کام کرتے ہیں (گنتی ۲۸: ۱۰، ۹) مگر ”بے تصور“ رہتے ہیں کیونکہ وہ خدا کی خدمت میں مشغول ہوتے
ہیں۔

۶:۱۲۔ فریسی جانتے تھے کہ کاہن ہر سبت کو ہیکل میں کام کرتے ہیں، تو بھی ہیکل ناپاک نہیں ہوتی۔ تو
پھر وہ شاگردوں پر کیوں نکتہ چینی کریں اور وہ بھی اسی ہستی کی موجودگی میں ”جو ہیکل سے بھی بڑا ہے“۔ مطلب یہ
بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ”چیز“ جو ہیکل سے بھی بڑی ہے یعنی خدا کی بادشاہی جو بادشاہ کی ذات میں وہاں موجود
تھی۔

۷:۱۲۔ فریسی کبھی بھی خدا کے دل کی بات کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ ہوسیع ۶: ۶ میں اُس نے کہا تھا کہ
”میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں۔“ خدا رحم اور نرس کو رسموں پر ترجیح دیتا ہے۔ اُسے یہ پسند
ہے کہ میرے لوگ اپنی جھوکہ مٹانے کے لئے سبت کے دن بائیں توڑیں بجائے اس کے کہ اس دن کو منانے
کے لئے جسمانی تکلیف اور دکھ میں مبتلا ہوں۔ اگر فریسیوں نے اتنی بات سمجھ لی ہوتی تو وہ شاگردوں
کی کبھی مذمت نہ کرتے۔ مگر فریسی انسانی بھلائی کی نسبت تکلفات کی زیادہ قدر کرتے تھے۔

۸:۱۲۔ پھر نجات دہندہ نے مزید کہا کہ ”کیونکہ ابن آدم سبت کا مالک ہے“۔ وہی تو ہے
جس نے یہ قانون بنایا تھا۔ چنانچہ وہی اس کی تشریح اور وضاحت کرنے کا حق دار ہے۔ ای۔ ڈیلو۔
ردجرز کہتا ہے کہ

”معلوم ہوتا ہے کہ پاک رُوح کی ہدایت پاکر متی خداوند یسوع کے بھت سے ناموں

اور مناصب پر تبصرہ کر رہا ہے۔ وہ ابن آدم، سبت کا مالک، میرا خادم، میرا پیارا،
ابن داؤد، ہیکل سے بھی بڑا، یونانہ سے بھی بڑا، سلیمان سے بھی بڑا ہے۔ متی یہ بات
اس لئے کرتا ہے کہ اُس گناہ کی سنگینی واضح ہو جائے جو یسوع کو رد کرنے اور اُسے

اُس کا جاڑو مقام نہ دینے سے کیا جاتا ہے۔“

اگلے واقعے میں یسوع نے سبت کے دن سُوکھے ہاتھ والے آدمی کو شفا بخشی۔ اس واقعے پر تبصرہ

کرنے سے پہلے ہم سبت کے بارے میں پاک کلام کی تعلیم پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

سبت کے بارے میں صراحت

سبت ہفتہ کا ساتواں دن (ہفتہ / سنیچر) تھا اور ہمیشہ رہے گا۔

خدا نے چھ دنوں میں ساری کائنات کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا (پیدائش ۲: ۲)۔ اُس نے اُس وقت انسان کو سبت کا دن ماننے کا حکم نہیں دیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ اصول لاگو کرنے کا ارادہ رکھتا ہو کہ ہر سات دنوں میں ایک دن آرام کا ہو۔

اسرائیلی قوم کو سبت کا دن ماننے کا حکم اُس وقت ہوا جب وہ وحکم دئے گئے (خروج ۲۰: ۸-۱۱)۔ سبت کے لئے حکم باقی نو حکموں سے فرق ہے۔ یہ ایک رسوماتی آئین ہے جبکہ دوسرے اخلاقی احکام ہیں۔ سبت کے دن کام کرنا غلط صرف اس لئے ہے کہ خدا نے کہا ہے، اور کوئی وجہ نہیں۔ دیگر احکام کا تعلق ایسی باتوں سے ہے جو اپنی حقیقت اور ماہیت میں غلط ہیں۔

سبت کے دن کام کرنے کی ممانعت کا اطلاق کبھی خدا کی خدمت پر نہیں ہوا، نہ خدا کا کبھی ایسا ارادہ تھا (مئی ۱۲: ۵)۔ نہ اس کا اطلاق ضروری کاموں (مئی ۱۲: ۱۳، ۱۴) نہ رحمدلی کے کاموں (مئی ۱۲: ۱۱، ۱۲) پر ہوتا ہے۔ نئے عہد نامہ میں دس میں سے نو حکم دہرائے گئے ہیں، مگر حکم کے طور پر نہیں بلکہ فضل کے تحت مسیحی زندگی گزارنے کی ہدایات کے طور پر۔ صرف یہی ایک حکم ہے جس کو ماننے کے لئے مسیحیوں کو کبھی نہیں کہا گیا اور وہ ہے سبت کے بارے میں حکم۔ بلکہ پورس تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اُسے نہ ماننے پر مسیحیوں کو ملزم نہیں ٹھہرایا جاسکتا (کلیسیوں ۱۶: ۲)۔

مسیحیت کا نمایاں اور امتیازی دن ہفتہ کا پہلا دن ہے۔ خداوند یسوع مسیح اس دن مُردوں میں سے جی اٹھا (یوحنا ۲۰: ۱)۔ یہ ثبوت ہے کہ کفارہ اور معافی کا کام پورا ہو گیا اور خدا نے اُسے منظور کر لیا ہے۔ اس لئے اس کو خداوند کا دن کہا جاتا ہے۔ آگے یسوع دو دفعہ ہفتے کے پہلے

دن اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوا (یوحنا ۲۰: ۱۹، ۲۶)۔ رُوح القدس بھی ہفتے کے پہلے دن دیا گیا (اعمال ۲: ۱۰، ۱۱)۔ بحوالہ احبار ۲۳: ۱۵، ۱۶)۔ ابتدائی دنوں میں شاگرد اسی دن جمع ہوا کرتے اور روٹی توڑا کرتے اور خداوند کی موت کا اظہار کیا کرتے تھے (اعمال ۲۰: ۷)۔ خدا نے بھی مسیحیوں کے لئے

یہی دن مقرر کیا ہے جب وہ خداوند کے لئے چنہ نکالا کریں (۱- کرنتھیوں ۱۶: ۱-۲)۔

سبت یا ساتواں دن محنتِ مشقت کے ایک ہفتے کے آخر میں آتا تھا۔ خداوند کا دن یا

اتوار سے ہفتہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اور یہ آغاز اس طمانیت بخش علم کے ساتھ ہوتا ہے کہ کفارہ کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ سبت پہلی تخلیق کی یادگار تھا، خداوند کا دن نسی مخلوق کے ساتھ منسلک ہے۔ سبت کا دن ذمہ داری کا دن ہوتا تھا، خداوند کا دن اعزاز کا دن ہوتا ہے۔

مسیحی خداوند کا دن نجات کمانے یا پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہیں مانتے نہ نماز کے ڈر سے۔ انہیں بلکہ اُس ہستی کی محبت اور اُس کے لئے جاں نثاری کے جذبے کے ساتھ اس دن کو مخصوص کرتے ہیں جس نے اُن کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ چونکہ اس روز ہم معمول کے دنیاوی کاموں سے آزاد ہوتے ہیں، اس لئے اسے خاص انداز میں مسیح کی عبادت اور خدمت کے لئے مخصوص کر سکتے ہیں۔

یہ کہنا غلط ہے کہ سبت کو خداوند کے دن سے بدل دیا گیا تھا۔ سبت ہفتہ یا سنیچر کا دن ہے، جبکہ خداوند کا دن اتوار کا دن ہے۔ سبت ایک عکس تھا، حقیقت مسیح ہے (کلسیوں ۲: ۱۶، ۱۷)۔ مسیح کے جی اٹھنے سے ایک نیا آغاز ہوا۔ اور خداوند کا دن اسی آغاز کو نمایاں کرتا ہے۔ یسوع ایک وفادار ایمان دار یہودی تھا، اور شریعت کے ماتحت زندگی گزارتا تھا اس لئے سبت کو مانتا تھا (حالانکہ فریسیوں نے اس کے الٹ الزام لگایا)۔ چونکہ وہ سبت کا مالک ہے، اس لئے اُس نے سبت کو اُن جھوٹے قوانین اور ضوابط سے آزاد کرایا جن میں یہ گھرا ہوا تھا۔

۴۔ یسوع سبت کے دن شفا دیتا ہے (۱۳: ۹-۱۲)

۹:۱۲۔ کھیتوں سے چل کر یسوع "عبادت خانہ میں گیا۔" لوقا بیان کرتا ہے کہ فقیر اور فریسی

وہاں بھی گھات میں تھے کہ اُس پر کوئی الزام لگا سکیں (لوقا ۶: ۷، ۸)۔

۱۰:۱۲۔ عبادت خانے کے اندر "ایک آدمی تھا جس کا ہاتھ سوکھا ہوا تھا۔" وہ فریسیوں

کی بے بسی کی نمونہ بولتی تصویر تھا۔ اب تک وہ اُس کو نہایت سرد مہری سے نظر انداز کرتے رہے تھے۔ لیکن بیکار وہ اُن کے لئے بہت کار آمد بن گیا کیونکہ وہ یسوع کو پچھاننے کا پھندہ ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یسوع انسانوں کو ہر دکھ مہیبت سے آزاد کرنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اگر وہ سبت کے دن شفا دیتا ہے تو وہ اسے ایک قابل نماز جرم میں پکڑ سکتے تھے۔ وہ ایسی ہی باتیں سوچ رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شریعت سے متعلق ایک مغالطہ آمیز سوال پوچھا کہ "کیا سبت کے دن شفا دینا روا ہے؟"

۱۱:۱۲ - منجی نے جواب میں بھی ایک سوال پوچھا کہ اگر تمہاری بھیڑ سبت کے دن گرٹھے میں گر جائے تو کیا اسے پکڑ کر باہر نہ نکالو گے؟ ضرور نکالیں گے۔ مگر کیوں؟ شاید ان کے پاس یہ عذر تھا کہ یہ رحم کا کام ہے۔ لیکن ایک اور سبب بھی ہو سکتا ہے کہ بھیڑ قیمتی ہوتی ہے، اس کے عوض رقم ملتی ہے۔ اور فریسی سبت کے دن بھی مالی نقصان اٹھانا پسند نہیں کریں گے۔

۱۲:۱۲ - ہمارے خداوند نے ان کو یاد دلایا کہ "آدمی کی قدر تو بھیڑ سے بہت ہی زیادہ ہے۔" جانور پر رحم اور ترس کھانا بہت مناسب اور روایات ہے۔ تو کسی انسان کے ساتھ "سبت کے دن ٹیکہ کرنا" کس قدر زیادہ مناسب اور روانہ ہوگا!

۱۲:۱۳، ۱۴ - یہودی رہنما اپنے لاپرواہی کے گرٹھے میں خود ہی گر گئے۔ چنانچہ یسوع نے سوکھے ہوئے ہاتھ کو اچھا کر دیا۔ آدمی کو یہ کہنے میں کہ "اپنا ہاتھ بڑھا" ایمان اور ارادہ کو حرکت میں لانے کو کہا گیا، اور فرمانبرداری کا صلہ شفا کی صورت میں ملا۔ اس عجیب خالق نے بیمار ہاتھ کو "دوسرے ہاتھ کی مانند تندرست" کر دیا۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ فریسی ایک ایسے آدمی کی شفا یا بی پر خوش ہوئے ہوں گے جس کی مدد کرنے کی نہ ان میں قوت تھی نہ شوق تھا۔ ارے نہیں بلکہ اس کے برعکس وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے اور باہم "مشورہ" یا سازش کرنے لگے کہ اسے کس طرح ہلاک کریں۔ اگر ان کے اپنے ہاتھ سوکھے ہوئے ہوتے تو ہفتہ کے کسی دن بھی شفا پانے پر راضی ہوتے۔

و۔ سب کے لئے شفا (۱۲: ۱۵-۲۱)

۱۲: ۱۵، ۱۶ - یسوع اپنے دشمنوں کے خیالات کو جانتا تھا۔ چنانچہ وہ "وہاں سے روانہ ہوا۔" مگر وہ جہاں کہیں جاتا تھا، لوگ اس کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ اور جہاں بھی بیمار اٹھے ہو جاتے تھے وہ "سب کو اچھا" کر دیتا تھا۔ مگر ان کو "تاکید" کرنا تھا کہ میری مہجرانہ شفا بخشی کی تشہیر نہ کرنا۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود کو خطرے سے بچانا چاہتا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ کسی ایسی متلون تحریک سے بچنا چاہتا تھا جو اس کو انقلابی ہیرو بنا دیتی۔ ضرور تھا کہ خدا کے مقرر کئے ہوئے اوقات کو برقرار رکھا جائے۔ اس کے انقلاب کو آکے رہنا تھا، مگر رومی خون بہا کر نہیں، بلکہ اس کا اپنا خون بہا کر۔

۱۲: ۱۸۱۷- اُس کی پُر فضل خدمت یسعیاہ کی اُس پیش گوئی کی تکمیل تھی جو ۴۱: ۹ اور ۴۲: ۱-۴ میں مرقوم ہے۔ ”نبی“ نے دیکھ لیا تھا کہ مسیح موعود ایک حلیم فاتح ہے۔ وہ یسوع کی تصویر یوں پیش کرتا ہے کہ وہ یہوداہ کا برگزیدہ ”خادم“ ہے۔ اُس کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ ”میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے“ خدا ”اپنا روح اُس پر ڈالے گا۔“ یہ نبوت یسوع کے پستہ کے وقت پوری ہوئی۔ اور اُس کی خدمت بنی اسرائیل کی حدود سے بھرت آئے تک چل جائے گی۔ وہ ”غیر قوموں کو انصاف کی خبر دے گا۔“ جنوں بنی اسرائیل اُسے قبول کرنے سے انکار کرتے جاتے ہیں یہ آخری بات اور بھی نمایاں ہوتی جاتی ہے۔

۱۲: ۱۹- یسعیاہ نے مزید پیش گوئی کی تھی کہ مسیح موعود ”نہ جھگڑا کرے گا نہ شور اور نہ بازاروں میں کوئی اُس کی آواز سنے گا“ دوسرے لفظوں میں وہ سیاسی جمہوں کو اکسانے والا یا ہجوم کو بھڑکانے والا شخص نہیں ہوگا۔ میک کلین لکھتا ہے کہ:

”وہ بادشاہ جو خدا کا خادم ہے اپنے جائز مقام پر پہنچنے کے لئے وہ انسانی حربے اور قوت استعمال نہیں کریگا جو تقریر باز سیاسی لیڈر اکثر کیا کرتے ہیں۔ اور نہ وہ ان فوق الفطرت قوتوں ہی کو کام میں لائے گا جو اُس کے حکم کی منتظر رہتی ہیں۔“

۱۲: ۲۰- ”یہ کچھ ہوئے سر کندھے کو نہ توڑے گا اور دھواں اٹھتے سن کو نہ بچھائے گا“ وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے اور اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے بے سہارا اور بے مایہ لوگوں کو اپنے پاؤں تلے نہیں روندے گا۔ وہ شکستہ دلوں اور مظلوم لوگوں کو تقویت اور حوصلہ دے گا۔ وہ ایمان کی چنگاری کو ہوا دے کر متعلہ بنا دے گا۔ اُس کی خدمت اُس وقت تک جاری رہے گی ”جب تک کہ انصاف کی فتح نہ کرائے“ انسانوں کی نفرت اور عدوت اور ناشکر اپن اُس کی فروتن اور محبت بھری خدمت کو ختم نہ سکے گا۔

۱۲: ۲۱- ”اور اُس کے نام سے غیر قومیں اُمید رکھیں گی“۔ یسعیاہ میں یہی بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے ”جزیرے اُس کی شریعت کا انتظار کریں گے“ مگر مطلب ایک ہی ہے۔ ”جزیرے“ غیر قوموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور تصویر یہ پیش کی گئی ہے کہ وہ اُس کی حکمرانی کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ اُس کی وفادار شاہی رعایا بن جائیں۔ ایک مُفسر یسعیاہ سے اس اقتباس کی یوں تعریف کرتا ہے:

”انجیل کا ایک موتی۔ مسیح کی ایک نہایت حسین اور دلکش تصویر۔ یسعیاہ باپ کے ساتھ مسیح کی یگانگت قوموں کو تعلیم اور ہدایت دینے کے مشن، دکھی انسانیت کے ساتھ برتاؤ ہیں اُس کی نرمی اور آخری فتح کی تصویر کھینچتا ہے۔ سوائے اُس کے نام کے دُنیا کے لئے کوئی اُمید نہیں ہے۔ یسعیاہ نے اسے خشک عالمانہ الفاظ میں نہیں، بلکہ پُر معنی مشرقی استعارات میں لپیٹ دیا ہے۔“

ز۔ ناقابلِ معافی گناہ (۱۲: ۲۲-۳۲)

۱۲: ۲۲-۲۴۔ جب یسوع نے ایک اندھے کو ننگے پدروں کو شفا دی تو عام لوگ سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ کیا یہ ”ابن داؤد“ یعنی بنی اسرائیل کا مسیح موعود ہی تو نہیں؟ اس بات سے فریسی کھڑک اُٹھے۔ اُن کے غصے کی آگ پر تیل پڑ گیا۔ وہ تو یسوع کے ساتھ ہمدردی کے اشارہ تک کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ الزام داغ دیا کہ یہ معجزہ ”بعل زبول“ یعنی پدروں کے سردار کی قوت سے کیا گیا ہے۔ یہ منحوس تہمت پہلا الزام تھا کہ خداوند یسوع کی قدرت پدروں کی طرف سے تھی۔

۱۲: ۲۵-۲۶۔ یسوع نے اُن کے خیالوں کو جان کر اُن کی نادانی بلکہ حماقت کو بے نقاب کرنا شروع کیا۔ اُس نے بتایا کہ جس ”بادشاہی“، شہریا گھر میں پھوٹ پڑے گی وہ قائم نہ رہے گا۔ اگر میں شیطان کی مدد سے شیطان کی پدروں کو نکالتا ہوں تو گویا شیطان خود اپنے ہی خلاف کام کر رہا ہے۔ یہ تو نہایت مضحکہ خیز بات ہوئی۔

۱۲: ۲۷۔ ہمارے خداوند نے فریسیوں کو ایک اور دندان شکن جواب دیا۔ اُن کے کچھ یہودی ساتھی تھے جو ”سیانے“ یا پدروں کو نکالنے والے کلمات تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ ہم پدروں کو نکالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یسوع نے نہ اُن کے دعوے کو رد کیا نہ قبول، بلکہ یہ بات واضح کرنے کے لئے استعمال کیا کہ ”اگر میں بعل زبول کی مدد سے پدروں کو نکالتا ہوں تو تمہارے (فریسیوں کے) بیٹے (یعنی ”سیانے“) کس کی مدد سے نکالتے ہیں؟“ فریسی کسی قیمت پر یہ بات قبول نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اس بات کی منطق سے بھی بھاگ نہیں سکتے تھے۔ اُن کے اپنے ساتھی اس بات کے لئے اُن کی مذمت کرتے کہ ہم ابلیس یا شیطان کے ایجنٹ ہیں۔ سکو فیڈ کتنا ہے :

”جہاں تک فریسیوں کی اپنی ذات اور اپنے بیٹوں کا تعلق ہے، وہ اس بات کا کافی الغور فرما مانتے کہ ہمارا شیطانی قوتوں سے کوئی علاقہ ہے۔ لیکن جو بنیاد وہ باندھ رہے تھے کہ یسوع بعل زبول کی مدد سے بدرجوں کو نکالتا ہے، اسی بنیاد پر ان کے اپنے بیٹے ان کو بے اصول قرار دیتے کہ اگر بدرجوں کو نکالنے کی قوت شیطانی قوت ہے تو جو کوئی اس قوت کو استعمال کرتا ہے، وہ اس قوت کے سرچشمے کا ساتھی ہے۔ وہ ایک ہی قسم کے نتائج کو الگ الگ وجوہات سے منسوب کر رہے تھے۔ اس لئے منطقت سے کوسوں دور تھے۔“

۲۸:۱۲۔ بے شک حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ”خدا کے رُوح کی مدد سے بدرجوں کو نکالتا“ تھا۔ اُس نے دنیا میں اپنی ساری بشری زندگی رُوح القدس کی قدرت میں بسر کی۔ وہ رُوح سے معمور مسیح موعود تھا جس کی پیش گوئی یسعیاہ نے کی تھی (یسعیاہ ۲:۱۱، ۴۲:۱، ۶۱:۱-۱۰، ۳)۔ اس لئے اُس نے فریسیوں سے کہا، ”اگر میں خدا کے رُوح کی مدد سے بدرجوں کو نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آ پہنچی“۔ یہ اعلان ان کے لئے ضربِ کاری ثابت ہوا ہوگا۔ وہ اپنے علم الہیات پر بہت ناز کرتے تھے۔ لیکن ”خدا کی بادشاہی“ ان کے پاس اس لئے آ پہنچی تھی کہ بادشاہ ان کے درمیان تھا اور انہوں نے احساس تک نہیں کیا تھا کہ وہ یہاں موجود ہے۔

۲۹:۱۲۔ شیطان کا ساتھی یا ساتھی ہونا تو دور کی بات ہے، خداوند یسوع تو شیطان کا فاتح ہے۔ اس بات کی وضاحت کرنے کے لئے اُس نے ”زور آور آدمی“ کی تمثیل سنائی۔ یہ ”زور آور آدمی“ شیطان ہے۔ اُس کا گھر وہ علاقہ ہے جس پر اُس کی حکمرانی ہے۔ اُس کا ”اسباب“ اُس کی بدرجوں ہیں۔ یسوع وہ ہستی ہے جو اُس ”زور آور آدمی کو باندھ دیتا ہے اور اُس کے گھر میں گھس کر اُس کا اسباب ٹوٹ“ لیتا ہے۔ دراصل شیطان کو باندھنے کا کام مرحلوں میں ہوتا ہے۔ اس کا آغاز یسوع کی زمینی خدمت کے دوران ہوا۔ مسیح کی موت اور قیامت سے اُس کی فیصلہ کن ضمانت ہو گئی۔ اور بادشاہ کی ہزار سالہ بادشاہی (مکاشفہ ۲:۲۰) کے دوران ایک اور نمایاں مرحلہ تک پورا ہو جائے گا۔ اور مکمل اُس وقت ہو گا جب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ کی جھیل میں ڈال دیا جائے گا (مکاشفہ ۲۰:۱۰)۔ موجودہ زمانے میں ابلیس بندھا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ ابھی تک بڑا زور مارتا ہے مگر

اُس کا حشر مُقرر ہو چکا ہے۔ بس مقصودِ اِی دقت باقی ہے۔

۳۰:۱۲۔ پھر یسوع نے کہا ”جو میرے ساتھ نہیں وہ میرے خلاف ہے۔ اور جو میرے

ساتھ جمع نہیں کرتا، وہ بکھیرتا ہے۔“ فریسیوں کے کفر پھرے رویے سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ خداوند کے ”ساتھ نہیں“۔ اس لئے وہ اُس کے ”خلاف“ تھے۔ وہ اُس کے ساتھ فصل جمع کرنے سے انکار کرتے تھے۔ چنانچہ وہ دانوں کو بکھیر رہے تھے۔ اُنہوں نے یسوع پر الزام لگایا کہ یہ بد رُوحوں کو شیطان کی مدد سے نکالتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ خود شیطان کے خادم تھے اور خدا کے کام کو ناکام بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

مرقس ۹:۳۰ میں یسوع نے کہا ”... جو ہمارے خلاف نہیں وہ ہماری طرف ہے۔“

یہاں متی ۱۲:۳۰ میں الفاظ بالکل الٹ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مشکل اُس وقت دُور ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ متی میں بات ”نجات“ کی ہے۔ انسان یا تو مسیح کے ساتھ ہوتا ہے یا اُس کے خلاف، کوئی درمیانی حالت نہیں ہو سکتی۔ جبکہ مرقس میں بات ”خدمت“ کی ہے۔ یسوع کے شاگردوں میں بڑے ”سیخ“ فرق پائے جاتے ہیں۔ مقامی کلیسیا کی رفاقت میں فرق ہوتے ہیں، طور طریقوں اور عقائد کی تشریح اور تفسیر میں فرق موجود ہوتے ہیں۔ مگر یہاں اُمول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خداوند کے خلاف نہیں تو وہ اُس کے ساتھ ہے، اور اسی کے مطابق اُس کی عزت و توقیر ہونی چاہئے۔

۱۲:۳۱، ۳۲۔ ان آیات میں اسرائیل کے لیڈروں کے ساتھ مسیح کے برتاؤ کا نقطہ عروج پایا جاتا ہے۔

وہ اُن پر الزام لگاتا ہے کہ تم رُوح القدس کے خلاف کفر کرنے کے ناقابلِ معافی گناہ کے مرتکب ہو کیونکہ وہ کہتے تھے کہ یسوع رُوح القدس کی قدرت سے نہیں بلکہ شیطان کی مدد سے مُعجزے کرتا ہے۔ اس طرح گویا وہ رُوح القدس کو بعل زبول یعنی بد رُوحوں کا سردار کہہ رہے تھے۔

آدمیوں کا دوسرا ”ہر گناہ اور کفر“ مُعاف ہو سکتا ہے بلکہ اگر انسان ”ابنِ آدم کے برخلاف“

کوئی بات کرے تو اُس کی مُعافی بھی ہو سکتی ہے، مگر رُوح القدس کے خلاف کفر یکنہ ایسا گناہ ہے جس کی مُعافی نہیں ہے، ”نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں“ یعنی ہزار سالہ بادشاہی کے دوران بھی نہیں۔ جب یسوع نے کہا ”اس عالم میں“ تو مراد تھی اُس کی زمینی خدمت کے دنوں میں۔ یہ بات مشکوک معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ زمانے میں یہ ناقابلِ معافی گناہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ یسوع جسمانی طور پر یہاں موجود ہو کر مُعجزے نہیں کر رہا۔

انجیل کی خوشخبری کو رد کرنا بھی ناقابلِ معافی گناہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص

برسوں تک نجات دہندہ کی دعوت کو ٹھکراتا رہے، پھر توبہ کر کے ایمان لائے اور نجات پالے (البتہ اگر بے ایمانی کی حالت میں مَر جائے تو کبھی معافی نہیں پائے گا)۔ نہ مسیح کی پیروی کرنے کے بعد اُسے چھوڑ دینا ہی ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی ایمان دار شخص خداوند سے دُور چلا جائے، مگر کسی وقت دوبارہ خدا کے گھرانے میں بحال ہو جائے۔

کئی لوگ اس بات پر پریشان ہوتے ہیں کہ شاید ہم ناقابلِ معافی گناہ کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ اگر موجودہ زمانے میں یہ گناہ کیا بھی جاسکتا، تو بھی یہ حقیقت کہ انسان کو اس کی تشویش ہے ظاہر کرتی ہے کہ اُس نے یہ گناہ نہیں کیا۔ جنہوں نے یہ گناہ کیا یہ وہ لوگ تھے جو مسیح کی مخالفت میں نہایت سخت اور کٹھڑ تھے۔ اُن کو رُوح القدس کی تکفیر کرنے اور بیٹے کی موت کی سازش کرنے میں کوئی تامل نہیں تھا۔ وہ نہ پشیمان ہوتے نہ توبہ پر مائل ہوتے تھے۔

ح۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے (۱۲: ۳۳-۳۴)۔

۱۲: ۳۳۔ فریسیوں کو بھی ماننا چاہیے تھا کہ بدرُوحوں کو نکالنے سے خداوند نے بھلائی کی ہے، مگر وہ تو اُس پر بُرائی، بلکہ بُرا ہونے کا الزام لگاتے رہے۔ یہاں وہ اُن کی بے اُصولی کو بے نقاب کر کے کہتا ہے کہ خود فیصلہ کرو۔ اگر ”درخت“ اچھا ہے تو اُس کا پھل بھی ”اچھا“ ہوگا۔ اگر ”درخت“ بُرا ہے تو اُس کا پھل بھی ”بُرا“ ہوگا۔ پھل اُس درخت کی خاصیت کا عکس ہوتا ہے جس نے اُسے پیدا کیا۔ مسیح کی خدمت کا پھل اچھا تھا۔ اُس نے بیماروں، اندھوں، بہروں اور گونگوں کو اچھا کیا۔ اُس نے پیدروحوں کو نکالا اور مردوں کو زندہ کیا۔ کیا کوئی خواب درخت ایسا اچھا پھل لاسکتا ہے؟ قطعاً ناممکن! تو پھر کیوں وہ انہی ہٹ دھرمی سے اُسے قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے؟

۱۲: ۳۴، ۳۵۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ”سانپ کے سچے“ تھے۔ ابنِ آدم کے خلاف اُن کا کینہ اُن کی زہر آلود باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ اور یہ زہر اُن کے بُرے دلوں سے چھلک رہا تھا۔ جو دل نیکی اور بھلائی سے بھرا ہے، اُس کا ثبوت اُس کی پرفیصل اور راستبازی کی باتوں سے ملتا ہے۔ اور بُرا دل کُفر، تلخی اور گندمی باتوں سے اپنی بُرائی کو ظاہر کرتا ہے۔

۱۲: ۳۶۔ یسوع نے اُن کو (اور ہمیں بھی) خبردار کیا کہ جو کئی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دن اُس کا حساب دیں گے۔ کیونکہ جو لفظ لوگ بولتے یا جو باتیں کرتے ہیں وہ اُن کی زندگی کا بالکل

دُرسٹ اُمینہ ہوتی ہے۔ اُن کی بُنیاد پر اُن کو سزا ہوگی یا وہ بری کئے جائیں گے۔ خیال کریں کہ خُدا کے رُوح کے خُلاف بُرے اور تَخقیر آمیز الفاظ استعمال کرنے کے باعث فریسیوں پر کتنا بڑا غضب ہوگا!

۱۲: ۳۷۔ ”کیونکہ تو اپنی باتوں کے سبب سے راستیاز ٹھہرایا جائے گا اور اپنی باتوں کے سبب

سے قُصُور وار ٹھہرایا جائے گا۔“ جہاں تک ایمانداروں کا تعلق ہے، اُن کی بے پروائی اور بے احتیاطی کی باتوں کی قیمت تو مسیح کی موت سے ادا ہو چکی ہے لیکن ہم نے جن ایسی باتوں کا اقرار نہیں کیا، اور مُعافی حاصل نہیں کی، اُن کے باعث مسیح کے نَحْتِ عَدَالَت کے سامنے ہمارے آج میں کمی ہو جائے گی۔

ط۔ یوناہ نبی کا نشان (۱۲: ۳۸-۴۲)

۱۲: ۳۸۔ یسوع نے بے شمار مُعجزے کئے تھے۔ اس کے باوجود ”فقہیوں اور فریسیوں“

نے بڑی ڈھٹائی سے خُداوند سے ”ایک نشان“ دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ ظاہر یہ کہ اگر وہ اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کر دے تو ہم ایمان لے آئیں گے لیکن اُن کی عیاری اور ریاکاری صاف نظر آرہی تھی۔ اگر اُنہوں نے اتنے عجیب کاموں کے باوجود یقین نہیں کیا تھا تو ایک اور نشان سے بھی قائل نہ ہوتے۔ خُدا کو یہ رویہ پسند نہیں کہ ایمان لانے کے لئے مُعجزانہ نشانوں کی شرط عائد کی جائے۔ چنانچہ یسوع نے توما سے کہا تھا کہ ”مبارک وہ ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لائے“ (یوحنا ۲۰: ۲۹)۔ خُدا کے انتظام میں ایمان پہلے ہے اور دیکھنا بعد میں۔

۱۲: ۳۹۔ خُداوند نے اُن کو ”اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ“ کہہ کر مخاطب کیا۔ ”بُرے“

اس لئے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے مسیح موعود کے حق میں اندھے بنے ہوئے تھے، اور ”زنا کار“ اس لئے کہ وہ رُوحانی لحاظ سے اپنے خُدا کے بے وفا تھے۔ اُن کا خالق خُدا، وہ ہستی ہے جس میں کامل اُلوہیت اور کامل بشریت یکجا تھی، اُن کے درمیان کھڑا اُن سے مخاطب تھا، اور وہ اُس سے ”ایک نشان“ طلب کرنے کی جسارت کر رہے تھے۔

۱۲: ۴۰۔ اُس نے اُن کو ٹھکا سا جواب دیا کہ ”یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان

اُن کو نہ دیا جائے گا۔“ یہ اُس کی اپنی موت، تدفین اور قیامت کی طرف اشارہ تھا۔ یوناہ کو مچھلی نے نگل لیا تھا اور تین دن بعد اُگل دیا تھا (یوناہ ۱: ۱۷، ۲: ۱۰)۔ یہ خُداوند کے دُکھ اُٹھانے

اور جی اٹھنے کی تصویر تھی۔ اُس کا مُردوں میں سے جی اٹھنا بنی اسرائیل کے لئے اُس کی خدمت کا آخری اور حتمی نقطہ عروج ہوگا۔

ہمارے خداوند نے اُن کو پیشگی بتا دیا کہ ”جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا

ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمبین کے اندر رہے گا۔“ اس بات سے ایک مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ عام طور سے مانا جاتا ہے کہ یسوع کو جمعہ کی شام کو دفن کیا گیا اور وہ اتوار کی صبح زندہ ہو گیا تو کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ تین رات دن قبر میں رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی حساب کے مطابق دن یا رات کا کوئی حصہ بھی پورا عرصہ شمار ہوتا ہے۔ ”ایک دن اور ایک رات سے ایک ادناہ (onah) بنتا ہے اور ادناہ کا ایک حصہ کل جیسا ہوتا ہے“ (یہودی کماوت)۔

۱۲: ۴۱۔ یسوع نے یہودی لیٹروں کی خطا کو ظاہر کرنے کے لئے دو تقابلیں پیش کئے۔ اول یہ کہ ”بینوہ“ کے لوگوں کو اسرائیلیوں کی نسبت بہت کم شرف حاصل ہوا تو بھی انہوں نے شہر میں گشت لگانے والے نبی ”یوناہ کی منادی پر توبہ کرنی“۔ یہ لوگ ”عدالت کے دن ... کھڑے ہو کر“ یسوع کے زمانے کے لوگوں کو مجرم ٹھہرائیں گے کہ انہوں نے اُس ہستی کو یعنی خدا کے مجسم بیٹے کو ”جو یوناہ سے بھی بڑا ہے“ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

۱۲: ۴۲۔ دوم۔ صبا کی ”ملکہ“ غیر قوم ہونے کے باعث اُس شرف سے محروم تھی جو یہودی قوم کو حاصل تھا۔ وہ ”دکھن“ یعنی جنوب سے بڑی کوشش اور بیسہ خرچہ کر کے سلیمان سے ملنے کو آئی۔ یسوع کے زمانے کے یہودیوں کو تو اُس سے ملنے کے لئے کوئی سفر نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ خود آسمان سے سفر کر کے اُن کا سیرج موعود بادشاہ بننے کے لئے اُن کے پاس آ گیا تھا۔ تو بھی وہ اُسے ”جو سلیمان سے بھی بڑا ہے“ اپنی زندگیوں میں جگہ دینے کو تیار نہ تھے۔

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ یسوع برسیکل سے (آیت ۶) یوناہ سے (آیت ۴۱) اور سلیمان سے

بڑا ہے (آیت ۴۲)۔ ”وہ عظیم ترین سے عظیم تر اور بہترین سے بہتر ہے“

ی۔ ناپاک رُوح واپس آتی ہے (۱۲: ۴۳-۴۵)

۱۲: ۴۳-۴۴۔ اب یسوع تمثیلی انداز میں بے اعتقاد بنی اسرائیل کے ماضی، حال اور مستقبل کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ ”آدمی“ یہودی قوم کی نمائندگی کرتا ہے اور ”ناپاک رُوح“ اُس بن پرستی کا نمائندہ ہے جو مقرر میں غلامی کے زمانے سے لے کر بائبل کی اسیری (جس نے عارضی طور پر بنی اسرائیل

سے بُت پرستی چھڑا دی تھی) تک اسرائیلی قوم کی خاصیت رہی۔ یہ ایسے ہی تھا کہ جیسے ناپاک رُوح ”آدمی میں سے نکلتی ہے“۔ اسیری کے خاتمے سے لے کر آج کے دن تک یہودی لوگوں نے بُت پرستی نہیں کی۔ وہ اُس گھر کی مانند ہیں جو ”خالی اور چھڑا ہوا اور آراستہ“ ہے۔

کوئی دو ہزار سال پیشتر مخلصی دہندہ نے اُس خالی گھر میں داخل ہونا چاہا۔ وہ اِس گھر کا جائز قابض، گھر کا مالک ہے، مگر لوگوں نے ڈٹ کر اُسے گھر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اگرچہ اب وہ بُتوں کی پوجا تو نہیں کرتے تھے، مگر حقیقی خدا کو بھی سجدہ نہیں کرتے تھے۔

”خالی“ گھر رُوحانی خلا کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ بعد کا احوال ظاہر کرتا ہے، یہ ایک خطرناک حالت ہوتی ہے۔ صرف اصلاح کافی نہیں ہوتی، ضرور ہے کہ نجات دہندہ کو مثبت اور پکے طور پر قبول کر لیا جائے۔

۱۲: ۴۵۔ مُستقبل میں کسی وقت بُت پرستی کی رُوح اُس گھر میں واپس آنے کا فیصلہ کرے گی۔

اُس وقت ”اور سائت رُوحیں اپنے سے بُری ہمراہ لے“ آئے گی۔ چونکہ سائت کاملیت کا عدد ہے اِس لئے اشارہ غالباً پورے طور پر ترقی یافتہ بُت پرستی کی طرف ہے۔ یہ اُس بڑی مصیبت کا پتہ دیتی ہے جب برگشتہ قوم مخالف مسیح کی پرستش کرے گی۔ ”گناہ کے شخص کے سامنے سجدہ کرنا اور خدا کی طرح اُس کی پرستش کرنا وہ بدترین اور انتہائی خوفناک بُت پرستی ہے کہ

ماضی میں قوم ایسی بُت پرستی کی کبھی مُرتکب نہیں ہوئی (۲۔ تھسلیونیکوں ۲: ۳)۔ اِس طرح اُس آدمی کا پچھلا حال پہلے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے“۔ بے اعتقاد اور ایمان نہ لانے والی اسرائیلی

قوم کو ”بڑی مصیبت“ کے ہولناک غضب کا سامنا کرنا پڑے گا، اور اُن کی مصیبت اور دکھ بائبل کی اسیری سے زیادہ ہوگا۔ مسیح کی دوسری آمد پر قوم کا بُت پرست حصہ بالکل نیاہ اور ہلاک ہو جائے گا۔ ”اِس زمانہ کے بُرے لوگوں کا حال بھی ایسا ہی ہوگا“۔ وہی برگشتہ اور مسیح کو رد کرنے

والی قوم جس نے خدا کے بیٹے کی پہلی آمد پر اُس کی تحقیر کی تھی اُس کی دوسری آمد پر نہایت سخت عدالت اور غضب کا شکار ہوگی۔

ک۔ یسوع کی ماں اور بھائی (۱۲: ۴۶۔ ۵۰)

ان آیات میں ایک ایسا واقعہ درج ہے جو بظاہر عام سامعین کو معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کے خاندان کے افراد اُس سے ملنے آئے۔ وہ کیوں آئے تھے؟ مرقس کچھ اشارہ دیتا ہے۔ یسوع کے

بعض عزیزوں کا کہنا تھا کہ اُس کا داغ چل گیا ہے (مرقس ۳: ۲۱؛ ۳۱-۳۵)۔ اُس کے خاندان کے لوگ شاید اس لئے آئے تاکہ خاموشی سے اُسے وہاں سے لے جائیں (یوحنا ۵: ۵ بھی ملاحظہ کریں)۔ جب اُسے بتایا گیا کہ تیری ماں اور بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں تو یسوع نے جواب میں پوچھا کہ کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟ پھر اپنے شاگردوں کی طرف اشارہ کر کے اُس نے کہا کہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے، وہی میرا بھائی اور مری بہن اور ماں ہے۔“

یہ چونکا دینے والا بیان گہرے روحانی معنی کا حامل ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے ساتھ یسوع کے سلوک میں ایک نمایاں موڑ ہے۔ مریم اور اُس کے بیٹے اسرائیلی قوم، یسوع کی خونی رشتے کی قوم کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اب تک وہ اپنی خدمت کو بڑی حد تک اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی پھیڑوں تک محدود رکھے ہوئے تھا، مگر یہ حقیقت واضح ہوتی جا رہی تھی کہ اُس کے اپنے لوگ اُسے قبول نہیں کریں گے۔ اپنے مسیح نمود کے سامنے جھکنے کی بجائے فریسی الزام لگا رہے تھے کہ وہ شیطان کے کنٹرول میں ہے۔

چنانچہ اب یسوع ایک نئے نظام کا اعلان کرتا ہے۔ وہ مضبوط رشتوں کے ساتھ بنی اسرائیل کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ مگر اب سے وہ دوسروں میں منادی کرنے میں ان بندھنوں کا پابند نہیں رہے گا۔ اگرچہ اُس کا رحم بھرا دل جسم میں اپنے ہم وطنوں سے عرض اور منت کرتا رہے گا لیکن باب ۱۲ اسرائیل سے الگ ہو جانے کی واضح نشاندہی کرتا ہے۔ نتیجہ بھی صاف ظاہر ہے۔ اسرائیل اُسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ چنانچہ وہ اُن لوگوں کی طرف رجوع کرے گا جو اُسے قبول کریں گے۔ روحانی رستوں پر سبقت لے جائے گا۔ یہودی ہوں یا غیر قوم، چننے اور جو بھی لوگ خدا کی فرمانبرداری کریں گے، اُن کا یہ مسیح یسوع کے ساتھ رشتہ قائم ہو جائے گا۔

اس واقعہ کے بیان کو ختم کرنے سے پہلے ہم یسوع کی ماں کے بارے میں دو اہم نکات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اول۔ جہاں تک یسوع کی حضوری میں رسائی حاصل کرنے کا تعلق ہے مریم کو کوئی امتیازی استحقاق حاصل نہیں تھا۔

دوم۔ یسوع کے بھائیوں کا ذکر مریم کے دائمی کنوارپن کی تعلیم پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ یہاں یہ مفہوم بہت مضبوط ہے کہ وہ مریم کے حقیقی بیٹے تھے۔ اس لئے ماں کی طرف سے یسوع کے بھائی تھے۔ صحائف کے دوسرے متعدد حوالے اس نظریہ کو تقویت دیتے ہیں۔

دیکھئے زبور ۴۹: ۸؛ مئی ۱۳: ۵۵؛ مرقس ۳: ۳۱، ۳۲، ۶؛ یوحنا ۷: ۵، ۳؛ اعمال ۱: ۱۴؛
۱- کرنتھیوں ۹: ۵؛ گلٹیوں ۱۹: ۱ -

۸۔ اسرائیل کے رد کرنے کے باعث بادشاہ بادشاہی کی ایک نئی عبوری شکل کا اعلان کرتا ہے (باب ۱۳)

بادشاہی کی تماثل

اب ہم مئی کی انجیل کے ایک بھڑائی بیگنے پر پہنچتے ہیں۔ خداوند نے واضح کر دیا ہے کہ روحانی
بندھن زمینی رشتوں پر سبقت رکھیں گے، کہ اب اہمیت یہودی جنم کو نہیں بلکہ خدا باپ کی فرمانبرداری
کو حاصل ہوگی۔ بادشاہ کو رد کر کے فریسیوں اور فقیہوں نے بادشاہی کو بھی رد کر دیا ہے۔ وہ تماثل کے
ایک سلسلے کی مدد سے بادشاہی کی نئی صورت کا خاکہ پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ میرے رد کئے
جانے اور بالآخر بادشاہوں کے بادشاہ اور خداوندوں کے خداوند کے طور پر ظاہر ہونے کے وقت
کے درمیانی عرصے کے دوران یہ بادشاہی کی شکل و صورت اختیار کرے گی۔ ان میں سے چھ تماثل
ان الفاظ سے شروع ہوتی ہیں کہ "آسمان کی بادشاہی ۰۰۔ کی مانند ہے"

ان تماثل کو صحیح تناظر میں دیکھنے کے لئے آئیے ہم باب تین کے بیان کے مطابق اس بادشاہی
پر دوبارہ غور کریں۔ آسمان کی بادشاہی وہ دائرہ یا علاقہ ہے جس کے اندر خدا کی حکمرانی کو
تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں (۱) ظاہری یا خارجی اقرار۔ اس میں وہ سب شامل
ہیں جو خدا کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں (۲) داخلی یا باطنی حقیقت۔ اس میں
صرف وہی لوگ شامل ہیں جو ایمان لاکر بادشاہی میں داخل ہوتے ہیں۔ اس بادشاہی کے پانچ مرحلے
ہیں (۱) پیمانے عمد نامہ کا مرحلہ جس میں اس کی پیش گوئی ہوئی (۲) وہ مرحلہ جس میں یہ
بادشاہی "نزدیک" یعنی بادشاہ کی ذات میں موجود ہے۔ (۳) عبوری مرحلہ۔ یہ ان لوگوں
پر مشتمل ہے جو اس زمین پر موجود ہیں اور اس کی رعیت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ بادشاہ
کے رد کئے جانے اور آسمان پر واپس جانے کے بعد کا زمانہ ہے (۴) ہزار سالہ دور میں
بادشاہی کا ظہور (۵) آخری، دائمی بادشاہی۔ بادشاہی کے بارے میں بائبل مقدس کا ہر حوالہ

ان میں سے کسی نہ کسی مرحلے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ باب ۱۳ میں جس مرحلے پر بحث کی گئی ہے، وہ تیسرا یعنی عبوری دور ہے۔ اس مرحلے کے دوران (پینٹکسٹ سے لے کر فضائی استقبال تک) بادشاہی اپنی باطنی حیثیت سے ان ہی لوگوں سے تشکیل پاتی ہے جن کو کلیسیا کہا جاتا ہے۔ بادشاہی اور کلیسیا کے درمیان صرف یہی واحد مماثلت ہے۔ ورنہ وہ ایک ہی چیز نہیں ہیں۔

آئیے اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے مماثلت کا جائزہ لیں۔

۱۔ زیچ بونے والے کی تمثیل (۱۳:۱-۹)

۱۳:۱-۱۳:۱۳۔ جس گھر میں یسوع نے بدروح گرفتہ کو شفا دی تھی، اب وہ اُس گھر سے نکل کر جھیل کے کنارے جا بیٹھا۔ بائبل مقدس کے بہت سے علماء کے نزدیک گھر بنی اسرائیل کی اور جھیل غیر قوموں کی تصویر پیش کرتی ہے۔ چنانچہ خداوند کا یہ فعل بنی اسرائیل سے تعلقات توڑ لینے کی علامت ہے۔ اس عبوری دور میں بادشاہی کی مادی غیر قوموں میں کی جائے گی۔

۱۳:۲-۱۳:۲۰۔ ایک ”بڑی بھڑ“ جھیل کے کنارے پر جمع ہو گئی۔ چنانچہ وہ ایک رکنستی پر چڑھ بیٹھا اور تمثیلوں میں اُن کو تعلیم دینے لگا۔ تمثیل ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جس میں ہمیشہ کوئی روحانی یا اخلاقی سبق یا تعلیم چھپی ہوتی ہے مگر ہمیشہ فوری طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔ یہاں سات تمثیلیں ہیں۔ ان میں بیان ہوا ہے کہ مسیح کی پہلی اور دوسری آمد کے درمیانی عرصے میں بادشاہی کیسی کچھ ہوگی۔ پہلی چار تمثیلیں بھڑ کو ستانی گئیں اور آخری تین صرف شاگردوں کو۔ خداوند نے پہلی دو اور ساتویں تمثیل کا مطلب شاگردوں کو سمجھایا۔ باقی چار کو چھوڑ دیا کہ شاگرد (اور ہم) اُس کی تمہیا کردہ کلید کے مطابق ان کا مطلب خود دریافت کریں۔

۱۳:۳-۱۳:۳۰۔ پہلی تمثیل کا تعلق ایک ”زیچ بونے والے“ سے ہے۔ اُس نے زیچ چار مختلف قسم کی زمینوں میں یویا اور حسب توقع ہر صورت میں نتیجہ مختلف نکلا۔

۱۳:۴-۸

نتیجہ

زمین

- ۱۔ زاہ سا کنارہ۔ دبی ہوئی سخت زمین
- ۲۔ پتھر۔ پٹی زمین
- ۱۔ زیچ پرندوں نے چُک لیا۔
- ۲۔ زیچ ہلدی اُگ آیا، دھوپ سے جل گیا

اور سُوکھ گیا۔

۳۔ بیج اگا، مگر جھاڑیوں نے دیا لیا۔ بڑھ

۳۔ جھاڑیوں والی زمین

نہ سکا۔

۳۔ بیج اگا، بڑھا اور پھل لایا۔ ”سُوکھ سُوکھا،
سُوکھ ساکھ گنا، سُوکھ تیس گنا“

۴۔ اچھی زمین۔

۹:۱۳۔ یسوع نے ایک رازدارانہ نصیحت کے ساتھ تمثیل کو ختم کیا کہ ”جس کے کان ہوں وہ سُن لے“۔ اس تمثیل میں وہ بھیڑ کو ایک ضروری پیغام دے رہا تھا مگر شاگردوں کے لئے فرق پیغام تھا۔ کسی کو اُس کے اہم الفاظ کو سمجھنے سے رہ نہیں جانا چاہئے۔

چونکہ خداوند نے خود اس تمثیل کا مطلب سمجھا دیا اس لئے ہم اُس پیر سے (آیات ۱۸-۲۳) تک پہنچنے تک اپنے تجسس پر قابو رکھیں گے۔

ب۔ تمثیلوں کا مقصد (۱۲: ۱۰-۱۷)

۱۰:۱۳۔ ”شاگرد“ اس بات پر حیران ہوئے کہ خداوند لوگوں سے ”تمثیلوں“ کی کنایہ دار زبان میں ”باتیں کرتا ہے“۔ اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ اپنا طریقہ سمجھا دے۔

۱۱:۱۳۔ جواب میں یسوع نے پہلے عام بے اعتقاد بھیڑ اور ایمان دار شاگردوں میں فرق واضح کیا۔ بھیڑ میں قوم کے ہر طبقے کے لوگ شامل تھے اور صاف نظر آتا تھا کہ یہ بھیڑ یسوع کو رد کر رہی ہے، البتہ ان کے رد کرنے کی تکمیل صلیب پر ہوگی۔ اُن کو آسمان کی بادشاہی کے بھیدوں کو سمجھنے کی اہلیت نہ بخشی گئی، جبکہ حقیقی شاگردوں کی مدد کی گئی کہ وہ ان بھیدوں کو سمجھ سکیں۔

نئے عہد نامے میں بھید سے مراد ایسی حقیقت ہے جس کا انسان کو پہلے سمجھی علم نہیں تھا، اور جس کو انسان خدا کے مکاشفے کے بغیر کبھی سمجھ نہیں سکتا، مگر اب اس کو ظاہر کیا گیا ہے۔ بادشاہی کے بھیدوں سے مراد وہ حقائق ہیں جن کا تعلق بادشاہی کی عبوری صورت سے ہے، اور جو اب تک کسی کو معلوم نہ تھیں بلکہ خود یہ حقیقت اب تک ایک بھید تھی کہ بادشاہی کی ایک عبوری شکل بھی ہوگی۔ ان تمثیل میں بادشاہی کی کچھ ایسی خصوصیات بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق اُس مدت سے ساتھ ہے جب بادشاہ غیر حاضر ہوگا۔ اس لئے بعض لوگ اس کو ”بادشاہی کی پُر اسرار صورت“ کہتے ہیں۔ مراد یہ نہیں کہ اس میں کوئی بھید یا اسرار ہیں بلکہ یہ کہ اس سے پہلے اس کا علم نہیں تھا۔

۱۲:۱۳ - یہ بات کچھ بے وجہ سی معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھید بھید سے چھپائے گئے اور شاگردوں پر ظاہر کئے گئے ہیں۔ لیکن خداوند اس کی غرض و غایت بیان کرتا ہے کہ "جس کے پاس ہے اُسے دیا جائے گا اور اُس کے پاس زیادہ ہو جائے گا۔ اور جس کے پاس نہیں ہے، اُس سے وہ بھی لے لیا جائے گا جو اُس کے پاس ہے" شاگرد خداوند یسوع پر ایمان رکھتے تھے، اس لئے اُن کو مزید ایمان کی استعداد دی گئی۔ انہوں نے نور کو قبول کر لیا تھا۔ اس لئے اُن کو اور زیادہ نور دیا گیا۔ لیکن دوسری طرف یہودی قوم نے نور حقیقی کو رد کر دیا تھا، اس لئے اُن کو نہ صرف مزید نور حاصل کرنے سے روک دیا گیا بلکہ جو تھوڑا بہت نور اُن کے پاس تھا، وہ بھی اُن سے جاتا رہے گا۔ نور کو رد کرنا ہی نور سے محرومی ہے۔

۱۳:۱۳ - میتھیو ہنری تماشیل کو بادل اور آگ کے ستون کے مشابہ ٹھہراتا ہے۔ یہ ستون اسرائیلیوں کو مُنور کرتا مگر مصریوں کو حیران اور پریشان کر دیتا تھا۔ ان تمثیلوں کا مطلب صرف اُن پر ظاہر کیا جائے گا جو سچے دل سے دلچسپی رکھتے ہوں گے۔ لیکن جو یسوع کے مخالف ہوں گے اُن کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوں گی۔

چنانچہ خداوند نے محض ترنگ میں آکر ایسا نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسے اصول کو کام میں لا رہا تھا جو ساری زندگی میں گھر کئے ہوئے ہے۔ دانستہ اندھے بن کر نتیجہ حقیقی اندھا بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے یہودیوں سے تمثیلوں میں باتیں کیں۔ ایچ۔ سی۔ وڈرنگ کہتا ہے کہ "چونکہ وہ سچائی سے محبت نہیں رکھتے تھے اس لئے اُن کو سچائی کا نور نہ دیا جاسکا۔" اُن کا دعویٰ تھا کہ ہم دیکھتے ہیں یعنی الہی سچائی سے واقف ہیں۔ لیکن مجسم سچائی اُن کے سامنے کھڑی تھی، مگر انہوں نے اُس کو دیکھنے سے انکار کر دیا۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خدا کا کلام سنتے ہیں مگر خدا کا زندہ کلام اُن کے درمیان تھا اور وہ اُس کو ماننے پر راضی نہ ہوئے۔ وہ مجسم کی عجیب حقیقت کو سمجھنے پر آمادہ نہ تھے اس لئے اُن سے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی گئی۔

۱۳:۱۴، ۱۵ - وہ یسعیاہ ۶: ۹، ۱۰ کی پیش گوئی کا چیتا جاگتا ثبوت تھے۔ اسرائیل کا دل "چربا گیا" تھا، اور اُن کے "کان" خدا کی آواز سننے کے لئے بے حس ہو گئے تھے۔ انہوں نے دانستہ انکار کیا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ہم نے دیکھا، سنا، سمجھا اور توبہ کی تو خدا ہمیں شفا دے گا۔ لیکن اپنی ضرورت اور بیماری کے وقت انہوں نے اُس سے مدد لینے سے انکار کر دیا۔ اس لئے اُن کو یہ سزا دی گئی کہ وہ "سُنیں" مگر نہ

سمجھیں، وہ دیکھیں“ مگر معلوم نہ کریں۔

۱۳:۱۶-۱۷۔ شاگردوں کو بہت بڑا شرف بخشا گیا اور وہ یہ کہ وہ اُن چیزوں کو دیکھ رہے تھے جن کو پہلے کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پرانے عہد نامے کے نبی اور راستباز آدمی آرزو کرتے رہے کہ مسیح کو عود کی آمد کو دیکھنے کے لئے زندہ رہیں۔ لیکن اُن کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ شاگردوں پر مہربانی ہوئی کہ وہ تاریخ کے اس اہم دور میں زندہ تھے۔ اُنہوں نے مسیح کو عود کو دیکھا، اُس کے معجزوں کے شاہد ہوئے اور اُس کے لبوں سے نکلنے والی بے مثال تعلیم سنی۔

ج۔ بیج بونے والے کی تمثیل کی تشریح (۱۳:۱۸-۲۳)

۱۳:۱۸۔ یسوع نے یہ واضح کیا کہ وہ تمثیلیں کیوں استعمال کرتا ہے۔ پھر خداوند نے چار قسم کی زمینوں کی تمثیل کی تشریح پیش کی۔ اُس نے بیج بونے والے کی شناخت نہیں کرائی۔ مگر یقین جانیں کہ اس کا اشارہ (۱) خود اُس کی اپنی طرف یا (۲) اُن افراد کی طرف ہے جو بادشاہی کے پیغام کی منادی کرتے ہیں۔ اُس نے سمجھا یا کہ بیج بادشاہی کا کلام (آیت ۱۹) ہے اور زمینیں اُن لوگوں کی نمائندگی کرتی ہیں جو یہ پیغام سنتے ہیں۔

۱۳:۱۹۔ سخت دہی ہوئی راہ کی زمین اُن لوگوں کی مثال ہے جو پیغام کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ انجیل سنتے تو ہیں، پر سمجھتے نہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ سمجھ نہیں سکتے، بلکہ اس لئے کہ سمجھنا نہیں چاہتے۔ ”بزدلے“ شیطان کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ وہ ان سننے والوں کے دلوں سے ”بیج“ کو چھین لے جاتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے لئے بخرپن کا انتخاب کیا اور شیطان اس سلسلے میں اُن سے تعاون کرتا ہے۔ فریسی ایسی ہی سخت دہی ہوئی زمین تھے۔

۱۳:۲۰-۲۱۔ جب یسوع پتھر بلی زمین کی بات کر رہا تھا تو اُس کے سامنے ایک ایسی چٹان کا کنارہ تھا جس پر مٹی کی پتلی سی تہ جمی ہو۔ یہ ان لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے جو کلام سنتے ہیں اور بڑی ”خوشی“ کے رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ شروع میں تو اُبشیر بہت خوشی اور فرخ کرتا ہے کہ میری منادی بڑی کامیاب ہے، مگر بہت جلد ایک گہرا سبق سیکھ لیتا ہے کہ جب لوگ ہنسی خوشی کلام کو قبول کرتے ہیں تو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوگی۔ ضرور ہے کہ پہلے گناہ سے تائبیت ہو، پشیمانی ہو اور توبہ ہو۔ یہ بہتر ہے کہ متلاشی روتا ہوا کلوڑی کی طرف

جاتا نظر آئے، بجائے اس کے کہ وہ ہنستا مسکراتا ہوا اگر جسے نکلے۔ کم گہری زمین سے اقرار بھی سطحی حاصل ہوتا ہے۔ برطیں گہری نہیں ہوتیں، لہذا جب مصیبت یا ظلم کی تیز دھوپ اُس کے اقرار کو آزما تی ہے تو وہ مسیح کی تابعداری کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

۲۲:۱۳۔ جھاڑیوں اور کانٹوں سے بھری ہوئی زمین اُن صفتوں والوں کی نمائندہ ہے جو سطحی طور پر صفت ہیں۔ ظاہراً تو وہ بادشاہی کی اصلی اور درست رعایا معلوم ہوتے ہیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ”دنیا کی فکر اور دولت کا فریب“ اُن کی دلچسپی کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ اُن کی زندگیوں میں خدا کے لئے کوئی پھل نہیں لگتا۔ لینگ اس کی وضاحت کرنے کے لئے ایک بڑے کاروباری مگر زردوست آدمی کے بیٹے کی مثال دیتا ہے۔ اس لڑکے نے جوانی میں کلام سنا، مگر کاروبار میں مگن ہو گیا۔

”بہتر جلد اُس کو انتخاب کرنا پڑا کہ خداوند کو خوش کروں یا باپ کو۔ جب بیج بویا گیا اور کا، تو اس طرح جھاڑیاں وہاں موجود تھیں۔ اس دنیا کی فکر اور دولت کا فریب بالکل نزدیک تھے۔ اُس نے باپ کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اپنے آپ کو کاروبار کے لئے وقف کر دیا اور ترقی کرتے کرتے کاروبار کا سربراہ بن گیا۔ زندگی میں کافی اُگے جا کر اُسے اقرار کرنا پڑا کہ میں آسمانی باتوں کی طرف سے غفلت برتنا رہا ہوں۔ وہ ریٹائر ہونے والا تھا۔ اب اُس نے ارادہ کیا کہ میں روحانی باتوں میں زیادہ توجہ دیں اور صرف رہوں گا۔ مگر خدا ٹھٹھوں میں نہیں اڑایا جاسکتا۔ وہ ریٹائر ہوا اور چند ہی ماہ بعد اچانک ہلاک ہو گیا۔ اُس نے اپنے پیچھے نوے ہزار پونڈ اور روحانی لحاظ سے ایک برباد شدہ زندگی چھوڑی۔ جھاڑیوں نے کلام کو دیا لیا تھا اور وہ بے پھل رہا۔“

۲۳:۱۳۔ اچھی زمین سچے اور حقیقی ایمان دار کی نمائندہ ہے۔ وہ ”کلام کو سنتا“ اور قبول کرتا اور سنتے ہوئے کی فرمانبرداری کرنے سے اُسے ”سمجھتا“ ہے۔ اگرچہ ایسے ایمان دار سب یکساں مقدار میں پھل نہیں لاتے، مگر سب اپنے پھلوں سے ظاہر کرتے ہیں کہ ہم میں خدا کی زندگی ہے۔ یہاں ”پھل“ سے مراد مسیحی کردار کا اظہار ہے، مسیح کے لئے رُوحیں جیتنا اتنا نمایاں نہیں۔ جب نئے عہد نامہ میں لفظ پھل استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا اشارہ اکثر ”رُوح کے پھل“ (گلیتیوں ۵: ۲۲، ۲۳) کی طرف ہوتا ہے۔

اس تمثیل سے بھیڑ کو کیا سمجھانا مقصود تھا؟ یہی کہ مسن کر عمل نہ کرنا بہت خطرناک بات ہے۔ مزید برآں انسانوں کی حوصلہ افزائی کرنا بھی مقصود تھا کہ وہ کلام کو سچے دل سے قبول کریں اور پھر خدا کے لئے پھل لاکر سچے ثابت ہوں۔ جہاں تک شاگردوں اور مستقبل میں مسیح کے پیروکاروں کا تعلق ہے، یہ تمثیل انہیں ایک حوصلہ شکن حقیقت کے لئے تیار کرتی ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد نسبتاً بہت تھوڑی ہے جو پیغام کو سچے دل سے سننے اور نجات پاتے ہیں۔ اس طرح مسیح کی وفادار رعایا اس خام خیالی سے بچ جاتی ہے کہ انجیل کی بشارت سے ساری دنیا ایمان لے آئے گی۔ پھر اس تمثیل سے شاگردوں کو انجیل کے تین مخالفوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ (۱) ابلیس — (پرندے — وہ شریک) — (۲) جسم — (تیز دھوپ — مصیبت یا ظلم) — (۳) دنیا — (جھاڑیاں — دنیا کی فکر اور دولت کا فریب)۔

آخر میں شاگردوں کو اُس عظیم منافع کی رو یاد دی گئی ہے جو انسانی شخصیت کو اس روحانی کاروبار میں لگانے سے حاصل ہوتا ہے۔ رئیس گنا سے مراد تین ہزار فی صد، ساٹھ گنا سے مراد چھ ہزار فی صد اور سو گنا سے مراد دس ہزار فی صد آمدنی ہے۔ حقیقت میں کوئی ایسا بیمانہ موجود نہیں جس سے ان نتائج کو ناپا جا سکے جو ایک روح کی حقیقی تبدیلی سے حاصل ہوتے ہیں۔ سڈے سکول کے ایک گنم استاد نے ڈوائٹ ایل۔ موڈی میں سرمایہ لگایا۔ موڈی نے دوسرے لوگوں کو خداوند کے لئے جینا۔ آگے انہوں نے اوردن کو جینا۔ اُس استاد نے عمل در عمل کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

د۔ گیہوں اور کرٹوے دانوں کی تمثیل (۱۳: ۲۴-۳۰)

گزشتہ تمثیل اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ آسمان کی بادشاہی میں دونوں قسم کے لوگ شامل ہیں یعنی بادشاہ کی زبانی کلامی تعریف کرنے والے اور اُس کے حقیقی شاگرد۔ پہلی تین قسم کی زمینیں ایک وسیع تر حلقے میں بادشاہی کی مثال پیش کرتی ہیں، یعنی ظاہری افراد کا حلقہ۔ یہ چوتھی قسم کی زمین بادشاہی کو ایک چھوٹے حلقے کے طور پر پیش کرتی ہے، یعنی وہ جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔

۱۳: ۲۴-۲۶۔ یہ دوسری تمثیل "یعنی گیہوں اور کرٹوے دانوں کی تمثیل بھی بادشاہی کے ان دونوں پہلوؤں کو پیش کرتی ہے۔ گیہوں سچے اور حقیقی ایمان داروں کی، اور

کڑوے دانے صرف اقرار کرنے والوں کی تصویر ہیں۔ یسوع ”بادشاہی“ کو اُس آدمی کی مانند قرار دیتا ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا۔ مگر لوگوں کے سوتے میں اُس کا دشمن آیا اور گیہوں میں کڑوے دانے بھی بویا۔ مگر کتاب ہے کہ ارض مقدس میں گیہوں کے کھیت میں عام پائے جانے والے کڑوے دانے ”بالودار تلخ“ ہے۔ یہ ایک زہریلی گھاس ہے۔ جب تک بائیں نہ نکلیں شکل و صورت کے لحاظ سے اُسے گیہوں سے الگ پہچانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر جب بائیں آجاتی ہیں تو اُن کو آسانی سے الگ کیا جاسکتا ہے۔

۱۳: ۲۴-۲۸ - ”جب نوکروں نے“ گیہوں کے ساتھ کڑوے دانوں کو اگتے بڑھتے دیکھا تو انہوں نے مالک سے پوچھا کہ یہ کیسے ہو گیا؟ اُس نے فوراً جان لیا کہ یہ ”دشمن“ کا کام ہے۔ ”نوکر“ اُن کڑوے دانوں کو فوراً اکھاڑ ڈالنے پر تیار تھے۔

۱۳: ۲۹-۳۰ - مگر مالک نے انہیں حکم دیا کہ ”کٹائی نہ کیا“ انتظار کریں۔ اُس وقت فصل کاٹنے والے دنوں کو الگ الگ کر دیں گے۔ گیہوں کو کھتوں میں جمع کر لیں گے اور ”تلخ“ کو جلا دیں گے۔

مالک نے انہیں الگ الگ کرنے میں تاخیر کرنے کا حکم کیوں دیا؟ قدرتی طور پر گیہوں اور تلخ کی جڑیں آپس میں ایسی الجھی جوتی ہیں کہ ایک کو اکھاڑیں تو دوسرا بھی ساتھ ہی اکھڑ آتا ہے۔

آیات ۲۷-۲۸ میں ہمارے خداوند نے اس تمثیل کی تشریح کی ہے۔ اس نئے باقی تبصرہ وہاں چھپچھ کر کریں گے

۵۔ رائی کے دانے کی تمثیل (۱۳: ۳۱، ۳۲)

اس کے بعد منجی ”بادشاہی“ کو ”رائی کے دانے“ سے تشبیہ دیتا ہے۔ وہ اسے ”سبب“ بنجوں سے چھوٹا قرار دیتا ہے۔ مراد ہے کہ اُس کے سُننے والوں کے تجربہ میں وہ سب سے چھوٹا ہے۔ کسی آدمی نے یہ بیج بویا تو وہ اگ کر ایک ”درخت“ یعنی ایک بہت بڑا پودا بن گیا۔ رائی کا عام پودا درخت نہیں بلکہ جھاڑی جیسی ہوتا ہے۔ اور یہ ”درخت“ اتنا بڑا ہو گیا کہ ”پرندے اُس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں“۔

بیج بادشاہی کے سادہ اور خاکسارانہ آغاز کا نمائندہ ہے۔ شروع میں بادشاہی نسبتاً چھوٹی اور ظم و ستم سے باعث پاک تھی لیکن حکومت کی سرپرستی اور تحفظ کے باعث

اُس کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔ پھر پرندے آکر اُس میں بسیرا کرنے لگے۔ یہاں پرندوں کے لئے وہی لفظ استعمال ہوا ہے جو آیت ۴ میں ہے۔ وہاں یسوع نے بیان کیا تھا کہ پرندوں سے مُراد ”وہ شریک“ ہے (آیت ۱۹)۔ بادشاہی شیطان اور اُس کے چیلے چانٹوں کے لئے گھونسلوں کی جگہ بن گئی۔ آج مسیحی دنیا ایسے نظاموں کو تحفظ دے ہوئے ہے جو مسیح کا انکار کرتے۔ مثلاً تثلیث کے مُنکر، کرسمس سائمنس، مارن فرقہ، یہوواہ کے گواہ، یونیورسٹیوں میں چرچ وغیرہ۔

چنانچہ یہاں خداوند نے اپنے شاگردوں کو پہلے سے خبردار کیا کہ میری غیر حاضری میں بادشاہی نادر طور پر بڑھے گی۔ وہ فریب نہ کھائیں اور اس ترقی کو کامیابی نہ سمجھیں۔ یہ ”بڑھنا“ اور یہ ترقی غیر صحت مند ہوگی۔ اگر یہ یہ جھوٹا سایہ غیر معمولی درخت بن جائے گا، مگر اس کا یہ بڑا بن ”شیاطین کا مسکن اور ہر ناپاک رُوح کا اڈا اور ہر ناپاک اور مکروہ پرندہ کا اڈا“ (مکاشفہ ۱۸: ۲) بن جائے گا۔

و۔ خمیر کی تمثیل

(۱۳: ۳۳)

اب خداوند یسوع نے ”بادشاہی“ کو ”خمیر“ کے مشابہ ٹھہرایا ”جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانہ اُٹے میں ملا دیا“۔ نتیجے میں سارا آٹا ”خمیر ہو گیا“۔ ایک تشریح یہ کی جاتی ہے کہ آٹا دُنيا ہے اور خمیر انجیل کا پیغام ہے جس کی منادی ساری دُنیا میں کی جائے گی، حتیٰ کہ ہر شخص نجات پالے گا۔ مگر پاک صحائف، تاریخ اور حالیہ واقعات اس نظر پر کی تردید کرتے ہیں۔

بائبل مقدس میں خمیر ہمیشہ بُرائی کا مثیل ہے۔ جب خدا نے اپنی قوم کو اپنے گھروں کو خمیر سے پاک کرنے کا حکم دیا (خروج ۱۲: ۱۵) تو وہ اس کا مطلب سمجھتے تھے۔ بے خمیری روٹی کی عید کے دوران اگر کوئی پھلے دن سے لے کر ساتویں دن تک خمیری چیز کھا تو وہ اسرائیل میں سے کاٹ ڈالا جاتا۔ یسوع نے فریسیوں اور صُودقوں کے خمیر سے خبردار کیا (متی ۱۶: ۱۲) اور ہیرودیس کے خمیر سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا (مرقس ۸: ۱۵)۔ ۱-۱ کو تھیوں ۵: ۶-۸ میں خمیر کو بدی اور شرارت بیان کیا گیا ہے اور گلیتوں ۵: ۹ کے سیاق و سباق سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں اس کا مطلب جھوٹی یا باطل تعلیم ہے۔ عام طور پر خمیر کا مطلب جھوٹے اور غلط عقائد یا بُرا کردار ہے۔

چنانچہ اس تمثیل میں خداوند برائی کی سرایت کر جانے والی قوت سے خبردار کرتا ہے کہ یہ قوت "آسمان کی بادشاہی" میں بھی کام کرتی ہے۔ رانی کے دانے کی تمثیل میں بادشاہی کی ظاہری صورت میں برائی کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ تمثیل اس باطنی بگاڑ کی نشاندہی کرتی ہے جو بادشاہی کے اندر پیدا ہو جائے گا۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس تمثیل میں "اما" خدا کے لوگوں کی اس خوراک کو ظاہر کرتا ہے جو بائبل مقدس میں پائی جاتی ہے۔ "خیر بڑا اور غلط عقیدہ ہے۔" "عورت" جھوٹی بی بی ہے جو غلط تعلیم دے کر گمراہ کرتی ہے" (مکاشفہ ۲: ۲۰)۔ کیا یہ بات نمایاں اور اہم نہیں ہے کہ عورتیں ہی متعدد غلط اور جھوٹے فرقوں اور مذہبی مسالک کی بانی ہوئی ہیں؟ بائبل مقدس میں عورتوں کو کلیسیا میں تعلیم دینے سے منع کیا گیا ہے (۱- کرنتھیوں ۱۴: ۳۴؛ ۱- تیمتھیس ۲: ۱۲)۔ لیکن بعض عورتوں نے اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے وہ مقام حاصل کیا ہے، جہاں وہ عقیدے کے معامات میں اپنے آپ کو سنبھال رہی ہیں۔ انہوں نے ہلاکت خیز بدعتوں سے خدا کی قوم کی خوراک کو مٹا دیا ہے۔

جے۔ ایچ۔ بروکس لکھتا ہے :

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسیح آسمان کی بادشاہی کو کسی بڑی چیز سے تشبیہ نہیں دے سکتا تھا تو اتنا ہی جواب کافی ہو گا کہ اس نے بادشاہی کو اس کیفیت سے تشبیہ دی جس میں گہوؤں اور کڑوسے دانے دونوں شامل تھے اور اس جال سے جس میں اچھی اور بری دونوں قسم کی مچھلیاں تھیں۔ نیز اس میں "شریر نوکر" (مئی ۱۸: ۲۳-۳۲) کو بھی جگہ حاصل ہے، جو اس آدمی کو بھی اندر آنے دیتا ہے جس نے شادی کا لباس نہیں پہن رکھا اور جو ہلاک ہو گیا (مئی ۱۲: ۱۳)۔"

ز۔ تمثیل کے استعمال سے نبوت پوری ہوتی ہے

(۱۳: ۳۴-۳۵)

یسوع نے پہلی چار تمثیلیں "بھیڑ" کو سنائی تھیں۔ اس طریقہ سے تعلیم کے استعمال سے زبور ۷۸: ۲ میں درج آسف کی پیشینگوئی پوری ہوئی کہ مسیح موعود "تمثیل میں کلام" کرے گا اور وہ "قدیم معنی" کے گا جو بنائے عالم کے وقت سے پوشیدہ تھے۔ اپنی عبوری

شکل میں آسمان کی بادشاہی کی یہ خصوصیات آج تک پوشیدہ رہیں، اب ظاہر کی جا رہی ہیں۔

ح۔ کرٹوے دانوں کی تمثیل کی تشریح (۱۳: ۳۶-۳۷)

اس کے بعد کی باتیں خداوند نے ”گھریں“ ”شاگردوں“ کے ساتھ کہیں۔ شاید یہاں ”شاگرد“ اس لفظ کی نمائندگی کرتے ہیں جو ایمان لایا۔ گھر کا دوبارہ ذکر یاد دلاتا ہے کہ خدا نے اپنی امت کو جسے اُس نے پہلے سے جانا، ہمیشہ کے لئے رزق نہیں کر دیا (رومیوں ۱۱: ۲)۔

۱۳: ۳۷۔ گیہوں اور کرٹوے دانوں کی تمثیل کی تشریح کرنے میں اُس نے خود کو بیج بونے والا ٹھہرایا۔ اُس نے اپنی زمینی خدمت کے دوران براہِ راست بیج بویا اور بعد کے زمانوں میں اپنے خادموں کی معرفت۔

۱۳: ۳۸۔ کھیت دُنیا ہے۔ اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ کھیت دُنیا ہے، کلیسیا نہیں ہے۔ ”اچھا بیج“ سے مراد ”بادشاہی کے فرزند“ ہے۔ یہ بات بے دھنگی اور بے جوڑ سی لگتی ہے کہ زندہ انسانوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ زمین میں بوسے گئے ہیں۔ مگر نکتہ یہ ہے کہ بادشاہی کے یہ فرزند دُنیا میں بوسے گئے تھے۔ اپنی علانیہ خدمت کے عرصے میں یسوع نے اپنے شاگردوں کو جو بادشاہی کے وفادار رعایا تھے دُنیا میں بویا۔ ”کرٹوے دانے اُس شریک کے فرزند ہیں۔ شیطان کے پاس خدا کی ہر اصلی چیز کا جعلی بدل موجود ہے۔ وہ دُنیا میں ایسے بیج بوتا ہے جو شاگردوں کے ہم شکل دکھائی دیتے، شاگردوں کی طرح بولتے اور بڑی حد تک شاگردوں کی طرح چلتے ہیں، لیکن بادشاہ کے سچے پیرو نہیں ہوتے۔

۱۳: ۳۹۔ دشمن شیطان ہے۔ وہ خدا اور خدا کے تمام لوگوں کا دشمن ہے۔ ”کئی دُنیا کا آخر ہے“ یعنی بادشاہی کے عبوری دور کا اخیر جو اُس وقت ہوگا جب یسوع مسیح بادشاہ کی حیثیت سے جلال اور قدرت کے ساتھ بادشاہی کرنے کو دوبارہ آئے گا۔ خداوند کلیسیائی زمانے کے اخیر کی بات نہیں کر رہا۔ اگر یہاں کلیسیا کی بات کی جائے تو صرف الجھن ہی پیدا ہوگی۔

۱۳: ۴۰-۴۳۔ فصل کاٹنے والے فرشتے ہیں“ دیکھئے مکاشفہ ۱۴: ۱۳-۱۴۔)۔ بادشاہی کے موجودہ مرحلے میں گیہوں اور کرٹوے دانوں کو الگ الگ کرنے کے لئے کوئی زبردستی نہیں کی جا رہی۔ ان کو اکٹھے بڑھنے دیا جا رہا ہے۔ لیکن مسیح کی دوسری آمد پر فرشتے گناہ کے سارے

اسباب کو اور بدکاروں کو جمع کریں گے۔ اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں وہ روئیں گے اور دانت پیدیں گے۔

۱۳: ۴۳۔ بڑی مصیبت کے نزلنے میں جو صادق اور راستیاز رعایا اس زمین پر موجود ہوگی، وہ اپنے باپ کی بادشاہی میں داخل ہوں گے اور مسیح کے ساتھ ہزار سالہ بادشاہی کا لطف اٹھائیں گے۔ وہاں وہ آفتاب کی مانند چمکیں گے یعنی وہ جلال میں جگمگائیں گے۔

یسوع کی بات میں یہاں بھی ایک نصیحت پوشیدہ ہے کہ جس کے کان یوں، وہ سُن لے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس تمثیل کے مطابق مقامی کلیسیا کو اپنے اندر موجود بے دین افراد کو بھی برداشت کرنا چاہئے۔ لیکن یہ تمثیل اس نظریہ کو جائز قرار نہیں دیتی۔ یاد رکھیں کہ کھیت دُنیا ہے کلیسیا نہیں ہے۔ مقامی کلیسیاؤں کو صاف حکم ہے کہ خاص قسم کے بدکاروں کو اپنی رفاقت اور صحبت سے باہر نکال دیں (۱)۔ (کرتھیوں ۵: ۹-۱۳)۔ یہ تمثیل صرف اتنا کہہ دیتی ہے کہ اپنی پراسرار شکل میں آسمان کی بادشاہی میں حقیقت اور نقل، اصلی اور جعلی دونوں موجود ہیں۔ اور یہ حالت موجودہ دور کے آخر تک جاری رہے گی۔ اُس وقت خدا کے ایلچی جھوٹوں کو الگ کریں گے۔ اُن کو غضب کے حوالے کریں گے۔ سچے ایمان دار الگ ہو جائیں گے اور زمین پر مسیح کی جلالی بادشاہی کے مزے لیں گے۔

ط۔ چھپے ہوئے خزانے کی تمثیل (۱۳: ۴۴)

اب تک کی تمثیلیں یہی سکھاتی آرہی تھیں کہ بادشاہی میں نیک اور بد، راست اور نالاست رعایا دونوں ہوں گی۔ اگلی دو تمثیلیں یہ سکھاتی ہیں کہ راستیاز رعایا کی دو اقسام ہوں گی۔ (۱) کلیسیائی دور سے پہلے اور اس کلیسیائی دور کے بعد ایمان لانے والے یہودی۔ (۲) موجودہ دور میں ایمان لانے والے یہودی اور غیر قوم لوگ۔

”خزانہ کی تمثیل میں یسوع نے ”بادشاہی“ کو ”کھیت میں چھپے خزانے کی مانند“ بیان کیا ہے۔ کوئی آدمی اُسے پاتا ہے، اُسے ڈھانک کر چھپا دیتا ہے اور بڑی خوشی سے اپنا سب کچھ بیچ کر اُس کھیت کو خرید لیتا ہے۔

ہمارے نزدیک ”آدمی“ خداوند یسوع خود ہے۔ (گیہوں اور کرٹوسے دانوں کی تمثیل میں بھی آدمی وہ خود تھا)۔

”خزانہ“ ایمان لانے والے خدا پرست یہودیوں کے بقیہ کی نمائندگی کرتا ہے جو یسوع کی زمینی خدمت کے دوران موجود تھا اور جب کلیسیا فضا میں اُٹھالی جائے گی، اُس کے بعد پھر موجود ہوگا (دیکھئے زبور ۱۳۵: ۴ جہاں اسرائیل کو خدا کی ”خاص ملکیت“ یا خزانہ کہا گیا ہے)۔ وہ کھیت میں چھپے یعنی ساری دُنیا میں بتر بتر ہیں، اور سوائے خدا کے ان کو کوئی نہیں جانتا۔ تصویر یہ پیش کی گئی ہے کہ یسوع ان کو ڈھونڈتا ہے۔ پھر صلیب پر جا کر اپنا سب کچھ دے دیتا ہے تاکہ دُنیا کو خرید لے (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۱۹، ۱۔ یوحنا ۲: ۲) جہاں خزانہ چھپایا گیا تھا۔ ”فدیہ یافتہ اسرائیل کو“ چھپنے سے اُس وقت باہر لایا جائے گا جب اُس کی مخصوص صیتوں سے آئے گی، اور مسیح کی اُس ہزار سالہ بادشاہی کو قائم کرے گی جس کا مدت سے انتظار تھا۔

بعض اوقات اس تمثیل کا اطلاق ایک گنہگار شخص پر کیا جاتا ہے جو خزانہ یعنی مسیح کو پانے کے لئے اپنا سب کچھ دے ڈالتا ہے۔ لیکن اس تشریح سے فضل کے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے جو زور دیتا ہے کہ نجات بالکل مفت ہے (یسعیاہ ۵۵: ۱۰؛ افسیوں ۲: ۸، ۹)۔

ی۔ بیش قیمت موتی کی تمثیل

(۱۳: ۴۵، ۴۶)

”بادشاہی“ کو اُس سوداگر کی مانند بھی بیان کیا گیا ہے جو عمدہ موتیوں کی تلاش میں تھا۔ جب اُسے ایک غیر معمولی ”بیش قیمت موتی ملا“ تو اُس نے اُسے خریدنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

ایک گیت ہے کہ مسیح میں میں نے پایا ہے اک موتی بیش بہا۔ اس گیت میں ”موتی“ نجات دہندہ ہے اور پانے والا گنہگار ہے۔ مگر ہم پھر وہی احتجاج کریں گے کہ گنہگار کو سب کچھ بیچنے کی ضرورت نہیں اور نہ وہ مسیح کو خرید ہی سکتا ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ ”سوداگر“ خداوند یسوع ہے اور کلیسیا ”بیش قیمت موتی“ ہے۔ مسیح نے اس موتی کو خریدنے کے لئے کلوری پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جس طرح موتی ایک سیپ کے اندر رگڑوں اور خراشوں کا دکھ اٹھا کر بنتا اور تشکیل پاتا ہے، اسی طرح کلیسیا نے مسیحی کے بدن کے پھیدے جانے اور زخمی ہونے سے تشکیل پائی ہے۔

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ خزانے کی تمثیل میں خود بادشاہی ہی کو خزانے سے تشبیہ

دی گئی ہے۔ یہاں بادشاہی کو موتی نہیں بلکہ ”سوداگر“ کی مانند کہا گیا ہے۔ یہ فرق کیوں؟
گزشتہ تمثیل میں زور خزانے یعنی مخلصی یافتہ اسرائیل پر ہے۔ بادشاہی اسرائیلی قوم سے
بہت قریبی تعلق رکھتی ہے۔ ابتدا میں یہ بادشاہی اُس قوم کو پیش کی گئی اور کلیسیائی دور کے
بعد زیادہ تر یہی قوم اس کی رعایا ہوگی۔

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کلیسیا اور بادشاہی ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ جتنے لوگ کلیسیا
میں ہیں، وہ بادشاہی کی عبوری شکل میں شامل ہیں۔ مگر جتنے لوگ بادشاہی میں ہیں، وہ سب کلیسیا
میں شامل نہیں ہیں۔ کلیسیا بادشاہی کی مستقبل کی شکل میں شامل نہیں ہوگی بلکہ مسیح کے ساتھ
نئی زمین پر بادشاہی کرے گی۔ دوسری تمثیل میں زور خود بادشاہ پر ہے اور اُس بھاری
قیمت پر جو اُسے دِلہن کو چھیننے کے لئے ادا کرنی پڑی۔ اُس کے ظہور کے دن کلیسیا اُس کے
جلال میں شریک ہوگی۔

جس طرح موتی سمندر سے نکلتا ہے، اسی طرح کلیسیا جیسے بعض اوقات ”مسیح کی غیر
قوم دِلہن“ بھی کہا جاتا ہے، بڑی حد تک (غیر یہودی) قوموں میں سے نکلی ہے۔ یہاں
اس بات سے انکار نہیں کیا جا رہا کہ بہت سے ایماندار اسرائیلی بھی اس میں موجود ہیں، بلکہ
صرف یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ کلیسیا کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے
جن کو اُس کے نام کی خاطر قوموں میں سے بلایا گیا ہے۔ اعمال ۱۵: ۱۴ میں یعقوب رسول اس
بات کی تصدیق کرتا ہے کہ موجودہ دور میں خدا کا عظیم مقصد یہی ہے۔

ک۔ بڑے جال کی تمثیل (۱۳: ۴۷-۵۰)

۱۳: ۴۷، ۴۷-۴۸، اس سلسلہ کی آخری تمثیل میں ”بادشاہی“ کو ایک ”بڑے جال“ کی مانند کہا
گیا جو دریا میں ڈالا گیا اور اُس نے ہر قسم کی مچھلیاں سمیٹ لیں۔ ”مچھلیوں نے مچھلیوں کی
جھانٹی کی۔ اچھی اچھی تو برتنوں میں جمع کر لیں اور جو خراب تھیں پھینک دیں۔“

۱۳: ۴۹، ۵۰۔ ہمارا خداوند تمثیل کی تشریح کرتا ہے۔ زمانہ ”دنیا کے آخر“ کا ہے یعنی
بڑی مصیبت کے اختتام کا وقت۔ یہ مسیح کی دوسری آمد کا وقت ہے۔ ماہی گیر ”فرشتے“
ہیں۔ اچھی مچھلیاں راستباز لوگ ہیں یعنی نجات یافتہ لوگ۔ ان میں یہودی اور غیر قوم سمجھی
شامل ہیں۔ بُری مچھلیاں ناراست لوگ ہیں، یعنی ہر نسل کے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے۔

جیسا کہ ہم نے گیموں اور کرڈے دائروں کی تمثیل میں دیکھا تھا۔ دونوں قسم کے لوگوں کو الگ الگ رکھا جاتا ہے (آیات ۳۰، ۳۹، ۴۳)۔ راستباز اپنے باپ کی بادشاہی میں داخل ہوتے ہیں جبکہ ناراستوں کو آگ کی بھٹی میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ”وہاں رونا اور دانت پینا ہوگا“ مگر یہ آخری عدالت نہیں ہوگی۔ یہ عدالت ہزار سالہ بادشاہی کے آغاز میں ہوتی ہے۔ آخری عدالت ہزار سال ختم ہونے پر ہوگی (مکاشفہ ۲۰: ۷-۱۵)۔

گیبلٹین اس تمثیل پر یوں تبصرہ کرتا ہے :

”بڑا جال دریا میں ڈالا جاتا ہے۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ دریا قوموں کو پیش کرتا ہے۔ تمثیل ”بڑی مصیبت“ کے زمانے میں انجیل کی خوشخبری کی منادی کی طرف اشارہ کرتی ہے (مکاشفہ ۱۴: ۷-۷)۔ راست بازوں اور ناراستوں کو الگ الگ کرنے کا کام فرشتے کریں گے۔ ان ساری باتوں کا تعلق موجودہ دور سے نہیں ہو سکتا، اور نہ کلیسیا کے ساتھ ہو سکتا ہے، بلکہ اشارہ اُس دور کی طرف ہے جب بادشاہی قائم کی جانے کو ہوگی، جیسا کہ مکاشفہ کی کتاب سے بھی صاف واضح ہے۔ فرشتوں کو استعمال کیا جائے گا۔ ناراستوں یا شر بدوں کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیا جائے گا اور راستباز ہزار سالہ بادشاہی کے لئے زمین پر موجود رہیں گے۔“

ل۔ سچائی کا خزانہ (۱۳: ۵۱-۵۲)

۱۳: ۵۱۔ جب تمثیلیں سنا چکا تو استاد کامل نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کیا تم یہ سب باتیں سمجھ گئے؟ انہوں نے جواب دیا ”ہاں“۔ شاید ہم اُن کے جواب پر حیرت زدہ ہوں، یا کچھ رشک محسوس کریں کیونکہ ہم اتنے اعتماد کے ساتھ ”ہاں“ میں جواب نہیں دے سکتے۔

۱۳: ۵۲۔ چونکہ وہ سمجھ گئے تھے، اب اُن کا فرض تھا کہ دوسروں کو بھی بتائیں۔ ضرور ہے کہ شاگرد برکت آگے پہنچانے کا راستہ بنیں نہ کہ آخری بند کنارہ بن کر بیٹھ جائیں۔ یہ بارہ شاگرد اب ”فقیر“ بن گئے تھے یعنی ”آسمان کی بادشاہی“ کے وہ تربیت یافتہ استاد جو سچائی کی تعلیم دیتے اور تشریح و وضاحت کرتے ہیں۔ ”وہ اُس گھر کے مالک کی مانند تھے جو اپنے خزانہ میں سے نئی اور پُرانی چیزیں نکالتا ہے۔“ پرانے عہد نامہ میں اُن کے پاس

طری قابلِ قدر اور بیش بہا چیزیں موجود تھیں جن کو ہم ”پرانی چیزیں“ کہہ سکتے ہیں اور مسیح کی تشبیہوں والی تعلیم جو ان کو ابھی ابھی ملی تھی بالکل ”نئی چیزیں“ ہیں۔ علم کے اس وسیع ذخیرے سے وہ جلالی اور شاندار سچائی کو دوسروں تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے۔

م۔ ناصرت میں یسوع کو رد کیا جاتا ہے (۱۳: ۵۳-۵۸)

۱۳: ۵۳-۵۶۔ جب یسوع ”یہ تمہیں ختم کر چکا“ تو پھر وہ گلیں کی چھبیل کے ساحل سے چلا تاکہ آخری دفعہ ناصرت آئے۔ جب وہ وہاں کے ”عبادت خانہ میں“ تعلیم دے رہا تھا تو لوگ اُس کی ”حکمت“ اور ”معجزوں“ پر جن کی خبر انہیں ملی تھی، حیران رہ گئے۔ اُن کے خیال میں تو وہ صرف ایک ”بڑھئی کا بیٹا“ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ”اُس کی ماں کا نام مریم“ ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ”یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ“ اُس کے بھائی ہیں۔ وہ اُس کی بہنوں کو بھی جانتے تھے۔ وہ سب ناصرت میں رہتے تھے؛ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُن کے اپنے وطن کا ایک لڑکا اُٹھ کر ایسی باتیں کہنے اور ایسے کام کرنے لگ جائے جن سے اتنا مشہور ہو جائے؟ وہ اسی بات پر حیران تھے۔ اور سچائی کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنی نادانی اور لاعلمی سے چمٹے رہنا اُن کو زیادہ آسان معلوم ہوتا تھا۔ ۱۳: ۵۷-۵۸۔ ”انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی“۔ اس بات نے ”یسوع“ کو یہ کہنے پر اکسایا کہ حقیقی اور سچا ”نبی“ عموماً اپنے گھر اور وطن سے باہر ہی عزت پاتا ہے۔ اُس کے اپنے علاقے کے لوگ اور اپنے عزیز رشتہ دار چونکہ اُسے جانتے تھے اس لئے اُن کے دلوں میں اُس کے لئے حقارت پیدا ہوئی۔ اُن کی یہ بے ایمانی ناصرت میں نجات دہندہ کے کام کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ وہاں اُس نے صرف تھوڑے سے بیماروں کو شفا دی (بحوالہ مرقس ۶: ۵)۔ وہ یہ نہیں تھی کہ وہ معجزے کر نہیں سکتا تھا۔ انسان کی شرارت خدا کی قدرت کو روک نہیں سکتی۔ وہ اُس جگہ بھی برکت دیتا جہاں برکت پانے کی خواہش تک نہ تھی، وہاں بھی ضروریات پوری کرتا جہاں ضرورت کا احساس تک نہ تھا۔ اُن لوگوں کو بھی شفا دیتا جن کو اگر بنایا جاتا کہ تم بیمار ہو تو بُرا مانتے۔

۹۔ مسیح کے فضل فراواں کی بڑھتی ہوئی مخالفت

۱۔ یوحنا پینتسمہ دینے والے کا سر قلم ہوتا ہے (۱۳:۱-۱۲)

۱۳:۱-۲۔ یسوع کی خدمت کی خبر ”چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس“ کو بھی ملی۔ ہیرودیس اعظم کے اس بدنام بیٹے کو تاریخ ہیرودیس انبیاں کے نام سے بھی جانتی ہے۔ اسی نے یوحنا پینتسمہ دینے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب اُس نے مسیح کے معجزوں کے بارے میں سُننا تو اُس کا ضمیر اُسے کچھ دینے لگا۔ اُسے اُس نبی کی یاد ستانے لگی جس کا سر اُس نے قلم کر وا دیا تھا۔ وہ اپنے نوکروں سے کہتا تھا کہ ”یہ یوحنا پینتسمہ دینے والا ہے۔ وہ مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اس لئے اُس سے یہ معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔“

۱۳:۳-۱۲۔ آیات ۲-۱۲ میں مٹی بیان کو روکتا ہے، اور اُن حالات کا جائزہ پیش کرتا ہے جن میں یوحنا کی موت واقع ہوئی تھی۔

۱۳:۴، ۵۔ ہیرودیس نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیس کے ساتھ زنا کاری بلکہ زنائے محرم کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ خدا کا نبی ہونے کی حیثیت میں یوحنا اُس کی مذمت کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے بڑی بے خوفی سے اُس کی بد اخلاقی پر اُسے ٹوکا اور بر ملا بُرا کہا۔

بادشاہ اتنا ناراض تھا کہ اُسے مار ڈالنا چاہتا تھا لیکن یہ بات سیاسی لحاظ سے قرین مصلحت نہ تھی۔ لوگ یوحنا کو ”نبی جانتے“ اور اُس کے گن گاتے تھے۔ اور اگر یوحنا کو قتل کروا دیا جاتا تو شاید شدید ردِ عمل دکھاتے۔ چنانچہ اُس ظالم نے پینتسمہ دینے والے کو قید میں ڈال کر وقتی طور پر اپنے غیض و غضب کو ٹھنڈا کر لیا۔ ”بے دین لوگ مذہب کو ایسے ہی پسند کرتے ہیں جیسے وہ ہر شیروں کو پسند کرتے ہیں کہ یا تو مُردہ ہوں یا مسلمانوں کے پیچھے بند۔ جب مذہب آزاد ہونا اور اُن کے ضمیر کو چیلنج کرتا ہے تو اُس سے نہایت خوفزدہ ہوتے ہیں۔“

۱۳:۶-۱۱۔ ”ہیرودیس کی ساگرہ“ کے موقع پر ہیرودیس کی بیٹی نے اپنے رقص سے بادشاہ کو ایسا خوش کر دیا کہ اُس نے تزیّن اور جوش میں آکر پیش کش کر دی کہ لڑکی جو مانگے گی پاسے گی۔ اپنی عیاشیوں کے کہنے پر لڑکی نے بڑی بے حیائی سے کہا کہ ”مجھے یوحنا پینتسمہ دینے والے کا سر تھاں میں یہیں منگوا دے۔“ اُس وقت یوحنا کے بارے میں بادشاہ کا غصہ کچھ کم

ہو چکا تھا۔ شاید وہ نبی کی جرأت اور دیانت کے باعث اُس کی تعریف بھی کرتا ہو۔ لیکن اگرچہ اُسے افسوس ہوا مگر محسوس کرتا تھا کہ مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ حکم جاری ہو گیا۔ ”یوحنا کا سر کٹوا دیا“ گیا اور ناچنے والی لڑکی کی بھیانک درخواست پوری ہو گئی۔

۱۲:۱۳۔ یوحنا کے شاگردوں نے اپنے استاد کی ”لاش“ کو بڑی عزت و احترام سے دفن کیا اور جا کر یسوع کو خبر دی۔ وہ اپنے غم و غصے کے اظہار کے لئے اُس سے بہتر کسی شخص کے پاس نہیں جاسکتے تھے اور نہ وہ ہمارے لئے اس سے بہتر نمونہ چھوڑ سکتے تھے۔ ایذا رسانی، ظلم، دکھ اور غم کے موقع پر ہمیں بھی جاگ کر یسوع کو بتانا چاہیے۔

جہاں تک میرودیس کا تعلق ہے، اُس کا جرم تو ختم ہو گیا مگر یاد باقی رہ گئی۔ جب اُس نے یسوع کی سرگرمیوں کی شہرت سنی تو سارا واقعہ اُس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے اور ڈرانے لگا۔

ب۔ پانچ ہزار کو کھلانا (۱۴:۱۳-۱۳-۲۱)

۱۴:۱۳-۱۳۔ ”جب یسوع نے یہ سنا“ کہ میرودیس میرے معجزات کی خبریں سن کر پریشان ہو رہا ہے تو وہ کشتی پر سوار ہوا اور گلیل کی جھیل کے پاس آگ چلا گیا۔ یقیناً وہ ڈر کے مارے نہیں گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک میرادقت نہ آئے مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہم نہیں جانتے کہ خاص وجہ کیا تھی، مگر ایک کم تر وجہ یہ تھی کہ اُس کے شاگرد منادی کرنے کے مشن سے واپس آئے تھے (مرقس ۶:۳۰؛ لوقا ۹:۱۰) اور انہیں آرام و سکون کی ضرورت تھی۔

مگر اردگرد کے دیہات سے لوگ جمع ہو گئے اور پیدل اُس کے پیچھے گئے۔ وہ ساحل پر پہنچا تو یہ لوگ اُس کے انتظار میں وہاں کھڑے تھے۔ اس مداخلت پر ناراض ہونے کی بجائے ہمارا ہمدرد خداوند فوراً کام میں لگ گیا اور ان کے بیماریوں کو اچھا کر دیا۔

۱۴:۱۵۔ ”جب شام ہوئی“ (سہ پہر تین بجے کے بعد) تو اُس کے شاگردوں کو احساس ہوا کہ ایک بھران سر اٹھانے والا ہے۔ اتنے لوگ ہیں اور ان کے کھانے کو کچھ بھی نہیں! چنانچہ انہوں نے یسوع سے کہا کہ لوگوں کو اُس پاس کے گاؤں میں بھیج دے جہاں ان کو کھانے پینے کی چیزیں مل سکیں۔ نہ وہ میرج کے دل کو سمجھتے تھے، نہ اُس کی قدرت کو جانتے تھے!

۱۴:۱۶-۱۸۔ خداوند مسیح نے ان کو یقین دلایا کہ ایسی کوئی ضرورت نہیں جو پوری نہ کی جاسکتی ہو۔ لوگ اُس ہستی کے پاس سے کیوں پھلے جائیں جو اپنی تمبھی کھولتا ہے اور ہر

جاندار کی خواہش کو پورا کر دیتا ہے! پھر یسوع نے ایک ایسی بات کہی جس کے لئے شاگرد کسی صورت بھی تیار نہ تھے کہ ”تم ہی ان کو کھانے کو دو“۔ ان کے نوپاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ انہیں کھانے کو دیں؟ ہمارے پاس تو ”پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں کے سوا اور کچھ نہیں“ وہ بھول رہے تھے کہ ان کے پاس یسوع بھی تھا۔ منجی نے بڑے سکون سے کہا ”وہ یہاں میرے پاس لے آؤ“ اتنا کام ان کو بھی کرنا تھا۔

۱۹:۱۲-۲۱۔ ہم تصور کر سکتے ہیں کہ کس طرح خداوند نے بھیڑ کو گھاس پر بیٹھ جانے کی ہدایات دیں۔ اور پھر اُس نے وہ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں لیں۔ اُس نے شکر کیا اور ”روٹیاں توڑ کر شاگردوں کو دیں“ اور انہوں نے لوگوں میں تقسیم کیں۔ اور وہ سب کے لئے کافی سے زیادہ ثابت ہوئیں۔ جب سب کھا کر سیر ہو گئے تو شاگردوں نے بیچے ہوئے ٹکڑوں سے بارہ ٹوکریاں بھر کر اٹھائیں۔ ٹکڑے تو اس مقدار سے بھی زیادہ تھے جس سے یسوع نے اتنے لوگوں کو کھلانا شروع کیا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ شاگرد جو بے اعتقاد ہو رہے تھے، ان سب کے لئے ایک ایک ٹوکری موجود تھی اور گوثی ۱۰۰۰ یا ۵۰۰۰ نفوس پر مشتمل بھیڑ سیر ہو گئی تھی (یعنی ۵۰۰۰ مرد جمع عورتیں اور بچے)۔

یہ معجزہ ہر زمانے کے شاگردوں کے لئے روحانی سبق کا حامل ہے۔ جھوکی بھیڑ تو ہمیشہ موجود ہوتی ہے اور شاگردوں کا گروہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ بظاہر ان کے پاس وسائل بھی بہت کم ہوتے ہیں اور ہمدرد اور ترس کھانے والا منجی بھی ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ جب شاگرد جو تھوڑا ان کے پاس تھا اُسے دینے پر تیار ہوتے ہیں تو وہ ان کو برکت دے کر اتنا بڑھا دیتا ہے کہ ہزاروں سیر ہو جاتے ہیں۔ قابل خورد بات تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو گھیل کی جھیل کے ساحل پر کھلایا گیا، ان کی جھوک صرف تھوڑے عرصے کے لئے مٹی لیکن جو لوگ آج زندہ میح کو کھاتے ہیں ہمیشہ کے لئے سیر ہو جاتے ہیں (یوحنا ۶:۳۵)۔

ج۔ یسوع پانی پر چلتا ہے (۱۳:۲۲-۳۳)

مندرجہ بالا معجزے نے شاگردوں کو یقین دلا دیا کہ جس ہستی کے پیچھے ہم چل رہے ہیں، وہ ہماری ساری ضروریات پوری کر سکتا ہے۔

۱۳:۲۲-۲۳۔ جب خداوند بھیڑ کو رخصت کر رہا تھا تو اُس نے شاگردوں سے کہا

”کشتی میں سوار ہو کر اُس سے پہلے پار چلے جائیں۔“ پھر وہ دعا کرنے کے لئے بہاڑ پر چڑھ گیا۔ جب شام ہوئی ”مورج غروب ہونے کے بعد تو یسوع“ وہاں اکیلا تھا۔“

۱۴: ۲۴-۲۷۔ اس اثنا میں کشتی ساحل سے بہت دور جا چکی تھی اور مخالف ہوا کے تھپیڑے کھا رہی تھی۔ جب لہریں کشتی سے ٹکرا رہی تھیں تو یسوع نے شاگردوں کی خستہ حالت دیکھی۔ رات کے چوتھے پہر (۳ اور ۶ بجے صبح کے درمیان) وہ ”جھیل پر چلنا ہوا“ اُن کے پاس آیا۔ شاگرد سمجھے کہ ”بھوت“ ہے اور گھبرا اٹھے۔ مگر فوراً اُن کو اپنے مالک اور دوست کی تسلی بخش آواز آئی ”خاطر جمع رکھو میں ہوں۔ ڈرو مت۔“

یہ بات ہمارے اپنے تجربے کے ساتھ کیسی مطابقت رکھتی ہے! اکثر ہمیں بھی طوفانوں کا سامنا ہوتا ہے۔ ہم پریشان ہو جاتے ہیں، ہمت ہار دیتے ہیں، نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر لگتا ہے کہ نجات دہندہ بہت دور ہے مگر وہ تو سارا وقت ہمارے لئے دعا کرتا رہتا ہے۔ ہماری شفاعت کرتا رہتا ہے۔ جب رات نہایت تاریک معلوم ہوتی ہے، وہ بالکل نزدیک ہوتا ہے۔ ہم اُس وقت بھی اُسے نہیں پہچانتے، گھبرا اٹھتے ہیں۔ ایسے موقع پر اس کی تسلی بخش آواز سنائی دیتی ہے۔ ہمیں یاد آتا ہے کہ جوں جوں ہمیں ڈرار ہی ہیں، ہمارا دم تار تار دے رہی ہیں، وہ تو اُس کے قدموں کے نیچے ہیں۔

۱۴: ۲۸۔ جب پطرس نے وہ مانوس اور پیاری آواز سنی تو اُس کی عقیدت اور جوش میں اُبال آنے لگا۔ وہ کہنے لگا ”اے خداوند اگر تو ہے تو مجھے حکم دے کہ بیانی پر چل کر تیرے پاس آؤں۔“ ہمیں پطرس کے ”اگر“ پر زور دے کر کم ایمانی پر اُلٹکی نہیں رکھنی چاہیے بلکہ اُس کی درخواست کو دیکھنا چاہئے کہ کیسے مضبوط ایمان کو ظاہر کرتی ہے۔ پطرس کو احساس تھا کہ خداوند کا حکم ہمیں تو فریق عطا کرتا ہے۔ اور جس کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اُسے کرنے کی طاقت بھی بخشتا ہے۔

۱۴: ۲۹-۳۳۔ جو نہی یسوع نے کہا ”آؤ پطرس چھلانگ لگا کر کشتی سے نکلا اور اُس کی طرف چلنے لگا۔ جب تک اُس کی نگاہیں یسوع پر لگی رہیں وہ ایک غیر ممکن کام کرنے پر قادر رہا۔ مگر جو نہی اُس کا دھیان تیز ہوا“ کی طرف مڑا وہ ”ڈوبنے لگا۔“ وہ دیوانہ وار پھلانے لگا۔ ”اے خداوند مجھے بچا!“ خداوند نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ”کم اعتقاد“ ہونے پر نرمی سے جھڑکا اور پھر اُسے کشتی پر لے آیا۔ جو نہی یسوع کشتی میں آ گیا ”ہوا تم گئی۔“ کشتی میں

حمد و ستائش کی عبادت شروع ہو گئی اور شاگرد یسوع سے کہنے لگے ”یقیناً تو خدا کا بیٹا ہے۔“
 پانی پر چلنے کی طرح سیمچا زندگی بھی انسانی طور پر ناممکن ہے۔ یہ زندگی صرف رُوح القدس کی
 طاقت سے بسر کی جاسکتی ہے۔ جب تک ہم دوسری ہر چیز سے نظر میں ہٹا کر صرف یسوع پر
 لگائے رکھتے ہیں (عبرانیوں ۲: ۱۲) اُس وقت تک اس فوق الفطرت زندگی کا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن جس
 لمحے دھیان اپنی یا اپنے حالات کی طرف جاتا ہے ہم ڈوبنے لگتے ہیں۔ اُس وقت چاہئے کہ ہم بحالی
 اور الٰہی قوت کے لئے مسیح کو پیکاریں۔

د۔ یسوع گینسرت کے علاقے میں شفا دیتا ہے

(۱۴: ۳۴-۳۶)

اُن کی کشتی ”گینسرت“ کے ساحل پر کنارے لگی۔ یہ علاقہ گلیل کی جھیل کے شمال مشرقی ساحل
 پر واقع ہے۔ جو نہی وہاں کے لوگوں نے یسوع کو دیکھا انہوں نے سارے علاقے میں خبر بھیج دی
 اور ”سیب بیماروں کو اُس کے پاس لائے“ تاکہ وہ اُس کی پوشاک کا کنارہ ہی چھو لیں۔ اور جنوں
 نے چھوؤا وہ اچھے ہو گئے۔“ اس طرح اُس علاقے کے ڈاکٹروں کو چھٹیاں مل گئیں کیونکہ کم سے کم
 تھوڑے عرصے کے لئے وہاں کوئی بیمار نہ رہا۔ اُس علاقے کو طیبِ اعظم کے آنے سے صحت اور
 شفا کا تجربہ ہوا۔

۵۔ ناپاکی یاطن سے ہوتی ہے

(۱۵: ۱-۲۰)

اکثر کہا جاتا ہے کہ ابتدائی ابواب میں متی نے تواریخی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا۔ مگر باب ۴ کے آغاز
 سے آخر تک واقعات بڑی حد تک اُسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں جیسے وقوع پذیر ہوئے تھے۔
 باب ۱۵ میں ہمیں ایک انتظامی ترتیب بھی نظر آتی ہے۔ پہلے تو فریسیوں اور فقہوں کا
 اُس کے ساتھ مسلسل لڑتے جھگڑتے رہنا (آیات ۱-۲) پتہ دیتا ہے کہ نبی اسرائیل مسیح کو خود کو
 رد کریں گے۔ دوسرے کنعانی عورت کا ایمان (آیات ۲۱-۲۸) یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ جو جو
 دور میں خوشخبری غیر قوموں تک پہنچنے لگی اور آخر میں بڑی بھڑکا شفا پانا (آیات ۲۹-۳۱)
 اور چار ہزار کو کھلانا (آیات ۳۲-۳۹) آتے والے ہزار سالہ دور کی تصویر پیش کرتا ہے جب
 ہر طرف صحت اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گا۔

۱۵-۲- فریسیوں اور فقیہوں کی دن رات کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح نجات دہندہ کو پھنسائیں۔ ان کا ایک وفد ”برخلمیم سے“ آیا۔ وہ اُس کے شاگردوں پر الزام عائد کرنے لگے کہ چونکہ بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھاتے ہیں اس لئے ناپاک ہیں، اور اس طرح ”بزرگوں کی روایت“ کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔

اس واقعے کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں پاک اور ناپاک کے حوالوں کی سمجھ ہونی چاہئے۔ نیز جاننا چاہئے کہ ہاتھ دھونے سے فریسیوں کی کیا مراد تھی۔ پاک اور ناپاک کا سارا تصور پرانے عہد نامے سے تعلق رکھتا ہے۔ جس ناپاک کا الزام شاگردوں پر لگایا گیا وہ سراسر ایک رسوماتی بات تھی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی مردہ کو چھو لیتا تھا یا خاص چیز کھا لیتا تھا تو رسوماتی طور پر ناپاک ہو جاتا اور خدا کی عبادت کی رسوم ادا نہیں کر سکتا تھا۔ شریعت کا تقاضا تھا کہ خدا کے پاس آنے سے پہلے ایسا شخص رسوماتی طور پر پاک ہو۔

مگر بزرگوں نے پاک ہونے کی رسم کے ساتھ کچھ روایت کا اضافہ کر رکھا تھا۔ مثال کے طور پر وہ اصرار کرتے تھے کہ یہودی کے لئے لازم ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی تفصیلی کارروائی پر عمل کرے اور صرف ہاتھ ہی نہیں بلکہ کھینوں تک بازو بھی دھوئے۔ اگر باٹا لگیا ہوا تھا تو اُس کے لئے غسل کرنا ضروری ہوتا تھا۔ چنانچہ فریسیوں نے شاگردوں پر ہنکتہ چینی کی کہ وہ روایت میں مقرر شدہ رسمی پاکیزگی کی پیروی نہ کریں۔

۱۵-۳-۶۔ خداوند یسوع نے ان اعتراض کرنے والوں کو یاد دلایا کہ تم اپنی روایت سے خدا کا حکم کیوں ٹال دیتے ہو؟ شریعت حکم دیتی ہے کہ ”تو اپنے باپ کی اور اپنی ماں کی عزت کرنا“۔ اس میں اگر ضرورت ہو تو ان کی مالی مدد کرنا بھی شامل ہے۔ مگر فریسی (اور بہتر سے دوسرے لوگ) اپنے عمر رسیدہ والدین کے گزارہ کے لئے بے بیمہ خرچ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ذمہ داری سے پہلوتی کرنے کے لئے ایک روایت وضع کر لی تھی۔ جب ماں یا باپ مدد مانگتے تو ان کے لئے اس قسم کا جواب دے دینا ہی کافی ہوتا تھا کہ جو روپیہ پیسہ آپ کی مدد کے لئے استعمال ہونا تھا، وہ تو ”خدا کی نذر ہو چکا“ اس لئے آپ کو نہیں دے سکتا۔ اور یہ فارمولا دہرانے کے بعد وہ اپنے والدین کی ذمہ داری سے آزاد ہو جاتے تھے۔ اس گمراہ کن روایت سے وہ ”خدا کے کلام“ کو باطل کر دیتے تھے جو انہیں والدین کی نگہداشت اور پرورش کرنے کا حکم دیتا تھا۔

۱۵: ۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰
 ۱۳: ۲۹ کی پیش گوئی کو پورا کر رہے تھے۔ وہ دعویٰ تو کرتے تھے کہ ہم خدا کی "عزت" کرتے ہیں مگر ان کے "دول" اُس سے "دور" تھے۔ ان کی پرستش بے وقعت اور "بے فائدہ" تھی کیونکہ وہ انسانی روایت کو خدا کے کلام پر ترجیح دیتے تھے۔

۱۵: ۱-۱۱- "لوگوں" سے مخاطب ہو کر یسوع نے ایک نہایت اہم اعلان کیا کہ جو چیز منہ میں جاتی ہے، وہ آدمی کو ناپاک نہیں کرتی، مگر جو منہ سے نکلتی ہے، وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہے۔ ہم اس بیان کی انقلابی خصوصیات کا پورا پورا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ شریعت کے ضابطے کے مطابق جو چیز منہ میں جاتی، وہ آدمی کو ناپاک کرتی تھی۔ یہودیوں کو ایسے جانور کا گوشت کھانا منع تھا جو جگلی نہ کہتا ہو، یا جس کے پاؤں چمڑے ہوئے نہ ہوں۔ وہ ایسی مچھلی نہیں کھا سکتے تھے جس کے پیریا جھلکے نہ ہوں۔ پاک اور ناپاک کھانوں کے بارے میں خدا نے نہایت تفصیلی ہدایات دے رکھی تھیں۔

اب شریعت کے بانی نے رومانی ناپاکی کے نظام کو منسوخ کرنے کی راہ تیار کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جو کھانا شاگرد بغیر ہاتھ دھوئے کھاتے ہیں، وہ انہیں ناپاک نہیں کرتا مگر فقیہوں کی ریاکاری حقیقت میں ناپاک کرتی ہے۔

۱۵: ۱۲-۱۴۔ جب شاگرد یہ خبر لائے کہ ان باتوں سے "فریسیوں نے... ٹھوکر کھائی" یعنی وہ خفا ہو گئے ہیں تو یسوع نے جواب میں ان کو ایسے پودوں کے مشابہ حکم راجن کو خدا نے نہیں لگایا۔ وہ گیہوں نہیں بلکہ کرٹوسے دانے تھے۔ بالآخر وہ اور ان کی تعلیمات جڑ سے اکھاڑی جائیں گی یعنی تباہ کی جائیں گی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ "انہیں چھوڑ دو۔ وہ اندھے راہ بتانے والے ہیں" یعنی اندھوں کے اندھے لایٹھائیں۔ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم روحانی معاملات میں سند رکھتے ہیں مگر روحانی سچائیوں کے بارے میں "اندھے" ہیں۔ اور اسی طرح وہ لوگ بھی اندھے ہیں جن کی لایٹھائی یہ فقیہ اور فریسی کرتے ہیں۔ چنانچہ لایٹھائوں اور پیروؤں دونوں کا گڑھے میں گرنا ناگزیر ہے۔

۱۵: ۱۵۔ شاگردوں کو پاک اور ناپاک کھانوں سے متعلق مخصوص تعلیم دی گئی تھی۔ ان کے خداوند کی باتیں اس تعلیم کے بالکل برعکس تھیں۔ اور ان باتوں نے انہیں بالکل ہلاک رکھ دیا۔ یہ باتیں بھی ان کو تمثیل معلوم ہوئیں یعنی ایسی کہانی جس کا اصل مطلب پوشیدہ اور ڈھکا

ہوا ہوتا ہے۔ ”پطرس“ نے اُن کی پریشانی کو لفظوں میں ڈھالا اور خداوند سے درخواست کی کہ ”یہ تمثیل ہمیں سمجھا دے۔“

۱۶:۱۵-۱۷۔ پہلے تو خداوند نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اس بات کو سمجھنے میں سست نکلے۔ پھر سمجھایا کہ حقیقی ناپاکی جسم کی نہیں بلکہ اخلاق کی ناپاکی ہے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز اپنی ذات میں پاک یا ناپاک نہیں ہوتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی مادی چیز اپنے آپ میں بُری نہیں۔ اُس چیز کا غلط استعمال بُرائی ہے۔ جو کھانا انسان کھاتا ہے، وہ ”مٹنہ میں جانا“ اور ”پیٹ میں پڑتا“ ہے جہاں وہ ہضم ہوتا ہے اور پھر ”مزبلہ میں پھینکا جانا“ ہے۔ اس سے انسان کے اخلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ صرف بدن پر اثر پڑتا ہے۔ آج ہم جانتے ہیں کہ ”خدا کی پیدل کی رُوٹی ہر چیز اچھی ہے اور کوئی چیز انکار کے لائق نہیں بشرطیکہ شکر گزاری کے ساتھ کھائی جائے۔ اس لئے کہ خدا کے کلام اور دعا سے پاک ہو جاتی ہے“

(۱- تیمتیس ۳: ۴-۵)۔ بے شک یہاں زہریلے پودوں کی بات نہیں ہو رہی بلکہ اُن کھانوں کی جو خدا نے انسان کے کھانے کے لئے مہیا کئے ہیں سب اچھے ہیں۔ لہذا شکر گزاری کے ساتھ انہیں کھانا چاہئے۔ اگر انسان کو کسی کھانے سے الرجی ہو جاتی ہے یا بعض کھانوں کو ہضم نہیں کر سکتا تو وہ انہیں نہ کھائے۔ مگر عام طور پر ہم ساری چیزیں اس یقین کے ساتھ کھا سکتے ہیں کہ خدا خوراک کو ہماری جسمانی نشوونما کے لئے استعمال کرتا ہے۔

۱۸:۱۵۔ اگر کھانے انسان کو ناپاک نہیں کرتے تو کیا چیز کرتی ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ ”جو باتیں مٹنہ سے نکلتی ہیں، وہ دل سے نکلتی ہیں اور دُپٹی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔“ یہاں ”دل“ سے مراد وہ عضو نہیں جو خون کو پمپ کرتا ہے بلکہ انسانی خواہشات اور ارادوں کا بگڑا ہوا سرچشمہ ہے۔ انسان کی اخلاقی خصلت کا یہ حصہ ناپاک خیالات، فاسد باتوں اور بُرے کاموں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۱۹:۱۵-۲۰۔ چند باتیں جو انسان کو ناپاک کرتی ہیں یہ ہیں۔ ”بُرے خیال، خوں ریزیاں،

زنا کاریاں، حرام کاریاں، چوریاں، جھوٹی گواہیاں، بدگوئیاں“

فریسی اور فقیہ ہاتھ دھونے وغیرہ کی خودنمائی کی رسومات پر پورے تکلفات کے ساتھ عمل کرتے تھے مگر اُن کی باطنی زندگی بالکل خراب ہو چکی تھیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑا زور دیتے مگر حقیقی اہمیت کی باتوں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ وہ شاگردوں

پر تو غیر الہامی روایات کو نہ ماننے پر تکتہ چینی کرتے مگر خود خدا کے بیٹے کو مار ڈالنے کی سازشیں کر رہے تھے اور یوں اُن سارے گناہوں کے مرتکب ہو رہے تھے جن کی فہرست آیت ۱۹ میں درج ہے۔

۱۔ ایک غیر قوم عورت اپنے ایمان کے باعث برکت

پاتی ہے

(۱۵: ۲۱-۲۸)

۱۵: ۲۱، ۲۲۔ یسوع بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ”صُور اور صیدا کے علاقہ“ میں چلا گیا۔ جہاں تک ہمیں علم ہے یہ واحد موقع ہے جب وہ یہودی علاقے سے باہر گیا۔ یہاں فینیکے میں ایک کنعانی عورت نے عرض کی کہ میری بد رُوح گرفتہ بیٹی کو شفا دے۔

یہ بات نہایت اہم اور قابلِ توجہ ہے کہ یہ عورت یہودی نہیں، بلکہ غیر قوم تھی، وہ کنعانی نسل سے تھی اور خدا نے اس قوم کو نیست و نابود کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اسرائیلیوں کی نافرمانی کے باعث یسوع کے زمانے میں کچھ کنعانی بچ رہے تھے۔ اور یہ عورت اُن ہی بچے ہوئے کنعانیوں کی نسل سے تھی۔ چونکہ وہ غیر قوم تھی اس لئے اُسے کوئی ایسا حق حاصل نہیں تھا جو زمین پر خدا کے برگزیدہ لوگوں کو حاصل تھا۔ وہ غیر مُملکی تھی اور اس لئے اُس کے لئے کوئی اُمید نہ تھی۔ اپنی حیثیت کے اعتبار سے وہ خدایا ایسح سے کسی طرح کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

یسوع سے بات کرتے ہوئے اُس نے اُسے ”خداوند، ابنِ داؤد“ کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ وہ لقب ہے جو یہودی مسیح موعود کا ذکر کرتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ یسوع واقعی ”ابنِ داؤد“ تھا مگر کسی غیر قوم کو حق نہیں پہنچتا تھا کہ اس بنیاد پر اُس کے پاس آتا۔ یہی وجہ ہے کہ یسوع نے شروع میں اُسے جواب نہ دیا۔

۱۵: ۲۳۔ ”اُس کے شاگردوں نے پاس آکر اُس سے یہ عرض کی کہ اُسے رخصت کر دے۔“

اُن کے لئے وہ عورت وبالِ جان بنی ہوئی تھی جبکہ یسوع کے لئے وہ ایمان کا پسندیدہ نمونہ اور ایسا پیکر تھی جس پر اُس کے فضل کو چمکنا تھا۔ مگر ضرور تھا کہ پہلے وہ اُس کے ایمان کا امتحان لے اور اُس کی تربیت کرے۔

۱۵:۲۴، ۲۵۔ اُس نے عورت کو بتایا کہ میرا مشن "اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیسوں"

کے لئے ہے۔ غیر قوموں اور خصوصاً کنعانیوں کے لئے نہیں ہے۔ عورت اس بظاہر انکار سے بے دخل نہ ہوئی۔ اب اُس نے "ابن داؤد" کے لقب کو چھوڑ دیا اور اُسے سجدہ کرتے ہوئے کہا "اے خداوند، میری مدد"۔ اگر وہ اس طرح نہیں آسکتی تھی جیسے یہودی اپنے مسیح موعود کے پاس آسکتا ہے تو وہ ایسے آئی جیسے مخلوق اپنے خالق کے پاس آسکتی ہے۔

۱۵:۲۶۔ اُس کے ایمان کی حقیقت کو مزید کرینے کے لئے یسوع اُس سے کہنے لگا کہ میرے لئے

مناسب نہیں کہ یہودی "لڑکوں" کو چھوڑ کر غیر قوم "گٹوں" کو روٹی بھلاؤں۔ بے شک یہ الفاظ اور انداز ہمیں بے حد سخت معلوم ہوتے ہیں، مگر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سرجن کے نشتر کی مانند ہیں جس کا مقصد زخم لگانا نہیں بلکہ شفا دینا ہوتا ہے۔ وہ تھی غیر قوم = یہودی غیر قوموں کو گٹوں کے برابر گردانتے تھے جو خوراک کے ٹکڑوں کی خاطر گلیوں میں آوارہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ مگر یسوع نے یہاں جو لفظ استعمال کیا، اُس کا مطلب "چھوٹے پالتو گٹے" ہے۔ یہاں مسئلہ یہ تھا کہ کیا یہ عورت تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ میں ایسی نالائق ہوں کہ معمولی سے معمولی رحم کی بھی حق دار نہیں؟

۱۵:۲۷۔ اُس کا جواب نہایت شاندار تھا۔ اُس نے یسوع کے بیان کے ساتھ پورا پورا اتفاق کیا۔

اُس نے قبول کیا کہ میری حیثیت ایک نالائق غیر قوم کی ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو اُس کے رحم، محبت اور فضل پر چھوڑ دیا اور گویا یہ کہا "تیرا کہنا بالکل بجا ہے! میں صرف میز کے نیچے ایک چھوٹے گٹے" کی مانند ہوں۔ لیکن میں دیکھتی ہوں کہ کئی دفعہ میز سے ٹکڑے گرتے ہیں۔ تو کیا تو مجھے چھوٹے ٹکڑے بھی نہیں دے گا؟ میں اس لائق نہیں کہ تو میری بیٹی کو شفا دے، مگر میری التجا ہے کہ اپنی ایک نالائق مخلوق کے لئے ایسا کر۔

۱۵:۲۸۔ یسوع نے اُس کے "بہت بڑے ایمان" کے لئے اُس کی تعریف کی، جبکہ ایمان نہ

لانے والے بچوں کو روٹی کی کوئی بھوک نہ تھی، یہاں یہ عورت اپنے آپ کو "چھوٹا گٹا" تسلیم کر کے اُس روٹی کے لئے فریاد کر رہی تھی۔ ایمان کا انعام مل گیا۔ اُس کی بیٹی نے اُسی گھڑی شفا پائی۔ ہمارے خداوند نے دُور ہی سے اس غیر قوم لڑکی کو شفا دی۔ اس سے اُس کی موجودہ خدمت کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا اس زمانے میں غیر قوموں کو روحانی شفا دے رہا ہے جبکہ اُس کی قدیم قوم، قومی لحاظ سے پیچھے ہٹا دی گئی ہے۔

ز۔ یسوع بڑی بھیڑ کو شفا دیتا ہے (۱۵: ۲۹-۳۱)

مرقس ۷: ۳۱ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خداوند سورسے نکل کر شمال میں صیدا کو گیا۔ پھر مشرق کی طرف یردن کو پار کر کے دیکلس کے علاقہ سے جنوب کو گیا۔ وہاں اُس نے گلیل کی جھیل کے پاس ”لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے اور بیماروں کو... اچھا کر دیا“۔ اس حیرت زدہ بھیڑ نے ”اسرائیل کے خدا کی تعجیب کی“۔ قوی امکان ہے کہ یہ غیر قوموں کا علاقہ تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ یسوع اور اُس کے شاگرد اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اُنہوں نے درُست نتیجہ اخذ کیا کہ ”اسرائیل کا خدا“ اُن کے درمیان کام کر رہا ہے۔

ح۔ چار ہزار کو کھلانا (۱۵: ۳۲-۳۹)

۱۵: ۳۲۔ بے دھیان (یا تنقیدی) قارئین اس واقعہ کو پانچ ہزار کو کھلانے کے واقعہ کے ساتھ گڑبگڑ کر دیتے ہیں۔ اور پھر بائبل مقدس پر واقعات کو دہرانے، تضاد بیانی اور غلط اعداد و شمار پیش کرنے کا اعتراف کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں واقعات بالکل الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کی تردید کرنے کی بجائے تکمیل کرتے ہیں۔

”بھیڑ“ تین دن سے خداوند کے ساتھ ساتھ تھی۔ چنانچہ اُن کی کھانے بیٹنے کی چیزیں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ اُنہیں بھوکا روانہ کرنے پر تیار نہ تھا مبادا ”راہ میں تھک کر رہ جائیں“۔

۱۵: ۳۳، ۳۴۔ اُس کے شاگرد اتنی بڑی بھیڑ کو کھلانے کے ناممکن کام کے خیال سے پھر پریشان ہونے لگے۔ اس دفعہ اُن کے پاس صرف ”سات“ روٹیاں اور ”تھوڑی سی چھوٹی پھلیاں“ تھیں۔

۱۵: ۳۵، ۳۶۔ جیسے پانچ ہزار کو کھلانے کے موقع پر کیا تھا، یسوع نے بھیڑ کو بٹھایا، جو وہ خوراک کے لئے ”شکر کیا، اور اُنہیں توڑ کر شاگردوں کو دیتا گیا“ اور وہ لوگوں میں تقسیم کرتے گئے۔ وہ توقع کرتا ہے کہ شاگرد جتنا کام کر سکتے ہیں وہ کریں۔ پھر وہ آگے بڑھ کر وہی کچھ کر دیتا ہے جو وہ نہیں کر سکتے۔

۱۵: ۳۷-۳۹۔ جب لوگ کھا کر سیر ہو گئے ”تو بچی ہوئی خوراک سے سات ٹوکرسے“

بھر گئے۔ اور کھانے والے سوا عورتوں اور بچوں کے چار ہزار مرد تھے۔“

اگلے باب میں ہم دیکھیں گے کہ دونوں معجزوں کے بارے میں اعداد و شمار بہت اہم ہیں (۸:۱۲-۱۱:۲)۔ بائبل مقدس میں درج ہر تفصیل گہرے معنی کی حامل ہے۔ بھیڑ کو رخصت کر کے یسوع "کشتی میں سوار ہوا اور مکدن کی سرحدوں میں آگیا۔"

ط۔ فریسیوں اور صدوقیوں کا خمیر (۱۶:۱-۱۲)

۱:۱۶۔ فریسی اور صدوقی علم الہیات کے معاملات میں روایتی طور پر ایک دوسرے کے مخالف تھے اور عقائد کے لحاظ سے دو انتہاؤں کی نمائندگی کرتے تھے۔ لیکن یسوع کو پھنسانے کے سلسلے میں وہ اپنی مخالفت کو بھول کر متحد ہو گئے۔ چنانچہ آزمانے کے لئے اُس سے کہنے لگے کہ "آسمانی نشان دکھا۔" اگرچہ ہم نہیں سمجھتے مگر وہ کسی نہ کسی اُسے الجھانے کی کوشش میں تھے۔ "آسمانی نشان" طلب کرنے میں شاید یہ بات مضمر تھی کہ وہ اپنے پیچھے معجزوں میں کوئی مخالف قوت استعمال کرتا رہا تھا یا شاید آسمان پر کوئی فوق الفطرت نشان چاہتے تھے۔ یسوع کے سارے معجزے زمین پر ہوئے تھے۔ کیا وہ کوئی آسمانی معجزے بھی کر سکتا ہے؟

۲:۳۲۔ اُس نے "آسمان" کے موضوع کو جاری رکھتے ہوئے اُن کو جواب دیا کہ جب "شام" کو دیکھتے ہیں کہ آسمان "لال" ہے تو اگلے دن کے لئے اچھے اور کھلے موسم کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ اور اگر "صبح" کو آسمان "لال" دکھائی دے تو اُس روز "اندھی" چلنے کی اُمید کرتے ہیں۔ وہ آسمان کی شکل و صورت کی تشریح کرنے میں تو مہارت رکھتے ہیں مگر زمانوں کی علامتوں کو نہیں پہچان سکتے۔

یہ علامتیں کیا ہیں؟ جس نبی نے مسیح کی آمد کی خبر دی وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور مسیح موجود کے بارے میں جن معجزوں کی پیش گوئی کی گئی تھی، وہ اُن کی نظروں کے سامنے کئے گئے تھے۔ زمانوں کی ایک اور صاف علامت یہ تھی کہ یہودیوں نے مسیح موجود کو رد کر دیا تھا اور غیر قوموں کو خوشخبری سنائی جانے لگی تھی۔ یہ سب کچھ نبوتوں کی تکمیل میں ہو رہا تھا۔ لیکن ایسی ناقابل تردید شہادت کے باوجود اُن کو تاریخ کا کوئی شعور نہ تھا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے تاریخ بن رہی ہے یا نبوتیں پوری ہو رہی ہیں۔

۴:۱۶۔ وہ خود اُن کے درمیان کھڑا تھا مگر فریسی اور صدوقی نشان طلب کر رہے تھے۔ اس طرح وہ دکھا رہے تھے کہ ہم روحانی طور پر "بیزنا کار لوگ" ہیں۔ مگر یونانہ کے نشان کے

سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ ۱۲: ۳۹ کی تشریح میں بیان کیا گیا، اس سے مراد مسیح کا تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھنا ہے۔ "اس زمانہ کے پُرسے اور زنا کار لوگ" مسیح کو مُردوں کو مصلوب کریں گے۔ مگر خُدا اُسے مُردوں میں سے جلائے گا۔ اور یہ اُن سمجھوں کے حشر کا نشان ہو گا جو اُسے حاکم تسلیم نہیں کرتے اور اُس کے آگے نہیں جھکتے۔

یہ پیرا ان منحوس الفاظ پر ختم ہوتا ہے کہ "وہ اُن کو چھوڑ کر چلا گیا"۔ ان الفاظ کے رُوحانی مضمّنات سب کو صاف نظر آنے چاہئیں۔

۱۶: ۵، ۶۔ جب اُس کے "شاگرد" جھیل کے مشرقی ساحل پر اُس کے ساتھ آملے تو معلوم ہوا کہ وہ "روٹی ساتھ لینا بھول گئے تھے"۔ اس لئے یسوع نے اُن کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ "خبردار! فریسیوں اور صدوقیوں کے خیر سے ہوشیار رہنا۔" شاگردوں کا خیال تھا کہ خُداوند کہہ رہا ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں لینے کو یہودی لیڈروں کے پاس نہ جانا۔ چونکہ وہ پہلے ہی کھانے پینے کی چیزوں کے خیال میں تھے، اس لئے وہ لفظی اور طبعی تشریح کی طرف دیکھتے رہے حالانکہ اس میں رُوحانی سبق پوشیدہ تھا۔

۱۶: ۷-۱۰۔ شاگردوں کو ابھی تک خوراک کی کمی کی فکر تھی حالانکہ جس نے پانچ ہزار اور پچھ چار ہزار کو سیر کیا تھا، وہ اُن کے ساتھ تھا۔ پانچ اُس نے اُن کے ساتھ مل کر ان دونوں عجموں پر نظر ثانی کی۔ جو رُوحانی سبق سامنے آیا اُس کا تعلق رُوحانی اعداد و شمار اور رُوحانی طور پر وسائل مہیا کرنے سے تھا کیونکہ جتنی کم خوراک کے ساتھ یسوع کو کام کرنا پڑا، اتنے ہی زیادہ لوگ سیر ہوئے اور اتنی ہی زیادہ خوراک باقی بچی۔ جب اُس کے پاس صرف پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں تھیں تو پانچ ہزار سے اوپر لوگ سیر ہوئے اور بارہ ٹوکریاں خوراک بچی۔ جب روٹیاں اور مچھلیاں زیادہ تھیں تو صرف چار ہزار سے اوپر لوگ سیر ہوئے اور صرف سات ٹوکریاں بچیں۔ اگر تم اپنے اپنے محدود وسائل اُس کے سپرد کر دین تو وہ اُن کو تناسبِ معکوس میں بڑھاتا ہے۔ "اگر خُدا ساتھ ہو، تو تھوڑا ہی بہت ہوتا ہے"۔ اہم سبق یہی ہے کہ "جب ہمارا تعلق ایسی ہستی سے ہے جو لاحدود قدرت اور وسائل کا مالک ہے تو جھوک اور محتاجی کی فکر کیوں کریں؟"

۱۶: ۱۱-۱۲۔ فریسیوں اور صدوقیوں کے خمیر کی بات سے خُداوند نے روٹی کی طرف نہیں بلکہ اُن کے باطل عقائد اور بگڑے ہوئے رویہ اور کردار کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خُدا کے کلام کی ذرا ذرا تفصیل پر عمل کرتے ہیں مگر اُن کی فرمانبرداری ظاہری اور سطحی تھی۔

باطن میں وہ بُرے اور بگڑے ہوئے تھے۔

”صمدِ وقیوں“ کا خمیر عقل پرستی تھا۔ وہ اپنے زمانے کے آزاد خیال یعنی لبرل لوگ تھے۔ انہوں نے شکوک اور منکرات کا ایک نظام قائم کر رکھا تھا۔ وہ فرشتوں اور رُوحوں کے وجود کا، بدن کی قیامت کا، رُوح کی بقا کا اور ابدی سزا کا انکار کرتے تھے۔ اگر اس فلسفے کو برداشت کر لیا جائے، تو وہ خمیر کی طرح سرایت کرتا اور پھیل جاتا ہے۔

۱۰۔ بادشاہ شاگردوں کو تیار کرتا ہے (۱۶: ۱۳-۱۷: ۱۷)

لو-پطرس کا اقرار (۱۶: ۱۳-۲۰)

۱۶: ۱۳، ۱۴- ”قیصر یہ فلپی“ گلیں کی جھیل سے پچیس سال قبل شمال اور دریائے یردن سے پانچ میل مشرق میں واقع تھا۔ جب یسوع اُس کے گرد و نواح کے دیہات میں پھنچا (مرقس ۸: ۲۷) تو ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کو اُس کی تعلیمی خدمت کا نقطہء اوج سمجھا جاتا ہے۔ اُس وقت تک وہ شاگردوں کی راہنمائی کرتا رہا تھا کہ اُس کی شخصیت کو حقیقی طور پر سمجھ لیں۔ اس مقصد میں کامیاب ہو جانے کے بعد اب وہ پورے عزم اور مقصم ارادے کے ساتھ صلیب کی طرف رُخ کرتا ہے۔

آغاز میں وہ اپنے شاگردوں سے سوال کرتا ہے کہ ”لوگ ابی آدم کو کیا کہتے ہیں؟“ یعنی میری شناخت کس طرح کرتے ہیں؟ جواب میں بتایا جاتا ہے کہ بعض لوگ ”یوحنا بپتسمہ دینے والا“ اور بعض ”ایلیاہ“ کہتے ہیں۔ بعض تجھے ”یرمیاہ“ قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دوسرے نبیوں میں سے کوئی ہے۔ عام آدمیوں کے لئے وہ بہت سے انبیاء میں سے کوئی ایک نبی تھا۔ اچھا تھا لیکن سب سے اچھا نہیں تھا۔ بڑا تھا لیکن سب سے بڑا نہیں تھا۔ ایک نبی تھا مگر وہ نبی نہیں تھا۔ اس میں اُس کی تمغوی بہت تعریف تو تھی مگر اُس کی اصلیت کی تردید ہوتی تھی کہ اگر وہ کیوں میں سے ایک ہے تو وہ جعل ساز ہے کیونکہ خدا باپ کے برابر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

۱۵: ۱۶- چنانچہ اُس نے شاگردوں سے پوچھا کہ ”تم مجھے کیا کہتے ہو؟“ یہاں شمعون پطرس نے وہ اقرار کیا جو تاریخی حیثیت اور اہمیت رکھتا ہے کہ ”تو زندہ خدا کا بیٹا ہے!“ دوسرے لفظوں میں بنی اسرائیل کا مسیح موعود اور خدا کا بیٹا ہے۔

۱۶: ۱۷-۱۸- ہمارے خداوند نے "شمعون بریوناہ" کو "مبارک" ٹھہرایا۔ اُسے برکت دی۔ ایک ماہی گیر خداوند یسوع کے بارے میں اس تصور تک اپنی ذہانت یا طبعی عقل کی مدد سے نہیں پہنچتا تھا بلکہ "خدا" باپ نے فوقِ افطرت طور پر اُس پر ظاہر کیا تھا، مگر بیٹا پطرس سے بھی ایک اہم اور ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ یسوع نے کہا "تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنی کلیسیا بناؤں گا۔ اور عالم ارواح کے دروازے اُس پر غالب نہ آئیں گے۔" ہم جانتے ہیں کہ جتنا اختلاف رائے اس آیت میں پایا جاتا ہے، انجیل کی کسی دوسری آیت پر شاید ہی پایا جاتا ہو۔ سوال یہ ہے کہ "پتھر" کیا یا کون ہے؟ کچھ مسئلہ تو اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ یونانی زبان میں پطرس اور پتھر کے لئے لفظ متشابہ ہیں لیکن ان کے مطالب میں فرق ہے۔ پہلا لفظ petros ہے جس کا مطلب ہے پتھر یا بھر بھری چٹان۔ دوسرا لفظ petra ہے جس کا مطلب ہے چٹان۔ چنانچہ یسوع نے جو بات کہی دراصل یہ تھی کہ "تو پطرس (پتھر۔ پہلا مطلب) ہے۔ اور میں اس پتھر (چٹان، دوسرا مطلب) پر اپنی کلیسیا بناؤں گا۔" اُس نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں پتھر پر کلیسیا بناؤں گا، بلکہ یہ کہ چٹان پر بناؤں گا۔

اگر پطرس وہ چٹان نہیں، تو کیا چیز وہ چٹان ہے؟ اگر ہم سیاق و سباق پر توجہ دیں تو جواب واضح ہے کہ وہ چٹان پطرس کا اقرار ہے کہ مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے۔ اور یہی وہ سچائی ہے جس پر کلیسیا کی بنیاد ہے۔ افسیوں ۲۰: ۲۰ ہمیں سکھاتی ہے کہ کلیسیا کی تعمیر یسوع مسیح پر ہوئی ہے۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہے۔ یہ بیان کہ "تم رسولوں اور نبیوں کی نیو پیئر... تعمیر کے لئے گئے ہو" یہ مطلب نہیں رکھتا کہ کلیسیا کی بنیاد ان ہستیوں پر ہے بلکہ یہ کہ خداوند یسوع مسیح کے بارے میں ان کی تعلیم پر ہے۔

۱- کہ تمہیں ۱۰: ۴ میں بیان ہوا ہے کہ "چٹان" مسیح ہے۔ اس سلسلے میں مورگن بہت عمدہ بات یاد دلاتا ہے:

"یاد رکھیں کہ وہ یہودیوں سے کلام کر رہا تھا۔ اگر ہم عبرانی صحائف میں لفظ چٹان کے مجازی استعمال کی تحقیق کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ اس کو انسان کے لئے علامت کے طور پر کبھی استعمال نہیں کیا گیا بلکہ ہمیشہ خدا کے لئے۔ اسی طرح یہاں قیصر یہ فلیٹی میں بھی کلیسیا پطرس پر تعمیر نہیں کی گئی۔ یسوع صنائع بدائع کی بے قدری نہیں کرتا۔ اُس نے ان کی قدیم عبرانی مثال ہی کو لیا ہے یعنی چٹان

جو ہمیشہ ذاتِ الہی کی علامت تھی اور کہا ہے کہ خود خدا پر۔ زندہ خدا کے بیٹے مسیح پر۔۔۔ میں اپنی کلیسیا بناؤں گا۔“

پطرس نے کبھی نہیں کہا کہ میں کلیسیا کی بنی ہوؤں۔ یسوع کا ذکر کرتے ہوئے وہ دو دفعہ اُسے ”پتھر“ کہتا ہے (دیکھئے اعمال ۴: ۱۱، ۱۲ اور ۱ پطرس ۲: ۴-۸)۔ مگر یہاں مثال فرق ہے۔ وہ پتھر بنیو نہیں بلکہ ”کونے کے سرے کا پتھر“ ہے۔

”میں۔۔۔ اپنی کلیسیا بناؤں گا۔“ یہ پہلا موقع ہے کہ بائبل مقدس میں ”کلیسیا“ کا ذکر آتا ہے۔ پرانے عہد نامہ میں اس کا جوڑو نہ تھا۔ جب یسوع نے یہ الفاظ بولے، اُس وقت بھی کلیسیا ابھی مستقبل میں بننے والی تھی۔ اس کا قیام پینتیسست کے دن ہی ہوا۔ اور یہ اُن سب افراد پر مشتمل تھی جو مسیح میں حقیقی ایمان دار ہیں۔ خواہ وہ یہودی ہوں، خواہ غیر اقوام۔۔۔ یہ ایک الگ گروہ ہے جس کو مسیح کا بدن اور دلہن کہا جاتا ہے۔ اس کو بے مثال آسمانی بلا ہٹ حاصل ہے۔ اس کا مقدر بھی یکتا اور آسمانی ہے۔

متی کی انجیل میں نمایاں موضوع اسرائیل اور بادشاہی ہیں۔ اور ہمیں توقع نہیں ہوتی کہ یہاں کلیسیا کا موضوع بھی متعارف ہو گا لیکن چونکہ اسرائیل نے مسیح کو رد کر دیا، اس لئے ایک ممتاز دور۔۔۔ کلیسیائی دور۔۔۔ شروع ہو جاتا ہے جو فضائی استقبال تک چلتا رہے گا۔ پھر خدا بنی اسرائیل سے یہ حیثیت قوم دوبارہ معاملہ شروع کرے گا۔ اس لئے نہایت موزوں بات ہے کہ خدا یہاں کلیسیا کا تعارف کرائے جو کہ بنی اسرائیل کے مسیح کو رد کرنے کے بعد اُس کا اگلا انتظامی اقدام ہے۔

”اور عالم ارواح کے دروازے اُس پر غالب نہ آئیں گے۔“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ اول۔ ”عالم ارواح کے دروازے“ کلیسیا کے خلاف ناکام حملے ہیں۔ کلیسیا اپنے خلاف تمام حملوں میں قائم و دائم رہے گی۔ دوسری تصویر یہ ہو سکتی ہے کہ کلیسیا خود حملہ آور ہوتی اور فاتح رہتی ہے۔ ہر صورت میں موت کی قوتیں شکست کھائیں گی۔ زندہ ایمان دار آسمان پر اٹھائے جائیں گے اور جو مسیح میں مومنے وہ زندہ کئے جائیں گے۔

۱۶: ۱۹۔ ”میں آسمان کی بادشاہی کی کُنجیاں تجھے دوں گا۔“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمیوں کو بہشت میں داخل کرنے کا اختیار پطرس کو دیا گیا۔ زیرِ نظر بات کا تعلق اس زمین پر آسمان کی بادشاہی کے ساتھ ہے یعنی وہ حلقہ جو اُن سمجھوں پر مشتمل ہے جو بادشاہ کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھاتے اور مسیحی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ”کُنجیاں“ رسائی حاصل کرنے یا اندر داخل ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ وہ کُنجیاں جو اقرار کے حلقے کا دروازہ کھولتی ہیں ان کا بیان ارشادِ عظیم (متی ۲۸: ۱۹) میں ملتا ہے یعنی شاگرد بنانا، بپتسمہ

دینا اور تعلیم دینا (پہلے نجات کے لئے ضروری نہیں بلکہ شمولیت کی رسم ہے جس سے لوگ بادشاہ کے ساتھ وفاداری کا اعلان کرتے ہیں)۔ پطرس نے یہ کئی سب سے پہلے پینٹکوسٹ کے دن استعمال کیں۔ یہ کئی دوسروں کو چھوڑ کر صرف اسی کو نہیں دی گئی تھیں بلکہ وہ تمام شاگردوں کا نمائندہ مانا گیا تھا (دیکھئے مئی ۱۸: ۱۸ جہاں یہی وعدہ اُن سب سے کیا گیا ہے)۔

”جو کچھ تو زمین پر باندھے گا، وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا“۔ اس کے ساتھ میں کھانا چڑاؤ دوسرا حوالہ لیتا ہے: ۲۰: ۲۳ ہے۔ بعض اوقات ان دونوں حوالوں کی مدد سے یہ مفروضہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پطرس اور اُس کے جانشینوں کو گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ گناہ صرف خدا ہی معاف کر سکتا ہے۔ اس آیت کو دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اول۔ کہ شاگردوں کو باندھنے اور کھولنے کا اختیار تھا جو آج ہمیں حاصل نہیں۔ مثال کے طور پر پطرس نے حننیاہ اور سفیرہ کے گناہوں کو اُن پر باندھ دیا اور اُن کو زوری موت کی سزا ملی (اعمال ۱: ۵-۱۰) جبکہ پطرس نے کرتھس میں جس آدمی کی تادیب کی گئی تھی، اُسے گناہ کے نتائج سے کھول دیا کیونکہ اُس آدمی نے توبہ کر لی تھی (۲- کرنتھیوں ۲: ۱۰)۔

اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول زمین پر جو کچھ باندھتے یا کھولتے ہیں دراصل وہ آسمان پر پہلے ہی بندھا یا کھلا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں رائی کتا ہے کہ ”باندھنے اور کھولنے کا آغاز رسول نہیں کرتے، بلکہ آسمان کرتا ہے۔ رسول صرف ان باتوں کا اعلان کرتے ہیں۔“ آج یہ آیت صرف ایک ہی مفہوم میں سچ ہے اور وہ ہے اُس کا اظہاری یا بیانیہ مفہوم۔ جب کوئی گنہگار اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا اور یسوع مسیح کو اپنا خداوند اور نجات دہندہ قبول کر لیتا ہے تو ایک مسیحی اعلان کر سکتا ہے کہ اُس کے گناہ معاف ہوئے۔ جب کوئی گنہگار نجات دہندہ کو رو کر دیتا ہے تو ایک مسیحی کارندہ اعلان کر سکتا ہے کہ اُس کے گناہ قائم ہیں۔ ولیم کیلی لکھتا ہے کہ ”جب بھی کلیسیا خداوند کے نام میں کام کرتی اور حقیقی معنوں میں اُس کی مرضی پوری کرتی ہے تو اُس کے کاموں پر خدا کی مہربانی ہوتی ہے۔“

۱۶: ۲۰۔ ہم دوبارہ دیکھتے ہیں کہ خداوند یسوع نے ”اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں۔“ یعنی اسرائیل کی بے اعتقادی کے سبب ایسے انکشاف سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اگر اُس کو بادشاہ بنانے کی تحریک چل پڑتی تو سخت نقصان ہو سکتا تھا کیونکہ ایسی بے وقت تحریک کو رومی نہایت بے رحمی سے کچل ڈالتے۔

سٹوارٹ اس حصے کو مسیح کی خدمت کا موثر قرار دیتا ہے۔ وہ رقم طراز ہے کہ
 ” آج قیصر یہ فلمی میں انابیل کے دونوں دھاروں کو الگ الگ کیا جا رہا ہے۔ اس
 نقطہ سے دھارے ایک دوسرا رخ اختیار کرتے ہیں۔ ایک دھارا ہر دل عزیز کی کاتھا
 جو یسوع کی خدمت کے ابتدائی ایام میں اُبھرا۔ اور لگتا تھا کہ اُسے تخت تک پہنچا دے
 گا۔ لیکن وہ دھارا تو پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب دھارے کا رخ صلیب کی طرف ہے۔
 قیصر یہ فلمی میں یسوع کو یا دور ہے پر اکھڑا ہوا، جیسے وہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے
 اور اپنے پیچھے اُس راستے پر نظر ڈال سکتا ہے جسے وہ طے کر آیا ہے اور اُس کے سامنے
 ایک تاریک اور نہایت ناخوش گوار راستہ اُس کا منتظر ہے۔ اُس نے ایک نگاہ پیچھے ڈالی
 جہاں پر مسرت گزرے دنوں کی شفق ابھی تک موجود تھی۔ پھر وہ مڑا اور اُس راہ پر
 قدم بڑھا دے جس پر سائے ہی سائے تھے۔ اب اُس کا راستہ کلوری کو جاتا تھا۔“

ب۔ شاگردوں کو اپنی موت اور قیامت کے لئے تیار کرنا

(۱۶: ۲۱-۲۳)

۱۶: ۲۱- اب جبکہ شاگردوں کو یہ شعور حاصل ہو گیا کہ یسوع زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے تو وہ اُس کی
 موت اور قیامت کے بارے میں اُس کی پہلی براہ راست پیش گوئی سُنانے کو تیار تھے۔ اب وہ جانتے
 تھے کہ جس مقصد کے لئے وہ آیا ہے، اس میں ہرگز ناکام نہیں ہو سکتا۔ وہ جانتے تھے کہ ہم فتح مند
 فریق کے ساتھ ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ کچھ بھی ہو گزرے فتح یقینی ہے۔ چنانچہ خداوند نے تیار دلوں کو
 یہ خبر سنائی کہ مجھے ”ضرور ہے کہ میرا وِشَلیم کو“ جاؤں۔ اور ضرور ہے کہ مذہبی لیڈروں کے ہاتھوں
 ”بہت دکھ“ اٹھاؤں۔ اور ضرور ہے کہ ”قتل کیا“ جاؤں اور ضرور ہے کہ تیسرے دن ”جی اٹھوں۔ یہ
 خبر کسی بھی تحریک کا گلا گھونٹ ڈالنے کو کافی تھی۔ ساری گفتگو میں صرف آخری بات کہ ”ضرور ہے
 کہ تیسرے دن ”جی اٹھوں کسی تحریک کو زندہ رکھ سکتی تھی۔ اس بات نے سب کچھ بدل ڈالا!
 ۱۶: ۲۲- پطرس اس خیال ہی سے ششمناک ہو گیا کہ ہمارے مالک کے ساتھ ایسا سلوک ہو۔
 اُس نے خداوند کو یوں پکڑا جیسے اُس کا راستہ روک رہا ہو اور احتجاج کرنے لگا کہ اُسے خداوند
 خدا نہ کرے، یہ تجھ پر ہرگز نہیں آنے گا!“

۱۶: ۲۳- اس پر خداوند یسوع نے اُسے جھڑکا۔ وہ تو اس دُنیا میں آیا ہی گنہگاروں کی

خاطر جان دینے کو تھا۔ جو چیز یا جو شخص اُسے اس مقصد سے روکتا، وہ خدا کی مرضی کا مخالف تھا۔ چنانچہ اُس نے پطرس سے کہا کہ ”اے شیطان، میرے سامنے سے دُور ہو۔ تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“ پطرس کو شیطان

کہنے سے یسوع کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ بدروح گرفتہ یا شیطان کے کنٹرول میں ہے۔ مطلب صرف اتنا تھا کہ اُس کی باتیں اور حرکات ایسی تھیں جن کی توقع صرف شیطان سے کی جاسکتی ہے (اور اُس کے نام کا مطلب ہے۔ مخالف)۔ کلوسی کے خلاف احتجاج کر کے پطرس نجات دہندہ کے لئے ایک رکاوٹ بن رہا تھا۔

ہر سچی کی بلا ہٹ ہے کہ اپنی صلیب اٹھائے اور خداوند یسوع کے پیچھے ہوئے۔ لیکن جب صلیب راستے میں ایک رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے تو اندر سے ایک آواز آتی ہے ”خدا ایسا نہ کرے! اپنے آپ کو بچالو۔“ یا شاید اپنے عزیز واقارب کی آوازیں ہمیں فرمانبرداری کے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسے وقت ہمیں بھی کہنا چاہئے کہ ”اے شیطان، میرے سامنے سے دُور ہو۔ تو میرے لئے ایک رکاوٹ ہے۔“

ج۔ حقیقی شاگردیت کے لئے تیاری (۱۶: ۲۴-۲۸)

۱۶: ۲۴۔ اب خداوند یسوع صاف صاف بیان کرتا ہے کہ میرا شاگرد ہونے میں کن کن باتوں کا سامنا ضروری ہے۔ اپنی خودی کا انکار، صلیب اٹھانا اور اُس کے پیچھے چلنا۔ ”خودی“ کے انکار سے مراد خود انکاری نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اپنے آپ کو ایسے کا بل طور سے اُس کے کنٹرول میں دے دینا کہ اپنی ذات کا کوئی حق باقی نہ رہے۔ ”صلیب اٹھانے“ کا مطلب ہے کہ ہر طرح کی شرمساری اور دکھ اٹھانے، بلکہ اُس کی خاطر شہید ہونے کو بھی تیار اور آمادہ ہونا۔ گناہ اور خودی اور دنیا کے اعتبار سے مرجانا۔ اور اُس کے پیچھے ہولینے“ کا مطلب ہے اُس کی طرح زندگی گزارنا۔ اُس نے ایسی زندگی گزاری جس میں حلیمی، فروتنی، غربت، ترس، محبت، فضل اور ہر خدائی وصف اور خوبی شامل تھی۔

۱۶: ۲۵۔ خداوند دیکھتا ہے کہ دو باتیں شاگردیت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ پہلی تو قدرتی آزمائش ہے کہ انسان اپنی جان کو بے آرامی یا تکلیف، درد، تنہائی یا نقصان سے ”بچانا“ چاہتا ہے اور دوسری ہے دولت مندینے کی خواہش۔ جہاں تک پہلی رکاوٹ کا تعلق ہے، یسوع نے خبردار

کیا کہ جو لوگ خود غرضانہ مقاصد کے لئے زندگی سے چھٹے رہتے ہیں، اُن کو اپنی زندگی کا مقصد کبھی حاصل نہ ہوگا۔ جو لوگ بے دھڑک ہو کر زندگی اُس کے حوالے کر دیتے ہیں، قیمت کا حساب نہیں لگاتے، اُن کو اپنی زندگی کا مقصد مل جاتا ہے۔

۲۶:۱۶ - دوسری آزمائش - دولت مند بننے کی آرزو۔ بالکل غیر معقول ہے۔ یسوع کہتا ہے کہ "فرغ کریں کہ ایک "اُدنی" اپنے کاروبار میں اتنا کامیاب ہے کہ "ساری دُنیا" حاصل کر لیتا ہے۔ دولت اور دُنیا کی دیوانہ وار تلاش میں اُس کا وقت اور طاقت اتنی شد و مد سے صرف ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اصل مقصد کو بھول جاتا ہے۔ کیا فائدہ ہے کہ انسان اتنی دولت جمع کرے، پھر مر جائے اور ساری دولت پیچھے چھوڑ جائے اور ابدیت خالی ہاتھ بسر کرے؟ یہاں انسان کے سامنے پیسہ کمانے کی نسبت کہیں بڑا مقصد ہے۔ اُس کو بلایا گیا ہے کہ بادشاہ کے مقاصد پورے کرے۔ اگر وہ یہ نہیں کر سکتا تو اُس نے کُچھ نہیں کیا۔

۲۷:۱۶ - اب خداوند اپنے لوگوں کو اُس "جلال" کی یاد دلاتا ہے جو دکھوں کے بعد ملتا ہے۔ وہ اپنی دوسری آمد کی طرف اشارہ کرتا ہے جب وہ "فرشتوں کے ساتھ" زمین پر واپس آئے گا۔ اُس وقت وہ اپنے "باپ کے" فائق اور افضل "جلال میں" ہوگا۔ "اُس وقت ہر ایک کو جو اُس کی راہوں پر چلتا ہے" بدلہ دے گا۔ کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس جلالی مستقبل کو اپنے سامنے رکھے، اُس کے لئے منصوبہ بندی کرے۔ فیصلہ کرے کہ اُس وقت کونسی چیز واقعی اہم ہوگی۔ اور پھر پوری قوت کے ساتھ اُس کے پیچھے لگ جائے۔

۲۸:۱۶ - اب یسوع ایک چونکا دینے والی بات کرتا ہے کہ "جو یہاں کھڑے ہیں، اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابراہیم کو اُس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔" اب سسٹم یہ ہے کہ وہ شاگرد تو سارے موت کا مزہ چکھ چکے ہیں اور مسیح قدرت اور جلال کے ساتھ بادشاہی قائم کرنے کے لئے ابھی تک نہیں آیا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہمیں اس بات کو نظر انداز کرنا ہوگا کہ یہاں باب کا خاتمہ ہوتا ہے اور اگلے باب کی پہلی آیت کو اُس کے اس پراسرار بیان کی تشریح سمجھنا ہوگا۔ ان آیات میں پہاڑ پر مسیح کی صورت بدل جانے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ وہاں پطرس، یعقوب اور یوحنا نے مسیح کو جلالی صورت میں دیکھا۔ اُن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلے ہی ایک جھمک دیکھ لیں کہ اپنی بادشاہی کے جلال میں مسیح کیسا ہوگا۔

یہ بات بالکل حق بجا ہے کہ ہم مسیح کی صورت بدل جانے کو اُس کی آنے والی بادشاہی کی ایک

بیشگی تصویر جانیں۔ پطرس اس واقعہ کو (۲-پطرس:۱۶) ”خداوند یسوع مسیح کی قدرت اور آمد“ کہتا ہے۔
 خداوند یسوع مسیح کی قدرت اور آمد کا مطلب اُس کی دوسری آمد ہے۔ اور یوحنا اس پہاڑ پر کے تجربے
 کے بارے میں کہتا ہے کہ ”ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (یوحنا:۱۴)۔
 مسیح کی پہلی آمد عاجزی اور خاکساری میں ہوئی، لیکن جو آمد جلال میں ہوگی وہ اُس کی دوسری آمد
 ہے۔ چنانچہ آیت ۲۸ کی پیش گوئی اس پہاڑ پر پوری ہوئی۔ پطرس، یعقوب اور یوحنا نے ابن آدم
 کو دیکھا، جب وہ فروتن اور حلیم نامصری نہیں بلکہ جلال کا بادشاہ تھا۔

۵۔ شاگردوں کو جلال کے لئے تیار کرنا۔ صورت کا تبدیل

ہو جانا (۱:۱۷-۸)

۱:۱۷-۲۔ قیصر یہ فلپی کے واقعہ کے ”چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اُس کے
 بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا“ اور گلیل کے کسی علاقے میں ”انہیں ایک اونچے پہاڑ پر الگ لے گیا“۔ کئی
 مفسرین ”چھ دن“ کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ مثلاً گیبلمین کہتا ہے کہ ”چھ انسان کا عدد ہے
 اور کام کرنے کے دنوں کو ظاہر کرتا ہے۔ چھ دن کے بعد یعنی کام کے بعد جب انسان کا دن ختم ہو جاتا
 ہے، پھر خداوند کا دن — بادشاہی — آتا ہے۔“

جب لوقا کہتا ہے کہ صورت تبدیل ہونے کا واقعہ کوئی اٹھ روز بعد“ (لوقا:۹:۲۸) پیش آیا
 تھا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ درمیانی دنوں کے ساتھ پہلے اور آخری دن کو بھی شمار کرتا ہے۔ چونکہ اٹھ
 جی اٹھنے اور نئے آغاز کا عدد ہے، اس لئے نہایت بجا ہے کہ لوقا بادشاہی کو نئے آغاز کے مماثل
 ٹھہراتا ہے۔

پطرس، یعقوب اور یوحنا نے نجات دہندہ کی خاص قربت حاصل کر لی تھی۔ ان کو یہ شرف
 حاصل ہوا کہ خداوند کو جلالی صورت میں دیکھیں۔ اب تک اُس کا جلال بشری بدن کے پردہ میں ڈھکا
 رہا تھا، لیکن اس موقع پر ”اُس کی صورت بدل گئی اور اُس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا اور اُس کی
 پوشاک نور کی مانند سفید ہو گئی“۔ یہ اُس کی اہمیت کا دیدنی اظہار تھا۔ جس طرح کہ پرلے عہد نامہ
 میں جلالی بادل خدا کی حضوری کی علامت ہوتا تھا۔ یہ منظر خداوند یسوع کی اُس حالت کی پیشگی
 جھلک دکھاتا ہے جو اُس وقت ہوگی جب وہ بادشاہی قائم کرنے کے لئے دوبارہ آئے گا۔ پھر

وہ قربانی کے برہ کی صورت میں ظاہر نہیں ہوگا بلکہ یہوداہ کے قبیلے کا بصر ہوگا۔ جتنے اُس کو دیکھیں گے فوراً پہچان لیں گے کہ یہ خدا کا بیٹا، بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔

۱۷: ۳۔ اُس پہاڑ پر موسیٰ اور ایلیاہ ظاہر ہوئے۔ وہ یسوع کی آنے والی موت کی باتیں کر رہے تھے جو میری شہادت میں ہونے کو تھی (لوقا ۹: ۳۰، ۳۱)۔ موسیٰ اور ایلیاہ پرانے عہد نامہ کے کرمۃ العین کی نمائندگی کرتے ہیں۔ شاید موسیٰ شریعت کی اور ایلیاہ نبیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو پرانے عہد نامہ کے دونوں دھارے مسیح کے دکھوں اور اُن کے بعد کے جلال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ موت کے راستے سے آسمان پر گیا، اس لئے وہ اُن سب کا نمائندہ ہے جن کو ہزار سالہ دور میں داخل ہونے کے لئے زندہ کیا جائے گا۔ اور ایلیاہ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا، اس لئے وہ اُن سب کا نمائندہ ہے جو زندہ اٹھائے جانے کی راہ سے بادشاہی میں داخل ہوں گے۔

پطرس، یعقوب اور یوحنا تینوں شاگرد نئے عہد نامہ کے مقدسین کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ اُس ایمان دار یہودی لقیہ کی جھلک بھی پیش کرتے ہیں جو مسیح کی دوسری آمد کے وقت زندہ ہوگا اور مسیح کے ساتھ بادشاہی میں داخل ہوگا۔

پہاڑ کے دامن میں جو بھیڑ جمع تھی (آیت ۱۴) بقایہ لوگ (۱۷: ۹) اُسے غیر قوموں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ وہ بھی ہزار سالہ بادشاہی کی برکات میں سے حصہ پائیں گی۔

۱۷: ۳، ۴۔ ”پطرس“ اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوا۔ وہ تاریخ کا حقیقی شعور رکھتا تھا۔ وہ اُس جاہ و جلال کو گویا قابو کر لینا چاہتا تھا۔ وہ بلا توقف رائے دیتا ہے کہ ”یہاں تین ڈیرے“ یا خیمے بنائیں۔ ایک یسوع کے لئے، ایک موسیٰ کے لئے اور ایک ایلیاہ کے لئے۔ وہ یسوع کو اول مقام دینے میں بالکل حق بجانب تھا۔ لیکن غلطی یہ کہ اُسے فوقیت نہیں دی۔ یسوع کی حیثیت برابری کی نہیں، بلکہ وہ سب کا خداوند ہے۔ اُس کو یہ سبق سیکھانے کے لئے خدا باپ نے اُن سب کو ایک ”نورانی بادل“ سے گھیر لیا اور اعلان کیا کہ ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اس کی سنو“ اُس بادشاہی میں مسیح لاثانی ہوگا۔ وہ اعلیٰ حضرت شہنشاہ ہوگا جس کی بات حتمی سند اور با اختیار ہوگی۔ اور یہی بات موجودہ دور میں اُس کے پیروؤں کے دلوں میں ہونی چاہئے۔

۱۷: ۶-۸۔ شاگرد نورانی بادل اور خدا کی آواز سے دہل گئے اور ”منہ کے بل کر“ گئے مگر یسوع نے اُن سے کہا ”اٹھو۔ ڈرو مت“ وہ اٹھے تو ”ایک یسوع کے سرو“ وہاں کسی کو نہ دیکھا۔ یہی حال بادشاہی میں ہوگا۔

۵۔ پیش رو کے بارے میں (۱۷: ۹-۱۳)

۹:۱۷۔ پہاڑ سے اترتے ہوئے "یسوع نے انہیں یہ حکم دیا کہ جب تک ابن آدم مُردوں میں سے نہ جی اٹھے" پہاڑ پر پیش آنے والی باتوں کے بارے میں خاموش رہیں۔ یہودی رومیوں کے جوڑے سے رہائی پانے کے لئے اتنے بے قرار تھے کہ انہیں رہائی دلانے والا کوئی بھی مل جاتا، اُس کا پورے جوش سے غیر مُقدم کرتے۔ مگر وہ اُسے گنہ سے نجات دہندہ قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ اسرائیل نے اپنے مسیح موعود کو رُذ کر دیا۔ اب اُن کو اُس کے جلال کی روپا کے بارے میں بتانا بے فائدہ تھا۔ لیکن جی اٹھنے کے بعد اس پیغام کی منادی ساری دُنیا میں ہوتی تھی۔

۱۰:۱۷-۱۳۔ شاگردوں نے ابھی ابھی خُداوند کے قُدرت اور جلال میں آنے کی پیشگی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن اُس کا پیش رو تا حال ظاہر نہیں ہوا تھا۔ ملاکی نے نبوت کی تھی کہ مسیح موعود کی آمد سے پہلے "میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا" (ملاکی ۴: ۵، ۶)۔ چنانچہ "شاگردوں نے" یسوع سے اس بارے میں پوچھا۔ خُداوند نے اتفاق کیا کہ "ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے" تاکہ سب کچھ بحال کرے، حالات کی اصلاح کرے۔ مگر ساتھ ہی سمجھا یا کہ "ایلیاہ تو آچکا"۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ "یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت" کہہ رہا تھا (دیکھئے آیت ۱۳)۔ "یوحنا ایلیاہ تو نہیں تھا مگر وہ ایلیاہ کی رُوح اور قوت میں آیا تھا (لوقا: ۱۷)۔ اگر جی اسرائیل یوحنا اور اُس کے پیغام کو قبول کر لیتے، تو وہ اُس کردار کو پورا کرتا جس کی پیش گوئی ایلیاہ کے حق میں کی گئی تھی (متی ۱۱: ۱۴)۔ لیکن یہ قوم یوحنا کے مشن کی اہمیت کو نہ سمجھ سکی، اور جیسا دل چاہا اُس سے سلوک کیا۔ یوحنا کی موت اس کی علامت تھی کہ ابن آدم سے کیسا سلوک رکھا جائے گا۔ اُنہوں نے پیش رو کو رُذ کر دیا۔ وہ بادشاہ کو بھی رُذ کریں گے۔ شاگرد سمجھ گئے کہ اُس نے "یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے۔"

یہ یقینی بات ہے کہ مسیح کی آمدِ ثانی سے پہلے ایک نبی برپا ہوگا جو نبی اسرائیل کو بادشاہ کی آمد کے لئے تیار کرے گا۔ مگر یہ کہنا ناممکن ہے کہ وہ خود ایلیاہ ہوگا یا کوئی اور شخص جو اُس جیسی خدمت کا حامل ہوگا۔

۶۔ دُعا اور روزہ کے وسیلہ خدمت کرنے کی تیاری (۱۷: ۱۴-۲۱)

زندگی صرف پہاڑ کی چوٹی والا تجربہ ہی نہیں ہے۔ رُوحانی شادمانی کے اوج کے بعد محنت کے

دن اور طاقت خرچ کرنے کی گھڑیاں آتی ہیں۔ وقت آتا ہے کہ انسان پہاڑ کی چوٹی سے اترے اور انسانی اختیاج کی وادی میں خدرت کرے۔

۱۵:۱۴-۱۵ پہاڑ کے دامن میں ایک بے قرار اور بے صبر باپ مسیح کا منتظر تھا۔ وہ اُس کے آگے گھٹنے ٹیک کر ”درد بھری فریاد کرنے لگا کہ میرے بَد رُوح گرفتہ بیٹے کو شفا دے۔ بیٹے کو ”برگی“ کے شدید دُور سے پڑتے تھے جن کی وجہ سے وہ ”اکثر آگ میں“ اور ”اکثر پانی میں بھی گر پڑتا تھا۔ چنانچہ جل جانا اور تقریباً دو بے نما اُس کی بندھنوں میں شامل تھا۔ وہ شیطان کے پیدا کردہ دکھوں کا ایک مستند نمونہ تھا۔

۱۶:۱۷-۱۶ باپ نے ”شاگردوں“ سے مدد مانگی تھی مگر یہی پتہ چلا کہ ”انسانی مدد عبت ہے“ (زبور: ۱۱۰:۶) ۱۲:۱۰۸- وہ اُسے شفا دینے سے قاصر رہے تھے۔

۱۷:۱۷- اُسے بے اعتقاد اور کج رُوحوں، میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا؟ کب تک تمہاری برواشت کروں گا؟ یہ بات اُس نے شاگردوں سے کہی۔ اُن میں اتنا ایمان نہیں تھا کہ برگی والے لڑکے کو شفا دے سکتے۔ اور اس لحاظ سے وہ اپنے زمانے کے یہودی طبقے کی مانند تھے۔ بے اعتقاد اور کج رُوح۔

۱۸:۱۷- جوئی برگی والا لڑکا اُس کے پاس لایا گیا تو ”یسوع نے اُسے (بَد رُوح کو) جھپٹا لیا اور بیمار اُسے گھڑی اچھا ہو گیا۔“

۲۰:۱۹-۲۰ شاگرد اپنی بے بسی پر حیران تھے۔ چنانچہ ”خلوت“ میں انہوں نے خداوند سے اس کی وجہ پوچھی۔ اُس کا جواب بالکل سیدھا اور صاف تھا۔ ”ایمان کی کمی۔“ اگر اُن میں ”رائی کے دانے“ (بجوں میں سب سے چھوٹا) کے برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ ”پہاڑ“ کو بھی سُندر میں جا پڑنے کا حکم دے سکتے تھے اور ایسا ہو جاتا۔ بے شک یہاں سمجھنے کی بات ہے کہ سچے ایمان کی بنیاد خدا کے کسی حکم یا وعدہ پر ہوتی ہے۔ اپنی کسی ترنگ یا لہر کی نشقی کی خاطر کوئی انوکھا یا عجیب کام کرنے کی توقع رکھنا ایمان نہیں بلکہ تکبر اور گستاخی ہے۔ لیکن اگر خدا کسی ایمان دار کی کسی خاص رُخ میں راہنمائی کرتا ہے، یا کسی کام کا حکم دیتا ہے تو مسیحی کو ایمان رکھنا چاہئے کہ پہاڑ جیسی بڑی مشکلات مُعجزانہ طور پر دُور ہو جائیں گی۔ صاحب ایمان کے لئے کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا۔

۲۱:۱۷- ”یہ قسم دعا کے ہوا اور کسی طرح نہیں نکل سکتی۔“ بعض نسخوں میں ”دعا اور روزہ“ ہے لیکن چونکہ اکثر قدیم نسخوں میں ”روزہ“ کا لفظ موجود نہیں، اس لئے جدید ترجمہ میں بھی

اسے شامل نہیں کیا گیا۔ البتہ سنگین صورتِ حال میں دُعا کے ساتھ روزہ رکھنا نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔

ز۔ یسوع شاگردوں کو اپنے پکڑوائے جانے کے لئے تیار کرتا ہے (۱۷: ۲۲، ۲۳)

خداوند یسوع دوبارہ بالکل واضح اور سادہ انداز میں اپنے شاگردوں کو پیشگی خبردار کرتا ہے کہ میں قتل کیا جاؤں گا۔ لیکن ساتھ ہی فتح کی بات بھی ہے کہ ”تیسرے دن زندہ کیا“ جاؤں گا۔ اگر وہ انہیں اپنی موت کے بارے میں پہلے ہی نہ بتا دیتا، تو جب موت واقع ہوتی تو وہ اور بھی زیادہ پریشان ہو جاتے کہ مسیح کو خود کے ساتھ جو توقعات وابستہ تھیں، دکھ اور ذلت کی موت اُن کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔

فی الحال وہ اس بات پر سخت غمگین ہوئے کہ وہ ہمیں چھوڑ جائے گا اور قتل کیا جائے گا۔ انہوں نے اُس کے دکھ کی پیش گوئی تو سُن لی، لیکن گلتا تھا جی اٹھنے کے وعدہ کو سنا ہی نہیں۔

ح۔ پطرس اور اُس کا استاد ٹیکس ادا کرتے ہیں (۱۷: ۲۴-۲۷)

۱۷: ۲۴-۲۵۔ ”کفرِ نوم“ میں ہیکل کا جزیہ لینے والوں نے پطرس سے پوچھا کہ کیا تمہارا استاد ”وہ نیم ہشتال ادا کرتا ہے جو ہیکل کے اخراجات کے لئے ہر یہودی سالانہ ادا کرتا ہے؟ پطرس نے جواب دیا ”ہاں، دیتا ہے“۔ شاید یہ غلط سوچ رکھنے والا شاگرد مسیح کو پریشانی سے بچانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اُس سے خداوند کے عالم کُل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جب پطرس گھر میں آیا تو خداوند نے اُس کے بولنے سے پہلے ہی کہا کہ ”اے شمعون، تو کیا سمجھتا ہے؟ دُنیا کے بادشاہ رکن سے محصول یا جزیہ لیتے ہیں؟ اپنے بیٹوں سے یا غیروں سے؟“ اس سوال کو اُس زمانے کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ بادشاہ رعایا پر محصول اس لئے عائد کرتا تھا کہ اُس کی حکومت اور گھرانے کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ اس لئے اپنے خاندان سے محصول وصول نہیں کرتا تھا۔ ہمارے نظامِ حکومت میں حکمران اور اُس کے گھر والوں، سبھوں پر ٹیکس عائد ہوتے ہیں۔

۱۷: ۲۶۔ پطرس نے بالکل صحیح جواب دیا کہ حکمران ”غیروں سے“ محصول وصول کرتے ہیں۔ اس پر یسوع نے کہا کہ ”پس بیٹے بری ہوئے“۔ اس میں نکتہ یہ تھا کہ ہیکل خدا کا گھر تھی۔ یسوع خدا کا

بیٹا ہے۔ اگر وہ ہیکل کے اخراجات کے لئے خراج دیتا ہے تو گویا اپنے آپ کو خراج ادا کرتا ہے۔
 ۲۷:۱۷۔ البتہ غیر ضروری ٹھوکر کھلانے سے بچنے کی خاطر مسیح خداوند محمول ادا کرنے پر راضی ہوا۔
 لیکن رقم کا بندوبست کیسے کرے؟ یہ بات کہیں اور کبھی درج نہیں کی گئی کہ یسوع اپنے پاس پیسے رکھتا
 تھا۔ چنانچہ اُس نے پطرس کو گیلی کی جھیل پر بھیجا اور اُسے کہا کہ جو مچھلی پہلے پکڑی جائے، اُس کا منہ
 کھولنا تو ایک مثقال پائے گا۔ چنانچہ پطرس نے یہ مثقال لے کر اُدھا مثقال اپنے لئے اور اُدھا مثقال
 خداوند یسوع کے لئے محمول ادا کیا۔

یہ متعجب کرنے والا معجزہ بڑی احتیاط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ مسیح عالمِ کل
 ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ گلیل کی جھیل کی ساری مچھلیوں میں سے کس کے منہ میں مثقال ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ
 وہ مچھلی کس مقام پر ہے۔ اور اُسے معلوم تھا کہ یہی پہلی مچھلی ہوگی جسے پطرس پکڑے گا۔
 اگر یہاں کسی الٰہی اصول کو چوٹ لگتی تو یسوع یہ ادا بھی نہ کرتا۔ اخلاقی لحاظ سے اسے کوئی فرق
 نہیں پڑتا تھا، اس لئے اُس نے ٹھوکر کھلانے کی بجائے ادا کر دینا زیادہ بہتر سمجھا۔ ایماندار ہونے کی
 حیثیت میں ہم شریعت سے آزاد ہیں۔ لیکن جن باتوں میں اخلاقی اصول لاگو نہیں ہوتے، ہمیں دوسروں
 کے ضمیر کا احترام کرنا چاہئے اور ٹھوکر کھلانے والی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہئے۔

۱۱۔ بادشاہ اپنے شاگردوں کو ہدایات دیتا ہے (باب ۱۸-۲۰)

۱۔ حلیمی کے بارے میں (۱۸:۱-۶)

اٹھارہویں باب میں ان لوگوں کی زندگی کے لئے اصول پیش کئے گئے ہیں جو مسیح بادشاہ کی
 رعایا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۰:۱۸۔ شاگردوں کا ہمیشہ سے یہی خیال تھا کہ آسمان کی بادشاہی امن اور خوش حالی کا سنہری
 دور ہوگی۔ اب وہ اُس بادشاہی میں امتیازی مراتب کی تمنا اور لالچ کرنے لگے۔ خود پروری کی رُوح
 نے اپنا اظہار اس سوال سے کیا "آسمان کی بادشاہی میں بڑا کون ہے؟"

۳۷:۱۸۔ یسوع نے ایک "بچے" کو ان کے بیچ میں کھڑا کیا اور کہنے لگا "اگر تم نہ پھرو اور
 بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے۔" وہ بادشاہی کی باطنی حقیقت
 کا بیان کر رہا تھا۔ ایک سچا ایمان دار بننے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اپنی بڑائی کے خیال کو ترک

کرے اور چھوٹے بچے کی طرح بچی یعنی فروتنی کی حیثیت اختیار کرے۔ اس بات کا آغاز اُس وقت ہوتا ہے جب انسان مان لیتا ہے کہ میں گنہگار اور نالائق ہوں، اور قبول کرتا ہے کہ یسوع مسیح ہمایری واجد اُمید ہے۔ یہ رویہ پوری مسیحی زندگی میں جاری رہنا چاہئے۔ یسوع یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ میرے شاگرد نجات یافتہ نہیں۔ سوائے یہوداہ اسکر یوتی کے سب کے سب اُس پر سچا ایمان رکھتے تھے اور اس لئے راستباز ٹھہرائے گئے تھے۔ مگر اُن کو اب تک اندر سکونت کرنے والا رُوح القدس نہیں ملا تھا۔ اس لئے اُن میں سچی حلیمی کی وہ قوت نہیں تھی جو آج ہم میں ہے (مگر اسے لائق طور سے استعمال نہیں کرتے)۔ ابھی اُن کو پھرنے کی ضرورت تھی، تاکہ اُن کی ساری غلط سوچ بدل کر بادشاہی کے موافق ہو جائے۔

۴:۱۸۔ آسمان کی بادشاہی میں سب سے بڑا شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو ”بچے کی مانند چھوٹا بنانا“ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آسمان کی بادشاہی کی اقدار اور معیار دنیا سے بالکل الٹ ہیں۔ ضرور ہے کہ ہماری سوچ کا پورا انداز بالکل بدل جائے اور ہم ویسا ہی مزاج رکھیں جیسا مسیح یسوع کا بھی تھا (فیلپوں ۲:۵-۸)۔

۵:۱۸۔ یہاں خداوند طبعی بچے سے روحانی ”بچے“ کے موضوع پر آجاتا ہے۔ جو کوئی اُس کے چھوٹے سے چھوٹے شاگرد کو ”اُس کے نام پر“ قبول کرتا ہے، اُس کو وہی اجر ملے گا جیسے اُس نے خود خداوند کو قبول کیا۔ جو کچھ شاگرد کے لئے کیا جاتا ہے، وہ اُسٹاد کے لئے کیا گیا سمجھا جائے گا۔

۶:۱۸۔ دوسری طرف جو کوئی کسی شاگرد کو گناہ کی طرف درغلٹا ہے، وہ زبردست سزا کا حق دار ہوگا۔ اُس کے لئے یہ بہتر ہے کہ بڑی جگہ کا پاٹ اُس کے گلے میں لٹکایا جائے اور وہ گھر سے مستدر میں ڈبو دیا جائے۔ بڑی جگہ سے یہاں مراد خراس ہے۔ اس کے پتھر کو گھمانے کے لئے بیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ گناہ کرنا ہی نہایت بڑی بات ہے، مگر کسی ایمان دار سے گناہ کر دانا اُس کی معصومیت کو تباہ کرنا، اُس کے ذہن کو بگاڑنا اور اُس کی نیک نامی پر دھتکا لگانا ہے۔ کسی دوسرے کی پاکیزگی اور بے گناہی سے کھیلنے سے بہتر ہے کہ ایسا شخص ظالمانہ موت مرے۔

ب۔ ٹھوکر کھلانے کے بارے میں (۱۸: ۷-۱۳)

۷:۱۸۔ یسوع نے واضح کیا کہ ٹھوکر دوں کا گناہ ضرور ہے۔ ”دنیا، جسم اور ابلیس باہم ملے ہوئے ہیں تاکہ ہمیں درغلٹیں اور بگاڑیں۔ لیکن اگر کوئی شخص بڑی قوتوں کا آلہ کار بن جائے تو

اُس کا تصور نہایت بڑا ہو گا۔ اس لئے خداوند تنبیہ کرتا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی ذات کو سختی سے قابو میں رکھے اور خدا کے کسی فرزند کو آزمائش میں نہ ڈالے۔

۹۷:۱۸۔ گناہ کرنے والا عضو ہاتھ ہو یا آنکھ ہو، بہتر ہے کہ اسے سرجن کے نشتر پر قربان کر دیا جائے، بجائے اس کے کہ کسی دوسرے کی زندگی میں خدا کے کام کو برباد کیا جائے۔ کسی عضو کے بغیر زندگی میں داخل ہونا اس سے بہتر ہے کہ سارے اعضا سلامت ہوں اور انسان جسم میں ڈالا جائے۔ ہمارے خداوند کا یہ مطلب نہیں کہ بہشت میں بعض بدنوں میں بعض اعضا کی کمی ہوگی، بلکہ وہ صرف اُس جسمانی حالت کی تصویر پیش کرتا ہے جو اس جہان سے اگلے جہان کے لئے رخصت ہوتے وقت کسی ایمان دار کی ہوگی۔ اس حقیقت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ جی اٹھادین ہر لحاظ سے مکمل ہوگا۔

۱۰:۱۸۔ اس کے بعد خدا کے بیٹے نے ”ان چھوٹوں میں سے کسی کو“ خواہ وہ بچہ ہو خواہ کوئی اور، حقیر جاننے سے خبردار کیا۔ ان کی اہمیت پر زور دینے کے لئے اُس نے یہ بھی کہا کہ ”ان کے فرشتے“ ہر وقت خدا کی حضوری میں رہتے اور اُس کا منہ ... دیکھتے ہیں۔“ فرشتوں سے مراد غالباً محافظ یا نگہبان فرشتے ہے (عبرانیوں ۱:۱۲ بھی دیکھئے)۔

۱۱:۱۸۔ یہ آیت ہمارے خداوند کے مشن کا بیان کرتی ہے اور بجا طور سے کلام کے اس حصے کا نقطہ عروج ہے۔ اس کو تو سین میں اس لئے لکھا گیا ہے کہ چند ایک قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہے جبکہ زیادہ تر نسخوں میں ہے۔

۱۳:۱۲، ۱۳:۱۸۔ اور ان چھوٹوں“ پر ہماری رُوحوں کے چرواہے کی خاص نگاہ ہوتی ہے۔ ستوا بھیلوں“ میں سے اگر صرف ”ایک“ بھٹک جائے تو وہ ”ننانوے“ کو چھوڑ کر اُس ایک کی تلاش کرتا ہے جب تک وہ مل نہ جائے۔ اور اُس ایک کے مل جانے پر گڈرئے کو جو خوشی ہوتی ہے اُس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ان چھوٹوں کی عزت اور قدر کریں کیونکہ یہ اُس کے ہیں۔

۱۴:۱۸۔ وہ صرف گڈرئے اور فرشتوں ہی کی نظر میں اہم نہیں، بلکہ خدا ”باپ“ کی نظر میں بھی نہایت قیمتی ہیں۔ ”وہ نہیں چاہتا کہ ان چھوٹوں میں سے ایک بھی ہلاک ہو۔“ اگر وہ اتنے اہم ہیں کہ فرشتوں، خداوند یسوع اور خدا باپ کے مرکز نگاہ ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ہمیں اُن کو کبھی تعزیر نہیں جانا چاہئے چاہے بظاہر وہ کیسے ہی خستہ حال اور بد صورت نظر آتے ہوں۔

ج۔ ٹھوکر کھلانے والوں کی تادیب کے بارے میں (۱۵:۱۸-۲۰)

باب کا بقیہ حصہ کلیسیا کے ممبران کے درمیان احتمالات طے کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ معافی دینے کی کوئی حد نہیں۔

۱۵:۱۸۔ یہاں واضح اور تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں کہ جب ایک ایمان دار دوسرے کے ساتھ بُرا سلوک کرے تو جس سے بُرا سلوک کیا گیا ہے اُس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اول۔ دونوں ہی کو علیحدگی میں معاملہ صاف کر لیں۔ اگر قصور وار فریق اپنا قصور مان لے تو میل ملاپ ہو جائے گا۔ مشکل یہ ہے کہ ہم ایسا کرتے نہیں۔ اس کی بجائے ہم دوسروں کے سامنے اس کا چرچا کرتے ہیں۔ یوں معاملہ جنگ کی آگ کی طرح پھیل جاتا اور جھگڑا بڑھ جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ پہلا قدم یہ ہے کہ تُو جا اور خلوت میں بات چیت کر کے اُسے سمجھا۔

۱۶:۱۸۔ اگر قصور وار بھائی نہ سُننے تو جس پر زیادتی ہوئی ہے، وہ ”ایک دو آدمیوں“ کو ساتھ لے جا کر بحالی کی کوشش کرے۔ اس سے اُس کی بڑھتی ہوئی ہٹ دھرمی کی سنگینی ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ انہیں ایک گواہ بھی ہوگا جس کا تقاضا پاک کلام بھی کرتا ہے کہ... ”دو گواہوں یا تین گواہوں کے کہنے سے بات یکنی سمجھ جائے“ (استثنا ۱۹:۱۵)۔ کلیسیاؤں میں اکثر اس سادہ سے اصول کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس طرح جتنی مشکلات اور مسائل پیدا ہوتے ہیں، اُن کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ اس معاملے میں تو دنیاوی عدالتیں زیادہ راستی سے عمل کرتی ہیں جبکہ مسیحی کلیسیا میں اور جماعتیں پیچھے رہ گئی ہیں۔

۱۷:۱۸۔ اگر قصور وار بھائی اب بھی ”انکار کرے“ اور معافی نہ مانگے تو معاملہ مقامی کلیسیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ معاملہ سُننے کی ذمہ داری دیوانی عدالت پر نہیں بلکہ مقامی کلیسیا پر عائد ہوتی ہے۔ ایماندار کو دوسرے ایماندار کے خلاف مقدمہ عدالت میں لے جانے کی ممانعت کی گئی ہے (۱-۱۶-۸)۔

اگر مدعا علیہ کلیسیا کے سامنے بھی اپنے قصور اور زیادتی کو ماننے سے انکار کرے تو ”اُسے غیر توہم والے اور محسول لینے والے کے برابر“ سمجھا جائے۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ اُسے کلیسیا کے دائرے سے خارج مانا جائے۔ وہ حقیقی ایمان دار ہی کیوں نہ ہو مگر وہ ایسی زندگی بسر نہیں کر رہا۔ چنانچہ اُس سے سلوک بھی ویسا ہی کیا جائے۔ اگرچہ وہ عالمگیر کلیسیا میں شامل ہے مگر مقامی کلیسیا کی مراعات سے خارج ہوگا۔ ایسی تادیب ایک نہایت سنجیدہ بات ہے۔ اس طرح ایماندار کو

عارضی طور پر شیطان کی قوت کے حوالہ کر دیا جاتا ہے ” تاکہ اُس کی رُوح خُداوندِ یسوع کے دِن نجات پائے“ (۱- کرنتھیوں ۵: ۵)۔ ساری کارروائی کا مقصد یہ ہے کہ وہ عقل کے ناخن لے اور اپنے گناہ کا اقرار کرے۔ جب تک اس مرحلے تک نہ پہنچے دوسرے ایماندار اُس کے ساتھ شائستگی اور اخلاق کے ساتھ پیش آئیں۔ لیکن اپنے رویے سے یہ بھی ظاہر کرتے رہیں کہ ہم تیرے گناہ سے چنم پوشی نہیں کر رہے اور تیرے ساتھ ہم ایمان کی حیثیت سے میل ملاپ نہیں رکھ سکتے۔ اور جب وہ سچے دل سے توبہ کرے تو جماعت کو اُسے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔

۱۸: ۱۸۔ اس آیت کاگزشتہ یانوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ جب ایک جماعت کلام کے حکم کے مطابق اور دُعا کے ساتھ کسی شخص پر تادیبی کارروائی ”باندھتی“ ہے یعنی اُسے پابند بناتی ہے تو آسمان پر اُس کا احترام کیا جاتا ہے۔ جب ایسا شخص اپنے گناہ کا اقرار کرتا اور توبہ کرتا ہے اور جماعت اُسے رفاقت میں بحال کرتی ہے اور پابندی کو ”کھول“ دیتی ہے تو خُدا بھی اس کارروائی کی منظوری دیتا ہے (دیکھیے یوحنا ۲۰: ۲۳)۔

۱۸: ۱۹۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ ”باندھنے“ اور ”کھولنے“ کے لئے جماعت کتنی بڑی ہوتی چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ صرف دو ایماندار بھی ایسے معاملات کو دُعائیں خُدا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اُن کو یقین ہونا چاہئے کہ خُدا مستنا ہے۔ آیت ۱۹ خُدا کے دُعاؤں کا جواب دینے کا عام وعدہ بھی ہے۔ لیکن موجودہ سیاق و سباق میں اس کا تعلق اس دُعا کے ساتھ ہے جو کلیسیا انضباطی اور تادیبی کارروائی کے سلسلے میں کرتی ہے۔ اس کا مطلب دُعا کے بارے میں دیگر ساری تعلیم کی روشنی ہی میں سمجھنا چاہئے۔ مثال کے طور پر ضرور ہے کہ ہماری دُعائیں

(۱) خُدا کی مرضی کے موافق ہوں (۱- یوحنا ۵: ۱۴-۱۵)۔

(۲) ایمان کے ساتھ ہوں (یعقوب ۱: ۶-۸)۔

(۳) سچے دل کے ساتھ ہوں (عبرانیوں ۱۰: ۲۲) وغیرہ۔

۱۸: ۲۰۔ اس آیت کی تفسیر بھی سیاق و سباق کے مطابق ہوتی چاہئے۔ یہ نئے عہد نامہ کی سادہ

ترین کلیسیا کی تشکیل یا بناوٹ کی طرف اشارہ نہیں کرتی، نہ عام دُعا کی بات کرتی ہے بلکہ ایسی کارروائی کی طرف جس میں کلیسیا دو ایسے سیخوں میں میل ملاپ کر رہی ہے جن میں گناہ کے باعث جُدائی ہو گئی ہو۔ اس کا بجا طور پر اطلاق ایمان داروں کے اُن تمام اجلاسوں پر ہو سکتا ہے جہاں مسیح کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ایک خاص قسم کا اجلاس پیش نظر ہے۔

”میرے نام پر اکٹھے“ ہونے کا مطلب ہے اُس کے اختیار میں اکٹھے ہونا۔ اُس کے کلام کی فرمانبرداری کرتے ہوئے، اور اُس کی ذات اور اختیار کو تسلیم کرتے ہوئے اکٹھے ہونا۔ کوئی گروہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ صرف ہم ہی اُس کے نام پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو اُس کی حضور ہی اس زمین پر اُس کے بدن کے ایک چھوٹے سے حصے تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ جہاں بھی ”دو یا تین“ اُس کو خداوند اور نجات دہندہ تسلیم کرتے ہوئے اکٹھے ہوتے ہیں وہاں ہی وہ اُن کے پیچ میں ہوتا ہے۔

۵۔ غیر محدود معافی کے بارے میں (۱۸: ۲۱-۳۵)

۱۸: ۲۱، ۲۲۔ اس نکتے پر پطرس نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر ”میرا بھائی میرا گناہ کرتا ہے تو مجھے اُس کو کتنی دفعہ“ معاف کرنا چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ ”ساتھ ساتھ“ کا ذکر کر کے میں عام رائج مہربانی یا رعایت کا ثبوت دے رہا ہوں۔ ”یسوع“ نے جواب دیا کہ ”ساتھ بار نہیں، بلکہ ساتھ دفعہ کے ستر بار تک“۔ اُس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم لفظی طور پر ۴۹۰ دفعہ معاف کریں۔ یہ غیر محدود کہنے کا استعاراتی طریقہ ہے۔

اب کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ”پھر اوپر بیان کئے گئے اقدامات کا ردِ سر کرنے کی کیا ضرورت ہے، کہ خطا کار کے ساتھ پہلے اکیلے میں بات کرو۔ پھر دو تین بھائیوں کو لے کر جاؤ اور پھر اُسے کلیسیا کے سامنے پیش کرو، کیوں نہ بس معاف کر دو اور معاملہ ختم کرو؟“

جواب یہ ہے کہ معافی دینے کے بھی مراحل ہیں، جن کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ جب کوئی بھائی میرے ساتھ زیادتی کرے یا میرا گناہ کرے تو اپنے دل میں اُسے فوراً معاف کر دینا چاہیے (افسیوں ۴: ۳۲)۔ اس طرح میں معاف نہ کرنے کی تلخ رُوح سے آزاد ہو جاؤں گا اور تساری ذمہ داری دوسرے کے کندھوں پر ہوگی۔

۲۔ میں نے اُسے دل میں تو معاف کر دیا ہے مگر اُسے ابھی تک نہیں بتایا۔ جب تک وہ توبہ نہ کرے علی الاعلان معافی دینا درست نہیں ہوگا۔ چنانچہ مجھ پر فرض ہے کہ اُس کے پاس جاؤں اور محبت کی رُوح میں اُسے ملامت کروں۔ اور اُمید کروں کہ وہ اپنی غلطی کو مان لے گا (لوقا ۱: ۳)۔

۳۔ جو نہی وہ اپنے گناہ کا اقرار کرے اور معافی کا خواستگار ہو، میں فوراً بتاؤں گا اُسے

مُعاَف کر دیا گیا ہے (توہنہ ۱: ۴۰)۔

۱۸: ۲۳۔ اب یسوع آسمان کی بادشاہی کی تمثیل سنا کر خبردار کرتا ہے کہ جن کو مُعاَف کر دیا گیا ہے، اگر وہ مُعاَف نہیں کرتے تو نتائج کیا ہوں گے۔

۱۸: ۲۴۔ ۲۷۔ کہانی میں ایک ایسے بادشاہ کا ذکر ہے جو اپنا قرض وصول کرنا چاہتا تھا۔ ایک نوکر دس ہزار توڑوں کا مقروض تھا۔ وہ دیوالیہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ مالک نے حکم دیا کہ اُسے اور اُس کے بال بچوں کو غلاموں کے طور پر بیچ کر قرض وصول کر لیا جائے۔ بے بس نوکر نے مہلت کے لئے درخواست کی کہ موقع دیا جائے تو میں "سارا قرض ادا کر دوں گا"۔ اکثر قرض داروں کی طرح وہ بھی ناقابل یقین حد تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ مہلت ملے تو بہت کچھ کر سکتا ہوں (آیت ۲۶)۔ گلیل کے کل محصولات کا مجموعہ ۳۰۰ توڑے ہوتا تھا اور یہ شخص دس ہزار توڑوں کا مقروض تھا۔ اتنی بڑی رقم کی تفصیل بیان کرنے میں بھی ایک مقصد پوشیدہ ہے کہ سامعین چونک جائیں اور متوجہ ہو کر سُنیں۔ دوسرا اس بات پر زور دینا بھی مقصود ہے کہ ہم پر خدا کا بہت ہی بڑا قرض ہے۔ مارتن لوتھر کہا کرتا تھا کہ خدا کے سامنے ہم سب بھکاری ہیں۔ ہم یہ قرض ادا کرنے کی امید تک نہیں کر سکتے۔

"مالک نے دیکھا کہ نوکر پشیمان و پریشان ہے تو اُس نے دس ہزار توڑوں کی پوری رقم مُعاَف کر دی۔ یہ انصاف نہیں، بلکہ رحم اور فضل کا تاریخی مظاہرہ تھا۔

۱۸: ۲۸۔ ۳۰۔ اب اُس نوکر کا ایک ہم خدمت تھا جو اُس کا صرف "شودینار" کا مقروض تھا۔ اُسے مُعاَف کرنے کی بجائے اُس شخص نے "اُس کو کپڑ کر اُس کا گلا گھونٹا" اور سارا قرض ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس بد نصیب مقروض نے بھی مہلت کی درخواست کی مگر سب بے فائدہ۔ "اُسے قید خانہ میں ڈال دیا کہ جب تک قرض ادا نہ کرے قید رہے"۔ یہ تو نہایت ہی مشکل معاملہ ہو گیا کیونکہ قید میں اُسے کچھ کمانے کا موقع کہاں سے مل سکتا تھا۔

۱۸: ۳۱۔ ۳۴۔ دوسرے "ہم خدمت" اس شخص کے غیر مناسب رویے سے سخت ناراض ہوئے اور جا کر "مالک کو سب کچھ جو ہوا تھا سنا دیا"۔ وہ اس بے رحم قرض خواہ پر غضب ناک ہوا۔ اُسے اتنا بڑا قرض مُعاَف ہوا تھا مگر وہ معمولی سا قرض مُعاَف کرنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اُس کو "جلادوں" کے حوالہ کیا گیا کہ جب تک تمام قرض ادا نہ کر دے قید رہے۔

۱۸: ۳۵۔ تمثیل کا مطلب اور اطلاق بالکل واضح ہے۔ خدا بادشاہ ہے۔ اُس کے غلاموں نے گناہ کا بڑا قرض اپنے سر چڑھا رکھا تھا جسے ادا نہیں کر سکتے تھے۔ خداوند نے بڑا ترس کھا کے

اور عظیم فضل کر کے اُن کا قرض ادا کر دیا اور اُن کو مُفّت اور کامل معافی عطا کی۔ اب فرض کریں کہ ایک مسیحی دوسرے پر زیادتی کرتا ہے۔ جب اُسے طامت کی جاتی ہے تو وہ معافی کا خواستگار ہوتا ہے مگر جس پر زیادتی ہوئی ہے وہ مُعاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ خود اُس کو کروڑوں روپے کا قرض مُعاف ہو چکا ہے۔ مگر وہ چند سو روپوں کا قرض مُعاف نہیں کرتا۔ کیا بادشاہ ایسے رویے کو بے سزا چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں! مجرم کو اس زندگی میں بھی تادیب کی جائے گی اور مسیح کے تحت عدالت کے سامنے بھی نقصان اٹھائے گا۔

۵۔ شادی، طلاق اور تہجد کے بارے میں (۱۹:۱-۱۲)

۱۹:۲۶-۲۷ "گیل" میں اپنی خدمت پوری کر چکے پر خداوند نے جنوب کی طرف یروشلیم کا رخ کیا۔ اگرچہ اُس نے جو راستہ اختیار کیا، اُس کا درست نعتین کرنا ممکن نہیں مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ یردن کے مشرق میں پیرسیرہ میں سے گزرا۔ مئی اس علاقے کا عمومی سایان یوں کرتا ہے کہ "یردن کے پار یہودیہ کی سرحدوں میں آیا"۔ پیرسیرہ میں خدمت کا بیان ۱۹:۱۰ سے ۲۰:۲۰ یا ۲۰:۲۰ تک جلتا ہے۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ کب یردن پار کر کے وہ یہودیہ میں آیا۔

۱۹:۳۰- ایک بڑی پھیڑ شفا پانے کی غرض سے اُس کے پیچھے ہوئی۔ غالباً اسی پھیڑ کے سبب سے "فریسیوں" کو پتہ چل گیا کہ یسوع کہاں ہے۔ پس وہ اُس کے پیچھے لگ گئے کہ کسی نہ کسی طرح اُس کے مُتہ سے ایسی بات کہلاوئیں جس سے اُسے پچھنسا سکیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے؟" یعنی طلاق دے دینا جائز ہے؟ وہ کوئی بھی جواب دیتا، یہودیوں کا ایک نہ ایک طبقہ ضرور سخت ناراض ہو جاتا۔ ایک مکتبہ مگر طلاق کے بارے میں خاصا آزاد خیال تھا جبکہ دوسرا انتہائی سخت تھا۔

۱۹:۴-۶ - ہمارے خداوند نے بیان کیا کہ خدا کا اصل مقصد یہ تھا کہ ایک مرد ایک بیوی کرے۔ جس خدا نے "مرد اور عورت" کو خلق کیا، اُس کے فیصلے کے مطابق ازدواجی رشتہ، والدین کے ساتھ رشتہ پر سبقت رکھتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ شادی دو شخصوں کا ملاپ ہوتی ہے۔ خدا کا ارادہ یہ ہے کہ جو ملاپ اُس نے قائم کیا ہے، اُسے انسانی فیصلہ یا عمل سے توڑنا نہ جائے۔

۱۹:۷- فریسیوں کا خیال تھا کہ ہم نے یسوع کو پیمانے عمد نامہ کے صریحاً خلاف تعلیم دیتے ہوئے پکڑ لیا ہے۔ "کیا موسیٰ" نے "طلاق" کی گنجائش نہیں رکھی تھی؟ ایک مرد طلاق نامہ

بیوی کے ہاتھ میں تھا کہ اُسے گھر سے نکال سکتا تھا (استثنا ۲۲: ۱۰-۱۲)۔

۱۹: ۸۔ یسوع نے اتفاق کیا کہ "موسیٰ" نے طلاق دینے کی "اجازت" دی تھی مگر اس لئے نہیں کہ خدا سے انسانوں کے لئے کوئی بہتر ہی اچھا عمل سمجھنا تھا بلکہ اس لئے کہ بنی اسرائیل "سخت دل" ہو گئے تھے۔ موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی مگر ابتدا سے ایسا نہ تھا۔" خدا کے نزدیک اعلیٰ ترین اور مثالی بات یہ ہے کہ طلاق کا وجود تک نہ ہو۔ لیکن خدا بعض اوقات ایسے حالات کی بھی برداشت کرتا ہے جو اُس کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔

۱۹: ۹۔ اب خداوند نے پورے اختیار کے ساتھ بیان کیا کہ ماضی میں طلاق دینے کی جو سہولت تھی، اب سے بالکل ختم کی جاتی ہے۔ اب سے طلاق دینے کی صرف ایک وجہ جائز ہوگی، اور وہ ہے "حرام کاری"۔ اگر کوئی مرد کسی اور وجہ سے طلاق دے کر دوسری شادی کر لیتا ہے تو وہ "زنا کاری" کا مجرم ہے۔

اگرچہ براہ راست تو نہیں کہا گیا لیکن ہمارے خداوند کے الفاظ سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ جب حرام کاری کے باعث طلاق دی جائے تو بے قصور فرین کو دوسری شادی کرنے کی آزادی ہے۔ ورنہ طلاق سے کوئی فائدہ نہیں، اور نہ علیحدگی اختیار کرنے سے کوئی مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جنسی بد اخلاقی یا حرام کاری کا عام مطلب زنا کاری ہے۔ تاہم بائبل مقدس کے بعض علماء کے خیال کے مطابق اس سے مراد وہ حرام کاری ہے جو شادی سے پہلے کی گئی تھی مگر پتہ شادی کے بعد لگا (دیکھئے استثنا ۲۲: ۱۳-۲۱)۔

طلاق پر مزید بحث کے لئے دیکھئے ۳۱: ۵، ۳۲: ۳ تفسیر۔

۱۹: ۱۰۔ جب "شاگردوں" نے طلاق کے بارے میں خداوند کی تعلیم سنی تو وہ اپنی سوچ میں انتہائی حدوں تک پہنچ گئے کہ اگر طلاق صرف ایک ہی سبب سے دی جاسکتی ہے تو شادی شدہ حالت میں گناہ کرنے سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ بیاہ ہی نہ کیا جائے۔ لیکن اس طرح وہ تجربہ کی حالت میں گناہ کرنے سے بچ تو نہیں سکتے۔

۱۱: ۱۹۔ چنانچہ نجات دہندہ ان کو یاد دلاتا ہے کہ صرف وہی مجرّم رہ سکتے ہیں جن کو اس سلسلے میں خاص فضل دیا گیا ہے۔ چنانچہ مستند مقلوبہ ہے کہ "سب اس بات کو قبول نہیں کر سکتے مگر وہی جن کو یہ قدرت دی گئی ہے"۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سب لوگ اس

کے تاج کو نہیں سمجھ سکتے بلکہ ضبط نفس اور پرہیزگاری کی یہ زندگی صرف وہی لوگ بسر کر سکتے ہیں جن کی ایسی بلا ہٹ ہوئی ہے۔

۱۲:۱۹۔ خداوند یسوع نے سمجھایا کہ ”خوبے“ تین قسم کے ہیں۔ بعض اس لئے خوبے ہیں کہ ان میں پیرائشی طور سے افزائشِ فسل کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ جن کو آدمیوں نے مصنوعی طریقوں سے خوب بنا دیا۔ مشرقی حکمران اکثر آدمیوں کو عملِ جراحی سے خوب بنا دیتے تھے اور پھر ان کو اپنی خرموں کی نگہداشت پر لگا دیتے تھے۔ اور تیسرے وہ ہیں جن کا خداوند خاص طور پر ذکر کرتا ہے یعنی ”جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کے لئے اپنے آپ کو خوب بنایا“۔ یہ مرد شادی کر سکتے تھے۔ ان میں کوئی جسمانی نقص یا کمزوری بھی نہ تھی۔ لیکن وہ اپنے آپ کو بادشاہ اور اُس کی بادشاہی کے لئے غمگین کرتے ہیں۔ اور رضا کارانہ شادی نہیں کرتے تاکہ مسیح کی خدمت میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ بعد میں پوس بھی لکھتا ہے کہ ”یہ بیباک شخص خداوند کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح خداوند کو راضی کرے“ (۱۔ کرنتھیوں ۷: ۳۲)۔

ان کا تجرد جسمانی وجوہات کے باعث نہیں بلکہ رضا کارانہ پرہیزگاری کے باعث ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص اس طرح کی زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہوتا بلکہ صرف وہی جسے خدا نے اس کی توفیق بخشی ہے۔ لیکن ہر ایک کو خدا کی طرف سے خاص خاص توفیق ملی ہے۔ کسی کو کسی طرح کی، کسی کو کسی طرح کی“ (۱۔ کرنتھیوں ۷: ۷)۔

بچوں کے بارے میں (۱۳: ۱۵ - ۱۷)

یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ طلاق پر گفتگو کرنے کے فوراً بعد بچوں کا ذکر کیا گیا ہے (مرقس ۱۰: ۱-۱۶ بھی ملاحظہ کریں)۔ میاں بیوی کی علیحدگی سے بچوں ہی کو اکثر سب سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔

والدین اپنے چھوٹے بچوں کو اُس (مسیح) کے پاس لائے تاکہ اُن کو برکت دے۔ ”شاگردوں“ نے اس کو اپنے استاد کی خدمت میں رکاوٹ تصور کیا۔ اور والدین کو ”چھڑکا“۔ لیکن یسوع نے شاگردوں کو ٹوکنے کے لئے وہ الفاظ کہے جن سے وہ ہر زمانے کے بچوں کا محبوب بن گیا کہ ”بچوں کو میرے پاس آنے دو اور انہیں منع نہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی ایسوں ہی کی ہے“۔

ان الفاظ سے کئی اہم سبق حاصل ہوتے ہیں۔ اول۔ خدا کے خادم پر آشکارا ہونا چاہیے کہ بچوں تک پہنچنا بھی بہت اہم ہے کیونکہ اُن کے ذہن بات کو بہت جلدی قبول کرنے کی صلاحیت

رکھتے ہیں۔ چنانچہ اُن کو بھی خدا کا کلام سُنانا اور سمجھانا از حد ضروری ہے۔ دوم۔ جو بچے خداوند یسوع پر ایمان لانا چاہتے ہوں، اُن کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ روکنا نہیں چاہئے۔ کوئی نہیں جانتا کہ جہنم میں سب سے کم عمر شخص کون ہوگا۔ اگر بچہ نجات پانا چاہتا ہے تو اُسے یہ کہہ کر نہ روکیں کہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اہم ہے کہ بچوں کو وقت سے پہلے اقرار کرنے پر مجبور بھی نہ کیا جائے۔ بچے جذباتی باتوں کا اثر بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے انہیں بشارت کے دباؤ والے طریقوں سے بچانا چاہئے۔ نجات پانے کے لئے بچوں کا بائبل ہونا ضروری نہیں، البتہ بالغوں کو بچوں جیسا بننا ضروری ہے (۱۸: ۲، ۳؛ ۱۰: ۱۵)۔

سوم۔ ہمارے خداوند کے یہ الفاظ اس سوال کا جواب ہیں کہ ”اُن بچوں کا کیا حال ہوتا ہے جو ذمہ داری کی عمر کو پہنچنے سے پہلے انتقال کر جاتے ہیں؟“ یسوع نے فرمایا ”... آسمان کی بادشاہی ایسوں ہی کی ہے۔“ یہ بات اُن والدین کے لئے خاص تسلی اور اطمینان کا باعث ہے جن کے بچے انتقال کر گئے ہیں۔

بعض اوقات اس آیت کو بچوں کے پینتسمہ کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے کہ چھوٹے بچے پینتسمہ کے وسیلے سے مریح کے اعضا اور بادشاہی کے وارث بنتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ والدین بچوں کو پینتسمہ کی جگہ پر نہیں بلکہ یسوع کے پاس لائے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ پہلے ہی بادشاہی کے مالک تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ کلام کے اس حصے میں پانی کے ایک قطرے کا بھی ذکر نہیں۔

ز۔ دولت کے بارے میں۔ دولت مند جوان حاکم (۱۹: ۱۶-۲۶)

۱۶: ۱۹۔ اس واقعے سے ہمیں متضاد باتوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ابھی ابھی ہم نے دیکھا کہ آسمان کی بادشاہی بچوں کی ہے۔ اور اب ہم دیکھیں گے کہ بڑوں کا اس میں داخل ہونا کتنا مشکل ہے!

ایک دولت مند شخص نے پاس آ کر خداوند سے بظاہر بڑی نیک نیتی سے ایک سوال پوچھا کہ ”اے استاد! میں کون سی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟“ اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یسوع کی حقیقی شناخت سے ناواقف تھا اور نجات کے راستے کو نہیں جانتا تھا۔ اُس نے یسوع کو ”اے استاد“ کہہ کر عام استادوں یا دوسرے بڑے آدمیوں کی سطح پر رکھا۔ اور

”ہمیشہ کی زندگی“ کا ذکر ایسے کیا جیسے یہ بخشش نہیں، بلکہ قرض وصول کرنے کی بات ہو۔

۱۹: ۱۷۔ ہمارے خداوند نے ان ہی دونوں نکات پر اس کو اچھی طرح ٹٹولا۔ اس سے پوچھا کہ تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے۔ یعنی خدا۔ یہاں یسوع اپنی اٹوہٹیت سے انکار نہیں کر رہا بلکہ اس شخص کو یہ کہنے کا موقع فراہم کر رہا تھا کہ ”میں اسی لئے تو تجھے نیک کہہ رہا ہوں کیونکہ تو خدا ہے۔“

نجات کے بارے میں جانچنے کے لئے یسوع نے اس سے کہا کہ ”لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔“ منجی کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ انسان حکموں پر عمل کر کے نجات پاسکتا ہے۔ وہ شریعت کو استعمال کر کے اس کے دل میں گناہ کا احساس پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ نوجوان ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ میں ”اعمال“ کے اصول پر عمل کر کے بادشاہی کا وارث بن سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ اسی شریعت کی فرمانبرداری کرتا رہے جو کہتی ہے کہ یہ کرو اور وہ کرو۔

۱۸: ۱۹۔ ۲۰۔ یسوع نے وہ پانچ حکم دہرائے جو بنیادی طور پر ہم جنس انسانوں کے ساتھ سلوک کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سب سے اوپر اس حکم کو رکھا کہ ”اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔“ وہ شخص اپنی خود غرضی کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔ پنا پانچ بڑے فخر سے کہنے لگا کہ میں ہمیشہ سے ان حکموں پر عمل کرتا رہا ہوں۔

۱۹: ۲۱۔ اس پر ہمارے خداوند نے اس کی اصل حالت کو یہ نقاب کر دیا کہ وہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت نہیں کرتا۔ اس مقصد کے لئے خداوند نے اسے کہا کہ ”اپنا مال داسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔۔۔ اور آکر میرے پیچھے ہوئے۔“

خداوند کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ آدمی اگر سب کچھ بیچ کر خیرات کر دیتا تو نجات پاسکتا تھا۔ نجات پانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ خداوند پر ایمان۔ لیکن نجات پانے کے لئے ضرور ہے کہ انسان تسلیم کرے کہ میں نے گناہ کیا ہے اور خدا کے پاکیزہ مطالبات پورے کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ دولت مند شخص اپنی دولت میں کسی کو شریک کرنے پر آمادہ نہیں تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت نہیں رکھتا تھا۔ اُسے تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ ”خداوند، اگر یہی شرط ہے تو میں گنہگار ہوں۔ میں اپنی کوشش سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ اس لئے عرض کرتا ہوں کہ اپنے فضل سے مجھے نجات عطا کر۔“ اگر وہ منجی کی ہدایت کے مطابق کرتا تو اسے نجات کا راستہ مل جاتا۔

۱۹:۲۲- مگر وہ شخص ”غمگین ہو کر چلا گیا۔“

۱۹:۲۳-۲۴- اس دولت مند شخص کے طرز عمل کو دیکھ کر یسوع نے ... کہا ... کہ دولت مند کا آسان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔“ دولت اکثر وہی مشترکیت بن جاتی ہے۔ انسان اس پر تکیہ کرنے لگتا ہے۔ اس لئے ہمارے خداوند نے اعلان کیا کہ ”اُونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند آسان کی بادشاہی میں داخل ہو۔“ خداوند نے ایک صنعت ادبی استعمال کی جسے مبالغہ کہا جاتا ہے۔ جس میں کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے کہ واضح اور ناقابل فراموش اثر پیدا ہو۔

یہ تو حقیقت ہے کہ اُونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل نہیں سکتا۔ اکثر مفسر کہتے ہیں کہ ”سوئی کا ناکا“ شہر کے بڑے پھاٹک میں ایک چھوٹا دروازہ ہوتا ہے اور اُونٹ کو اُس میں سے گزرنے کے لئے گھٹنوں کے بل ہوتا پڑتا تھا اور انتہائی مشکل سے گزر سکتا تھا۔ ٹوفا کی انجیل میں اُسی کے بیان (ٹوفا ۱۸:۱۸-۳۰) میں ”سوئی“ کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ جراح کے ہنٹر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ خداوند مشکل کی نہیں بلکہ ناممکن ہونے کی بات کر رہا ہے۔ جہاں تک انسان کا سوال ہے ایک دولت مند شخص نجات پائی نہیں سکتا۔

۱۹:۲۵- یہ باتیں سن کر شاگرد ... بہت ہی حیران ہوئے۔“ وہ یہودی تھے اور موسیٰ کے آئین و احکام کے تحت زندگی گزارتے تھے جس کے مطابق شریعت پر عمل کرنے والوں کے لئے خدا نے خوشحالی کا وعدہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ خوشحالی یا دولت خدا کی برکت کا ثبوت ہے۔ اور اگر خدا کی برکت سے محفوظ ہونے والے نجات نہیں پاسکتے تو کون پاسکتا ہے؟

۱۹:۲۶- خداوند نے جواب دیا کہ ”یہ آدمیوں سے تو نہیں ہو سکتا لیکن خدا سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔“

انسانی لحاظ سے کسی کے لئے نجات پانا ممکن نہیں۔ صرف خدا ہی کسی روح کو نجات دے سکتا ہے۔ لیکن دولت مند شخص کے لئے اپنی مرضی کو مسیح کے تابع کرنا نسبتاً زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ بہت کم امیر لوگ مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ اُن کا اعتماد دینی چیزوں پر ہوتا ہے۔ انہیں چھوڑ کر وہ ناپید ہونے کی بجائے بڑھوسا کرنا اور ایمان لانا مشکل پاتے ہیں۔ صرف خدا ہی ایسی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔

اس موقع پر مفسرین اور مبشرین ہمیشہ یہ بات بیچ میں لے آتے ہیں کہ مسیحیوں کے لئے دولت مند ہونا بالکل جائز اور درست ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ کلام کے اُس حصے کو استعمال

کرتے ہیں جس میں خداوند دولت کو روکا کرتا ہے کہ یہ انسان کی ابدی فلاح اور نجات کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ نیز وہ دنیاوی دولت جمع کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ایک مسیحی دولت سے کس طرح چٹا رہ سکتا ہے جبکہ دنیا میں چاروں طرف دہشت ناک محتاجی اور ناداری پھیلی ہوئی ہے۔ مسیح جلد واپس آنے کو ہے، اور اُس نے زمین پر خزانہ جمع کرنے سے واضح طور پر منع کر رکھا ہے۔ اگر ہم نے خزانہ جمع کر رکھا ہے تو وہ ہمیں مجرم ٹھہراتا ہے کہ ہم اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت نہیں رکھتے۔

ح۔ اجر اور ایشاد کی زندگی بسر کرنے کے بارے میں (۱۹: ۲۷-۳۰)

۱۹: ۲۷- پطرس "خداوند کی تعلیم کا مطلب سمجھ گیا کہ یسوع کہہ رہا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے ہوئے۔" پطرس ایک لحاظ سے فخر محسوس کرتا ہے کہ میں اور دوسرے شاگردوں نے بالکل ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ وہ پوچھتا ہے کہ "ہم کو کیا ملے گا؟" یہاں پطرس کا خود غرضی کارمجان صاف نظر آتا ہے۔ پرانی فطرت زور سے سراٹھاتی ہے۔ یہ ایسی رُوح ہے جس پر ہم سب کو نظر رکھنی چاہئے۔ وہ خداوند کے ساتھ سودا بازی کر رہا تھا۔

۱۹: ۲۸، ۲۹- خداوند نے اُسے یقین دلایا کہ میری خاطر جو کچھ بھی کیا جائے گا، اُس کا بڑا اجر ملے گا اور جہاں تک خاص اُن بارہ کا تعلق ہے، اُن کو ہزار سالہ بادشاہی کے دوران با اختیار مرتبہ ملے گا۔ "نئی پیدائش" سے مراد اس زمین پر مسیح کی مستقبل کی بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ اور اِن الفاظ سے اس کی تشریح ہوتی ہے کہ "جب ابن آدم... اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا" ہم پہلے اس اصطلاح کا بیان کر چکے ہیں کہ اس سے مراد بادشاہی کا ظہور ہے۔ اُس وقت یہ بارہ شاگرد بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کریں گے۔ نئے عہد نامے میں اجر کا تعلق ہزار سالہ بادشاہی کے دوران انتظامی عہدوں کے ساتھ نظر آتا ہے (دیکھئے ٹوٹا ۱۹: ۱۱، ۱۲-۱۹)۔ اُن کو اجر مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے دیا جاتا ہے، لیکن اجر کا ظہور اُس وقت ہوتا ہے جب خداوند بادشاہی کرنے کے لئے زمین پر واپس آتا ہے۔

جہاں تک عام ایمان داروں کا تعلق ہے، یسوع نے کہا کہ "جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اُس کو ستون ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔" اس دنیا میں وہ ایمان داروں کی عالمگیر رفاقت سے محفوظ ہوتے ہیں۔

یوں دنیاوی رشتوں کے چھوٹ جانے کا نقصان پورا ہو جاتا ہے۔ وہ ایک گھر چھوڑتے ہیں تو سینکڑوں مسیحی گھر مل جاتے ہیں جہاں ان کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ کھیت یا دوسری قسم کی دولت چھوٹ جاتی ہے تو وہ بے حساب روحانی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔

سارے ایمانداروں کے لئے مستقبل کا اجر ”ہمیشہ کی زندگی“ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنا سب کچھ چھوڑنے اور قربان کرنے سے ہمیشہ کی زندگی کما لیتے ہیں۔ ہمیشہ کی زندگی ایک بخشش ہے۔ اسے کمایا نہیں جاسکتا۔ نہ یہ کسی لیاقت یا قابلیت کے باعث ملتی ہے۔ یہاں یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ جو لوگ سب کچھ چھوڑ دیتے ہیں، ان کو آسمان میں ابدی زندگی سے نطف اندوز ہونے کی زیادہ صلاحیت عطا ہوتی ہے۔ ہمیشہ کی زندگی بٹے گی تو سارے ایمان داروں کو، مگر سب اس سے یکساں نطف نہیں اٹھائیں گے۔

۱۹:۰۳۔ آخر میں خداوند نے سودے بازی کی روح سے خبردار کیا۔ اس نے گویا پطرس سے یہ کہا ”تم میرے لئے جو کچھ کرو گے، اس کا اجر ملے گا، مگر خبردار رہو کہ کوئی بات خود غرضی کی تبت سے نہ کی جائے کیونکہ اس صورت میں ”بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول“۔ اس کی تشریح اگلے باب میں ایک تمثیل کی مدد سے کی گئی ہے۔ یہ بیان اس بات سے بھی خبردار کرتا ہے کہ شاگردیت کی راہ پر اچھا آغاز اتنا اہم نہیں، بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اسے ختم کتنی اچھی طرح کیا گیا ہے۔ کلام کے اس حصے سے آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ”آسمان کی بادشاہی“ اور ”خدا کی بادشاہی“ آیت ۲۳ اور ۲۴ میں ہم معنی ہیں۔

ط۔ تارکستان میں محنت کے اجر کے بارے میں (۱۶-۱-۲۰)

۲۰:۱-۲۔ گزشتہ باب میں اجر کے بارے میں بحث ہو رہی تھی۔ یہ تمثیل اسی کا تسلسل ہے۔ یہ اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ حقیقی شاگردوں کو جزا ملے گی اور ان کی جزایا اجر کے تعین کا دارومدار اس روح پر ہے جس سے انہوں نے خدمت کی ہوگی۔

تمثیل میں بیان کیا گیا ہے کہ گھر کا مالک ”سویرے نکلا تاکہ اپنے تارکستان میں مزدور لگائے۔“ ان مزدوروں سے طے پایا کہ دن بھر کی مزدوری ”ایک دینار“ ہوگی۔ اس زمانے کے مطابق یہ معقول معاوضہ تھا۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ انہوں نے صبح چھ بجے کام شروع کیا۔

۲۰:۳، ۴۔ صبح نو بجے مالک کو ”بازار میں“ چند اور بے روزگار مزدور مل گئے۔ اس

دفعہ مزدوری تو طے نہ کی گئی مگر وہ مالک کی اس یقین دہانی پر کہ ”جو واجب ہے تم کو دوں گا“ تاکستان میں کام کرنے لگ گئے۔

۲۰:۵-۷۔ دوپہر کو اور ۳ بجے سہ پہر کو کچھ اور مزدوروں کو اس بنیاد پر کام پر لگایا گیا کہ واجب مزدوری ادا کی جائے گی۔ ۵ بجے شام اُسے چھ اوردبے روزگار مزدور مل گئے وہ کام تلاش کرتے رہے تھے مگر ملا نہیں تھا۔ اُس نے اُن کو بھی ”تاکستان میں“ بھیج دیا مگر مزدوری کی کوئی بات نہ کی۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ سب سے پہلے آدمیوں کو مزدوری کے بارے میں سو دا بازی کر کے لگایا گیا تھا۔ دوسروں نے مزدوری کی ادائیگی کا معاملہ مالک پر چھوڑ دیا تھا۔

۲۰:۸۔ شام ہوئی تو مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ ”پچھلوں سے لے کر پہلوں تک“ سارے مزدوروں کو اجرت ادا کر دے (اس طرح سب سے پہلے آنے والے مزدور دیکھ سکتے تھے کہ دوسروں کو کیا ملتا ہے)۔

۲۰:۹-۱۲۔ سب کو برابر اجرت۔ ایک ایک دینار۔ مٹی۔ جو مزدور چھے بجے صبح لگائے گئے تھے، وہ سوچ رہے تھے کہ ہمیں زیادہ ملے گا۔ لیکن نہیں، اُن کو بھی ایک ایک دینار ہی ملا۔ اُنہوں نے سخت برا مانا۔ آخر وہ دوسروں کی نسبت سب سے زیادہ دیر تک اور ”سخت دھوپ“ میں کام کرتے رہے تھے۔

۲۰:۱۳، ۱۴۔ اُن میں سے ایک کو جو جواب ملا، اُس میں دائمی سبق پائے جاتے ہیں۔ مالک نے کہا ”میاں، میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا؟ جو تیرا ہے اٹھالے اور چلا جا۔ میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں، اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔“ پہلے مزدور نے سو دا بازی کر کے دن کا ایک دینار لے لیا تھا۔ اُسے معاہدہ کے مطابق ایک دینار مزدوری ملی۔ دوسروں نے اپنے آپ کو مالک کے فضل پر چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ اُن کو فضل ملا۔ فضل انصاف سے بہتر ہوتا ہے۔ خداوند سے اجر کے لئے سو دا بازی کرنے سے بہتر ہے کہ یہ معاملہ اُسی پر چھوڑ دیں۔

۲۰:۱۵۔ اب مالک نے کہا کہ ”کیا مجھے روانہ نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں؟“ بے شک یہاں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ خدا اختیار رکھتا ہے۔ وہ جیسا چاہے کر سکتا ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ ہمیشہ درست ہوتا اور مبنی بر انصاف ہوتا ہے۔ مالک نے مزید کہا کہ

”یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں برسی نظر سے دیکھتا ہے؟“ یہ سوال انسانی فطرت کی خود غرضی کو بے نقاب کرتا ہے۔ چھٹے بجے صبح آنے والے آدمیوں کو بالکل ڈوبی کچھ ملا جس کے وہ حق دار تھے۔ مگر وہ حسد کرنے لگے کہ جن آدمیوں نے تھوڑے گھنٹے کام کیا تھا، ان کو بھی اتنا ہی ملا۔ ہم میں سے اکثر کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ ہمیں یہ بے انصافی لگتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کی بادشاہی میں ہمیں ایک نیا انداز فکر اختیار کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنی لالچی اور دوسروں کے ساتھ مقابلہ کرنے والی روح کو غیر یاد کرنا ہوگا اور خداوند کے انداز میں سوچنا ہوگا۔

مالک جانتا تھا کہ ان سارے مزدوروں کو پیسے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے لالچ کے مطابق نہیں بلکہ ضرورت کے مطابق دیا۔ کسی کو اس کے حق سے کم نہیں ملا، مگر سب کو اپنی اور اپنے اپنے خاندان کی ضرورت کے مطابق مل گیا۔ جیمز سٹوارٹ کے مطابق اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں آخری اجر کے بارے میں سو دا بازی کر سکتا ہوں، ہمیشہ غلطی پر ہوتا ہے۔ خدا کی محبت جو فیصلہ کرتی ہے وہ آخری ہوتا ہے۔ اُسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ اس روشنی میں ہم اس تمثیل کا جتنا بھی مطالعہ کرتے ہیں اتنا ہی احساس ہوتا ہے کہ یہ بات نہ صرف مبنی بر انصاف ہے، بلکہ نہایت خوبصورت ہے۔ جن کو چھٹے بجے صبح مزدوری پر لگایا گیا تھا، ان کو یہی بڑا اجر سمجھنا چاہئے تھا کہ ہمیں ایسے پر محبت مالک کی پورا دن خدمت کرنے کا موقع مل گیا۔

۱۶:۲۰۔ یسوع نے ان الفاظ میں تمثیل کو ختم کیا کہ ”اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر“

(دیکھئے ۱۹: ۳۰) اجر کے معاملے میں بہت سی حیران کن باتیں پیش آئیں گی۔ بعض لوگ جن کا خیال ہے کہ ہم اول ہوں گے، وہ آخر ہو جائیں گے کیونکہ ان کی خدمت میں فخر اور خود غرضی شامل تھی۔ دوسرے، جنہوں نے محبت اور شکرگزاری کے باعث خدمت کی، انہیں بہت زیادہ عزت ملے گی۔

ی۔ خداوند کی موت اور قیامت کے بارے میں (۱۹: ۲۰-۱۷)

خداوند پیرسے کو چھوڑ کر یروشیم کے راستے ”یروشلیم“ کو جا رہا تھا (دیکھئے آیت ۲۹)۔ ایک دفعہ پھر یسوع بارہ شاگردوں کو الگ لے گیا ”تاکہ ان کو بتائے کہ مقدس شہر میں پھینچنے کے بعد کیا پیش آئے گا کہ دھوکے سے اُسے سردار کا ہنوں اور فقیموں کے حوالہ کیا جائے گا۔ یہاں یہوداہ کی دغا بازی کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔ یہودیوں کے لیڈر اُس کے قتل کا حکم دیں گے لیکن چونکہ ان کو سزائے موت پر عمل درآمد کرنے کا اختیار نہیں اس لئے وہ اُسے غیر قوموں کے حوالہ

کہیں گے۔ رومی حکمران غیر قوم ہی تو تھے۔ اُسے ٹھٹھوں میں اڑایا جائے گا، کوڑے مارے جائیں گے اور مصلوب کریں گے۔ مگر موت اپنے شکار کو اپنے قبضے میں نہ رکھ سکے گی اور وہ تیسرے دن زندہ کیا جائے گا۔“

ک۔ بادشاہی میں رتبے کے بارے میں (۲۰:۲۰-۲۸)

یہ تیسری مرتبہ ہے کہ خداوند نے شاگردوں کو اپنے دکھوں کے بارے میں بتایا۔ مگر انسانی فطرت کا کیسا افسوس ناک پہلو ہے کہ وہ اُس کے دکھوں کے بارے میں نہیں بلکہ اپنی عزت اور جاہ و مقام کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

دکھوں کے بارے میں مسیح کی پہلی پیش گوئی کے موقع پر پطرس نے پس و پیش کیا تھا (۲۲:۱۶)۔ دوسری پیش گوئی کے فوراً بعد شاگرد پوچھنے لگے تھے کہ ”... بڑا کون ہو گا؟“ اسی طرح اس تیسرے موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ یعقوب اور یوحنا اپنے مقام کا سوچ رہے ہیں۔ اُن کو تکالیف اور دکھوں کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے، مگر وہ مسلسل آنکھیں بند کئے رکھتے ہیں۔ اُن کو صرف جلال کا وعدہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ بادشاہی کے بارے میں ایک مادہ پرست اور غلط نظر یہ قائم کر لیتے ہیں۔

۲۰:۲۰-۲۱۔ یعقوب اور یوحنا کی ”ماں“ ایک درخواست کے ساتھ خداوند کے پاس آتی ہے کہ ”تیری بادشاہی میں“ میرے دونوں بیٹے تیری دہنی اور بائیں طرف بیٹھیں۔ اُس کے حق میں یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو یسوع کے نزدیک دیکھنا چاہتی تھی اور وہ اُس کی آنے والی بادشاہی کے بارے میں نا اُمید نہیں تھی۔ مگر وہ اُن اصولوں کو نہیں سمجھتی تھی جن کے مطابق اُس بادشاہی میں اعزازات دئے جائیں گے۔

مرقس کہتا ہے کہ زبدی کے بیٹوں نے خود عرض کی تھی (مرقس ۱۰:۳۵)۔ ہو سکتا ہے اُنہوں نے اپنی ماں کے کہنے پر ایسا کیا ہو یا بیٹوں کو کٹھے خداوند کے پاس آئے ہوں۔ یہاں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔

۲۰:۲۲۔ یسوع نے اُن کو صاف صاف جواب دیا کہ تم نہیں جانتے کہ کیا مانگتے ہو۔ وہ تارہ تو چاہتے تھے مگر صلیب کے بغیر۔ تخت تو چاہتے تھے مگر قربان گاہ اور قربانی کے بغیر۔ جلال تو چاہتے تھے مگر دکھوں کے بغیر جو جلال کو پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اُن سے ایک خاص سوال کیا

”جو بیالہ میں پینے کو ہوں کیا تم پی سکتے ہو؟“ ہمیں یہ تعجب کرنے کی حاجت نہیں کہ ”بیالہ“ سے اس کا مطلب کیا تھا۔ وہ آیات ۱۸ اور ۱۹ میں ابھی ابھی اس بیالے کا ذکر کر رہا تھا کہ ضرور ہے کہ میں دکھ اٹھاؤں اور قتل کیا جاؤں۔

یعقوب اور یوحنا نے اپنی اس صلاحیت کا اظہار کیا کہ ہم دکھوں میں شریک ہو سکتے ہیں، مگر شاید ان کا اعتماد جوش اور جذبے پر مبنی تھا کیونکہ وہ حقیقت کو نہیں جانتے تھے۔

۲۰:۲۳۔ یسوع نے ان کو یقین دلایا کہ تم ”میرا بیالہ تو پیو گے۔“ یعقوب شہید کیا جائے گا اور یوحنا کو ایذائیں دے کر پتھر کے جزیرہ میں جلا وطن کر دیا جائے گا۔ رابرٹ ہٹل کہتا ہے کہ ”یعقوب شہید کی موت مومنا اور یوحنا نے شہید جیسی زندگی گزاری۔“ یسوع نے بتایا کہ میں اپنی مرضی سے بادشاہی میں عزت کے مقامات نہیں دے سکتا۔ ”باپ“ نے خاص اصول مقرر کر رکھے ہیں جن کی بنیاد پر یہ مرتبے دئے جائیں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سیاسی سرپرستی کا معاملہ ہے کہ چونکہ ہم مسیح کے اتنے قریب ہیں اس لئے توجہی مرتبے حاصل کرنے کے حق دار ہیں۔ لیکن یہاں شخصی طرفداری کا مسئلہ نہیں۔ خدا کی مشورت کے مطابق خداوند کی دہنی اور بائیں طرف کی جگہیں دکھوں کی بنیاد پر عطا کی جائیں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہی میں بڑے بڑے اعزازات صرف پہلی مدی کے مسیحوں کے لئے مخصوص نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو مسیحی آج زندہ ہیں، ان میں سے بعض اپنے دکھوں کے باعث — یہ درجہ پالیں۔

۲۰:۲۴۔ جب باقی ”دسوں“ شاگردوں نے سنا کہ زبیدی کے بیٹوں نے ایسی درخواست کی ہے تو دونوں بھائیوں سے سخت ”خفا ہوئے“۔ وہ اس لئے ناخوش تھے کہ وہ خود سب سے بڑا بننا چاہتے تھے۔ اور یعقوب اور یوحنا کی طرف سے پہلے ہی حق جتانے پر ناراض ہو گئے تھے۔

۲۰:۲۵۔ ۲۴۔ شاگردوں کی ان باتوں سے ہمارے خداوند کو موقع مل گیا کہ خدا کی بادشاہی میں بڑائی اور اعزاز کے بارے میں ایک انقلابی بات کہے۔ ”خیر تو میں“ بڑائی اور اعزاز کو حکومت اور اختیار کے پیمانے سے ناپتی ہیں۔ لیکن مسیح کی بادشاہی میں عظمت اور بڑائی خدمت گزاروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ ”جو تم میں بڑا ہونا چاہے، وہ تمہارا خادم بنے اور جو تم میں اول ہونا چاہے وہ تمہارا غلام بنے۔“

۲۰:۲۸۔ ”ابن آدم“ اذنی خدمت کا کامل نمونہ ہے۔ وہ دنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے۔ ”تجسم کے سارے مقصد کو صرف دو لفظوں میں سمویا جاسکتا ہے ”خدمت کرنا“ اور ”جان دینا۔“ یہ سوچ کر ہی

حیرت ہوتی ہے کہ جلالی اور سر بلند خداوند نے اپنے آپ کو چرنی اور صلیب تک فروتن کر دیا۔ اُس کی فروتنی اور انکساری کی گہرائیوں میں اُس کی عظمت اور بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ ہمیں بھی ایسا ہی کرنا ہوگا۔

اُس نے اپنی جان ”بہتیروں کے بدلے فدیر میں دی“۔ اُس کی موت نے گناہ کے بارے میں خدا کے جائز تقاضے پورے کر دیئے۔ اُس کا فدیر ساری دُنیا کے سارے گناہوں کو دور کرنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن اِس فدیر سے صرف وہ فیض یاب ہوتے ہیں جو اُس کو خداوند اور مُنجی مانتے ہیں۔ کیا آپ نے اُسے خداوند اور مُنجی قبول کیا ہے؟

ل۔ دو اندھوں کو شفا دینا (۲۰: ۲۹-۳۴)

۲۰: ۲۹، ۳۰۔ اب تک یسوع پتیر سے روانہ ہو کر اور یردن کو عبور کر کے یرسحو پہنچ گیا تھا۔ جب وہ شہر سے نکل رہا تھا تو ”دو اندھوں نے ... چلا کر کہا، اے خداوند ابن داؤد، ہم پر رحم کر۔“ انہوں نے ”ابن داؤد“ کا لقب استعمال کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ جسمانی طور پر اندھے تھے مگر اُن کی روحانی بصیرت اتنی تیز تھی کہ انہوں نے پہچان لیا کہ یسوع مسیح موجود ہے۔ شاید وہ اندھے اسرائیل کے اُس بقیہ کے نمائندہ ہیں جو اُسے اُس وقت المیح تسلیم کریں گے جب وہ بادشاہی کرنے کو واپس آئے گا (یسعیاہ ۳۵: ۵؛ ۴۲: ۷؛ رومیوں ۱۱: ۲۵، ۲۶؛ ۲- کرنتھیوں ۳: ۱۶؛ مکاشفہ ۱: ۷)۔

۲۰: ۳۱-۳۴۔ بھیڑا نہیں خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہ اور بھی چلا کر اُس سے درخواست کرنے لگے۔ جب یسوع نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو تو انہوں نے کوئی فالتو بات نہیں کی جیسا ہم دُعا مانگتے وقت اکثر کرتے ہیں بلکہ ایک دم مطلب کی بات کی کہ ”اے خداوند، یہ کہ ہماری آنکھیں کھل جائیں“۔ اُن کی واضح درخواست کا واضح جواب ملا۔ ”یسوع کو ترس آیا اور اُس نے اُن کی آنکھوں کو چھوا۔ اور وہ فوراً بینا ہو گئے اور اُس کے پیچھے ہوئے۔“

جہاں تک اُن کو چھونے کا تعلق ہے، کیسلیٹن بہت عمدہ بات کہتا ہے:

”اس سے پیشتر اِس انجیل میں ہم سیکھ چکے ہیں کہ چھو کر شفا دینے کا نمیشلی مطلب کیا ہے۔ جب بھی خداوند چھو کر شفا دیتا ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخصی طور پر دُنیا میں موجود ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ فضل کا سلوک کرتا

ہے۔ جب وہ اپنے منہ کے کلام سے شفا دیتا ہے اور وہ شخصی طور پر غیر موجود ہو... یا اگر کوئی ایمان کے ساتھ اسے چھو تا ہے تو اس زمانے کی طرف اشارہ ہے جب وہ دنیا میں جسمانی طور پر غیر موجود ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب غیر قومیں ایمان کے ساتھ اس کے پاس آتی اور شفا پاتی ہیں۔“

متی کے اس بیان اور مرقس - ۲۶:۱۱ - ۵۲ اور لوقا ۱۸:۳۵ - ۴۳، ۱۹:۱ کے بیانات میں موافقت پیدا کرنے میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ یہاں دو اندھے آدمی ہیں جبکہ مرقس اور لوقا صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں۔ اکثر یہ رائے پیش کی جاتی ہے کہ مرقس اور لوقا مشہور اندھے برتھانی کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن متی چونکہ یہ انجیل یہودیوں کے لئے لکھ رہا ہے اس لئے دو کا بیان کرنا ہے کیونکہ گوانا ہی کے قابل قبول ہونے کے لئے کم سے کم دو گواہوں کا ہونا ضروری تھا (۲ - کرنتھیوں ۱۳:۱)۔ متی اور مرقس کے مطابق یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب یسوع یریکو سے نکل رہا تھا اور لوقا کے مطابق اس وقت جب وہ یریکو کے نزدیک پہنچا۔ دراصل یریکو شہر بھی دو تھے، ایک پرانا یریکو اور دوسرا نیا یریکو۔ اور شفا دینے کا یہ معجزہ غالباً اس وقت پیش آیا جب یسوع ایک یریکو سے نکل کر دوسرے میں داخل ہو رہا تھا۔

۱۲۔ بادشاہ کا پیش کیا جانا اور رد کیا جانا (ابواب ۲۱ - ۲۳)

۱۔ فاتحانہ داخلہ (۲۱:۱ - ۱۱)

۲۱:۱ - ۳۔ یریکو سے نکلے تو یسوع زیتون کے پہاڑ کی مشرقی طرف پہنچا جہاں بیت عنیاہ اور ”بیت نلے“ واقع تھے۔ یہاں سے سڑک زیتون کے پہاڑ کے گرد جنوب کو گھومتی اور یہ مسقط کی وادی میں اترتی تھی۔ پھر قدرون کے نالے کو عبور کر کے اوپر کو چڑھتی ہوئی ”یروشلیم“ تک جاتی تھی۔ یسوع نے ”دو شاگردوں“ کو بیت عنیاہ بھیجا۔ انہیں پہلے سے بتا دیا کہ وہاں ”ایک گدھی بندھی ہوئی اور اس کے ساتھ بیچا پاؤ گے“۔ انہیں کہا کہ ان جانوروں کو گھول کر میرے پاس لے آؤ۔ اگر کوئی تمہارے اس کام کو پہنچ کرے تو انہیں بتانا کہ خداوند کو ان کی ضرورت ہے۔ اس پر مالک رضامند ہو جائے گا۔ شاید مالک یسوع کو جانتا تھا اور اس نے پہلے کسی وقت مدد کرنے کی پیشکش کی ہوگی۔ مگر یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ خداوند عالم کُل ہے اور اعلیٰ ترین اختیار کا مالک ہے۔ تمام باتیں

یسوع کے بتانے کے مطابق رد نما ہوئیں۔

۲۱: ۵۴ - ان جانوروں کو استعمال کرنے سے زکریا اور یسعیاہ نبی کی پیشین گوئیاں پوری ہوئیں کہ

صیون کی بیٹی سے کہو کہ

دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔

وہ حلیم ہے اور گدھے پر سوار ہے

بلکہ لاڈلوں کے بچے پر۔

۲۱: ۶ - "شاگردوں نے" اپنے کپڑے ان جانوروں پر ڈال دئے تو یسوع گدھے کے بچے پر

سوار ہو گیا (مرقس ۱۱: ۷) اور یروشلیم کو روانہ ہوئے۔ یہ بہت تاریخی لمحہ تھا۔ دانی ایل کی نبوت کے

انہتر^{۱۹} صفحے اب ختم ہو گئے تھے۔ اس کے بعد وہ مسموح قتل کیا جائے گا" (دانی ایل ۹: ۲۶)۔

اس طرح سوار ہو کر یروشلیم میں داخل ہونے سے خداوند نے دانستہ اور کھلم کھلا دعویٰ کیا

کہ میں مسیح موعود ہوں۔ لینک متوجہ کرتا ہے کہ

"یسوع نے دانستہ وہ پیشین گوئی پوری کی جس کے بارے میں ان دنوں یہ

اتفاق رائے پایا جاتا تھا کہ یہ مسیح موعود کے متعلق ہے۔ پہلے وہ اپنے مرتبے کے بارے

میں اعلان کو خطرناک سمجھتا تھا لیکن اب وہ خاموشی کو ناقابل تصور شمار کرتا ہے۔

اس واقعے کے بعد یہ کہنا قطعاً ناممکن ہو گیا کہ اُس نے اپنے بارے میں کبھی مرتبہ طور

سے اعلان نہیں کیا۔ بعد کے زمانے میں جب یروشلیم پر مسیح موعود کو قتل کر ڈالنے کا

الزام لگایا جاتا، تو وہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ مسیح موعود نے کوئی ایسا نشان ہی نہیں

دیا تھا جسے سب لوگ پہچان سکتے۔"

۲۱: ۷، ۸ - لوگوں نے اُس کی راہ میں "کپڑوں" اور "کھجور کی ڈالیوں" کا گویا قالین بچھا

دیا تھا جس پر سے گزرتا ہوا وہ یروشلیم کو جا رہا تھا۔ لوگوں کے نعرے اُس کے

کانوں میں گونج رہے تھے۔

۲۱: ۹ - "بھیر... پکار پکار کر کہتی تھی" ابن داؤد کو ہوشعنا! مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے

آتا ہے۔" زبور ۱۱۸: ۲۵، ۲۶ کے اس اقتباس کا اطلاق واضح طور پر مسیح موعود کی آمد پر ہوتا ہے۔

"ہوشعنا" کا اصل مطلب ہے "ابھی نجات دے"۔ شاید لوگوں کا مطلب تھا کہ "ہمیں ظالم رومیوں سے

نجات دے"۔ بعد کے زمانے میں یہ اصطلاح حمد و ستائش کی پکار بن گئی۔ "ابن داؤد" اور

”مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے“ ان اصطلاحوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اُسے مسیح موعود تسلیم کر رہے تھے کہ یہی وہ مبارک ہستی ہے جو یہوواہ کے اختیار سے اُس کی مرضی کو پورا کرنے کے لئے آرہی ہے۔ مرقس کے بیان میں لوگوں کے فعدوں میں سے ایک اور نعرہ قلم بند کیا گیا ہے کہ ”مبارک ہے ہمارے باپ داؤد کی بادشاہی جو آرہی ہے“ (مرقس ۱۱: ۱۰)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کو خیال تھا کہ بادشاہی ابھی قائم ہوگی جس میں یسوع تخت پر بیٹھے گا۔

”عالم بالا پر ہوشنا“ پیکار نے سے، بیٹھ گویا آسمان کو پیکار رہی تھی کہ مسیح موعود کی حمد و ثنا میں زمین کے ساتھ شامل ہو۔ یا اُسے پیکار رہی تھی کہ عرش معلیٰ سے ہمیں نجات دے۔

۱۱: ۱۱ میں مرقس تحریر کرتا ہے کہ یروشلیم میں داخل ہونے پر یسوع ہیکل میں گیا۔ ہیکل کے اندر نہیں بلکہ صحن میں۔ عام خیال کے مطابق یہ خدا کا گھر تھا۔ لیکن یسوع کو وہاں سکون نہیں تھا کیونکہ کاہن اور لوگ اُس کو اُس کا جائز مقام دینے سے انکار کرتے تھے۔ مختصر سا جائزہ لینے کے بعد نتیجی اپنے بارہ شاگردوں کے ہمراہ بیت عنیاہ چلا گیا۔ یہ اتوار کی شام تھی۔

۱۱: ۲۱، ۱۰: ۱۱۔ اس عرصے میں شہر کے اندر اُس کی شناخت کے بارے میں حیرانی اور گھبراہٹ تھی۔ جن لوگوں نے اُس کے بارے میں دریافت کیا ان کو صرف اتنا بتایا گیا کہ ”یہ گلیل کے نامرت کا نبی یسوع ہے۔“ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بھی نہ سمجھ سکا تھا کہ وہ مسیح موعود ہے۔ ایک ہفتہ بھر کے اندر یہی متلون مزاج بیٹھ پیکار نے لگے گی کہ اُسے صلیب دے! اُسے صلیب دے!“

ب۔ ہیکل کو پاک صاف کرنا (۲۱: ۱۲-۱۳)

۱۲: ۲۱۔ اپنی علانیہ خدمت کے آغاز میں یسوع نے ہیکل کے ارد گرد کو کاروباری سرگرمیوں سے پاک صاف کیا تھا (یوحنا ۲: ۱۳-۱۶) لیکن ہیکل کے بیرونی صحن میں مقرر سے زیادہ محصول لینے اور منافع خوری نے پھر سُراٹھایا تھا۔ قربانی کے جانور اور پرندے وہاں لائے جاتے اور انتہائی مہنگے داموں بیچے جاتے تھے۔ ”صراف“ دوسرے سکون کو نیم مشغال میں تبدیل کرتے تھے کیونکہ یہودی مردوں کو ہیکل میں خاص محصول کے طور پر سالانہ نیم مشغال ادا کرنا ہوتا تھا۔ صراف اس تبادلہ زر میں شرح سے زیادہ وصول کرتے تھے۔ اب جبکہ یسوع کی خدمت اختتام کو پہنچ رہی تھی، اُس نے اُن سب کو وہاں سے باہر نکال دیا جو ان سرگرمیوں کے وسیلے منافع کماتے تھے۔

۱۳: ۲۱۔ یسوع نے یسعیاہ اور یرمیاہ سے اقتباس کرتے ہوئے ہیکل کو ناپاک کرنے، تجارتی کاروبار

اور ناپلساری کی مذمت کی۔ یسعیاہ ۵۶: ۷ سے اقتباس دے کر اُس نے یاد دلایا کہ ہیکل ”دعا کا گھر“ ہے۔ مگر انہوں نے اُسے ”ڈاکوؤں کی کھوہ“ بنا دیا تھا (یہرمیاہ ۷: ۱۱)۔

ہیکل کا یہ پاک صاف کرنا یہروشلیم میں داخل ہونے کے بعد یسوع کا پہلا کام تھا۔ اس طرح اُس نے صاف صاف واضح کر دیا کہ میں ہیکل کا مالک ہوں۔

اس واقعے میں آج ہمارے لئے دو سبق موجود ہیں۔ اپنی کلیسیائی زندگی میں ہمیں بھی اُس کی پاک صاف کرنے کی قدرت کی ضرورت ہے تاکہ بازار اور کھانے کی دعوتیں اور بیسہ بٹورنے کی اس قسم کی اور سبیلوں کو نکال باہر کریں۔ اور اپنی شخصی زندگی میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مسیح ہمیں مسلسل پاک کرتا جائے کیونکہ ہمارے بدن بھی اُس کی ہیکل ہیں۔

ج۔ کاہنوں اور فقیہوں کا غصہ (۲۱: ۱۴-۱۷)

۱۴: ۲۱۔ اگلے منظر میں، مسیح خداوند کو ہیکل کے صحن میں ”اندھوں اور لنگڑوں“ کو شفا دیتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ جاتا، محتاج اور ضرورت مند لوگ اُس کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اور وہ اُن کی ضروریات پوری کئے بغیر اُن کو ٹھاتا نہ تھا۔

۱۷: ۲۱، ۱۵، ۱۶۔ لیکن مخالفوں کی آنکھیں بھی اُس پر لگی رہتی تھیں۔ جب اُن سردار کاہنوں اور فقیہوں نے ... لڑکوں کو ... ابن داؤد کو ہوشغا پکارتے دیکھا تو نہایت خفا ہوئے۔

وہ آکر یسوع سے کہنے لگے ”تو سُنتا ہے کہ یہ کیا کہتے ہیں؟“ گویا وہ چاہتے تھے کہ یسوع اُن لڑکوں کو اُسے مسیح موعود کہہ کر پکارنے سے منع کر دے۔ اگر یسوع مسیح موعود نہ ہوتا تو یہ نہایت موزوں موقع تھا کہ وہ ایسا کہہ دیتا اور ہمیشہ کے لئے فیصلہ ہو جاتا، مگر اُس کے جواب نے ثابت کر دیا کہ بچے درست کہہ رہے تھے۔ اُس نے ہفتادی ترجمہ میں سے زبور ۸: ۲ کا حوالہ دیا کہ ”بچوں اور شیر خواروں کے مُنہ سے تُو نے حمد کو کامل کرایا۔“ اگر یہ بُسینہ عالم کاہن اور فقیہ اُس کی بہ حیثیت مسیح حمد اور ثنا نہیں کرتے تو پھر چھوٹے بچے خداوند کی حمد کریں گے۔ بسا اوقات بچے اپنی عُمر سے بڑھ کر روحانی بصیرت رکھتے ہیں اور اُن کے ایمان اور محبت بھرے الفاظ سے خداوند کے نام کو غیر معمولی جلال ملتا ہے۔

۱۷: ۲۱۔ یسوع نے ان مذہبی لیڈروں کو چھوڑ دیا کہ اس سچائی پر غور کرتے رہیں اور خود بہت عینہ میں گیا اور رات کو وہیں رہا۔

۵۔ انجیر کا بے پھل درخت (۲۱: ۱۸-۲۲)

”صبح کو خداوند یروشلیم کو واپس آ رہا تھا کہ اُس نے انجیر کا ایک درخت دیکھا۔ وہ اُس کے پاس گیا مگر اپنی ٹھوک مٹانے کے لئے اُس میں کوئی پھل نہ پایا۔ اُس پر پتوں کے سوا... کچھ نہ تھا۔ چنانچہ خداوند نے اُس درخت سے کہا کہ ”آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے“ اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا۔“

مقس کے بیان (۱۲: ۱۱-۱۲) میں بتایا گیا ہے کہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس لئے منجی کا اُس پر لعنت بھیجنا غیر معقول اور بد مزاجی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ منجی کے بارے میں ایسا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تو پھر مسئلے کا حل کیا ہے؟

سرزین بائبل میں انجیر کے درختوں پر کھانے کے لائق کچھ پھل پھلے آتے ہیں اور پتے بعد میں نکلے ہیں۔ یہ اصل فصل کے پیشرو ہوتے ہیں۔ اگر یہ آیت انجیر نہ لگیں تو مطلب ہوتا ہے کہ بعد میں باقاعدہ پھل بھی نہیں آئیں گے۔

یہ واحد معجزہ ہے جس میں مسیح نے برکت دینے کی بجائے لعنت کی اور زندگی کو بحال کرنے کی بجائے ہلاک کر دیا۔ یہ بات ایک بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ لیکن اس قسم کی تنقید سے مسیح کی ذات کے بارے میں بے علمی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ خدا ہے اور کائنات پر اختیار رکھتا ہے۔ اُس کے بعض کام ہمارے لئے نہایت پراسرار ہیں۔ لیکن ہمیں اس یقین کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے کہ اُس کے سارے کام درست ہوتے ہیں۔ اس واقعے میں خداوند جانتا تھا کہ یہ درخت کبھی پھل نہیں لائے گا۔ اور اُس نے وہی کام کیا جو ایک کاشتکار یا باغبان بے پھل درخت کو باغ سے اگھاڑ بکالنے میں کرتا ہے۔ جو لوگ ہمارے خداوند پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہ اُس نے درخت پر لعنت کی وہ بھی مانتے ہیں کہ یہ علامتی عمل تھا۔ اس واقعے سے منجی نے اُس ہنگامہ خیز خیر مقدم کی تشریح کر دی جو سے یروشلیم میں داخلہ کے وقت ملا تھا۔ اگور اور زیتون کے درخت کی طرح انجیر کا درخت بھی اسرائیلی قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔ یسوع قوم کے پاس آیا تو اُس میں صرف پتے ہی پتے تھے یعنی قوم صرف دعویٰ کرتی تھی لیکن خدا کے لئے اُس میں کوئی پھل نہیں تھا جبکہ یسوع قوم سے پھل کا ٹھوکا تھا۔

چونکہ ان میں اکیلا پھل موجود نہیں تھا اس لئے خداوند جانتا تھا کہ ان بے اعتقاد لوگوں میں بعد میں بھی پھل پیدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ اُس نے بے پھل انجیر پر لعنت بھیجی۔ اس طرح اُس

غضب کی تصویر سامنے آگئی جو سنہ میں قوم پر نازل ہونے کو تھا۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ بے اعتقاد (ایمان نہ لانے والے) اسرائیلی ہمیشہ بے پھل رہیں گے۔ مگر قوم کا ایک بقیہ وہ بھی ہے جو فضائی استقبال کے بعد کے زمانے میں مسیح موعود کی طرف پھرے گا۔ وہ بڑی مصیبت کے ایام اور ہزار سالہ بادشاہی کے دوران پھل لائیں گے۔

اگرچہ اس حصے کی ابتدائی تشریح کا تعلق اسرائیلی قوم کے ساتھ ہے مگر اس کا اطلاق ہر زمانے کے لوگوں پر ہوتا ہے جو باتیں تو بڑی بڑی کرتے ہیں مگر اُس کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے۔

۲۰:۲۱-۲۲۔ جب ”شاگردوں نے“ درخت کے یوں ایک دم سوکھ جانے پر تعجب کا اظہار کیا تو خداوند نے انہیں کہا کہ اگر ایمان رکھو تو اس سے بھی بڑے بڑے معجزے کرو گے۔ ”نشا“ پیار سے کہو گے کہ ”تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ“ تو ایسا ہی ہوگا۔ اور جو کچھ دعائیں ایمان کے ساتھ مانگو گے، وہ سب تم کو ملے گا۔

ہمیں پھر کہنا پڑتا ہے کہ دعا کے بارے میں ان غیر مشروط وعدوں کو اس موضوع پر بائبل مقدس کی پوری تعلیم کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ آیت ۲۲ کا یہ مطلب نہیں کہ ہر سچی جو چاہے سونا مانگ سکتا ہے تو اُسے ملے گا بلکہ اُسے اُن شرائط کے مطابق مانگنا چاہئے جو بائبل مقدس نے عائد کر رکھی ہیں۔

۵۔ یسوع کے اختیار پر اعتراض کیا جاتا ہے (۲۱: ۲۳-۲۷)

۲۳: ۲۱۔ جب یسوع ہیکل کے بیرونی صحن میں آیا تو ”سردار کا ہنوں اور قوم کے بزرگوں نے“ اُسے تعلیم دینے سے روک کر پوچھا کہ تعلیم دینے اور معجزے کرنے اور ہیکل کو پاک صاف کرنے کا اختیار تجھے کس نے دیا ہے؟ اُن کا خیال تھا کہ کچھ بھی جواب دے، ہم اُسے پھانسی لیں گے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ خدا کا بیٹا ہونے کے باعث مجھے خود ہی اختیار حاصل ہے تو وہ ہمیں پر کفر کا الزام لگا سکتے تھے۔ اگر وہ کہتا کہ یہ اختیار خدا کی طرف سے ہے تو وہ اُسے جھوٹا ٹھہرانے کی کوشش کرتے۔ اگر کہتا کہ یہ اختیار خدا کی طرف سے ہے تو وہ اُسے چیلنج کر سکتے تھے کہ اسے ثابت کر۔ وہ اپنے آپ کو عقیدے کے محافظ سمجھتے تھے کیونکہ وہ علم الہیات کے تربیت یافتہ تھے جنہیں انسانوں نے باقاعدہ مقرر کیا تھا اور اختیار دیا تھا کہ لوگوں کی دینی امور میں راہنمائی کریں۔ یسوع نے نہ تو باقاعدہ تعلیم پائی تھی، اور نہ اُسے بنی اسرائیل کے سرداروں نے اسناد جاری کی تھیں۔ اُن کے چیلنج سے صدیوں پُرانی اُس خفگی اور ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے جو پیشہ ور مذہب پرست اُن افراد کے خلاف ظاہر کرتے آئے ہیں جو

خدا کی قدرت سے مسح ہو کر کام کرتے ہیں۔

۲۱، ۲۴، ۲۵۔ یسوع نے یہ پیش کش کی کہ میں اپنے اختیار کے بارے میں اس صورت میں بیان کرنے کو تیار ہوں کہ تم بھی میرے ایک سوال کا جواب دو۔ سوال یہ ہے کہ یوحنا کا بپتسمہ کہاں سے تھا؟ آسمان کی طرف سے یا انسان کی طرف سے؟ "یوحنا کے بپتسمہ" کا مطلب ہے یوحنا کی "خدمت"۔ مراد یہ ہوئی کہ یوحنا کو خدمت، اختیار کس نے دیا تھا؟ کیا اُس کا تقرر انسان کی طرف سے ہوا تھا یا خدا کی طرف سے؟ اسرائیلی قوم کے لیڈروں نے اسے کونسی سند دی تھی؟ جواب تو صاف ظاہر تھا۔ یوحنا کو خدا نے بھیجا تھا۔ اُس کو اختیار خدا کی طرف سے عطا ہوا تھا، انسان کے دستخون سے نہ، بلکہ خدا سے۔

اب قوم کے یہ سردار ایک منحصے میں پھنس گئے۔ اگر وہ کہتے کہ یوحنا خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا تو خود پھنستے تھے۔ یوحنا لوگوں کو بتاتا رہا تھا کہ یسوع ہی مسیح موعود ہے۔ اگر یوحنا کا اختیار خدا کی طرف سے تھا تو انہوں نے کیوں تو بہ نہ کی، اور کیوں مسیح پر ایمان نہ لائے؟

۲۱، ۲۶۔ اس کے برعکس اگر وہ کہتے کہ یوحنا کو خدا نے مقرر نہیں کیا تھا، تو ان کی حیثیت ایسی ہو جاتی کہ سارے لوگ اُن سے خفا ہونے لگتے کیونکہ اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ "یوحنا خدا کی طرف سے نبی" تھا۔ اگر وہ صحیح جواب دیتے کہ یوحنا کو خدا نے بھیجا تھا تو ان کو خود ہی اپنے سوال کا جواب مل جاتا۔ یسوع وہی مسیح موعود تھا، یوحنا جس کا پیشرو تھا۔

۲۱، ۲۷۔ چنانچہ انہوں نے حقائق کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم نہیں جانتے۔ ہم یوحنا کے اختیار کے سرچشمے کے بارے میں کچھ نہیں بنا سکتے۔ اس پر یسوع نے کہا کہ "میں بھی تم کو نہیں بتاتا کہ ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہوں"۔ وہ انہیں وہ بات کیوں بتاتا جسے وہ چلنے ہی جانتے لیکن تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے۔

۲۔ دو بیٹوں کی تمثیل (۲۱: ۲۸-۳۲)

۲۸: ۲۸-۳۰۔ سردار کاہن اور قوم کے بزرگ یوحنا کی ایمان اور توبہ کی بلاہٹ کو ماننے سے انکاری تھے۔ یہ تمثیل اُن کے لئے ملامت کے نشتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یسوع نے بیان کیا کہ ایک آدمی کے دو بیٹے تھے۔ "اُن سے کہا گیا کہ جا کر تاکستان میں کام کریں۔ ایک نے انکار کیا مگر بعد میں اُس نے ارادہ بدلا اور جا کر کام کرنے لگا۔ جو دہرتے نے جانے کا وعدہ کیا مگر گیا نہیں۔

۲۱: ۳۱، ۳۲۔ جب یسوع نے پوچھا کہ "ان دونوں میں سے کون اپنے باپ کی مرضی سجالایا؟" تو

مذہبی لیڈروں نے کہا ”پہلا“ اور یوں نادانستہ اپنے اوپر الزام لگایا۔

پھر خداوند نے اس تمثیل کا مطلب بیان کیا۔ ”موصول لینے والے اور کسبیاں“ پھیلے بیٹے کی مانند ہیں۔ انہوں نے فوری طور پر یوحنا پیتسمہ لینے والے کے پیغام پر عمل نہ کیا لیکن بالآخر ان میں سے بہتوں نے توبہ کی اور یسوع پر ایمان لے آئے۔ مذہبی لیڈر دوسرے بیٹے کی مانند تھے۔ انہوں نے ظاہر تو کیا کہ ہم یوحنا کی منادی کو درست تسلیم کرتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے گناہوں سے ہرگز توبہ نہ کی، نہ منجی پر ایمان لائے۔ اس لئے جو سر تاپا گنہگار تھے، وہ تو خدا کی بادشاہی میں داخل ہو گئے، لیکن اپنے آپ سے مطمئن مذہبی لیڈر باہر رہ گئے۔ آج بھی معاملہ یہی ہے۔ اقبالی گنہگار خوشخبری کو بڑے شوق سے قبول کرتے ہیں جبکہ جھوٹی اور رسمی خداپرستی کا نقاب اوڑھنے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یسوع نے کہا کہ ”یوحنا راستبازی کے طریق پر تمہارے پاس آیا“ یعنی وہ اس بات کی منادی کرتا ہوا آیا کہ توبہ اور ایمان کے وسیلے سے راستبازی کی ضرورت ہے۔

ز۔ تانستان کے تشریحی ٹھیکے داروں کی تمثیل (۲۱: ۳۳-۳۶)

۲۱: ۳۳-۳۹۔ اپنے اختیار کے بارے میں سوال کا مزید جواب دینے کے لئے یسوع نے ایک اور تمثیل سنائی کہ ”ایک مالک نے تانستان لگایا اور اُس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اُس میں ٹھوس کھودا اور برج بنایا۔ اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پر دیس چلا گیا۔“ پھل کے موسم میں اُس نے فصل میں سے اپنا حصہ لینے کے لئے ”اپنے نوکروں کو... بھیجا۔“ لیکن ٹھیکیداروں نے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پٹیا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اُس نے ”اور نوکروں کو بھیجا۔“ اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا۔ تیسری دفعہ اُس نے اپنے بیٹے کو اُن کے پاس... بھیجا۔ اُس کا خیال تھا کہ ٹھیکے دار میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔“ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ”یہی وارث ہے۔“ چنانچہ ”میراث پر قبضہ“ کرنے کے ارادے سے اُسے ”قتل کر دیا۔“

۲۱: ۴۰-۴۱۔ تمثیل کے اس نکتے پر خداوند نے کامیوں اور بزرگوں سے پوچھا کہ مالک اُن ٹھیکیداروں کے ساتھ ”کیا کرے گا؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ”اُن بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور تانستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اُس کو پھل دیں۔“

اس تمثیل کی تشریح کرنا مشکل نہیں۔ مالک خدا ہے، تانستان بنی اسرائیل ہیں، ذر بزر ۸۰: ۸؛ یسعیاہ ۵: ۱-۷؛ یرمیاہ ۲۰: ۲۱۔ اردگرد باڑیا احاطہ موسیٰ کی شریعت ہے جو

بنی اسرائیل کو غیر قوموں سے جدا کرتی اور ان کو خداوند کے لئے مخصوص قوم کی حیثیت سے محفوظ رکھتی تھی۔
 حوض جس میں نئے جمع ہوتی تھی سے مراد وہ پھل ہے جو بنی اسرائیل کو خدا کے لئے پیدا کرنا چاہئے تھا۔ بُرج
 سے مراد قوم کے لئے یہود واہ کی نگہبانی اور محافظت ہے اور باغبان یا ٹھیکے دار سردار کاہن اور فقیہ ہیں۔
 خدا بار بار اپنے خادم اور نبی بھیجتا رہا اور اپنی قوم بنی اسرائیل میں رفاقت و شراکت، پاکیزگی
 اور رحمت کا پھل تلاش کرتا رہا۔ مگر قوم نبیوں کو ستاتی اور ان میں سے بعض کو قتل کرتی رہی۔ بالآخر
 خدا نے یہ کہتے ہوئے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ ”وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے“ (آیت ۳۷)۔ سردار
 کاہن اور فقیہ کہنے لگے ”یہی وارث ہے“۔ کیسا مُہمک اقبال تھا! وہ آپس میں علیحدگی میں تو کہنے
 تھے کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے (مگر علانیہ اُس کا انکار کرتے تھے)۔ چنانچہ انہوں نے اُس کے اختیار کے
 بارے میں سوال کا خود ہی جواب دے دیا۔ اُس کا اختیار اس حقیقت میں تھا کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔
 نمیشل میں اُن کے حوالے سے بیان چڑھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”یہی وارث ہے۔ اُو اُسے قتل کر کے

اس کی میراث پر قبضہ کر لیں“ (آیت ۳۸) مزید یہ کہ اگر ہم اسے یونہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان
 لے آئیں گے اور رومی اگر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے۔ (یوحنا ۱۱: ۴۸)۔ چنانچہ انہوں
 نے اُسے رد کر دیا۔ باہر پھینک دیا اور مصلوب کر دیا۔

۲۱: ۲۲۔ جب منجی نے اُن سے پوچھا کہ تارکستان کا مالک کیا کرے گا تو اپنے جواب سے
 انہوں نے خود کو مجرم ٹھہرایا جیسا کہ وہ آیات ۴۲ اور ۴۳ میں کہتا ہے۔ اُس نے زبور ۱۱۸: ۲۲
 سے اقتباس کیا کہ ”جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند
 کی طرف سے ہوا اور چاروں طرف نظر میں عجیب ہے۔“ جب پتھر یعنی مسیح نے اپنے آپ کو معماروں
 یعنی اسرائیل کے لیڈروں کے سامنے پیش کیا تو اُن کے تعمیراتی منصوبوں میں اُس کے لئے جگہ نہ تھی۔
 انہوں نے اُسے بیکار قرار دے کر ایک طرف پھینک دیا۔ لیکن اپنی موت کے بعد وہ مردوں میں
 سے جی اٹھا اور خدا نے اُسے فوقیت اور نمایاں جگہ دی۔ وہ خدا کی عمارت میں اعلیٰ ترین جگہ میں لگایا
 گیا ہے۔ ”اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سربلند کیا اور اُسے وہ نام بخشا جو سب ناموں
 سے اعلیٰ ہے“ (فلپیوں ۲: ۹)۔

اب یسوع نے علی الاعلان کہا کہ ”خدا کی بادشاہی“ بنی اسرائیل سے ”لے لی جائے گی اور اُس
 قوم کو جو اُس کے پھل لائے ہوئے وی جائے گی۔“ اور ایسا ہی ہوا۔ برگزیدہ قوم بنی اسرائیل کو
 فی الحال برطرف اور اندھا کر دیا گیا ہے۔ جس نسل نے مسیح موعود کو رد کر دیا تھا، اُسے سخت

دل کر دیا ہے۔ یہ نبوت کہ ”خدا کی بادشاہی... اُس قوم کو جو اُس کے پھل لائے دے دی جائے گی“ دُہرا مفہوم رکھتی ہے: (۱) کلیسیا، جو ایمان لانے والے یہودیوں اور غیر قوم افراد پر متعلق ہے۔
 ”مقدس قوم اور... خدا کی خاص ملکیت ہے“ (۱- پطرس ۲: ۹)۔ (۲) نبی اسرائیل کا وہ حصہ جو ایمان لایا اور اُس کی دوسری آمد کے وقت زمین پر زندہ موجود ہوگا۔ مخلصی یافتہ اسرائیل خدا کے لئے پھل لائے گا۔

۲۱: ۲۴۔ ”اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا“۔ آیت کے پہلے حصے میں پتھر زمین پر ہے دوسرے حصے میں وہ اوپر سے اتر رہا ہے۔ یہ بات مسیح کی دو آمدوں کا پتہ دیتی ہے۔ جب وہ پہلی دفعہ آیا تو یہودی لیڈروں نے اُس سے ٹھوکر کھائی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جب وہ دوبارہ آئے گا تو عدالت کرنے کو اترے گا اور اپنے دشمنوں کو دھول کی طرح بکھیر دے گا۔

۲۱: ۲۵، ۲۶۔ سردار کا بن اور فریسی سمجھ گئے کہ ان تمثیلوں کا براہ راست نشانہ ہم ہیں اور مسیح نے اپنے اختیار کے بارے میں ہمارے سوال پر ہمیں نشانہ بنایا ہے۔ چنانچہ وہ چاہتے تھے کہ اُسے اسی وقت پکڑ لیں ”لیکن لوگوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اُسے نبی جانتے تھے“۔

ح۔ شادی کی ضیافت کی تمثیل (۲۲: ۱-۱۴)

۲۲: ۱-۶۔ یسوع نے ابھی سردار کا ہنوں اور فریسیوں کا بیچھا نہیں چھوڑا۔ اب اُس نے شادی کی ضیافت کی تمثیل سنائی جس میں یہ تصویر پیش کی کہ برگزیدہ بنی اسرائیل کو برطرف کر دیا گیا ہے اور حقیر اور قابل نفرت سمجھے جانے والے غیر قوم لوگ میز پر حمان ہیں۔ اُس نے آسمان کی بادشاہی کو ”اُس بادشاہ کی مانند“ قرار دیا جس نے اپنے بیٹے کی شادی کی ضیافت کی۔ دعوت دو مرحلوں میں دی گئی۔ پہلے پیشگی دعوت جو نوکروں نے ذاتی طور پر پہنچائی اور مدعوین نے آنے سے صاف انکار کر دیا۔ دوسری دفعہ اعلان کیا گیا کہ ضیافت تیار ہے۔ بعض مدعوین نے اس کی حقارت کی کہ ہم اپنے کھیتوں اور کاروبار زندگی میں اتنے مصروف ہیں کہ انہیں سکتے۔ دوسروں نے نہایت شدید رد عمل دکھایا۔ انہوں نے ”نوکروں کو پکڑ کر بے عزت کیا اور مار ڈالا“۔

۲۲: ۷-۱۰۔ اب بادشاہ غضب ناک ہوا اور اُس نے... ان خونریزوں کو ہلاک کر دیا اور ان کا شہر جلا دیا۔ اُس نے مدعوین کی پہلی فرست کو پھاڑ ڈالا اور دعوت عام دے دی کہ جو آنا

چاہے آئے۔ اس دفعہ شادی کے مال میں ایک نشست بھی خالی نہ رہی۔

۲۲: ۱۱-۱۳۔ البتہ ”مہمانوں“ کے درمیان ایک ایسا آدمی بھی موجود تھا ”جو شادی کے لباس میں نہ تھا“۔ مالک نے اُسے ٹوکا کہ تم اس ضیافت میں شامل ہونے کے لائق نہیں تو وہ مہمان کوئی جواب نہ دے سکا۔ ”اُس کا مُنہ بند ہو گیا“۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر باہر اندھیرے میں ڈال دیا جائے جہاں ”رونا اور دانت پیسنا ہوگا“۔

۲۲: ۱۴۔ مسیح خداوند نے ان الفاظ کے ساتھ تمثیل کو ختم کیا کہ ”کیونکہ بلائے ہوئے بہت ہیں مگر برگزیدہ تھوڑے“۔

جہاں تک اس تمثیل کے مطلب کا تعلق ہے تو بادشاہ خدا ہے۔ اور اُس کا بیٹا خداوند یسوع ہے۔ شادی کی ضیافت اُس خوشی کے جشن کی نمائندگی کرتی ہے جو آسمان کی بادشاہی کی خصوصیت ہے۔ اگر اس تمثیل میں کلیسیا کو مسیح کی دلہن کے طور پر متعارف کرایا جائے تو بات غیر ضروری طور پر پیچیدہ ہو جائے گی۔ مرکزی خیال تو بنی اسرائیل کا برطرف کیا جانا ہے نہ کہ کلیسیا کی بلا ہٹ اور مقصد۔

دعوت کے پہلے مرحلے میں تصویر یہ ہے کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بارہ شاگرد بڑی مہربانی سے بنی اسرائیل کو شادی کی ضیافت میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مگر قوم نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ”مگر انہوں نے آنا نہ چاہا“ (آیت ۳)۔ یہ الفاظ ان کے انکار کا نقطہ عروج ہیں اور صلیب دئے جانے کے موقع پر ڈرامائی انداز میں سامنے آتے ہیں۔

دعوت کے دوسرے مرحلے میں انجیل کی اُس بشارت کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں کو دی گئی اور جس کا بیان اعمال کی کتاب میں ہے۔ بعض لوگوں نے اس پیغام کی تحقیق کی۔ بعضوں نے بشارت سنانے والوں پر ظلم اور تشدد کیا بلکہ اکثر رسولوں کو شہید کیا گیا۔

بادشاہ بجا طرز پر بنی اسرائیل سے ناراض ہوا۔ اُس نے ”اپنا لشکر“ یعنی طغس اور رومی لشکر کو بھیجا۔ انہوں نے نسطر میں یروشلم اور اُس کے اکثر باشندوں کو تھمس نھس کر دیا۔ وہ اس مفہوم میں ”اُس کا لشکر“ تھے کہ اُس نے انہیں اسرائیل کو سزا دینے کے لئے آہ کار بنایا۔ اگرچہ وہ شخصی طور پر خداوند کو نہیں جانتے تھے مگر تھے وہ اُسی کا لشکر۔

اب اسرائیل توخمی لحاظ سے برطرف کیا ہوا ہے اور انجیل غیر قوموں کے پاس جاتی ہے۔ ان میں نیک و بد یعنی عزت و احترام کے ہر درجہ اور طبقہ کے لوگ شامل ہیں (اعمال ۱۳: ۴۵، ۴۶)۔

۲۸:۲۸)۔ لیکن جتنے لوگ مسیح کے پاس آتے ہیں، ان کی حقیقت اور خلوص کو فرداً فرداً جانچا جاتا ہے۔ شادی کے لباس کے بغیر شخص وہ فرد ہے جو دعویٰ تو کرتا ہے کہ میں ضیافت کے لئے تیار ہوں مگر وہ کبھی خداوند یسوع کے وسیلے سے خدا کی راست بازی سے سلب نہیں ہوا (۲)۔ کونہیں (۲۱:۵)۔ دراصل جو شخص شادی کا لباس پہننے ہوئے نہیں اس کے لئے کوئی عذر نہ تھا، نہ اب ہے۔ راترسی لکھتا ہے کہ اس زمانے میں رواج تھا کہ جس شخص کے پاس شادی کی پوشاک نہیں ہوتی تھی اسے مہیا کی جاتی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس شخص نے ایسی پیش کش اور اعزاز سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور جب بادشاہی میں داخل ہونے کے اس کے حق کو چیلنج کیا گیا تو مسیح کے بغیر ہونے کے باعث اس کا منہ بند ہو گیا (رومیوں ۳: ۱۹)۔ باہر کی تاریکی اس کا مقدر ہوئی جہاں رونا اور دانت پیسنا ہے۔ رونا جہنم کے عذاب کی علامت ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دانت پیسنا خدا کے خلاف مسلسل بغاوت اور عداوت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس تصور کی نفی ہو جاتی ہے کہ جہنم کی آگ پاک صاف کرنے کی تاثیر رکھتی ہے۔

آیت ۱۳ کا تعلق پوری تمثیل کے ساتھ ہے، صرف اس آدمی کے واقعہ کے ساتھ نہیں جو شادی کی پوشاک کے بغیر تھا۔ "بلائے ہوئے بہمت ہیں" یعنی انجیل کی دعوت تو بہتوں کو دی جاتی ہے مگر برگزیدہ مقدرے۔ "بعض لوگ دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور جو قبول کرتے بھی ہیں ان میں سے بھی کچھ جھوٹا اقرار کرنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ جتنے لوگ بھی انجیل کی خوشخبری کو قبول کرتے ہیں، وہ "برگزیدہ" ہیں۔ کوئی شخص برگزیدہ ہے یا نہیں یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند مسیح کے بارے میں اس کا کیا رویہ ہے۔ بقول جینگز

"ضیافت کا لطف اٹھانے کو تو سمجھوں کو بلایا گیا ہے۔ لیکن سب دعوت دینے والے پر یہ بھروسا کرنے پر آمادہ نہیں کہ وہ اس ضیافت کے لائق پوشاک بھی مہیا کرے گا۔"

ط۔ قیصر کا اور خدا کا حق ادا کرنا (۲۲: ۱۵-۲۲)

بائیسواں باب سوالوں کا باب ہے۔ تین مختلف وفود نے آکر خدا کے بیٹے کو پھانسنے کی کوشش کی۔

۲۲: ۱۵-۱۶۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ "فریسیوں" اور "ہیرودیوں" کا ایک وفد آیا۔ یہ دونوں

گروہ ایک دوسرے کے شدید مخالف تھے، مگر مہتمما کے خلاف مشترکہ عداوت نے انہیں عارضی طور پر متحد کر دیا۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ مسیح کو ایسا سیاسی بیان دینے پر اُکسائیں جس کے مضمرات بہت خطرناک ہوں۔ قیصر کے ساتھ وفاداری کے سلسلے میں یہودیوں میں اختلافات پائے جاتے تھے۔ اس گروہ نے ان اختلافات کا فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ کچھ یہودی غیر قوم شہنشاہ کی تابعداری کرنے کے شدید مخالف تھے۔ لیکن ہیرودیوں کی طرح بعض دوسرے یہودی زیادہ رواداری کے حامی تھے۔

۱۷:۲۲۔ پیپٹو انہوں نے بڑی عیاری کے ساتھ اُس کے کردار کی پاکیزگی کی تعریف کی۔ اُس کی حق کی پابندی، بے خوفی اور بے طرفداری کو سراہا۔ پھر انہوں نے ایک پہلو دار سوال کیا ”قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں؟“

اگر یسوع جواب دیتا کہ ”نہیں“ تو نہ صرف ہیرودیوں کو اپنا دشمن بنا لیتا بلکہ رومی حکومت کے خلاف بغاوت کا مُلزم بھی ٹھہرتا۔ فریسی اُسے دھکیلتے ہوئے لے جاتے اور اُس پر فروریوم عائد کر دیتے۔ اگر وہ کہتا کہ ”ہاں“ تو یہودیوں کی شدید قوم پرست رُوح سے مستفادم ہوتا تھا۔ عام لوگ اُس کی حمایت کرنا چھوڑ دیتے۔ اسی حمایت کی وجہ سے مذہبی لیڈر اُس پر ہاتھ ڈالنے اور اُس کا کام تمام کرنے سے اب تک رُکے ہوئے تھے۔

۱۹: ۱۸، ۲۲۔ یسوع نے بلا تامل اُن کو ”ریاکار“ کہا کہ وہ اُس کو پھانسنے کی کوشش میں تھے۔ پھر اُس نے کہا کہ ”جزیہ کا سکہ مجھے دکھاؤ۔“ انہوں نے اُسے ایک دینار دکھایا کیونکہ یہی سکہ رومی حکومت کو جزیہ ادا کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ جب بھی یہودی اُس سکہ پر قیصر کی شبیہ اور نام دیکھتے تو اُن کو یہ یاد کر کے بڑا دکھ ہوتا کہ ہم غیر قوموں کے محکوم ہیں اور انہیں جزیہ دیتے ہیں۔ یہ دینار اُن کو یاد دلاتا تھا کہ ہم اپنے گناہ کے سبب سے روم کے غلام ہیں۔ اگر وہ یہودواہ کے وفادار رہتے تو جزیہ دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

۲۰:۲۲-۲۱۔ یسوع نے اُن سے پوچھا کہ ”یہ صورت اور نام کس کا ہے؟“ وہ بھی جواب دینے پر مجبور تھے کہ ”قیصر کا۔“ اس پر خداوند نے اُن سے کہا کہ ”جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔“ اس سوال جواب میں وہ خود ہی پھنس گئے۔ اُن کو امید تھی کہ قیصر کو جزیہ دینے کے سوال سے ہم یسوع کو پھانس لیں گے۔ لیکن اُس نے اُن کو بے نقاب کر دیا کہ خدا کے واجبات ادا نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ یہ کام بے حد تلخ تھا تو بھی وہ قیصر کو اُس کا حق ادا کرتے تھے مگر اس حقیقت کی پروا نہیں کرتے تھے کہ خدا بھی ہماری زندگیوں پر حق رکھتا ہے۔ اور اس وقت اُن کے سامنے وہ ہستی کھڑی تھی

جو خدا کی ذات کا نقش (عبرانیوں ۱: ۳) ہے۔ اور وہ اُسے اُس کا جائز مقام نہیں دے رہے تھے۔
 یسوع کے جواب سے ثابت ہوتا ہے کہ ایماندار دہری شہریت رکھتا ہے۔ وہ انسانی حکومت
 کی فرمانبرداری کرنے اور اُس کی مالی مدد کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اُسے اپنے حکمرانوں کی بُرائی نہیں
 کرنی اور نہ اُس حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کوئی اقدام کرنے ہیں بلکہ اُس پر فرض ہے کہ اختیار رکھنے
 والوں کے حق میں دُعا مانگے۔ اور آسمان کا شہری ہوتے ہوئے وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ اگر
 ان دونوں میں کبھی تضاد کی صورت پیدا ہوتی ہے تو اُس کی اولین وفاداری خدا کے ساتھ ہوگی
 (اعمال ۵: ۲۹)۔

ہم جب آیت ۲۱ کا حوالہ دیتے ہیں تو اکثر قیصر کے حصے پر تو زور دیتے ہیں مگر خدا کے حصے کو
 نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ بالکل وہی غلطی ہے جس کے لئے یسوع نے فریسیوں کو ملامت کی تھی۔
 ۲۲: ۲۲۔ جب فریسیوں نے اُس کا جواب ”سنا“ تو وہ جان گئے کہ ہم مات کھا گئے ہیں۔ وہ
 تعجب کر کے وہاں سے کھسک جانے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے!

ی۔ صدوقی اور قیامت کے بارے میں اُن کا مہمما (۲۲: ۲۳-۳۳)

۲۲: ۲۳-۲۴۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا صدوقی اپنے زمانے کے آزاد خیال دینی لیڈر تھے۔ وہ
 جسم کی قیامت، فرشتوں کے وجود اور معجزوں کا انکار کرتے تھے، بلکہ وہ اتنی باتوں کا اقرار نہیں کرتے
 تھے جتنی کا انکار کرتے تھے۔ اب صدوقیوں کا ایک وفد یسوع کے پاس آیا اور ایک ایسی کہانی گھڑ
 لایا جس سے قیامت کا تصور مضحکہ خیز معلوم ہو۔ انہوں نے شریعت سے وہ بات پیش کی جس
 میں اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ سے شادی کرنے کا حکم ہے (استثنا ۲۵: ۵)۔ اس حکم کے مطابق اگر کوئی
 اسرائیلی بے اولاد مر جاتا تھا تو اُس کے بھائی کا فرض تھا کہ بیوہ سے شادی کرے تاکہ خاندان کا نام
 اسرائیل میں باقی رہے اور میراث خاندان ہی میں رہے۔

۲۲: ۲۵-۲۸۔ انہوں نے جو مسئلہ پیش کیا، اُس کا تعلق ایک ایسی عورت سے تھا جس کا
 شوہر بے اولاد مر گیا۔ اس پر اُس نے اپنے شوہر کے ایک بھائی سے بیاہ کر لیا۔ دوسرا شوہر بھی
 بے اولاد مر گیا۔ چنانچہ اُس نے تیسرے سے بیاہ کیا، حتیٰ کہ اسی طرح ساتویں بھائی تک یہ سلسلہ
 چلتا رہا۔ ”سب کے بعد وہ عورت بھی مر گئی“۔ اب وہ سوال کیا گیا جس کا مقصد اُس ہستی کو نثر مسار
 کرنا تھا جو خود قیامت ہے (یوحنا ۱۱: ۲۵) کہ ”پس وہ قیامت میں اُن ساتوں میں سے کس کی بیوی

ہوگی؟ کیونکہ سب نے اُس سے بیاہ کیا تھا۔

۲۲: ۲۹۔ بنیادی طور پر اُن کی دلیل یہ تھی کہ قیامت کا تصور اُن حل مسائل پیش کرتا ہے، اِس لئے غیر معقول ہے۔ چنانچہ سچا نہیں۔ یسوع نے واضح کر دیا کہ مشکل اِس عقیدہ میں نہیں بلکہ اُن کی اپنی سوچ اور ذہنوں میں تھی۔ وہ کتاب مقدس اور خدا کی قدرت سے ناواقف تھے۔ اول۔ وہ کتاب مقدس کو نہیں جانتے تھے۔ بائبل مقدس میں کہیں ذکر نہیں کہ میاں بیوی کا رشتہ جاری رہے گا۔ وہاں سب مرد اور عورتیں فرشتوں کی مانند ہوں گے۔

دوم۔ وہ خدا کی قدرت کو نہیں جانتے تھے۔ اگر وہ انسان کو خاک سے پیدا کر سکتا ہے تو کیا وہ مر جانے والوں کی خاک کو زندہ نہیں کر سکتا اور اُن کو جلالی بدن نہیں بنا سکتا؟ ۲۲: ۳۰-۳۲۔ پھر خداوند نے کتاب مقدس سے ایک دلیل پیش کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت قطعی طور پر لازمی ہے۔ خروج ۳: ۶ میں خدا نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ میں ابراہام کا خدا اور اِصحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ یسوع نے اِس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ وہ تو مردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا ہے۔ خدا نے اُن آدمیوں کے ساتھ عہد باندھے تھے مگر وہ اُن وعدوں کے پورے طور پر پورا ہونے سے پہلے مر گئے تو خدا کس طرح ایسے تین افراد کا خدا ہونے کی بات کر سکتا ہے جن کے بدن قبروں میں پڑے ہیں؟ وہ جو کبھی جھوٹا یا ناکام نہیں ہو سکتا، اپنے اُن وعدوں کو کس طرح پورا کر سکتا ہے جو اُن انسانوں سے لے کر تھے جو مر چکے ہیں؟ اِس کا ایک ہی جواب ہے۔۔۔۔۔ قیامت!

۲۲: ۲۳۔ پس تعجب کی بات نہیں کہ لوگ یہ سن کر اُس کی تعلیم سے حیران ہوئے۔ ہم بھی حیران

ہوتے ہیں۔

ک۔ عظیم حکم (۲۲: ۳۴-۴۰)

۲۲: ۳۴-۳۶۔ جب فریسیوں نے سنا کہ اُس نے ہمارے حریف صدوقیوں کا منہ بند کر دیا تو وہ اُس کے ساتھ گفتگو کرنے کو آجے ہوئے۔ اُن کا خاص نمائندہ ایک عالم شرع تھا۔ اُس نے یسوع سے پوچھا کہ تو ریت میں کون سا حکم بڑا ہے؟

۲۲: ۳۷، ۳۸۔ بڑے ماہرانہ انداز میں یسوع نے مختصر طور پر بتا دیا کہ خدا کے بارے میں

انسان کا فرض یہ ہے کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی

”ساری عقل سے محبت رکھ۔“ مرقس کے بیان میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ ”اور اپنی ساری طاقت سے“ (مرقس ۱۲: ۳۰)۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کا پہلا فرض اپنے پورے وجود سے خدا سے محبت کرنا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ دل جذبات کی، اور جان ارادہ کی اور عقل ذہانت کی اور طاقت جسمانی فطرت کی نمائندگی کرتی ہے۔

۲۲: ۳۹-۴۰۔ یسوع نے یہ بھی کہا کہ انسان کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھے۔ خدا اور انسان کے ساتھ محبت پورے مذہب کا احاطہ کرتی ہے۔ اور موسیٰ، نبیوں، ہمارے منجی اور رسولوں کا مقصد یہی محبت پیدا کرنا تھا، ہم کو ان الفاظ پر غور کرتے رہنا چاہئے کہ ”اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔“ ہم سوچیں کہ ہم اپنے آپ سے کتنی زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ ہماری کتنی سرگرمیوں کا مرکز ہماری اپنی ذات کی نگہداشت اور آرام ہوتا ہے۔ پھر ہم یہ تصور کریں کہ اگر ہم بھی محبت اپنے پڑوسی پر پنچھا اور کریں تو حالات کیسے ہوں گے۔ پھر ایسا ہی کریں۔ یہ کردار فطرت کے مطابق نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ ایسا کر سکتے ہیں جو نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں اور مسیح کو اپنے وسیلے سے ایسا کرنے دیتے ہیں۔

ل۔ داؤد کا بیٹا داؤد کا خداوند ہے (۲۲: ۲۱-۲۶)

۲۲: ۲۱-۲۲۔ یسوع نے عالم شرع کو جواب دیا، فریسی اس سے بھونچو کا رہ گئے۔ ابھی وہ سنسبل نہیں پائے تھے کہ یسوع نے ان سے ایک اشتعال انگیز سوال پوچھا کہ ”تم مسیح کے حق میں کیا سمجھتے ہو؟ وہ کس کا بیٹا ہے؟“

فریسیوں کی اکثریت یقینی نہیں رکھتی تھی کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ وہ ابھی تک مسیح موعود کے منتظر تھے۔ اس لئے یسوع ان سے یہ نہیں پوچھ رہا تھا کہ ”تم میرے بارے میں کیا سمجھتے ہو؟“ (اگرچہ یہ بات بھی شامل تھی) بلکہ وہ ایک عام انداز میں پوچھ رہا تھا کہ جب مسیح موعود ظاہر ہوگا تو کس کا بیٹا ہوگا؟

انہوں نے بالکل صحیح جواب دیا کہ وہ ”داؤد کا بیٹا“ ہوگا یعنی اس کی نسل سے ہوگا۔ ۲۲: ۴۳-۴۴۔ اس پر خداوند یسوع نے زبور ۱۱۰: ۱ کا اقتباس پیش کیا جہاں داؤد کتاب ہے کہ ”خداوند نے میرے خداوند سے کہا میری ذہنی طرف بیٹھ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کے نیچے نہ کر دوں۔“ یہاں پہلی دفعہ لفظ ”خداوند کا مطلب خدا باپ اور

دوسری دفعہ مطلب مسیح موعود ہے۔ چنانچہ داؤد نے مسیح موعود کو خداوند کہا ہے۔

۲۲: ۴۵۔ اب یسوع نے سوال پیش کیا کہ ”جب داؤد اُس کو خداوند کہتا ہے تو وہ اُس کا

بیٹا کیونکر ٹھہرا؟“ جواب یہ ہے کہ مسیح موعود داؤد کا بیٹا بھی ہے اور داؤد کا خداوند بھی کیونکہ وہ خدا اور بشر دونوں ہے۔ خدا ہونے کے باعث وہ داؤد کا خداوند اور بشر ہونے کے باعث داؤد کا بیٹا ہے۔

اگر فریسیوں کا ذہن کھلا ہوتا تو وہ جان لیتے کہ یسوع ہی مسیح موعود ہے اور مریم کے شجرہ سے داؤد کا بیٹا اور اپنے کاموں، تعلیم اور کردار کے باعث خدا کا بیٹا ہے۔

۲۲: ۴۶۔ مگر انہوں نے دیکھنے اور سمجھنے سے انکار کر دیا۔ وہ اُس کی عقل و دانش سے بالکل چکر ا

گئے اور اب سوالوں کے ذریعے اُس کو پھانسنے سے باز آگئے۔ اب انہوں نے کوئی دوسرا طریقہ استعمال کرنے کی ٹھانی۔ نشدد کا طریقہ۔

م۔ بڑے بول اور چھوٹے کاموں کے خلاف تشبیہ (۱۲: ۲۳-۱۰)

۱۲: ۲۳-۴۔ اس باب کی اقتسامی آیات میں منجی لوگوں کو اور اپنے شاگردوں کو ”فریسیوں اور

فقہوں“ سے خبردار رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ راہنما ”موسیٰ کی گدی پر“ بیٹھے تھے یعنی موسیٰ کی تورات کی تعلیم دیتے تھے۔ عام طور پر ان کی تعلیم قابلِ اعتماد تھی۔ مگر ان کے اعمال ایسے نہیں تھے۔ ان کا عقیدہ ان کے کردار سے بہتر تھا، یعنی بول بڑے تھے اور کام چھوٹے۔ اس لئے یسوع نے کہا کہ جو کچھ وہ نہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو، لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔

وہ لوگوں سے بہتر بھاری مطالبات (وہ شریعت کے الفاظ کے بال کی کھال نکالتے تھے، یعنی انتہائی

قسم کی تشریح) کرتے تھے۔ لیکن ان بھاری بوجھوں کو اٹھانے میں کسی کی مدد نہیں کرتے تھے۔

۱۲: ۵۔ وہ مذہبی رسوم اس لئے ادا کرتے تھے کہ لوگ انہیں دیکھیں۔ ان کے باطن خالص نہیں

تھے۔ ایک مثال تو یہ ہے کہ وہ تعویذ استعمال کرتے تھے۔ خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ شریعت تیرے ہاتھ

پر ایک نشان اور نیری پیشانی پر ٹھیکوں کی مانند ہوا خروج ۱۳: ۹، ۱۶؛ استثنا ۶: ۸، ۱۱: ۱۸)۔ اس

سے بُرا کی مُراد یہ تھی کہ شریعت کے احکام مسلسل ان کے سامنے رہیں اور ان کے کاموں کے راہنما ہوں۔

چنانچہ وہ پاک کلام کے حصوں کو چمڑے میں منڈھا کر اپنے بازوؤں یا ماتھوں پر باندھا کرتے تھے۔

ان کو شریعت کے حکموں پر چلنے کی کوئی پروا نہیں تھی بلکہ وہ حکموں کو مضحکہ نیز حد تک بڑے بڑے

تعوذوں کی شکل میں پہن کر اپنے آپ کو بہت رُوحانی دکھانے کی فکر میں رہتے تھے۔ شریعت یہ بھی کہتی تھی کہ بیہودہ اپنے پیرا ہنوں کے کناروں پر جھالگائیں اور ہر کنارے کی جھالکے اوپر آسمانی رنگ کا ڈورا ٹانگیں (گنتی ۱۵: ۳۷-۴۱؛ استثناء ۲۲: ۱۲)۔ اس امتیازی آراستگی کا مقصد اُن کو یہ یاد دلانا تھا کہ تم ایک امتیازی قوم ہو، اور تمہیں دوسری قوموں سے الگ ہو کر چلنا ہے۔ فریسی رُوحانی سین کو تو پس پشت ڈال دیتے تھے مگر جھالیں بڑی بڑی بناتے تھے۔

۲۳: ۶-۸۔ وہ اپنی اہمیت دکھانے کے لئے ”ضیافتوں... اور عبادت خانوں میں“ خصوصی اور عزت کی جگہ کے لئے دھکم دھکا اور چھینا چھٹی کرتے تھے۔ اور ”بازاروں میں سلام“ کروا کے اپنی انا کی بے دروش کرتے تھے۔ خاص طور پر ”ربّی کہلانا“ تو بہت ہی پسند کرتے تھے (ربّی کا مطلب ہے ”میرا معزز“ یا ”اُستاد“)۔

۲۳: ۹-۱۰۔ یہاں خُداوند نے شاگردوں کو وہ القاب استعمال کرنے سے خبردار کیا جو خُدا کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں۔ ہم ”ربّی“ نہ کہلائیں۔ اس کو اپنے لئے امتیازی لقب نہ بنائیں کیونکہ ”اُستاد“ تو ایک ہی ہے یعنی ”مسیح“، ہم کسی آدمی کو اپنا ”باپ“ نہ کہیں کیونکہ خُدا ہمارا ”باپ“ ہے۔ ویسٹن بہت بصیرت افروز بات لکھتا ہے:

”یہ القاب خُدا کے ساتھ انسان کے بنیادی اور لازمی تعلق کا بیان کرتے ہیں۔ تین باتوں سے ایک سچی تشکیل پاتا ہے۔ وہ کیا ہے، کیا ایمان رکھتا ہے اور کیا کرتا ہے یعنی عقیدہ، تجربہ اور عمل۔ انسان کو اپنے رُوحانی وجود کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے: زندگی، تعلیم اور ہدایت۔ یہی تین باتیں ہمارے خُداوند نے ان سات اَلفاظ میں بیان کیں کہ ”راہ اور حق اور زندگی میں رُحوں“۔ کسی انسان کو اپنا باپ نہ مانو، کیونکہ کوئی انسان نہ رُوحانی زندگی دے سکتا ہے اسے قائم رکھ سکتا ہے۔ کسی انسان کو بے خطا اُستاد نہ مانو، کسی انسان کو رُوحانی ڈکٹیٹر بننے کا موقع نہ دو۔ خُدا اور مسیح کے ساتھ آپ کا تعلق اتنا ہی قریبی ہے جتنا کسی دوسرے انسان کا ہو سکتا ہے۔“

مُنہجی کا مطلب واضح ہے کہ آسمان کی بادشاہی میں سارے ایمان دار ایک ایسی اُخوت یا برادری میں شریک ہیں جہاں ایسے امتیازی القاب کوئی مقام نہیں رکھتے جو ایک کو دوسرے پر امتیازی درجہ دیتے ہیں۔ ذرا غور کریں کہ آج کی مسیحیت میں کیسے کیسے پُر شکوہ القاب استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً، عزت مآب، تقدس مآب، قادر (باپ)، وغیرہ، یہاں تک کہ بے ضرر القاب ”ڈاکٹر“ بھی یونانی میں

”استاد“ کے معنی رکھتا ہے (اتنی بات تو صاف ہے کہ اس تینبیہ کا تعلق روحانی تعلقات سے ہے، فطری، پیشہ ورانہ یا فطری تعلقات سے نہیں۔ مثلاً بچے کو اپنے والد کو ”باپ“ کہنے سے یا مریض کو اپنے مُعالج کو ”ڈاکٹر“ کہہ کر مخاطب کرنے سے منع نہیں کیا گیا)۔ جہاں تک دُنیاوی رشتوں کا تعلق ہے تو اصول یہ ہے کہ ”جس سے ڈرنا چاہئے اُس سے ڈرو۔ جس کی عزت کرنا چاہئے اُس کی عزت کرو“ (رومیوں ۱۳: ۷)۔

۲۳: ۱۱-۱۲۔ ایک دفعہ پھر ہمیں اس حقیقت میں آسمان کی بادشاہی کی انقلابی خصوصیت نظر آتی ہے کہ حقیقی عظمت، انسانی سوچ سے بالکل الٹ باتوں میں ہوتی ہے ”جو تم میں بڑھے وہ تمہارا خادم بنے۔ اور جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا۔ اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا“ حقیقی عظمت جھک کر خدمت کرتی ہے۔ فریسی جو اپنے آپ کو بڑا بناتے ہیں چھوٹے رکئے جائیں گے۔ سچے شاگرد جو اپنے آپ کو چھوٹا بناتے ہیں مقررہ وقت پر بڑے کئے جائیں گے۔

ن۔ فقیموں اور فریسیوں پر افسوس (۲۳: ۱۳-۱۴)

اس کے بعد خداوند یسوع اپنے زمانے کے مذہبی ریاکاروں پر افسوس کرنا ہے۔ جیسے ہم بھی اکثر کہتے ہیں ”ہائے، اُٹم پر افسوس!“

۲۳: ۱۳۔ پہلا افسوس اُن کے ہٹیلے پن اور دوسروں کی راہ میں رکاوٹ ہونے پر ہے۔ وہ ”بادشاہی“ میں داخل ہونے سے خود بھی انکار کرتے ہیں اور دوسرے ”داخل ہونے والوں کو“ بھی زبردستی روکتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ مذہبی لیڈر ہی اکثر فضل کی خوشخبری کے مخالف بلکہ شدید مخالف ہوتے ہیں۔ سوائے نجات کی خوشخبری کے وہ ہر بات کو ہنس ہنس کر برداشت کر لیتے ہیں۔ نفسانی آدمی خدا کے فضل کو حاصل نہیں کرنا چاہتا اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ خدا دوسروں پر فضل کرے۔

۲۳: ۱۴۔ دوسرے افسوس میں اس بات پر ناراضی کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ ”بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے“ ہیں۔ اور پھر ایسی حرکتوں کی پردہ پوشی کے لئے لمبی لمبی دُعائیں مانگتے ہیں۔ جدید دور میں بعض فرتے بھی اسی قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ مُمر رسیدہ بیواؤں اور سادہ لوح ایمان داروں سے اُن کی جاٹیداد ”چرچ“ کے نام لکھوا لیتے ہیں۔ اس قسم کی خدا پرستی کرنے والے ریاکاروں کو ”زیادہ سزا ہوگی“۔

۲۳: ۱۵۔ اُن پر تیسرا الزام یہ ہے کہ اُن کے جوش و جذبے کا رخ غلط طرف کو ہوتا ہے۔ وہ ایک مُرید کرنے کے لئے بے حد کوشش کرتے ہیں مگر جب کامیاب ہوئے تو اپنے سے ”دونا“ شریہ

بنادیتے ہیں۔ بدعتی فرقوں کا جوش و جذبہ جدید دور میں اس کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔

۲۳: ۱۶-۲۲۔ جو تھے افسوس میں خداوند اُن کی غیر دیناندازانہ دلیل بازی کی مذمت کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی مننوں کو ٹالنے کے لئے دلائل کا ایک جھوٹا اور غلط نظام کھڑا کر رکھا تھا۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ ”اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے“ تو اس قسم کو پورا کرنا فرض نہیں لیکن ”اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے“ تو قسم کو پورا کرنا ضروری ہے۔ وہ کہتے تھے کہ قربان گاہ پر چڑھی ہوئی نذر کی قسم کی پابندی کرنا لازم ہے، لیکن اگر خالی قربان گاہ کی قسم کھائی جائے تو کوئی بات نہیں۔ اس طرح وہ سونے کو خدا پر (ہیکل خدا کا گھر تھی) اور قربان گاہ پر چڑھی ہوئی نذر کسی نہ کسی شکل میں دولت) کو خود قربان گاہ پر قربت دیتے تھے۔ اُن کی دلچسپی روحانی باتوں میں نہیں بلکہ مادی چیزوں میں تھی۔ زیادہ دلچسپی لینے میں تھی دینے میں نہ تھی۔

یسوع نے انہیں ”اندھے راہ بنانے والو“ کہہ کر اُن کی دلیل تراشی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ ہیکل کا سونا اس لئے خصوصی قدر و قیمت والا بن جاتا تھا کہ ہیکل خدا کا مسکن تھی۔ اور نذر کی قدر و قیمت قربان گاہ کی مرہونِ منت ہوتی تھی۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ سونا بذاتہ قیمتی چیز ہے وہ اندھے ہیں۔ یہ اُسی قدر ہی قیمتی ہوتا ہے جس قدر خدا کی خدمت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جو نذرانے نفسانی مقاصد کی خاطر چڑھائے جاتے ہیں بے وقعت اور بے قدر ہوتے ہیں۔ جو خداوند کو یا خداوند کے نام سے دئے جاتے ہیں، وہ دائمی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فریسی جس چیز کی بھی قسم کھاتے، خدا اُس میں شامل ہوتا تھا اور اُن قسموں کو پورا کرنا اُن کا لازمی فرض بنتا تھا۔ انسان بظاہر سچھی دلیل بازی سے ان فرائض سے بچ نہیں سکتا۔ قسمیں ہمیں پابند کرتی ہیں اور وعدوں کو لازماً پورا کرنا چاہئے۔ فرائض سے پہلو تہی کرنے کے لئے ٹیکنیکل ٹیکتے نکالنا اور دلیلیں دینا بے کار بات ہے۔

۲۳: ۲۳، ۲۴۔ پانچواں افسوس سچائی اور حقیقت سے عاری رسم پرستی کے خلاف ہے۔ ”فقیر اور فریسی“ پورینے اور سونف جیسی معمولی چیزوں پر خداوند کو وہ یکی دینے میں پوری احتیاط کرتے تھے۔ یسوع نے ایسی احتیاط اور ذرا ذرا سی تفصیل کا خیال رکھنے پر اُن کی ملامت نہیں کی، بلکہ اس بات پر کہ ”جب اِنصاف اور رحم“ یا دوسروں کے ساتھ وفاداری دکھانے کا موقع آتا تھا تو وہ انتہائی بے احتیاط ہو جاتے تھے۔ اپنی بات کو زور دار بنانے کے لئے خداوند ایک نہایت مؤثر ادبی صنعت استعمال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم مجھ کو تو چھانتے ہو اور اونٹ

کو ننگل جاتے ہو۔ مچھر یعنی ایک ننھا سا بھنگا اکثر میٹھے مشروب میں گر جاتا تھا سینے والے، دانت پھینچ کر مشروب کی چسکیاں لیتے تو یہ مچھر چھین جاتا تھا۔ غیر اہم باتوں میں اتنی احتیاط کرنا اور فلسطین کے سب سے بڑے حرام جانور کو ننگل جانا کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔ فریسیوں کو چھوٹی چھوٹی باتوں کا بے حد خیال رہتا تھا، لیکن ریا کاری، بددیانتی، ظلم اور حرص جیسے بڑے بڑے گناہوں سے اندھے بنے رہتے تھے۔ وہ نیک و بد کا ادراک کھو بیٹھے تھے۔

۲۳: ۲۵، ۲۶۔ چھٹے افسوس کا تعلق ظاہر پرستی سے ہے۔ فریسی ظاہری طور پر بااخلاق اور پابند مذہب بنے رہنے پر بڑی توجہ دیتے تھے لیکن ان کے دل "ٹوٹ اور نا پرہیزگاری" سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کو چاہئے تھا کہ "پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف" کرتے یعنی توبہ اور ایمان کے ساتھ اپنے دلوں کو صاف کرتے۔ صرف اسی صورت میں ان کا ظاہری کردار قابل قبول ہو سکتا تھا۔ ہم جو کچھ ہیں، اور جو رائے ہم دوسروں کو چاہتے ہیں کہ ہمارے متعلق قائم کریں، اس میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ خدا ہمارے باطن میں سچائی چاہتا ہے (زبور ۵۱: ۶)۔

۲۳: ۲۷، ۲۸۔ ساتویں افسوس میں بھی ظاہر پرستی کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ چھٹے افسوس میں حرص کو چھپانے کو لٹاڑا گیا ہے جبکہ ساتویں میں "ریا کاری اور بے دینی" کی پردہ پوشی کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔

قبروں کو سفیدی اس لئے کی جاتی تھی کہ یہودی لوگ کہیں بے احتیاطی سے ان کو چھون لیں اور رسمی طور پر ناپاک نہ ہو جائیں۔ یسوع نے فقہوں اور فریسیوں کو "سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند" ٹھہرایا۔ جو اوپر سے تو صاف ستھری دکھائی دیتی ہیں مگر اندر نجاست سے بھری ہوتی ہیں۔ لوگ سوچتے تھے کہ ان مذہبی لوگوں کے ساتھ میل جول سے ہم پاک ہو جاتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ ناپاک کر دینے والا تجربہ ہوتا تھا کیونکہ وہ ریا کاری اور شرارت اور بدکاری سے بھرے ہوئے تھے۔

۲۳: ۲۹، ۳۰۔ آخری افسوس اس بات پر تھا جسے ہم بظاہر عقیدت و احترام اور بباطن مردوم کشی کہہ سکتے ہیں۔ "فقیہ اور فریسی" ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ ہم پرانے عہد نامے کے نبیوں کی بڑی عزت کرتے اور ان سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ ان کے مقبرے بنوانے یا ان کی مرمت کر داتے تھے اور ان کی یادگاروں پر پھول چڑھاتے تھے۔ ان کی یاد میں تقریروں کے دوران دعوے کرتے تھے کہ "اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔"

۳۱:۲۳ - یسوع نے اُن سے کہا کہ ”اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے خاندانوں کے فرزند ہو۔“ مگر وہ کس طرح یہ گواہی دیتے تھے؟ گزشتہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو اپنے باپ دادا سے جنموں نے نبیوں کا خون کیا لالعلق ثابت کرتے ہیں۔ اول وہ اقرار کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا نے، جن کے وہ جسمانی طور سے فرزند تھے، نبیوں کا خون بہایا تھا۔ لیکن یسوع نے لفظ ”فرزند“ اُن لوگوں کے مفہوم میں استعمال کیا جن کی خصوصیات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ ایک طرف تو وہ نبیوں کی قبروں کو آراستہ کر رہے ہیں تو ساتھ ہی دوسری طرف وہ اُس کو مار ڈالنے کی سازشیں بھی کر رہے تھے۔ دوم - گزشتہ نبیوں کے لئے اتنی عزت و احترام دکھانے سے وہ تسلیم کرتے تھے کہ ”ہم صرف مردہ نبیوں کو پسند کرتے ہیں۔“ ان معنوں میں بھی وہ اپنے باپ دادا کے فرزند تھے۔

۳۲:۲۳ - ہمارے خداوند نے مزید کہا کہ ”غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھرو۔“ باپ دادا نے نبیوں کو قتل کر کے پیمانہ جزدی طور پر بھر دیا تھا، اور فقیہ اور فریسی خداوند یسوع اور اُس کے پیروؤں کو قتل کر کے بہت جلد پورا بھر دیں گے۔ اس طرح جو کام اُن کے باپ دادا نے شروع کیا تھا اُسے ایک دہشتناک نقطہ شروع تک پہنچا دیں گے۔

۳۳:۲۳ - اس موقع پر خدا کے مسیح نے یہ گہرا الفاظ کہے کہ ”اے سانیو! اے انعی کے بیٹو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟“ کیا مجسم محبت ایسے تباہ کن الفاظ کہہ سکتی ہے؟ ہاں، کیونکہ سچی محبت راست اور پاک ہوتی ہے۔ یہ تصور اگرچہ عام ہے مگر بائبل مقدس کے مطابق نہیں کہ یسوع ایک بے ضرر مصلح ہے اور سوائے محبت کے اور کوئی جذبہ نہیں رکھتا۔ محبت ہمیشہ منہی برانصاف ہونی چاہئے۔ محبت کا رویہ سخت بھی ہو سکتا ہے۔

یہ حقیقت بڑی سنجیدگی سے یاد رکھنی چاہئے کہ ”جہنم کی سزا“ کے لفظ شراہیوں اور رمت خداوندی سے محروم لوگوں کو نہیں بلکہ مذہبی لیڈروں کو کہے گئے تھے۔ آج عالمگیریت کا دور ہے اور بہت سے انجیلی مسیحی ایسی قوتوں کے ساتھ میل ملاپ کے وعدے اور معاہدے کر رہے ہیں جو مسیح کی صلیب کے جانی دشمن ہیں۔ بہتر ہے کہ یسوع کے نمونے پر غور کیا جائے اور وہ بات یاد رکھی جائے جو یاہو نے یہووسفط سے کہی تھی کہ ”کیا مناسب ہے کہ تو شریروں کی مدد کرے اور خداوند کے دشمنوں سے محبت رکھے؟“

۳۵:۲۳، ۳۴ - یسوع نہ صرف اپنی موت کو پیلے سے دیکھ رہا تھا بلکہ اُس نے فریسیوں اور فقہوں

کوصاف صاف بتا دیا کہ جن پیغمبروں یعنی ”نبیوں اور دانائوں اور فقیہوں“ کو میں تمہارے پاس بھیجوں گا، تم ان کو قتل کر دو گے۔ جو شہید ہونے سے بچ جائیں گے، ان کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔ اس طرح اسرائیل کے لیڈر شہادت کی تاریخ کا سارا مجرم اپنے کھاتے میں جمع کر لیں گے۔ اور ”راستبازوں کا خون ... ہاہل کے خون سے لے کر ... زکریاہ کے خون تک“ ان کی گردن پر ہوگا۔ زکریاہ کے خون کا ذکر ۲۔ تواریخ ۲۴: ۲۰-۲۱ میں درج ہے۔ بائبل مقدس کی عبرانی ترتیب کے مطابق ۲۔ تواریخ پڑانے عہد نامہ کی آخری کتاب ہے۔ (یہ زکریاہ پڑانے عہد نامہ کی اسی نام کی کتاب کا مصنف نہیں تھا)۔

۲۳: ۳۶۔ ماضی کا سارا گناہ اُس زمانہ کے لوگوں پر آئے گا جن سے یسوع بات کر رہا تھا۔ گویا ماضی میں جتنا بھی بے گناہ خون بہایا گیا تھا وہ بے گناہ منجی کی موت میں آکر جمع ہو جاتا اور نقطہ عروج کو پہنچتا ہے۔ جو قوم اپنے مسیح موعود سے عداوت رکھتی اور بے وجہ اسے مجرموں کی صلیب پر جڑھا دیتی ہے، اس پر کثرت سے سزا اور غضب اُنڈیلا جائے گا۔

س۔ یسوع یروشلیم پر نوحہ کرتا ہے (۲۳: ۲۷-۳۹)

۲۳: ۳۷-۳۸۔ یہ بات بہت ہی اہم ہے جس میں کسی دوسرے باب کی نسبت خداوند کے سب سے زیادہ افسوس درج ہیں، وہ اُس کے آنسوؤں کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ پہلے تو وہ فریسیوں پر افسوس کرنے اور ان کی خامیوں کو واشکاف کرنے کے بعد اُس شہر پر دردناک نوحہ کرتا ہے جس نے موقع کھو دیا۔ ”اے یروشلیم! اے یروشلیم!“ نام کو دہرانے میں ایسا زبردست احساس پایا جاتا ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ شہر ”نبیوں“ کو قتل اور خدا کا پیغام لانے والوں کو سنگسار کرتا رہا تھا۔ تو بھی خداوند اس سے محبت رکھتا ہے۔ خداوند نے حفاظت کی خاطر اُس کے فرزندوں کو بڑی محبت سے اپنے پاس جمع کرنا چاہا جس طرح مرضی اپنے بچوں کو پردوں تلے جمع کر لیتی ہے۔ مگر اس شہر نے نہ چاہا۔

۲۳: ۳۸۔ اپنے نوحہ کے اختتام میں خداوند یسوع نے کہا کہ ”دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے دیران چھوڑا جاتا ہے۔“ بنیادی طور پر گھر سے یہاں مراد ہیکل ہے۔ مگر یروشلیم کا شہر بھی شامل ہو سکتا ہے۔ بلکہ خود قوم بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یسوع کی موت اور دوسری آمد کے درمیان ایک وقفہ ہوگا، جس کے دوران ایمان نہ لانے والا اسرائیل اُسے نہیں دیکھے گا (اُس کے

جی اٹھنے کے بعد صرف ایمانداروں نے اُسے دیکھا۔

۳۹:۲۳۔ آیت ۳۹ مُستقبل میں دوسری آمد کو دیکھتی ہے جب اسرائیل کا ایک ایماندار حصّہ اُس کو مسیح موعود بادشاہ کی حیثیت سے قبول کرے گا۔ یہ قبولیت ان الفاظ میں پوشیدہ ہے کہ ”مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔“

یہاں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ جنہوں نے خداوند کو قتل کیا ہے، ان کو ایک اور موقع ملے گا۔ وہ یروشلیم کی بات کر رہا تھا اور یوں مجاز مرسَل کے مطابق وہ اُس کے باشندوں اور عمومی لحاظ سے اسرائیل کی بات کر رہا تھا۔ اگلی دفعہ جب یروشلیم کے باشندے اُسے اُس کی موت کے بعد دیکھیں گے تو وہ موقع ہوگا جب ”وہ اُس پر جس کو انہوں نے چھیدا ہے نظر کریں گے اور اُس کے لئے نام کریں گے جیسا کوئی اپنے اکلوتے کے لئے کرتا ہے“ (زکریاہ ۱۲:۱۰)۔ یہودی حساب سے کوئی نام اتنا شدید اور تلخ نہیں ہوتا جیسا اکلوتے کے لئے ہوتا ہے۔

۱۳۔ کوہ زیتون پر بادشاہ کا وعظ (ابواب ۲۴، ۲۵)

ابواب ۲۴ اور ۲۵ میں وہ باتیں ذکر ہیں جن کو کوہ زیتون پر کا وعظ کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں اُس نے بعض اہم باتوں کا اعلان کیا۔ یہ پورا وعظ نبوتی ہے۔ اس میں بڑی مصیبت کے دور اور خداوند کی آمدِ ثانی کا ذکر ہے۔ اس کا تعلق خاص صرف بنی اسرائیل کے ساتھ تو نہیں لیکن بنیادی طور پر اسرائیل کے ساتھ ہی ہے۔ واقعات کا منظر تو صاف نظر آتا ہے کہ فلسطین ہے۔ مثلاً ”جو یہودیہ میں ہوں، وہ پہاڑوں پر بھاگ جائیں“ (۱۶:۲۴)۔ اس کی وضع واضح طور پر یہودی ہے۔ مثلاً ”دعا کرو کہ تم کو... سبت کے دن بھاگنا نہ پڑے“ (۲۰:۲۴)۔ ”برگزیدوں“ سے مراد خدا کے برگزیدہ یہودی ہیں، کلیسیا نہیں۔ اس وعظ کی نبوتوں یا تمثیوں میں کلیسیا کہیں موجود نہیں۔ تشریح کے دوران ہم اس بات کی وضاحت کریں گے۔

۱۔ یسوع ہیکل کی بربادی کی پیشین گوئی کرتا ہے (۲۴:۲۴)

وعظ کے شروع میں ایک اہم بیان ہے کہ ”یسوع ہیکل سے نکل کر جا رہا تھا“۔ یہ بات ان الفاظ کے سلسلے میں جو اُس نے ابھی ابھی کہے تھے بہت اہم ہے کہ ”تمہارا گھر تمہارے لئے دیران چھوڑا جاتا ہے...“ (۳۸:۲۳)۔ اس سے ہمیں جزئی ایل کا وہ بیان یاد آتا ہے کہ بحال

ہیکل سے جدا ہو گیا (حضرتی ایل ۳: ۹؛ ۱۰؛ ۱۱؛ ۲۳)۔

شاگرد چاہتے تھے کہ خداوند ہمارے ساتھ مل کر ہیکل کی تعمیراتی خوبصورتی اور حُسن کی تعریف کرے۔ اُن کا دھیان دائمی نہیں بلکہ عارضی باتوں پر تھا۔ وہ حقیقت نہیں بلکہ سایہ کے ذریعے بھاگتے تھے۔ یسوع نے خبردار کیا کہ یہ عمارت ایسی برباد ہو جائے گی کہ کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا۔ ططس نے ہیکل کو بچانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُس کے فوجیوں نے ہیکل کو آگ لگا دی اور اس طرح مسیح کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ جب آگ کی گرمی سے سونا (جو نقریاً ہر چیز پر کندھا ہوا تھا) پگھلا تو پتھروں کے درمیان بیٹنے لگا۔ اور دھبے جم گیا۔ اس سونے کو حاصل کرنے کے لئے فوجیوں نے ایک ایک پتھر کو الگ الگ کر دیا جیسا کہ ہمارے خداوند نے پیشین گوئی کی تھی۔ یہ سزائے ع میں اُس وقت پوری ہوئی جب رومیوں نے ططس کے ماتحت یروشلم پر حملہ بول دیا تھا۔

ب۔ بڑی مُصیبت کا پہلا نصف حصہ (۲۳: ۳-۱۴)

۳: ۲۳۔ جب یسوع وادی کے پار "زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا (تو) اُس کے شاگردوں نے اُلگ اُلگ اُس کے پاس آکر تین سوال پوچھے۔

۱۔ "یہ باتیں کب ہوں گی؟ یعنی ہیکل کب برباد ہوگی؟

۲۔ یسوع کے آنے... کا نشان کیا ہوگا؟" کہ زمین پر بادشاہی قائم کرنے کی خاطر آنے

سے پہلے کون سے فوق الفطرت واقعات رونما ہوں گے؟

۳۔ "دُنیا کے آخر ہونے کا نشان کیا ہوگا؟" یعنی اُس کے جلالی دور کے آغاز سے فوراً پہلے کونسی

باتیں اس امر کا اعلان کریں گی؟ (بنیادی طور پر دوسرا اور تیسرا سوال ایک ہی ہیں)۔

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان یہودی شاگردوں کی سوچ زمین پر مسیح موعود کے جلالی زمانے کے گرد

گھومتی ہے۔ اُن کو کلیسیا کی خاطر مسیح کے آنے کا خیال نہیں تھا۔ وہ اُس کی آمد کے اُس مرحلے کے

بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ اُن کی توقع صرف یہی تھی کہ وہ قدرت اور جلال کے ساتھ آئے گا

اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کر کے دُنیا پر حکمرانی کرے گا۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ دُنیا کے خاتمے کی بات نہیں بلکہ اُس دور یا زمانے (یونانی

alon = پشت) کے خاتمے کی بات کر رہے تھے۔ (اگرچہ اُردو ترجمہ میں لفظ دُنیا ہی استعمال ہوا

ہے۔ مزید دیکھئے ریفرنس بائبل کا حاشیہ)۔

یسوع نے پہلے سوال کا براہ راست جواب نہیں دیا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ منجی نے شہر میں یروشلیم کے محاصرے (دیکھئے لوقا ۲۱: ۲۰-۲۴) کو ایک ایسے ہی دوسرے محاصرے کے ساتھ ملا دیا ہے جو بعد کے ایام میں ہونے والا تھا۔ نبوت کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند ایک پہلی اور جزوی تکمیل سے غیر محسوس طور پر دوسری اور کامل تکمیل کی طرف چلا جاتا ہے۔

دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب ۲۴ باب کی ۴-۴ آیات میں دیا گیا ہے۔ ان آیات میں سات سالہ مصیبت کے زمانے کا بیان ہے جو مسیح کی جلالی آمد سے پہلے ہوگا۔ پہلے ساڑھے تین برسوں کا بیان آیات ۴-۴ میں ہے۔ آخری ساڑھے تین برسوں کو بڑی مصیبت اور یعقوب کی مصیبت کا وقت (یرمیاہ ۳۰: ۷) کہا گیا ہے۔ زمین پر بسنے والوں کے لئے یہ ایسے دکھ اور مصیبت کا زمانہ ہوگا جس کی مثال نہیں ملتی۔

مصیبت کے پہلے نصف میں جو حالات ہوں گے، ان کی خصوصیات تو ساری تاریخ انسانی میں موجود رہی ہیں۔ لیکن زبردست عرصے میں یہ خصوصیات بہت زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔ کلیسیا کے ارکان کے ساتھ بھی مصیبت کا وعدہ ہے (یوحنا ۱۶: ۳۳) لیکن یہ اس مصیبت سے قطعی فرق ہے جو اس دنیا پر اُٹھائی جائے گی جس نے خدا کے بیٹے کو رد کر دیا ہے۔

ہم ایمان رکھتے ہیں کہ خدا کے غضب کے دن (۱- تھسلنیکوں ۱: ۱۰؛ ۲: ۱۶؛ ۲: ۱۲؛ ۱۲؛ مکاشفہ ۳: ۱۰) کے شروع ہونے سے پہلے کلیسیا زمین پر سے اٹھالی جائے گی (۱- تھسلنیکوں ۴: ۱۳-۱۸)۔

۲۴: ۵ - مصیبت کے پہلے نصف کے دوران بہت سے چھوٹے مسیح ظاہر ہوں گے جو بے شمار لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ آج کل بہت سے چھوٹے فرقے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ شاید یہ اسی بات کا پیش خیمہ ہیں، مگر تکمیل نہیں ہیں۔ یہ چھوٹے مذہبی لیڈر یہودی ہوں گے جو "مسیح" ہونے کا دعویٰ کریں گے۔

۲۴: ۶، ۷ - "تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے... قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی"۔ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ ہم اس نبوت کو پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، ان باتوں کے مقابلے میں بہت ہی معمولی اور نرم ہے جو ابھی ہونے والی ہیں۔ حقیقت میں خدا کے وقت کے گوشوارہ میں اگلا واقعہ کلیسیا کا ہونا میں اٹھایا جانا یا افضائی استقبال ہے (یوحنا

۱۰:۱۴-۶:۲- کرنتھیوں ۱۵:۵۱-۵۷) - کوئی ایسی نبوت نہیں ہے جو اس واقعہ سے پہلے پوری ہوگی۔ جب کلیسیا کو دنیا سے ہٹا لیا جائے گا، اس کے بعد خدا کی نبوت کی گھڑی دوبارہ چلنا شروع ہوگی اور مذکورہ حالات بہت تیزی کے ساتھ ظہور پذیر ہوں گے۔ ”جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے۔“

آج بھی دنیا کے لیڈر آبادی کے دھماکے کے سبب کال سے پریشان ہو رہے ہیں، لیکن جب جنگوں کی وجہ سے اجناس کی قلت ہوگی تو ان میں تیزی اور شدت آجائے گی۔

آج کل ”بھونچال“ بھی تو بھر کھینچ رہے ہیں۔ نہ صرف وہ بھونچال جو آج کل آرہے ہیں بلکہ وہ بھی جو متوقع ہیں۔ میں پھر یاد دلاتا ہوں کہ یہ اصل طوفان سے پہلے کے ہلکے جھونکے ہیں۔ ابھی تمہاری کی باتوں کو پورا ہوتا ہے۔

۸:۲۴- آیت اٹھ اس زمانے کی واضح شناخت کرتی ہے کہ یہ ”مُصیبیتوں کا شروع“ ہی ہوگا۔ گویا یہ درزہ کا آغاز ہے جس سے وہ نیا نظام پیدا ہوگا جس پر اسرائیل کا مسیح موعود بادشاہ حکمران ہوگا۔ ۱۰:۶۹:۲۳- اس مُصیبیت کے دوران وفادار ایمان داروں کو بڑی بڑی شخصی آزمائشوں کا تجربہ ہوگا۔ جتنے بھی خداوند کے وفادار ہوں گے، تو میں اُن کے خلاف نہایت نفرت اور عداوت بھری مسم چلائیں گی۔ نہ صرف اُن پر مذہبی اور دیوانی عدالتوں میں مُقدمات چلائے جائیں گے (مرقس ۱۳:۹) بلکہ بہتوں کو صرف اس لئے شہید کر دیا جائے گا کہ وہ مسیح کا انکار نہیں کریں گے۔ اگرچہ کلیسیائی دور کے تمام عرصے کے دوران ایسی آزمائشیں ہوتی رہی ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس کا خاص اشارہ اُن ... ۶۴، ۶۵، ۶۶ اور ایمان داروں کی طرف ہے جن کے پُرد اس عرصے کے دوران خاص خدمت ہوگی۔

بہت سے لوگ دکھ اٹھانے اور مرنے کی بجائے مسیح کا انکار کرنے کو ترجیح دیں گے۔ خاندان کے لوگ اپنے ہی رشتہ داروں اور عزیزوں کی خمیری کر کے اور اُن کو پکڑوا کر درندہ صفت ایذا رسانی کے حوالے کریں گے۔

۱۱:۲۴- ”بہت سے جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔ یہ آیت ۵ کے جھوٹے ”مسیحوں“ سے الگ ہوں گے۔ ”جھوٹے نبی“ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کی طرف سے بولتے ہیں۔ اُن کا پتہ دو طریقوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ اُن کی نبوتیں ہمیشہ پوری نہیں ہوتیں اور اُن کی تعلیمات انسانوں کو ہمیشہ خدا سے دُور لے جاتی ہیں۔ ”نبیوں“ کے ذکر سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ مُصیبیت اپنی نوعیت میں یہودی ہوگی۔ ”جھوٹے نبی“ اسرائیل کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ کلیسیا میں خطرہ ”جھوٹے اُستادوں“ (۲- پطرس ۱:۲) کی طرف سے ہوتا ہے۔

۱۲:۲۴ - جب چاروں طرف شرارت اور بُرائی دندنارہی ہوگی تو انسانی مجت بھی ٹھنڈی پڑتی جائے گی۔ ایسے واقعات عام ہوں گے جن میں مجت کا فقدان ہوتا ہے۔

۱۳:۲۴ - ”مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہ نجات پائے گا۔“ بے شک اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ برداشت کے باعث انسانوں کی روجوں کو نجات دے گی۔ بائبل مقدس ہمیشہ کہتی ہے کہ نجات خدا کا مہفت فضل ہے اور مسیح کی عوضی موت اور قیامت پر ایمان لانے سے ملتی ہے۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو برداشت کریں گے جسمانی ضرر اور نقصان سے بچ جائیں گے۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ بہت سے ایمان داروں کو شنید کر دیا جائے گا (آیت ۹)۔ یہ ایک عمومی بیان ہے کہ جو لوگ ڈٹے رہیں گے اور مسیح کا انکار رکھے بغیر ایذا نہیں برداشت کریں گے، وہ مسیح کی آمدِ ثانی کے وقت رہائی پائیں گے۔ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ انکار میں آخری تحفظ ہے۔ صرف وہی ”نجات پائیں گے“ جن کا ایمان سچا ہوگا۔ اگرچہ نجات بخش ایمان لغزش کھا سکتا ہے۔ لیکن اس میں قائم رہنے کی خصوصیت ہمیشہ موجود ہوتی ہے۔

۱۴:۲۴ - اس دور میں ”بادشاہی کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہو۔“ جیسا کہ ۴:۲۳ کی تفسیر میں بتایا گیا تھا ”بادشاہی کی منادی“ سے مراد یہ خوشخبری ہے کہ مسیح اس دنیا میں اپنی ”بادشاہی“ قائم کرنے کے لئے آ رہا ہے اور جو لوگ مصیبت کے دوران ایمان سے اُسے قبول کریں گے وہ اُس کی ہزار سالہ بادشاہی کی برکات سے مالا مال ہوں گے۔

آیت ۴ کو اکثر غلط استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسیح ابھی نہیں آسکتا کیونکہ بہت سے قبیلوں کو تاحال خوشخبری نہیں سنائی گئی۔ یہ مشکل اس وقت دور ہو جاتی ہے جب ہم یہ سمجھ لیں گے کہ یہاں بیان اس آمد کا ہے جو مقدسوں کے ساتھ ہوگی، اُس آمد کا نہیں جو مقدسوں کو لے جانے کے لئے ہوگی۔ دوسرے، یہ بات ”بادشاہی کی خوشخبری کی ہے، خدا کے فضل کی خوشخبری کی نہیں (۴:۲۳ کی تفسیر ملاحظہ کریں)۔“

آیات ۳: ۱۴ میں درج اور مکاشفہ ۶: ۱-۱۱ کے واقعات میں حیرت ناک موافقت پائی جاتی ہے۔ سفید گھوڑے کا سوار — جھوٹا مسیح، لال گھوڑے کا سوار — جنگ، کالے گھوڑے کا سوار — کال، اور زرد گھوڑے کا سوار — وبا اور موت۔ قربان گاہ کے بیچے کی رُوہیں شہیدوں کی رُوہیں ہیں۔ مکاشفہ ۶: ۱۲-۱۴ میں مذکور واقعات متی ۲۴: ۱۹-۳۱ کے واقعات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔

ج۔ بڑی مصیبت (۲۳: ۱۵-۲۸)

اب ہم مصیبت کے درمیانی حصے پر پہنچ گئے ہیں۔ آیت ۱۵ کا مقابلہ دانی ایل ۲۷: ۱۹ سے کریں تو ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ دانی ایل نے نبوت کی تھی کہ ستروں ہفتے کے درمیان یعنی ساٹھ تین سال کے خاتمے میں مقدس مقام پر ایک بت نصب کیا جائے گا۔ مقدس مقام کا مطلب یروشلم کی ہیبل ہے۔ سارے آدمیوں کو حکم دیا جائے گا کہ اس مکروہ بت کی پرستش کریں۔ جو حکم عدولاً کرے گا، اُس کو موت کی سزا دی جائے گی (مکاشفہ ۱۳: ۱۵)۔

”پس جب تم اُس اُجاڑنے والی مکروہ چیز کو جس کا ذکر دانی ایل نبی کی معرفت ہوا مقدس مقام میں کھڑا ہوا دیکھو (پڑھنے والا سمجھ لے)۔۔۔“ بت کا کھڑا کیا جانا اُن لوگوں کے لئے نشان ہوگا جو خدا کے کلام کو جانتے ہیں کہ بڑی مصیبت شروع ہوگئی ہے۔ غور کریں کہ خداوند چاہتا ہے کہ جو شخص یہ نبوت ”پڑھتا ہے“ وہ اس بات کو ”سمجھ لے“۔

۱۶: ۲۳۔ ”جو یہودیہ میں ہوں وہ پہاڑوں پر بھاگ جائیں۔“ جب یہروشلم کے گرد و نواح کے لوگ اس بت کو سجدہ کرنے سے انکار کریں گے تو اس بات کا بہت جلد پتہ چل جائے گا۔

۱۷: ۲۳۔ اُس وقت انتہائی جلدی کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اگر کوئی شخص ”کوٹھے پر“ یعنی چھت پر بیٹھا ہو، تو اپنا سب کچھ پیچھے چھوڑ کر بھاگ جائے۔ چیزیں جمع کرنے میں جو وقت لگے گا، شاید وہی موت اور زندگی میں فرق کا باعث ہو۔ جو شخص ”کھیت میں“ کام کر رہا ہے، وہ اپنا کپڑا لینے کو پیچھے نہ لوٹے۔ کپڑے جہاں پڑے ہیں وہیں چھوڑ کر جان بچانے کی فکر کرے۔ حاملہ اور دودھ پلاتی عورتوں کو تو خاص مشکل ہوگی۔ اُن کے لئے نیزی سے بچ نکلتا بہت مشکل ہوگا۔

۲۰: ۲۳۔ ایمان داروں کو ”دعا“ کرنی چاہئے کہ یہ بحران ”جاڑوں میں“ نہ آئے کیونکہ جاڑوں میں سفر کی مشکلات بڑھ جاتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ ”سبت کے دن“ نہ ہو کیونکہ شریعت اس دن سفر کرنے کے فاصلے کو محدود کرتی ہے (خرج ۱۶: ۲۹)۔ سبت کے دن کا فاصلہ اُن کو خطرے سے دور لے جانے کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

۲۱: ۲۳۔ ”کیونکہ اُس وقت ایسی بڑی مصیبت ہوگی کہ دنیا کے شروع سے نہ اب تک ہوئی نہ کبھی ہوگی۔“ یہ بیان اُس ”بڑی مصیبت“ کو تاریخ کی ہر ایذا، ہر منظم قتل عام، ہر اخراج، ہر نسل کشی اور انسانوں کے کسی طبقہ کو صفحہ ہستی سے ختم کر دینے کے ہر واقعہ سے الگ کر دیتا ہے۔ یہ

بیشین گوئی ماضی کی کسی ایذا رسانی سے پوری نہیں ہوتی، کیونکہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اس کا خاتمہ مسیح کی دوسری آمد کے ساتھ ہوگا۔

۲۲: ۲۴۔ یہ بڑی مصیبت اتنی شدید ہوگی کہ اگر وہ دن گھٹائے نہ جاتے تو کوئی بشر نہ بچتا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑی مصیبت جس کا اتنی دفعہ خصوصیت سے بیان ہوا ہے کہ ساڑھے تین سال تک رہے گی، اس کے عرصہ میں کمی کی جائے گی۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا معجزانہ طور پر گھڑیوں کو چھوٹا کر دے گا کیونکہ زیادہ تر جنگ اور قتل و غارت دن کی روشنی ہی میں جاری رہتا ہے۔ ”برگزیروں کی خاطر“ (جنہوں نے مسیح کو قبول کر لیا ہے) خدا اتنی سہولت دے گا کہ اندھیرا جلدی ہو جایا کرے گا۔

۲۳: ۲۳-۲۶۔ آیات ۲۳ اور ۲۴ میں نئے عہدے سے خبردار کیا گیا ہے کہ ”چھوٹے“ مسیحوں اور ”چھوٹے نبیوں“ سے ہوشیار رہیں۔ بحران کے ماحول میں یہ افواہیں اڑیں گی کہ مسیح موعود کسی خفیہ جگہ پر موجود ہے۔ ان افواہوں کو ایسے افراد کو پھانسنے کے لئے استعمال کیا جائے گا جو غلوں والی اور محبت کے ساتھ مسیح کے منتظر ہوں گے۔ پس خداوند تمام شاگردوں کو خبردار کرتا ہے کہ کسی مقامی اور خفیہ آمد کی خبروں کا اعتبار نہ کریں۔ جو معجزے دکھاتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہوں۔ معجزے شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتے ہیں۔ جب وہ بے دین ظاہر ہوگا (جس کا ذکر کلام میں متعدد بار آتا ہے) تو اسے معجزے کرنے کی شیطانی قوت حاصل ہوگی (۲۔ تھسلنیکیوں ۲: ۱۰، ۹)۔

۲۴: ۲۴۔ مسیح کی آمد ایسی ہوگی کہ کوئی اس کے بارے میں غلطی میں نہیں رہے گا۔ یہ آمد اچانک، علانیہ، عالمگیر اور جلالی ہوگی۔ ”بجلی کو تندنے“ کی مانند لمحہ بھر میں سب کو صاف دکھائی دے گی۔

۲۴: ۲۸۔ اور کسی قسم کا اخلاقی بگاڑ اور بے راہروی اس کے غیض و غضب سے نہ بچ سکے گی۔

”جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے۔“ مردار برگشتہ یہودیت، مسیحی دنیا اور دنیا کے ہر اس نظام کی تصویر پیش کرتا ہے جس نے خدا اور اس کے مسیح کے خلاف گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ ”گدھ“ مثال ہیں خدا کے غضب یا آفتوں کی جو مسیح موعود کے ظاہر ہونے کے سلسلے میں نازل ہوں گی۔

د۔ آمدِ ثانی (۲۴: ۲۹-۳۱)

۲۹: ۲۴۔ بڑی مصیبت کے اختتام پر آسمان پر بڑی ہولناک ہلچل ہوگی۔ ”سورج تاریک ہو جائے گا۔“ اور چونکہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی کا محض عکس ہوتی ہے اس لئے چاند اپنی روشنی نہ دے گا۔“ رستارے آسمان سے گرین گے اور فلکی اجسام یعنی سیارے اپنے اپنے مدار

سے ہٹ جائیں گے۔ یہ بتانے کی حاجت نہیں کہ کاہنات میں اتنے وسیع پیمانے پر انقلابات آئیں گے تو موسموں، مروجہ اور آب و ہوا پر وہ اثر پڑے گا کہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ایک سائنس دان نے اس کا ہلکا سا تصور اس بیان میں دیا ہے کہ اگر کوئی سیارہ زمین کے بہت قریب آجائے اور اُس کے محور کے جھکاؤ میں فرق آجائے تو کیا ہوگا!

”اُس لمحہ ایک بھونچال زمین کو لرزا دے گا۔ خاصیتِ استمرار کے باعث پانی اور ہوا مسلسل حرکت میں رہیں گے۔ تند ہوائیں سطح زمین کو ادھیڑ ڈالیں گی۔ سمندر بر اعظم پر چڑھ آئیں گے، کنگڑے پتھر، ریت اور آبی جانوروں کو بہا لائیں گے اور انہیں خشکی پر لا پھینکیں گے۔ حرارت بڑھ جائے گی، چٹانیں پگھل جائیں گی، آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑیں گے۔ زمین جگہ جگہ سے شق ہو جائے گی۔ ان شکاروں میں سے لاوا بہ کر وسیع علاقوں پر پھیل جائے گا۔ میدانوں سے پہاڑ اُبھر آئیں گے، جو دوسرے پہاڑوں کے کندھوں پر سوار ہو جائیں گے اور حرکت کریں گے۔ اس طرح درازیں اور رخنے پڑ جائیں گے۔ جھیلیں جھک جائیں گی اور خالی ہو جائیں گی۔ دریا گزر گاہیں بدل لیں گے، اور خشکی کے علاقے اپنے بارشندوں سمیت سر کر سمندر میں جا پڑیں گے۔ جنگلات جلنے لگیں گے۔ تند ہوائیں اور طوفانی سمندر اُن کو زمین سے اُگھاڑ کر شانوں اور جڑوں سمیت بڑے بڑے ڈھیروں میں جمع کر دیں گے۔ سمندروں کا پانی نہ جائے گا اور وہ ریگستان بن جائیں گے۔“

۲۳:۳- ”اُس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔ ہمیں نہیں بتایا گیا کہ نشان“

کیا ہوگا۔ اُس کی پہلی آمد پر بھی آسمان میں نشان ظاہر ہوا تھا یعنی ستارہ دکھائی دیا تھا۔ شاید ایسا ہی کوئی مُعجزاتی ستارہ اُس کی دوسری آمد کی خبر دے گا۔ بعض لوگ یقین رکھتے ہیں کہ ابن آدم خود ہی ”نشان“ ہے۔ مطلب کُچھ بھی ہو، جب یہ نشان ظاہر ہوگا تو سب کو صاف معلوم ہو جائے گا۔ اور اُس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی بیٹھیں گی۔“ بے شک اس لئے کہ انہوں نے ابن آدم کو رُکھ لیا تھا۔ مگر بُنیادی طور پر ”اُس سرزمین“ کے قبیلے یعنی بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے چھاتی بیٹھیں گے۔

لے مادہ کی خاصیت کہ جب تک کوئی بیرونی قوت عمل نہ کرے وہ اپنی حالت پر قائم رہتا ہے، یعنی حرکت میں ہے تو حرکت ہی کرتا رہے گا۔ اگر ساکن ہے تو ساکن ہی رہے گا۔

لے یہاں وہی یونانی لفظ ge استعمال ہوا ہے جس کا مطلب زمین بھی ہے اور ملک (سرزمین) بھی۔

”اور وہ اُس پر جس کو انہوں نے چھیدا ہے نظر کریں گے اور اُس کے لئے ماتم کریں گے جیسا کوئی اپنے اکلوتے کے لئے کرتا ہے“ (ذکرِ بیاہ ۱۲: ۱۰)۔

”اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔“ کیسی شان دار اور عجیب گھڑی ہوگی! جس پر ٹھوکا گیا اور جسے مصلوب کیا گیا، وہی بے تصور اور زندگی اور جلال کا خداوند ثابت ہوگا۔ حلیم اور فروزن یسوع خود سیاہ ظاہر ہوگا۔ ذبح کیا بڑا برہ فتح مند سبر کی صورت میں اترے گا۔ نامسرت کا حقیر بڑھئی بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خدا بن کر آئے گا۔ آسمان کے بادل اُس کے رتھ ہوں گے۔ وہ شاہی قدرت اور شان و شوکت کے ساتھ آئے گا۔ یہی وہ گھڑی ہے جس کے لئے کائنات ہزاروں سالوں سے کراہ رہی ہے۔

۲۴: ۳۱۔ جب وہ آئے گا تو ساری دُنیا میں ”اپنے فرشتوں کو بھیجے گا۔“ اور وہ اُس کے برگزیدوں کو... جمع کریں گے“ یعنی بنی اسرائیل میں سے ایمان داروں کو فلسطین میں جمع کریں گے۔ وہ اپنے مسیح موعود کا استقبال کرنے اور اُس کی جلالی حکومت سے لطف اندوز ہونے کے لئے زمین کے ”اِس کنارے سے اُس کنارے تک جمع ہوں گے۔“

۵۔ انجیر کے درخت کی تمثیل (۲۴: ۳۲-۳۵)۔

۲۴: ۳۲۔ ”اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو۔“ مسیح خداوند پھر فطرت سے ایک روحانی سبقت رکھتا ہے۔ جب انجیر کے درخت کی ”ڈالی نرم ہوتی ہے“... تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انجیر کا درخت اسرائیلی قوم کی علامت ہے (۲۱: ۱۸-۲۲)۔ سینکڑوں برسوں سے اسرائیلی قوم کا نہ کوئی اپنا وطن تھا نہ اپنی حکومت نہ یہ سب تھی نہ کمانت، قومی زندگی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ یہ قوم ساری دُنیا میں تتر بتر تھی۔

پھر ۱۹۴۸ء میں اسرائیل ایک قوم بن گئی، اُن کا اپنا وطن اور اپنی حکومت بن گئی، اُن کا اپنا ہرگہ اور اپنی ڈاک ٹیکٹس وغیرہ ہیں، رُوحانی طور پر یہ قوم ابھی تک ٹھنڈی اور بخر ہے۔ خدا کے لئے کوئی پھل پیدا نہیں ہو رہا۔ لیکن قومی لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اِس کی ”ڈالی نرم“ اور سبز ہے۔

۲۴: ۳۳۔ ”اسی طرح جب تم اُن سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے۔“ اسرائیل کے ایک منظم ملک کی صورت میں ابھرنے کا مطلب صرف یہی نہیں کہ مصیبت کا آغاز نزدیک ہے، بلکہ خود خداوند نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے۔“

اگر مسیح کا بادشاہی کرنے کے لئے آنا اتنا نزدیک ہے تو کیسیا کا فضائی استقبال کتنا زیادہ نزدیک ہوگا! اگر ہمیں اُن واقعات کے سامنے نظر آ رہے ہیں جن کا اُس کے جلال میں آنے سے پہلے ہونا ضرور ہے تو ہم اُس کے ظہور ثانی یعنی دوسری آمد کے کتنے قریب ہیں (۱- تمسلیکیوں ۴: ۱۳-۱۸)!

۲۴: ۲۴-۱ انجیر کے درخت کی مثال دینے کے بعد یسوع نے مزید کہا کہ ”میں تم سے پہلے کہتا ہوں کہ جب

تمک یہ سب باتیں نہ ہوں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی۔“ یہ نسل سے ہرگز مراد وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو اُس وقت زندہ تھے جب مسیح زمین پر تھا۔ وہ سب تو مر چکے ہیں لیکن ابھی باب ۲۴ کے واقعات رونما نہیں ہوئے۔ تو خداوند کا ”یہ نسل“ سے کیا مطلب تھا؟ اس کی دو قابل تصور تشریحیں ہو سکتی ہیں:

ایلف- ڈیلیوگرائٹ اور کچھ دوسرے افراد کے مطابق یہاں تصور یہ ہے کہ ”جونس (پشت) ان باتوں کا آغاز دیکھے گی وہی اُن کا خاتمہ بھی دیکھے گی۔“ جو لوگ اسرائیلی قوم کو عروج کی طرف آتے ہوئے دیکھ رہے ہیں (یا جو مقیبت کو شروع ہوتے دیکھیں گے) وہی لوگ خداوند یسوع کو بادشاہی کرنے کے لئے بادلوں پر آتے دیکھیں گے۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ ”نسل“ کو نسل ہی سمجھنا چاہئے اور یونانی لفظ کا یہ جائز اور مناسب ترجمہ ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک ہی اصل نسل یا گھرانے کے لوگ (مئی ۱۲: ۲۵، ۲۳: ۳۵، ۳۶-۳۷)۔ چنانچہ یسوع یہ پیشین گوئی کر رہا تھا کہ یہودی نسل ان سب باتوں کو پورا ہوتے دیکھنے کے لئے باقی بچی رہے گی۔ وحیانا ایذا رسانیوں کے باوجود اُن کا مسلسل باقی بچے رہنا اور قائم رہنا تاریخ کا ایک معجزہ ہے۔ میرے خیال کے مطابق یہاں ایک اور تصور بھی پایا جاتا ہے۔ یسوع کے دنوں میں یہ نسل ایک ایسی نسل تھی جو اُسے مسیح کو خود تسلیم کرنے سے مستقلاً انکار کر رہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ یسوع یہ پیشین گوئی کر رہا تھا کہ میری دوسری آمد تک اسرائیلی قوم مسیح کو روکنے کی حالت پر مسلسل قائم رہے گی۔ پھر ساری بغاوت کچل دی جائے گی۔ اور صرف اُن ہی کو چھوڑا جائے گا جو اُس کی حکومت کی اطاعت کرنے کو دل سے آمادہ ہوں گے۔ اور وہی ہزار سالہ بادشاہی میں داخل ہوں گے۔

۲۴-۳۵- یسوع نے فوراً دیا کہ میری پیشین گوئی اٹل ہے۔ اس مقصد کے لئے اُس نے کہا کہ ”آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں۔“ ”آسمان“ کے ٹلنے کے ضمن میں وہ نجی اور فضائی آسمان کی بات کر رہا تھا، یعنی ہمارے اوپر جو نیلی فضا ہے۔ اُس آسمان کی نہیں جو خدا کی سکونت گاہ ہے (۲- کرنتھیوں ۱۲: ۲-۴)۔ آسمان اور زمین کے پگھل جانے کا بیان ۲- پطرس ۳: ۱۰-۱۳ اور پھر مکاشفہ ۱۱: ۲۰ میں درج ہے۔

و۔ اُس دن اور گھڑی کا علم نہیں (۲۴: ۳۶-۴۴)

جہاں تک خداوند کی آمدنی کے صحیح ”دن اور... گھڑی“ کا تعلق ہے اس کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باب۔ یہ بات ہمیں خبردار کرتی ہے کہ کسی تاریخ کا تعین نہ کریں اور نہ ان لوگوں کا یقین کریں جو ایسا کرتے ہیں۔ ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ فرشتے بھی نہیں جانتے۔ وہ بھی محدود مخلوق ہیں اور ان کا علم بھی محدود ہے۔

جو لوگ اُس کی دوسری آمد سے پہلے زندہ ہوں گے ان کو ”دن“ اور ”گھڑی“ کا تو پتہ نہیں ہوگا مگر لگتا ہے کہ جو لوگ اس نبوت سے واقف ہوں گے شاید وہ ”سال“ کو جان سکیں گے۔ مثلاً ان کو علم ہوگا کہ آمد ثانی میل میں مکہ و ہجرت رکھنے کے تقریباً ساڑھے تین سال بعد ہوگی (دانی ایل ۹: ۲۷- مزید دیکھئے دانی ایل ۷: ۲۵؛ ۱۲: ۷؛ ۱۱: ۷؛ مکاشفہ ۱۱: ۳۰۲؛ ۱۲: ۱۲؛ ۱۳: ۱۳)۔

۳۷: ۳۷- ان دنوں میں البتہ کچھ لوگ بالکل بے پروا ہوں گے جیسا کہ ”روح کے دنوں میں بڑا تھا۔ اگرچہ طوفان کے آنے سے پہلے کے دنوں میں شرارت اور بدی حد سے بڑھ گئی تھی مگر یہاں اس پہلو یا خصوصیت پر زور نہیں دیا گیا بلکہ اس بات پر کہ ”لوگ کھاتے پیتے اور بیاہ شادی کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ زندگی کے معمول کے کاموں میں یوں مصروف تھے کہ جیسے ہمیشہ تک چیتے رہیں گے۔ اگرچہ ان کو خبردار کیا گیا تھا کہ طوفان آنے والا ہے، وہ اس طرح زندگی بسر کرتے رہے جیسے کہتے ہوں کہ طوفان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب طوفان آیا تو وہ تیار نہ تھے۔ حفاظت اور بچاؤ کی ایک ہی جگہ تھی، اور وہ اُس سے باہر تھے۔ میسج کی واپسی کے وقت بھی بالکل ایسا ہی ہوگا۔ میسج حفاظتی کشتی ہے۔ چنانچہ صرف وہی بچیں گے جو میسج میں ہوں گے۔

۲۴: ۴۰، ۴۱- ”اُس وقت دُور آدمی کھیت میں ہوں گے۔“ ان میں سے ”ایک“ کو غضب کے لئے لے لیا جائے گا“ اور ”دوسرا“ ہزار سالہ بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے ”چھوڑ دیا جائے گا۔ وہ ایک تخت جُدا کر دئے جائیں گے۔ ایک کو غضب کا طوفان بہا لے جائے گا، دوسرا یسح کی بادشاہی کی برکات سے لطف اندوز ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔ (آیات ۳۰- ۴۱) کو اکثر ان لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو نجات یافتہ نہیں اور ان کی تشریح فضائی استقبال کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ فضائی استقبال میسج کی دوسری آمد کا پہلا مرحلہ ہے جب وہ سارے ایمانداروں کو آسمان پر لے جائے گا، اور سارے بے ایمان عدالت کے لئے پیچھے رہ جائیں گے۔ ہو سکتا

ہے کہ یہ اطلاق جائز اور مناسب ہو، مگر سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ تشریح کا تعلق مسیح کے بادشاہی کرنے کے لئے آنے کے ساتھ ہونا چاہئے۔

۲۲:۲۲-۲۴۔ چونکہ مسیح کی واپسی کے دن اور گھڑی کا کچھ علم نہیں، اس لئے ضرور ہے کہ ہم ”جائگتے“ رہیں۔ اگر کسی شخص کو پتہ ہو کہ میرے گھر میں نقب لگنے والی ہے تو اگرچہ اُس کو صحیح وقت کا پتہ نہیں ہوگا، مگر وہ تیار رہے گا۔ ابن آدم اُس وقت آجائے گا جب عام لوگوں کو اس کی بالکل توقع نہ ہوگی۔ اُن کو ”گمان بھی نہ ہوگا“۔ اس لئے اُس کے لوگوں کو اُمید کے ساتھ ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

۴۔ عقل مند نوکر اور شریر نوکر کی تمثیل (۲۴: ۴۵-۵۱)

۲۴:۴۵-۴۷۔ اس باب کے اختتامی حصے میں خداوند یسوع دکھاتا ہے کہ نوکر اپنے مالک کی واپسی کو مد نظر رکھتے ہوئے جس قسم کا سلوک کرتا ہے اسی سے اُس کا اصل کردار یا فطرت ظاہر ہوتی ہے۔ ہر نوکر سے توقع ہوتی ہے کہ وہ گھر کے نوکروں چاکروں کو وقت پر کھانا دے گا۔ لیکن مسیح کے خادم ہونے کا دعویٰ کرنے والے سب خالص نہیں ہوتے۔

”عقل مند نوکر“ وہ ہے جو خدا کے لوگوں کی نگہداشت کرتا ہوا پایا جائے۔ ایسے نوکر کو بادشاہی میں بہت وسیع ذمہ داری سنبھالنے کا اعزاز دیا جائے گا۔ مالک اُسے اپنے سارے مال کا مختار کر دے گا۔

۲۴:۴۸-۵۱۔ ”خراب نوکر“ نام کے ایمان داروں کی نمائندگی کرتا ہے۔ مالک کے جلد واپس آجانے کی اُمید کا اُس کے کردار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اپنے محمدتوں کو مارنا۔۔۔ اور شراہیوں کے ساتھ کھانا پینا شروع کر دیتا ہے۔ ایسے سلوک سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بادشاہی کے لئے تیار نہیں ہے۔ جب بادشاہ آئے گا تو اُسے سزا دے گا اور اُس کو ریاکاروں میں شامل کرے گا“ جہاں لوگ روتے اور دانت پیستے ہیں۔

اس تمثیل کا اِشاہہ مسیح موعود بادشاہ کی زمین پر ویدنی واپسی کی طرف ہے۔ مگر اس اصول کا فضائی استقبال پر بھی یکساں طور پر اِطلاق ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ مسیحی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن خدا کے لوگوں کے ساتھ عداوت رکھتے اور بے دین لوگوں کے ساتھ بھائی چارہ رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ ثابت کرتے ہیں کہ ہم مسیح کی واپسی کے منتظر نہیں۔ جب وقت آئے

کا تو ان کے لئے برکت نہیں غضب ہوگا۔

ح - دس کنواریوں کی تمثیل

(۲۵: ۱-۱۳)

۲۵: ۱-۵ - اُس وقت شروع کے یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ اس کا تعلق باب ۲۴ کے ساتھ ہے۔ یہ صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ تمثیل کا تعلق بادشاہ کی زمین پر واپسی سے بالکل پہلے اور واپسی کے دوران کے وقت سے ہے۔ یسوع "آسمان کی بادشاہی" کو ان "دس کنواریوں" سے تشبیہ دیتا ہے جو اپنی مشعلیں لے کر دُلہا کے استقبال کو نکلیں۔ "ان میں پانچ ... عقل مند تھیں۔ انہوں نے اپنی مشعلوں کے ساتھ اپنی کپڑوں میں تیل بھی لے لیا۔ دوسری کنواریوں نے ساتھ تیل نہ لیا۔ دُلہا کا انتظار کرتے کرتے وہ سب سو گئیں۔

پانچ "عقل مند" کنواریاں مصیبت کے دوران مسیح کے سچے شاگردوں کی نمائندہ ہیں "مشعلوں" سے مراد اقرار یا دعویٰ ہے اور "تیل" جیسا کہ عام طور پر مانا جاتا ہے رُوح القدس کی علامت ہے۔ "بے وقوف" کنواریاں ان لوگوں کی نمائندہ ہیں جو مسیح موعود کی آمد کی امید کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن کبھی سچے طور پر ایمان میں لائے اور ان کے پاس رُوح القدس نہیں ہے۔ "دُلہا" مسیح ہے جو بادشاہ ہے۔ اور "دیر لگانے" سے مراد اُس کی پہلی اور دوسری آمد کے درمیان کا عرصہ ہے۔ یہ حقیقت کہ وہ دسوں کنواریاں "سو گئیں" ظاہر کرتی ہے کہ لفظ ہر ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔

۲۵: ۶-۹ - ادھی رات کو دھوم مچی کہ "دیکھو دُلہا آگیا!" گزشتہ باب میں ہم نے دیکھا تھا کہ اُس کی آمد کا اعلان ہولناک نشانوں سے ہوگا۔

۲۵: ۷-۹ - اُس وقت "سب کنواریاں اٹھ کر اپنی مشعل درست کرنے لگیں۔ سب یہی دکھانا چاہتی تھیں کہ ہم تیار ہیں۔ بے وقوف کنواریوں کے پاس تیل نہیں تھا، اس لئے وہ دوسری کنواریوں سے مانگنے لگیں۔ لیکن انہیں تیل خریدنے کو جانا پڑا کیونکہ عقل مند کنواریوں نے ان کو تیل دینے سے انکار کر دیا۔ ان کا یہ انکار خود غرضانہ معلوم ہوتا ہے لیکن روحانی دنیا میں کوئی شخص رُوح القدس دوسرے شخص کو نہیں دے سکتا۔ بلاشبہ رُوح القدس خریدنا بھی نہیں جاسکتا۔ البتہ بائبل مقدس نجات کو بغیر پیسے اور بغیر قیمت کے خریدنے کی اصطلاح ضرور استعمال کرتی ہے۔

۲۵: ۱۰-۱۲ - جب بے وقوف کنواریاں تیل خریدنے جا رہی تھیں تو دُلہا آ پہنچا۔ "سربانی

اور ویلگیٹ ترجموں میں لکھا ہے کہ ”وہ اپنی دامن کے ساتھ آپہنچا۔“ یہ بات نبوتی تصویر کے عین مطابق ہے۔ خداوند یسوع اپنی دامن یعنی کلیسیا کے ساتھ واپس آئے گا (۱۔ تھسلونیکیوں ۳: ۱۳) (شادی آسمان پر ہوتی ہے۔ انیسویں ۵: ۲۷، اور فضائی استقبال کے بعد) عقیدت میں سے نکل کر آنے والے مقدسین کا بقیہ اُس کے ساتھ شادی کے جشن میں چلا جائے گا۔ شادی کا جشن بڑی عمدگی اور نوروزیت کے ساتھ اُس خوشی اور برکت کی تصویر پیش کرتا ہے جو مسیح کی زمینی بادشاہی میں ہوگی۔ عقل مند کنواریاں اُس کے ساتھ شادی کے جشن میں چلی گئیں۔ اور دروازہ بند ہو گیا۔ اب بادشاہی میں داخل ہونے کا وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ جب دوسری کنواریاں آئیں اور اندر آنے کی اجازت چاہی تو دُلہانے صاف کہہ دیا کہ ”میں تم کو نہیں جانتا۔“ یہ واضح ثبوت ہے کہ وہ نئے سرے سے پیدا نہیں ہوئی تھیں۔

۲۵: ۱۳۔ یسوع کہتا ہے کہ اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ چونکہ میرے آنے کے ”دن اور گھڑی“ کا کسی کو علم نہیں اس لئے ”جاگتے رہو۔“ ایمان داروں کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے جیسے خداوند کسی لمحہ بھی آیا چاہتا ہے۔ ہماری مشعلیں درست اور تیل سے بھری رہیں۔

ط۔ توڑوں کی تمثیل (۲۵: ۱۴-۱۷)

۲۵: ۱۴-۱۸۔ یہ تمثیل بھی سکھاتی ہے کہ جب خداوند واپس آئے گا تو سچے اور جھوٹے نوکر ہوں گے۔ یہ کہانی ”ایک آدمی“ کے گرد گھومتی ہے جس نے سفر پر جانے سے پہلے ”اپنے گھر کے نوکروں کو“ جمع کیا اور ہر ایک کو ”اُس کی لیاقت کے مطابق“ نقدی کی مختلف مقدار دی۔ ”ایک کو پانچ توڑے دیئے، دوسرے کو دو اور تیسرے کو ایک۔“ اُن کو ان توڑوں کو استعمال کر کے اپنے مالک کے لئے آمدن حاصل کرنا تھی۔ جس کو ”پانچ“ توڑے ملے تھے، اُس نے پانچ توڑے اُرد پید کر لئے۔ ”جس کو دو“ ملے تھے، اُس نے بھی رقم دگنی کر لی۔ لیکن ”جس کو ایک ملا تھا، اُس نے جا کر زمین کھودی“ اور توڑا اُس میں ”پھپھا دیا۔“

یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ مالک مسیح ہے اور لمبا سفر پہلی اور دوسری آمد کا درمیانی عرصہ ہے۔ اور تین نوکر مصیبت کے دوران زندہ اسرائیلی ہیں جو غیر حاضر خداوند کے مفادات کی نمائندگی کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اُن کو انفرادی لیاقت کے مطابق ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

۲۵:۱۹-۲۳- ”بڑی مُدّت کے بعد۔۔۔ مالک آیا اور اُن سے حساب لینے لگا۔“ یہ دوسری آمد کو ظاہر کرتا ہے۔ پہلے دونوں نوکروں کو بالکل کیساں تعریف ملی اُنے اچھے اور دیانت دار نوکر شہاباش! تو تھوڑے میں دیانت دار رہا۔ میں تجھے بہت چیزوں کا مختار بناؤں گا۔ اُن کی خدمت کی جانچ اور آزمائش کا معیار یہ نہیں کہ کتنا کمایا بلکہ یہ کہ کتنی محنت کی۔ ہر ایک نے اپنی لیاقت کا پورا پورا استعمال کیا اور سونے صد کمایا۔ یہ سچے ایمان داروں کی نمائندگی کرتے ہیں جن کا اجر یہ ہے کہ مسیح موعود کی بادشاہی کی برکات سے حظ اٹھائیں گے۔

۲۵:۲۴-۲۵- تیسرے نوکر کے پاس مالک کو پیش کرنے کے لئے سوائے بہانوں اور بے عزتی کے کچھ نہ تھا۔ اُس نے مالک پر ”سخت آدمی“ اور غیر معقول شخص ہونے کا الزام لگایا کہ ”جہاں نہیں بویا وہاں سے کاٹتا ہے اور جہاں نہیں بکھیرا وہاں سے جمع کرتا ہے۔“ اپنے لئے اُس نے یہ عُذر تراشا کہ تیرے خوف نے مجھے گویا مقنوع کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے وہ توڑا زمین میں چھپا دیا۔ بے شک یہ نوکر غیر ایمان دار تھا۔ کوئی بھی سچا خادم اپنے مالک کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتا۔

۲۵:۲۶-۲۷- اُس کے مالک نے اُسے جھڑکا اور ملامت کی اور اُسے ”شریر اور سُست نوکر“ قرار دیا۔ اور پوچھا کہ ”تُو نے میرا توڑا سا ہُو کاروں کو کیوں نہ دے دیا کہ اِس پر سُود ہی کما لیتا؟“ اتفاق کی بات ہے کہ آیت ۲۶ میں مالک اپنے اُوپر لگائے گئے الزامات سے انکار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ ”اگر تیرے خیال کے مطابق میں ایسا مالک تھا تو تجھے چاہئے تھا کہ اِس توڑے کو کام میں لاتا۔ تیرے لفظ تجھے بری نہیں کرتے بلکہ مجرم ٹھہراتے ہیں۔“

۲۵:۲۸-۲۹- اگر اُس نوکر نے بھی ایک توڑے سے ایک توڑا اور کمایا ہوتا تو مالک اُس کی بھی ویسی ہی تعریف کرتا جیسی دوسرے دو نوکروں کی تھی۔ مگر اُس کے پاس دکھانے کو کچھ نہ تھا۔ بس، زمین میں صرف ایک گڑھا! اُس کا توڑا لے کر ”دش توڑوں“ والے نوکر کو دے دیا گیا۔ یہاں رُوحوانی دُنیا کے ایک مُسلمہ اُصول کی پیروی کی گئی ہے کہ ”جس کس کے پاس ہے اُسے دیا جائے گا اور اُس کے پاس زیادہ ہو جائے گا۔ مگر جس کے پاس نہیں ہے، اُس سے وہ بھی جو اُس کے پاس ہے لے لیا جائے گا۔“ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں خُدا کے جلال کے لئے استعمال کیا جائے، اُن کو وسائل مہیا کئے جاتے ہیں۔ وہ جتنا زیادہ کام کرتے ہیں، اُن کو اتنی ہی زیادہ توفیق عطا کی جاتی ہے کہ خُدا کے لئے استعمال ہوں۔ اِس کے برعکس اگر ہم اپنی صلاحیتوں

کو استعمال نہیں کرتے تو وہ جاتی رہتی ہیں۔ کاہلی کا انجام لاغری ہوتا ہے۔
 آیت ۲۷ میں ”ساہوکاروں“ کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر ہم اپنے مال (صلاحتوں)
 کو خداوند کے لئے استعمال نہیں کر سکتے تو ان لوگوں کے حوالے کر دیں جو انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔
 یہ ”ساہوکار“ مشنری، بائبل سوسائٹیاں، مسیحی اشاعت خانے، انجیل کے ریڈیو پروگرام وغیرہ
 ہو سکتے ہیں۔ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں، وہاں روپے پیسے کو بے کار رکھ چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں
 ہو سکتا۔ پائرسن اس سلسلے میں کہتا ہے کہ

”ڈرپوک یا بڑول روہیں جن میں بادشاہی کی جو اُت مندانہ خدمت کرنے کی
 قابلیت نہیں ہوتی، جو سہارے کے بغیر قدم نہیں اٹھا سکتیں، وہ اپنی کمزوری اور
 ناقابلیت کو دوسروں کی ذہانت اور تیز فہمی کے سپرد کر دیں جو ان کی نعمتوں اور
 مال کو مالک اور اُس کی کلیسیا کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔۔۔ مختار کے پاس
 روپیہ پیسے یا دوسری نعمتیں ہوتی ہیں جن کو کام میں لایا جاسکتا ہے۔ مگر اُس میں شاید
 دُور بینی اور ایمان کی کمی ہو۔ خداوند کے ”ساہوکار“ اُن کو دکھائیں گے کہ مالک کے
 لئے کس طرح نفع کما سکتے ہیں۔۔۔ کلیسیا کے وجود کا ایک مقصد یہ ہے کہ
 ایک رکن کی کمزوری دوسرے رکن کی قوت سے طاقت پائے اور سب کے
 تعاون سے کمزور ترین اور کمترین کی طاقت بڑھ جائے۔“

۲۵:۳۰۔ ”نیکے نوکر“ کو باہر پھینک دیا گیا۔ بادشاہی سے خارج کر دیا گیا۔ شریروں
 کی مصیبت اُس کے حصّے میں آئے۔ وہ اُس لئے مجرم نہیں ٹھہرا کہ توڑے کو کاروبار میں لگانے
 میں ناکام رہا تھا بلکہ اُس کے نیک کام نہ کرنے سے ثابت ہوا کہ اُس کے پاس نجات والا
 ایمان نہیں ہے۔

ی۔ بادشاہ قوموں کی عدالت کرتا ہے (۲۵:۳۱-۳۶)

۲۵:۳۱۔ اِس حصّے میں قوموں کی عدالت کا بیان ہے۔ یہ مسیح کے تختِ عدالت اور
 اور بڑے سفید تخت کی عدالت سے الگ واقعہ ہے۔ مسیح کا تختِ عدالت وہ واقعہ ہے
 جو فضائی استقبال کے بعد ہوگا۔ اِس وقت صرف ایمان داروں کا جائزہ لے کر اُن کو اُپر اور
 انعام دئے جائیں گے (رومیوں ۱۴:۱۰-۱۱؛ ۱-۱۱؛ ۲-۱۵؛ ۲-کرنقیوں ۵:۹-۱۰)۔

بڑے سفید تخت کی عدالت ہزار سالہ بادشاہی کے بعد کے زمانے میں ہوگی۔ شریر مردوں کو سزا ہوگی اور وہ آگ کی جھیلیں میں ڈالے جائیں گے (مکاشفہ - ۱۱: ۲-۱۵)۔

قوموں یا غیر قوموں (یونانی لفظ کا کوئی ایک مطلب ہو سکتا ہے) کی عدالت زمین پر اس وقت ہوگی جب مسیح بادشاہی کرنے کو آئے گا۔ آیت ۳۱ سے یہ بات بالکل واضح ہے۔ ”جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اُس کے ساتھ آئیں گے۔“ اگر اس کو یوایل باب ۳ کے مماثل قرار دینا درست ہے تو یہ واقعہ یرشلیم کے باہر یہوسسقط کی وادی میں ہوگا (یوایل ۲: ۳)۔ قوموں کی عدالت اس بنیاد پر کی جائے گی کہ انہوں نے ”بڑی مصیبت“ کے دوران مسیح کے یہودی بھائیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا (یوایل ۱: ۳، ۱۲، ۱۴؛ متی ۲۵: ۳۱-۴۶)۔

۲۵: ۳۲۔ یہاں یہ بات نہایت قابل توجہ ہے کہ تین طبقوں کا ذکر ہے، بھیڑیں، بکریاں اور مسیح کے بھائی۔ پہلے دو طبقے، جن کی عدالت مسیح کر رہا ہے، وہ غیر قومیں ہیں جو ”بڑی مصیبت“ کے زمانے میں زمین پر زندہ موجود تھیں۔ تیسرا طبقہ مسیح کے وفادار یہودی بھائیوں کا ہے جنہوں نے اُس مصیبت کے دوران انتہائی ایذا رسانی کے باوجود اُس کا انکار نہیں کیا۔

۲۵: ۳۳-۴۰۔ بادشاہ ”بھیڑوں کو اپنے دہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرتا ہے۔ پھر وہ بھیڑوں کو اُس جلالی ”بادشاہی“ میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے جو ان کے لئے بنا ہی عالم سے ... تیار کی گئی ہے۔“ وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے جب وہ (بادشاہ) ”بھوکا تھا“ اُسے ”کھانا کھلایا۔“ جب ”پیاسا تھا“ اُسے ”پانی پلایا،“ جب ”پرہیسی تھا“ اُسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہا۔ جب ”ننگا تھا“ اُسے ”کپڑا پہنایا۔“ بیماری میں اُس کی خبر لی اور جب ”قید میں تھا“ تو اُس کے ”پاس آئے۔“ ”راست باز“ بھیڑیں لاطینی کا اظہار کرتی ہیں کہ ہم نے کب بادشاہ کے ساتھ کبھی ایسا مہربانی کا سلوک کیا تھا۔ وہ تو ان کے زمانے میں دنیا میں بھی نہیں تھا۔ بادشاہ وضاحت کرتا ہے کہ ”چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ سلوک کیا اس لئے میرے ہی ساتھ رکھا۔“ جو کچھ اُس کے کسی شاگرد کے ساتھ کیا جاتا ہے اُس کا اجر ایسے ہی ملتا ہے جیسے خود اُس کے ساتھ کیا ہو۔

۲۵:۴۱-۴۵۔ ناراستوں کو حکم ہوتا ہے کہ ”میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ جو ابلیس اور اُس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔“ کیونکہ یعقوب کی مصیبت کے ہولناک دنوں میں وہ اُس کی خبر گیری کرنے سے قاصر رہے تھے۔ جب وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر معذور ٹھہراتے ہیں کہ ہم نے تجھے کبھی دیکھا تک نہ تھا تو وہ اُن کو یاد دلاتا ہے کہ تم میرے پیروؤں کو نظر انداز کرتے رہے اس لئے مجھے ہی نظر انداز کرتے رہے۔

۲۵:۴۶۔ پینچتر بکریاں ”ہمیشہ کی سزا“ میں ملکر بھیڑیں ”ہمیشہ کی زندگی“ میں جاتی ہیں۔ لیکن اس واقعہ سے دو مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اول۔ کلام کے اس حصے سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ کچھ قومیں پوری کی پوری نجات پاتی ہیں۔ دوم۔ کہانی سے یہ غلط نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بھیڑوں نے نیک اعمال کے سبب سے نجات پائی ہے اور بکریوں کو اس لئے سزا ملی کہ وہ نیک اعمال کرنے سے قاصر رہیں۔ جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے تو یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ خدا قوموں سے من حیث القوم بھی سلوک کرتا ہے۔ پرلنہ عمد کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ قوموں کو اُن کے گناہ کے باعث سزا ملی (یسعیاہ ۱۰:۱۲-۱۹؛ ۴۴:۵-۱۵؛ حزقیل ۱۱:۲۵، ۱۷؛ عاموس ۱:۳، ۶، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۴؛ ۲:۱۱، ۱۲؛ عبیدیاہ باب ۱؛ زکریاہ ۱۳:۱-۵)۔ یہ یقین کرنا غیر معقول نہیں کہ قوموں کو الٰہی عتاب کا تجربہ ہوتا رہے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی قوم کا ہر فرد اس انجام سے دوچار ہوگا بلکہ یہ کہ الٰہی انصاف کے اصول کا اطلاق قومی بنیاد پر بھی ہوگا اور انفرادی بنیاد پر بھی۔ اس حصے میں لفظ *ethne* استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ”قومیں“ کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ ”غیر قومیں“ بھی ہو سکتا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام کے اس حصے میں غیر قوم افراد کی عدالت کا بیان ہے۔ مگر خواہ یہ عدالت افراد کی ہو یا قوموں کی مسئلہ یہ ہے کہ اتنے بڑے ہجوم کو فلسطین میں خداوند کے سامنے کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے۔ شاید یہ خیال کرنا بہتر ہوگا کہ قوموں یا افراد کے طبقات کے نمائندے عدالت کے لئے جمع ہوں گے۔

جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے، کلام کے اس حصے سے ”اعمال سے نجات“ کی تعلیم نہیں دی جاسکتی۔ بائبل مقدس کی کساں اور برابر شہادت یہ ہے کہ نجات اعمال سے نہیں بلکہ ایمان سے ہے (افسیوں ۲:۸، ۹)۔ لیکن ساتھ ہی اس حقیقت پر بھی برابر زور دیتا ہے کہ بچتے ایمان سے نیک اعمال پیدا ہوتے ہیں۔ اگر نیک اعمال نہیں تو یہ ثبوت ہے کہ اس شخص نے نجات نہیں پائی۔ پس ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ غیر قومیں اس لئے نجات نہیں

پائیں گی کہ انہوں نے یہ یسوعی بقیہ کے ساتھ دوستانہ سلوک کیا بلکہ اس لئے کہ اُن کی اس مہربانی سے خداوند کے لئے اُن کی محبت منعکس ہوتی ہے۔

تین اور نکات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اول۔ بیان ہوا ہے کہ راست بازوں کے لئے بادشاہی مہربانی عالم سے تیار کی گئی ہے (آیت ۳۴) جبکہ جہنم ابلیس اور اُس کے فرشتوں کے لئے تیار کیا گیا تھا (آیت ۳۱)۔ خدا کی مرضی یہ ہے کہ انسان برکت پائیں۔ اصل میں جہنم بنی نوع انسان کے لئے نہیں تھا۔ لیکن اگر انسان زندگی سے دانستہ انکار کریں تو لازماً موت کو چن لیتے ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خداوند یسوع نے ہمیشہ کی (وہی لفظ "ابدی") آگ اور ہمیشہ کی زندگی (آیت ۴۶) کا ذکر کیا۔ جس رستہ نے ابدی زندگی کی تعلیم دی اسی نے ہمیشہ کی سزا کی تعلیم بھی دی۔ چونکہ دونوں کو بیان کرنے کے لئے ایک ہی لفظ "ابدی" استعمال ہوا ہے، اس لئے ایک کو دوسرے کے بغیر قبول کرنا بے میل اور بے ربط بات ہوگی۔ جس لفظ کا ترجمہ "ابدی" کیا گیا ہے اگر اس کا مطلب "ہمیشہ کی" نہیں ہے تو یونانی زبان میں کوئی اور لفظ نہیں جو اس مفہوم کو ادا کر سکے۔ لیکن ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس کا مطلب "ہمیشہ کی" ہے کیونکہ یہی لفظ خدا کی ازلیت کو بیان کرنے کے لئے بھی استعمال ہوا ہے (۱ تیمتھس ۱: ۱۷)۔

آخری نکتہ یہ ہے کہ خیر قوموں کی عدالت ہمیں شدت سے یاد دلاتی ہے کہ مسیح اور اُس کے لوگ ایک ہیں۔ جو بات لوگوں پر اثر کرتی ہے وہی اُس پر بھی اثر کرتی ہے۔ ہمارے پاس اُس کے ساتھ مہربانی کرنے کے وسیع موقع ہوتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ اُس سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ مہربانی کریں۔

۱۳۔ بادشاہ کا دکھ اور موت (ابواب ۲۶-۲۷)

۱۔ یسوع کو قتل کرنے کی سازش (۲۶: ۱-۵)

۲۶: ۲۶-۲۷۔ یہ اس انجیل میں پچھٹی اور آخری مرتبہ ہے کہ یسوع اپنے شاگردوں کو پہلے سے بتاتا ہے کہ میں مرؤں گا (۲۱: ۱۶؛ ۱۷؛ ۲۳: ۱۷؛ ۲۷: ۱۸)۔ اُس کے اعلان میں یہ بات مستتر تھی کہ عید فریح کا میرے صلیب دئے جانے کے وقت سے قریب تعلق ہے۔ تم جانتے ہو کہ دو دن کے بعد عید فریح ہوگی اور ابن آدم مصلوب ہونے کو پکڑ لیا جائے گا۔ اس سال عید فریح کو اپنا حقیقی مفہوم مل جائے گا۔

پلاؤ فریح کا برہ اگیا تھا اور بہت جلد ذبح ہو گا۔

۲۶: ۳-۵۔ اِدھر وہ یہ الفاظ کہہ رہا تھا، اِدھر ”سردار کاہن اور قوم کے بزرگ کا اتفاقاً نام سردار کاہن کے دیوان خانہ میں جمع“ ہو رہے تھے تاکہ یسوع کو پکڑوانے اور قتل کرنے کی سازش پر عمل کرنے کی چالیں تیار کریں۔ وہ چاہتے تھے کہ اُسے چپکے سے پکڑوا کر مروا ڈالیں، مگر ساتھ ہی سوچتے تھے کہ ”عید“ کے موقع پر ایسا کرنا نادانی ہوگی سب ادا اُس کے قتل پر لوگوں کا ردِ عمل بے حد شدید ہو۔ یہ بات ناقابل یقین لگتی ہے کہ اسرائیل کے مذہبی راہنماؤں نے اپنے مسیح موعود کو مروا ڈالنے کی سازش میں پہل کی۔ اُن کو تو اُسے پہچاننے، تسلیم کرنے اور تخت نشین کرنے میں آگے آگے پہنچا چاہئے تھا۔ اس کے برعکس وہ اُس کے دشمنوں کا ہراول دستہ بن گئے۔

ب۔ بیت عنیاہ میں یسوع کو عطر ملا جاتا ہے (۲۶: ۶-۱۳)

۲۶: ۷، ۸۔ یہ خوش کار واقعہ کاہنوں کی بے ایمانیوں اور دغا بازیوں، شاگردوں کی کم ظرفی اور یہوداہ کی نمک حرامی کے درمیان پیش آیا۔ ”جب یسوع بیت عنیاہ میں شمعون کوڑھی کے گھر میں تھا تو ایک عورت نے ”اگر تہمتی عطر“ سے ”بھرا عطر دان“ اُس کے سر پر اُتیل دیا۔ اُس کے نذرانے کے بیش قیمت ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسے خداوند یسوع سے کتنی زیادہ عقیدت تھی۔ عملاً وہ کہہ رہی تھی کہ دُنیا کی کوئی چیز اس ہستی سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔

۲۶: ۸، ۹۔ اُس کے ”شاگردوں“ اور خصوصاً یہوداہ (یوحنا ۱۲: ۴، ۵) نے اس بات کو بہت بڑا ”ضیاع“ سمجھا۔ اُن کے خیال میں اس کا بہتر استعمال یہ تھا کہ ”بک کر غریبوں کو دیا جاتا۔“

۲۶: ۱۰-۱۲۔ یسوع نے اُن کی غلط سوچ کو درست کیا۔ اُس کی حرکت ”ضیاع“ نہیں بلکہ ”زیبا“ تھا۔ علاوہ انہیں نہایت موزوں وقت پر کی گئی تھی۔ غریبوں کی مدد کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے لیکن دُنیا کی ساری تاریخ میں صرف یہی موقع تھا جب مغربی کو اُس کے دفن کے لئے مسح کیا جاسکتا تھا۔ وہ لمحہ آ پہنچا تھا اور صرف ایک ”عورت“ رُوحانی امتیاز کے باعث اُس لمحے سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔ اُس نے یقین کیا کہ خداوند نے اپنی موت کی جو پیشین گوئی کی وہ بالکل سچی ہے۔ اُس نے سوچا کہ یہ موقع پھر نہیں آنے کا۔ اور بعد میں ثابت ہو گا کہ اُس کی سوچ بالکل درست تھی۔ جن عورتوں نے اُس کی تدفین کے بعد اُسے خوشبوئیں لگانے کا منصوبہ بنایا، مسح کے جی اٹھنے

نے اُن کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا (مرقس ۱۶: ۱-۶)۔

۲۶: ۱۳۔ خُداوند یسوع نے محبت کی اس مخلصانہ حرکت کو یقیناً بخش دی۔ ”میں تم سے سچ

کتابوں کے تمام دُنیا میں جہاں کہیں اس خوشخبری کی منادی کی جائے گی یہ بھی جو اس نے کیا اس کی یادگاری میں کہا جائے گا۔“ سچے دل سے کیا ہوئے عبادت کا ہر کام آسمان کی وسعتوں کو معطر کر دیتا ہے اور خُداوند کی یادداشت میں اُن مرط نقش چھوڑتا ہے۔

ج۔ یہوداہ کی غداری (۲۶: ۱۴-۱۶)

۲۶: ۱۴، ۱۵۔ ”اُس وقت اُن بارہ میں سے ایک نے“ — شاکر دوں میں سے ایک ہو خُداوند

یسوع کے ساتھ رہا کیا، جو اُس کے ساتھ جگہ جگہ گھومتا پھرتا رہا، جو اُس کے معجزے دیکھتا رہا، جو اُس کی بے مثال تعلیم سنتا رہا، اور جس نے اُس کی بے گناہ زندگی کا معجزہ دیکھا۔ وہ شخص جس کے بارے میں یسوع کہہ سکتا تھا کہ ”بلکہ میرے دلی دوست نے... جو میری روٹی کھاتا تھا (زبولہ ۴: ۹)۔ یہی وہ شخص تھا جس نے ”چاندی کے تیس سیکوں“ کے عوض اپنے مالک پر ”لات اٹھائی“۔ کاہنوں نے موقع پر ہی اُسے یہ حقیر رقم ادا کر دی۔

شمعون کے گھر میں جس عورت نے مسیح پر عطر ڈالا اور یہوداہ کا تعاقب بہت ہی نمایاں نظر آتا ہے۔ عورت نے مسیح کی انتہائی قدر، مگر یہوداہ نے انتہائی بے قدری کی۔

۲۶: ۱۶۔ اس طرح جس شخص کو یسوع سے سوائے مردِ محبت کے کچھ نہیں ملتا تھا، وہ نکال گیا

تاکہ اس ہولناک سودے میں اپنا حصہ ادا کرے۔

د۔ آخری فسح (۲۶: ۱۷-۲۵)

عیدِ فطیر کا پہلا دن تھا۔ اس موقع پر یہودی گھروں سے سارا خمیر دُور کر دیا جاتا تھا۔ یسوع نے اپنے شاکر دوں کو یہوشلیم میں بھیجا تاکہ ”فسح تیار“ کریں۔ خیال کریں کہ اُس وقت خُداوند کے دماغ میں کس قسم کے خیالات کا ہجوم ہو گا۔ اس کھانے کی ہر تفصیل نہایت تلخ اہمیت رکھتی ہے۔

۲۶: ۱۸-۲۰۔ یسوع نے اپنے شاکر دوں کو ایک ”شخص“ کے پاس بھیجا جس کا نام بھی نہیں بتایا

گیا۔ وہ آدمی انہیں اپنے ”ہاں“ یعنی اپنے گھر لے گیا۔ یہ گھر خُداوند نے مقرر کر رکھا تھا، مگر کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ غیر واضح ہدایات شاید اس لئے دی گئیں کہ سازشوں کو پتہ نہ

چل سکے۔ کچھ بھی ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع کو تمام افراد کے بارے میں کامل علم تھا، کہ وہ کہاں ہوں گے اور وہ تعاون کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ اُس کے الفاظ پر غور کریں ”اُستاد فرماتا ہے کہ میرا وقت نزدیک ہے۔ میں اپنے شاگردوں کے ساتھ تیرے ہاں عیدِ فصح کروں گا۔“ اُسے معلوم ہے کہ موت قریب ہے مگر وہ پورے تلاؤن کے ساتھ اُس کا سامنا کرتا ہے۔ اُس نے پورے وقار کے ساتھ کھانے کا بندوبست کیا۔ اُس گناہ آدمی کے لئے کتنا بڑا اعزاز تھا کہ اُس نے آخری فصح کے لئے اپنا گھر خداوند کو دیا!

۲۶: ۲۱-۲۲۔ جب وہ فصح کھا رہے تھے تو خداوند نے دھچکا لگانے والا اعلان کیا کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑو لے گا۔ شاگردوں کے دل غم اور شرمندگی سے بھر گئے۔ اُن کا اپنے اوپر سے اعتماد اٹھ گیا۔ ایک ایک کر کے وہ پوچھنے لگے ”اے خداوند، کیا میں ہوں؟“ جب سوائے یہوداہ کے سب پوچھ چکے تو یسوع نے اُن کو بتایا کہ ”جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے وہی مجھے پکڑو لے گا۔“ پھر خداوند نے روٹی کا ایک ٹوالہ لیا اور اُسے شوربے میں ڈبو کر یہوداہ کو دیا (یوحنا ۱۳: ۲۶)۔ یہ خصوصی دوستی اور محبت کا نشان تھا۔ اُس نے انہیں یاد دلایا کہ جو کچھ میرے ساتھ ہونے والا ہے، اُسے ایک لحاظ سے روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن پھر بھی خداوند ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتا۔ ”اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اُس کے لئے اچھا ہوتا۔“ یہوداہ نے دیدہ دلستہ مُنجی کو بیچ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ اس لئے وہ ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

۲۶: ۲۵۔ جب آخر کار یہوداہ نے سیدھا سیدھا پوچھ ہی لیا کہ ”کیا میں ہوں؟“ تو یسوع نے جواب دیا ”ہاں۔“

۵۔ خداوند کی پہلی عشاء (۲۶: ۲۶-۲۹)

یوحنا ۱۳: ۳۰ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جو نہی یہوداہ نے روٹی کا ٹوالہ لے لیا وہ باہر نکل گیا۔ اور یہ رات کا وقت تھا۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جب عشاء ربانی کی پاک رسم جاری کی گئی تو یہوداہ وہاں موجود نہیں تھا (مگر علماء میں اس بارے میں کافی اختلاف رائے ہے)۔

۲۶: ۲۶۔ اپنی آخری فصح منانے کے بعد مُنجی نے وہ رسم مقرر کی جسے ہم عشاء ربانی کہتے ہیں۔ ضروری عناصر یعنی روٹی اور سے فصح کے کھانے کا حصہ ہونے کے باعث پہلے ہی

میز پر موجود تھے۔ یسوع نے ان کو نئے معنی پہننا دئے۔ پہلے یسوع نے روٹی کی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ چونکہ تاحال اُس کا بدن صلیب پر دیا نہیں گیا تھا، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ وہ استعاراتی معنوں میں بات کر رہا تھا اور روٹی کو اپنے بدن کی علامت کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔

۲۸:۲۷:۲۹۔ یہی بات ”پیالہ“ پر صادق آتی ہے۔ پیالے کا کلفظ اُس کے اندر کی نئے کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ پیالے میں انگور کا شیرہ تھا جس کو نئے عہد کے خون کی علامت ٹھہرایا گیا۔ فضل کے غیر مشروط نئے عہد کی توثیق اُس کے قیمتی خون سے ہوگی۔ جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی مُعافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔ اُس کا خون تمام بنی نوع انسان کی مُعافی کے لئے کافی ہے لیکن یہاں وہ بہتیروں کے لئے... بہایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ خون صرف اُن کے گناہوں کو دُور کرنے کے لئے موثر ہوتا ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

۲۹:۲۶۔ اس کے بعد مسیحی نے شاگردوں کو یاد دلایا کہ ”انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا“ جب تک بادشاہی کرنے کے لئے زمین پر واپس نہ آؤں گا۔ پھر اُس شیرے کی نئی اہمیت ہو گی۔ یہ اُس کے ”باپ کی بادشاہی“ کی شادمانی اور برکت کو ظاہر کرے گا۔

اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ عشاءے ربانی کے لئے ہم خمیری روٹی استعمال کریں یا بے خمیری۔ خمیر اٹھائی ہوئی نئے استعمال کریں یا بے خمیر کا شیرہ۔ اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ خداوند نے بے خمیری روٹی اور خمیر اٹھا کر بنائی گئی نئے (اُس زمانے میں برے خمیر اٹھا کر بنائی جاتی تھی) استعمال کی تھی۔ جو لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ خمیری روٹی مثیل کو (خمیر گناہ کا مثیل ہے) خراب کر دیتی ہے، اُن کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہی بات خمیر اٹھائی ہوئی نئے پر بھی صادق آتی ہے۔ یہ بات بے حد المتناک ہے کہ ہم عناصر پر اتنی بحث کرنے لگتے ہیں کہ خود خداوند کو بھول جاتے ہیں۔ کولس

اس بات پر زور دیتا ہے کہ روٹی نہیں بلکہ روٹی کے روحانی معنی اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا بھی مسیح قربان ہوا۔ پس آؤ ہم بعید کریں۔ نہ پلٹنے خمیر سے اور نہ بدی اور شرارت کے خمیر سے، بلکہ صاف دلی اور سچائی کی بے خمیر روٹی سے (۱- کرنتھیوں ۵: ۷-۸)۔ روٹی کے اندر جو خمیر ہے اُسے کوئی اہمیت حاصل نہیں بلکہ اُس خمیر کو جو ہماری زندگیوں میں موجود

و۔ خود اعتماد شاگرد (۲۶: ۳۰-۳۵)

۲۶: ۳۰۔ عشائے ربانی کے بعد اس چھوٹے سے گروہ نے ایک گیت گایا۔ غالباً "مظہم ہیمل" یعنی زبور ۱۱۳-۱۱۸ میں سے کوئی زبور گایا ہوگا۔ پھر وہ یروشلیم سے باہر چلے گئے۔ قدرت کا نالہ پار کر کے اور کوہ زیتون کی مغربی ڈھلان چڑھ کر گتسمتی باغ میں جا پہنچے۔

۲۶: ۳۱۔ اپنی زمینی خدمت کے دوران خداوند یسوع پوری وفاداری سے شاگردوں کو خبردار کرتا رہا تھا کہ تمہارے آگے کس قسم کا راستہ ہے۔ اب اُس نے انہیں بتایا کہ "اسی رات" تم مجھے چھوڑ دو گے۔ جب وہ آنے والے طوفان کی شدت اور غضب کو دیکھیں گے تو خوف تلے دب کر رہ جائیں گے۔ اپنی جائیں بچانے کے لئے اپنے استاد کو چھوڑ دیں گے۔ زکریاہ کی نبوت پوری ہوگی کہ "پھر وہ اپنے کو مار کر گلہ پراگندہ ہو جائے" (۷: ۱۳)۔

۲۶: ۳۲۔ لیکن اُس نے انہیں بے اُمید نہیں چھوڑا۔ اگرچہ وہ خداوند کے ساتھ تعلق رکھتے پر شرمندہ ہوں گے مگر وہ اُن سے دستبردار نہیں ہوگا بلکہ جی اٹھنے کے بعد وہ "تھیل" میں اُن سے ملے گا۔ بہت خوب! ایسا دوست جو کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔

۲۶: ۳۳، ۳۴۔ پطرس نے جلد بازی سے خداوند کو ٹوکا کہ بے شک دوسرے تیرا ساتھ چھوڑ جائیں مگر میں "کبھی نہیں چھوڑوں گا"۔ یسوع نے اُس کے کبھی نہیں "کو درست کیا کہ اسی رات... تین بار"۔ مرغ کے بانگ دینے سے پہلے یہ تیز مزاج شاگرد اپنے مالک کا انکار کریگا۔

۲۶: ۳۵۔ پطرس اپنی وفاداری پر زور دیتا اور کہتا رہا کہ "مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی تیرا انکار ہرگز نہ کروں گا"۔ دوسرے سارے شاگرد بھی اُس کے ہم زبان ہو گئے۔ وہ سب کچھ سچے دل سے کہہ رہے تھے۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ اپنے دلوں سے ناواقف تھے۔

ز۔ گتسمتی میں جاں کنی (۲۶: ۳۶-۴۶)

جو شخص بھی گتسمتی باغ کا ذکر کرتا ہے، اُسے یقیناً احساس ہوتا ہے کہ میں پاک زمین پر قدم رکھ رہا ہوں۔ جو شخص بھی ان واقعات پر تبصرہ کرنے لگتا ہے، اُس کو خاص دہشت اور سکوت کا احساس ہوتا ہے۔ گوئے کنگ لکھتا ہے کہ "اس واقعہ کی آسمانی اور رفیع خصوصیت انسان کے دل میں خوف اور دہشت پیدا کر دیتی ہے کہ ہمارے چھونے سے یہ کہیں خراب نہ

ہو جائے۔“

۳۶:۲۶-۳۸ - گتسمتی (معنی زیتون کا حوض یا زیتون کا کولھو) باغ میں داخل ہو کر یسوع نے اپنے گیارہ میں سے آٹھ شاگردوں سے کہا کہ ”یہیں بیٹھے رہنا“ اور کپٹرس اور زبدي کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر“ باغ کے زیادہ اندر چلا گیا۔ اس سے شاید یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ شاگرد زیادہ بھانپ سکے اور کچھ کم۔ اُس نے ان بیٹوں کو صاف بتایا کہ ”میری جان نہایت غمگین ہے، یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے“۔ یہ اُس کراہیت کا اظہار ہے جو سچ اُس گھڑی کے بارے میں محسوس کر رہا تھا جب اُسے بنی نوع انسان کے لئے گناہ کی قربانی بننا تھا۔ ہم جو گناہ آلودہ ہیں تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اُس پاک ہستی کے لئے جو گناہ سے واقف نہ تھی ہمارے لئے گناہ ٹھہرایا جانا کیا معنی رکھتا تھا (۲- کرنتھیوں ۵:۲۱)۔

۳۹:۲۶ - کوئی حیرت کی بات نہیں کہ یسوع اُن تین شاگردوں کو بھی چھوڑ کر ڈرا آگے بڑھا“ یعنی باغ میں کچھ اور آگے چلا گیا۔ اُس وقت کوئی بھی اُس کے دکھ میں شریک نہیں ہو سکتا تھا، نہ اُس کی یہ دُعا مانگ سکتا تھا کہ ”اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹ جائے۔ تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں، بلکہ جیسا تو چاہتا ہے، ویسا ہی ہو۔“

مبادا ہم یہ سوچنے لگیں کہ یہ دُعا یسوع کی نارضا مندی یا پیچھے ہٹ جانے کی خواہش کو ظاہر کرتی ہے ہمیں بوجھنا ۱۲:۲۷-۲۸ میں اُس کے ان الفاظ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ”میری جان گھبراتی ہے۔ پس میں کیا کہوں؟ اے باپ! مجھے اس گھڑی سے بچا لیکن میں اسی سبب سے تو اس گھڑی کو پہنچا ہوں۔ اے باپ! اپنے نام کو جلال دے۔“ اس لئے یہ دُعا کہ ”یہ پیالہ مجھ سے ہٹ جائے“ اس مقصد کے لئے نہ تھا کہ خدا اُسے صلیب پر جانے سے بچالے کیونکہ اسی مقصد کے لئے تو وہ دنیا میں آیا تھا!

علم البدیع کے مطابق یہ دُعا ایک خاص انداز بیان ہے۔ اُس نے یہ دُعا اس لئے نہیں مانگی تھی کہ اُس کا جواب چاہتا تھا بلکہ مقصد ایک سبق سکھانا تھا۔ گویا وہ کہہ رہا تھا کہ ”اے باپ! اگر میرے صلیب پر چڑھنے کے علاوہ گنہگاروں کو بچانے کا کوئی اور راستہ ہے، تو اس وقت ظاہر کر دے۔ لیکن ان ساری باتوں میں نیرمی مرضی کے خلاف کچھ نہیں چاہتا۔“ اس کا جواب کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ آسمان خاموش تھا۔ یہ خاموشی بڑی فصاحت کے ساتھ سب کچھ بتا رہی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ گنہگاروں کو راستیاز ٹھہرانے کا خدا کے

پاس کوئی طریقہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میرج، گناہ سے ناواقف مہنجی، ہمارا عوضی ہو کر مرے۔
 ۲۶: ۴۰-۴۱-۴۲ وہ "شاگردوں" کے پاس واپس آیا تو "اُن کو سوتے پایا"۔ اُن کی رُو میں تو "مستعد" تھیں
 مگر "جسم کمزور" تھے۔ جب ہم اپنی دُعا میں زندگیوں پر نظر ڈورائیں تو ہم اُن کو موردِ الزام ٹھہرانے کی
 ہرگز جرات نہیں کر سکتے کیونکہ جس وقت ہمارے ذہنوں کو مستعد ہونا چاہئے وہ پیشان خیالی کا شکار ہوتے
 ہیں۔ جس طرح خداوند نے بطرس سے کہا اسی طرح اُسے کہتی دُعا ہمیں بھی کہنا پڑتا ہے کہ "کیا تم میرے ساتھ
 ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکتے؟ جاگو اور دُعا کرو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو؟"

۲۶: ۴۲ "پھر دوبارہ اُس نے جاگ کر یوں دُعا کی" اور اپنے باپ کی مرضی کی تابع داری کرنے کے غم
 کا اظہار کیا۔ وہ دُکھوں اور موت کے پیالے کو تلچھٹ تک پیٹنے کو تیار تھا۔
 وہ اپنی دُعا میں زندگی میں لازماً تمنا تھا۔ اُس نے شاگردوں کو دُعا مانگنا سکھایا، اور وہ اُن
 کے دیکھتے ہوئے دُعا مانگا کرتا تھا۔ لیکن اُس نے اُن کے ساتھ کبھی دُعا نہیں مانگی۔ اُس کے کام اور
 شخصیت اور ذات کی یکتائی مانع آتی تھی کہ کوئی اور اُس کی دُعا میں زندگی میں شریک ہو۔

۲۶: ۴۳-۴۵ جب وہ دوسری دفعہ اپنے شاگردوں کے پاس آیا تو انہیں پھر سوتے پایا۔
 تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس دفعہ اُس نے کہا کہ اب سوتے رہو اور آرام کرو۔ دیکھو وقت آ
 پہنچا ہے اور ابن آدم گنہگاروں کے حوالہ کیا جاتا ہے۔

۲۶: ۴۶ اب اُس کے ساتھ جاگ کر مستعد رہنے کا موقع نکل چکا تھا۔ قدرتی سے پکڑوانے
 والے کے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ یسوع نے کہا "اٹھو، چلیں۔" پسپائی کے لئے نہیں، بلکہ دشمن کا سامنا
 کرنے کے لئے۔

گتسمنی باغ سے باہر نکلنے سے پہلے، آئیے ہم ذرا رُک جائیں، اُس کی آہوں اور سسکیوں کو سنیں،
 اُس کے غم پر خود کریں اور دل کی گہرائیوں سے اُس کا شکر ادا کریں۔

ح۔ گتسمنی باغ میں یسوع کو دھوکے سے پکڑ دیا جاتا ہے

۲۶: ۴۷-۵۶

بے گناہ مہنجی کو اُس کے اپنے ہی ایک مخلوق نے دھوکے کے ساتھ گرفتار کر دیا۔ یہ بات تاریخ میں
 سب سے بڑی بے قاعدہ بات معلوم ہوتی ہے۔ یہوداہ کی کینگی اور ناقابلِ عُذر قدرتی کوتاہی
 انسانی جہالت کے اور کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے؟

۲۶:۲۶۔ یسوع اپنے گیارہ شاگردوں سے بات کر رہی رہا تھا کہ ”یہوداہ“ ایک جتھے کو لے کر آپہنچا جس کے ہاتھ میں ”تلواریں اور لاطھیاں“ تھیں۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہوداہ نے ہتھیار لانے کو نہیں کہا ہوگا۔ وہ جانتا تھا کہ منجی کبھی مزاحمت نہیں کرتا نہ لڑائی میں مقابلہ کرتا ہے۔ یہ ہتھیار اس بات کی علامت تھے کہ سردار کا ہون اور قوم کے بزرگوں نے مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ اُسے فرار ہونے کا موقع دے بغیر گرفتار کر لیا جائے۔

۲۸:۲۶۔ یہوداہ نے بھیڑ کو نشان دہا رکھا تھا کہ ”جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے۔“ بوسہ محبت کا عالمگیر نشان ہے، مگر یہوداہ نے اسے انتہائی گھٹیا مقصد کے لئے استعمال کیا۔

۲۹:۲۶۔ خداوند کے قریب آتے ہوئے یہوداہ نے کہا ”اے ربی، سلام“ اور ”اُس کے بوسے لئے۔“ کلام کے اس حصے میں ”بوسہ لینے“ کے لئے دو مختلف لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ آیت ۲۸ میں تو معمول کا لفظ ہے جبکہ آیت ۲۹ میں زیادہ زور دار لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے بار بار بوسہ لینا یا بوسوں کا مظاہرہ کرنا۔

۵۰:۲۶۔ بڑے متوازن اور دل کو مجرم ٹھہرانے والے انداز میں یسوع نے اُس کو جواب دیا ”میاں! جس کام کو آیا ہے وہ کرے۔“ بے شک ان الفاظ نے یہوداہ کے سراپے میں آگ لگا دی، لیکن واقعات اس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے کہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ ہجوم نے آگے بڑھ کر بلا توقف خداوند یسوع کو گرفتار کر لیا۔

۵۱:۲۶۔ ”یسوع کے ساتھیوں میں سے ایک“۔۔۔ یوحنا ۱۸:۱۰ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ پطرس تھا۔ اُس نے تلوار چلا کر سردار کا ہن کے نوکر کا کان اڑا دیا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ پطرس نے کان کا نشانہ لیا تھا۔ اُس نے یقیناً اُس کا کام تمام کر دینے کو ہاتھ چلایا تھا۔ لیکن اُس کا وار خالی گیا۔ اس میں بھی الہی مشیت کار فرما تھی۔

۵۲:۲۶۔ یہاں خداوند یسوع کے اخلاق کا جلال تیزی سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ پہلے اُس نے پطرس کو جھڑکا۔ ”اپنی تلوار کو میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں، وہ سب تلوار سے ہلاک کے جا میں گئے۔“ مسیح کی بادشاہی میں فتوحات دنیوی ذرائع سے حاصل نہیں کی جاتیں۔ روحانی جنگ میں مسلح طاقت کا سہارا لینا تباہی و بربادی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بادشاہی کے دشمن بے شک تلواریں استعمال کریں مگر بالآخر شکست سے دوچار ہوں گے۔ مسیح کے سپاہی کو تو دعا اور خدا کے کلام اور روح سے معمور زندگی پر تکیہ کرنا چاہئے۔

تو قاطبیب ہمیں بتاتا ہے کہ یسوع نے اسی وقت ملخص نامی نوکر کا کان اچھا کر دیا (لوقا ۲۲: ۵۱)؛ یوحنا ۱۸: ۱۰۔ کیا یہ فضل کا عجیب مظاہرہ نہیں تھا؟ وہ اپنے عداوت رکھنے والوں سے بھی محبت رکھتا تھا اور جو اُس کی جان کے درپے تھے، اُن پر بھی مہربان تھا۔

۵۳: ۲۶-۵۴۔ اگر یسوع اُس ہجوم کی مزاحمت کرنا چاہتا تو اُسے پطرس کی حقیر سی تلوار کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ ”فرشتوں کے بارہ تین سے زیادہ“ کو طلب کر سکتا تھا (یعنی ۳۶۰۰۰ سے ۷۲۰۰۰ فرشتے)۔ مگر اس طرح خدا کا منصوبہ باطل ہو جاتا۔ اُس کے پکڑوائے جانے، دکھ اٹھانے، مصلوب ہونے اور جی اٹھنے کے بارے میں جتنی بھی پیشین گوئیاں تھیں، اُن سب کا پورا ہونا ضرور تھا۔

۵۵: ۲۶۔ پھر یسوع نے بھیڑ کو یاد دلایا کہ تمہارا یوں ہتھیار اٹھا کر مجھے پکڑنے آنا کیسا غیر مؤردوں فعل ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ شخص نہ کبھی کسی پر سختی یا زیادتی کرتا ہے نہ کسی کو گھٹاتا ہے بلکہ بڑے سکون کے ساتھ ”ہر روز ہیکل میں بیٹھ کر“ تعلیم دیتا تھا۔ وہ اُسے بڑی آسانی سے اُس وقت گرفتار کر سکتے تھے مگر نہیں کیا۔ اب ”تلواریں اور لاطٹھیاں لے کر“ کیوں آئے تھے؟ اُن کی حرکت بالکل نامعقول تھی۔

۵۶: ۲۶۔ مگر خداوند کو معلوم تھا کہ انسان کی شرارت صرف خدا کے مقررہ منصوبے کو پورا کرے گی۔ ”مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔“ یہ محسوس کر کے کہ اب ہمارا استاد بیچ نہیں سکتا ”سب شاگرد اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے“ جیسے اُن پر ناکامانی و ہزمت چھا گئی ہو۔ اگر اُن کی بڑی ناقابلِ عذر ہے تو ہماری بڑی اُن سے بڑھ کر ناقابلِ عذر ہے۔ ابھی تک رُوح القدس اُن کے اندر سکونت نہیں کر رہا تھا جبکہ ہمارے اندر کرتا ہے۔

ط۔ کاٹفا کے سامنے پیشی (۲۶: ۵۷-۶۸)

۵۷: ۲۶۔ یسوع کی دو بڑی پیشیاں ہوئیں۔ پہلی پیشی۔ یہودی لیڈروں کے سامنے مذہبی عدالت (آج کل کی زبان میں شریعت کورٹ) میں ہوئی۔ دوسری پیشی رومی حاکموں کے سامنے سرکاری (دیوانی) عدالت میں ہوئی۔ چاروں اناجیل کے بیانات کو ملانے سے واضح ہوتا ہے کہ ہر پیشی کے تین مرحلے تھے۔ یہودی عدالت کے بارے میں یوحنا کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کو پہلے کاٹفا کے سُسر حنا سردار کاہن کے سامنے پیش کیا گیا۔ متی کے بیان کا آغاز دوسرے

مرحلے سے ہونا ہے۔ جب اُسے کا بقا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے تھے۔ سنہیڈرن یعنی یہودیوں کی مذہبی عدالت کے ارکان دُہیں "جمع ہو گئے تھے" عام معمول یہ تھا کہ ملزم کو اپنے دفاع کی تیاری کا موقع دیا جاتا تھا لیکن آج یہ یہودی لیڈر اتنی جلدی میں تھے کہ انہوں نے اپنی بے خبری میں یسوع کو ایک مُنصفانہ مُقررے سے محروم رکھا۔

آج کی خاص رات فریسیوں، صدوقیوں "فقیہوں اور بزرگوں" نے جو سنہیڈرن کے ارکان تھے، سارے اھوکوں اور ائمین و قوانین کو بلائے طاق رکھ دیا۔ اُن کو عدالتی کارروائی کے لئے رات کے وقت یا کسی بھی یہودی عید کے دوران جمع ہونا شرعاً جائز نہ تھا۔ ایک پوری رات گزرنے سے پہلے موت کا فتویٰ صادر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اور اگر وہ ہیکل کے احاطے میں اُس مخصوص ہال میں جمع نہ ہوتے جو گھر سے ہُئے پتھروں سے بنایا گیا تھا، تو اُن کے فتوے کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی۔ یعنی اُس کی پابندی لازمی نہیں ہوتی تھی۔ یسوع سے خلاصی پانے کا بیھوت اُن پر ایسا سوار تھا کہ انہوں نے اپنے ہی قوانین کی دھجیاں بکھیر دیں۔

۵۸:۲۶۔ کا بقا عدالت کی کرسی صدارت پر بیٹھا تھا۔ سنہیڈرن مدعی بھی تھی اور جیوری بھی۔ یہ بے قاعدہ ترکیب تھی کیونکہ یہ بات قانون کے منافی ہے کہ مدعی خود ہی جیوری ہو۔ یسوع مدعا علیہ تھا اور "پطرس" ایک تماشائی تھا اور وہ بھی قاضی پر جہاں کوئی خطہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ "بیادوں کے ساتھ نتیجہ دیکھنے کو بیٹھ گیا۔"

۵۹:۲۶۔ ۶۱۔ یہودی لیڈر یسوع کے خلاف جھوٹی گواہی ڈھونڈنے لگے "مگر انہیں بے حدِ وقت پیش آئی۔ اگر وہ اپنے اولین فرض کو پورا کرتے تو زیادہ کامیاب رہتے۔ اور فرض یہ تھا کہ آئینی طریقہ کار پر عمل کرتے اور اُس کی بے گناہی کی شہادتیں ڈھونڈتے۔ بالآخر "دو" جھوٹے گواہوں نے ایسی گواہی دی جسے انہوں نے اپنے مطلب کے مطابق بدل لیا۔ انہوں نے یسوع کے یہ الفاظ عدالت کے سامنے پیش کیے کہ "اس مقدس کو ڈھا دو تو میں اُسے تین دن میں کھڑا کر دوں گا" (یوحنا ۲: ۱۹-۲۱)۔ گواہوں کے مطابق اُس نے یہ وٹھیم کی "ہیکل کو ڈھا دینے" اور اُسے دوبارہ بنا دینے کی دھمکی دی تھی۔ درحقیقت اُس نے اپنی موت اور بعد میں جی اٹھنے کی پیش گوئی کی تھی۔ یہودیوں نے اس پیش گوئی کو اُسے مار ڈالنے کا بہانہ بنا لیا۔

۶۲:۲۶-۶۳۔ وہ الزامات لگاتے رہے مگر اس دوران یسوع کچھ نہ بولا۔ "جس طرح برہ جیسے ذبح کرنے کو لے جاتے ہیں اور جس طرح بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے سامنے بے زبان

ہے "یسعیاہ ۵۳: ۵) - سردار کاہن اُس کی خاموشی سے تنگ آ گیا - وہ اُسے کوئی بیان دینے پر مجبور کرنے لگا - لیکن پھر بھی تمہی نے کوئی جواب نہ دیا - اس پر سردار کاہن کہنے لگا "میں تجھے زندہ خدا کا قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے" - موسیٰ کی شریعت کا حکم تھا کہ اگر سردار کاہن کسی یہودی کو قسم دے تو وہ ضرور گواہی دے (احبار ۱: ۵) -

۶۲: ۲۶ - یسوع یہودی تھا اور شریعت کے تابع تھا - چنانچہ اُس نے جواب دیا "تو نے خود کہہ دیا" - اور ساتھ ہی اپنے مسیح موعود اور ذاتِ الہی ہونے کے بارے میں زیادہ پُر زور الفاظ استعمال کیے - "اِس کے بعد تم ابن آدم کو قادرِ مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے" - فی الحقیقت وہ کہہ رہا تھا کہ "جیسا تو نے کہا میں خدا کا بیٹا مسیح ہوں - اس وقت میرا جلال انسانی بدن میں چُھپا ہوا ہے - میں فقط ایک انسان نظر آتا ہوں - تم مجھے میری پست حالی کے ایام میں دیکھ رہے ہو - مگر وہ دن آتا ہے جب تم یہودی مجھے جلالی حالت میں دیکھو گے - جب میں ہر لحاظ سے خدا کے برابر ہوں گا - اُس کی دہنی طرف بیٹھا ہوں گا اور آسمان کے بادلوں پر اُڑوں گا" -

آیت ۶۲ میں لفظ "تو" کا لفظ کے لئے اور لفظ "تم" وہاں موجود یہودیوں کے لئے استعمال ہوا ہے - یہ یہودی اُن اسرائیلیوں کے نمائندہ ہیں جو مسیح کے جلال میں ظاہر ہوتے وقت زندہ ہوں گے اور صاف صاف دیکھیں گے کہ یہ خدا کا بیٹا ہے - بعض اوقات اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ یسوع نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا نہیں کہا لیکن یہاں وہ حلف اٹھاتا ہے کہ میں اِس سے کم نہیں ہوں -

۶۵: ۲۶ - ۶۷ - کا لفظ نکتے کو سمجھ گیا - یسوع نے مسیح موعود کے بارے میں دانی ایل نبی کی نبوت کی طرف اشارہ کیا تھا "میں نے رات کو رویا میں دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدم زاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام تک پہنچا - وہ اُسے اُس کے حضور لائے" (دانی ایل ۷: ۱۳) - سردار کاہن کے ردِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ یسوع خدا کے برابر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے (ملاحظہ کریں یوحنا ۵: ۱۸) - اُس نے اپنے کپڑے پھاڑے - یہ نشان تھا کہ گواہ گفر تک رہا ہے - اُس نے ستھیرن کے سامنے جو اشتعال انگیز الفاظ بولے اُن سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یسوع تصور وار ہے - اور جب اُن کا فیصلہ پوچھا گیا تو کونسل نے جواب دیا کہ "وہ قتل کے لائق ہے" -

۶۸: ۲۶ - مقدمہ کے دوسرے مرحلہ میں ان ثالثوں نے اُس کے مُنہ پر تھوکا اور اُس کے مُکھے مارے - اور اُس کو طعنے دئے اور ٹھٹھوں میں اڑایا - اور کہنے لگے کہ اگر تو مسیح ہے تو اپنے

مارنے والوں کی نبوت سے شناخت کر۔ یہ ساری کارروائی نہ صرف غیر مُصفا نہ اور اُن کے دائرہ اختیار سے باہر تھی، بلکہ شہِ مُرناک بھی تھی۔

ی۔ پطرس یسوع کا انکار کرتا اور زار زار روتا ہے (۲۶: ۶۹-۷۵)

۲۶: ۶۹-۷۲۔ اب پطرس کی تاریک ترین گھڑی پہنچی تھی۔ وہ ”باہر صحن میں بیٹھا تھا“ کہ ایک کونڈی نے اکر الزام لگایا کہ تو بھی یسوع کا ساتھی ہے۔ اُس نے فوراً اور زوردار تردید کی ”میں نہیں جانتا کہ کیا کہتی ہے“۔ پھر وہ اٹھ کر ڈیوڑھی میں چلا گیا۔ غالباً وہ بیچنا چاہتا تھا کہ کوئی اور نہ دیکھے۔ مگر وہاں ایک ”دوسری“ کونڈی نے اُسے پہچان لیا اور سب کو سزا کہنے لگی کہ یہ بھی یسوع ناصرے کے ساتھ تھا۔ اس دفعہ پطرس نے قسم کھائی کہ ”میں اس آدمی کو نہیں جانتا“ اور وہ آدمی اُس کا اُستاد ہی تھا۔

۲۶: ۷۳-۷۴۔ ”تھوڑی دیر کے بعد“ پاس کھڑے کئی لوگ کہنے لگے کہ ”بے شک تو بھی اُن میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔“ اب عام انداز کا انکار کافی نہیں تھا۔ اس لئے اُس نے قسمیں کھا کر اور لعنت کر کے تاکید کے ساتھ کہا کہ ”میں اس آدمی کو نہیں جانتا“۔ اس موقع پر ایک مُرنے والے پطرس کو بے قرار کر دیا۔ ”بی الغور مُرنے والے بانگ دی“۔

۲۶: ۷۵۔ اس مانوس آواز نے نہ صرف صبح کی خاموشی کو درہم برہم کر دیا بلکہ پطرس کے دل میں بھی ہلچل مچادی۔ اُس کی ساری اگڑ جاتی رہی۔ اُسے خداوند کی بات یاد آئی ”اور وہ باہر جا کر زار زار رویا“۔

انکاروں کی تعداد اور وقت کے بارے میں اناجیل میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ مئی: ۱۷۱ اور یوحنا کے مطابق یسوع نے کہا تھا کہ ”اس رات مُرنے کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا“ (مئی ۲۶: ۳۴، مزید دیکھیے لوقا ۲۲: ۳۴؛ یوحنا ۱۳: ۳۸)۔ مرقس کی انجیل میں یہ نبوت یوں درج ہے کہ ”تو... مُرنے کے دو بار بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا“ (مرقس ۱۴: ۳۰)۔

ممکن ہے ایک سے زیادہ مُرخوں نے بانگیں دی ہوں۔ ایک نے رات کے دوران اور دوسرے نے صبح کو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اناجیل میں پطرس کے کم سے کم چھ مختلف انکاروں کا بیان درج ہے (۱) ایک کونڈی کے سامنے (مئی ۲۶: ۶۹، ۷۰؛ مرقس ۱۴: ۶۹-۷۱)، (۲) دوسری

لوٹڈی کے سامنے (متی ۲۶: ۲۶، ۲۷، ۲۸؛ مرقس ۱۴: ۶۹، ۷۰، ۷۱) (۳) پاس کھڑے لوگوں کے سامنے (متی ۲۶: ۲۳، ۲۴؛ مرقس ۱۴: ۷۰، ۷۱، ۷۲) ایک آدمی کے سامنے (لوقا ۲۲: ۵۸، ۵۹) ایک اور آدمی کے سامنے (لوقا ۲۲: ۵۹، ۶۰) (۶) سردار کاہن کے نوکر کے رشتہ دار کے سامنے (لوقا ۲۶: ۱۸، ۲۷، ۲۸) ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ آخری آدمی دوسروں سے فرق تھا کیونکہ اُس نے کہا کہ "کیا میں نے تجھے اُس کے ساتھ بارخ میں نہیں دیکھا؟" دوسروں کے بارے میں یہ بیان نہیں کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے۔

ک۔ صبح کے وقت سنہیڈرن کے سامنے پیشی (۲۷: ۱-۲)

مذہبی طور پر مقدمہ چلانے کا تیسرا مرحلہ صبح کے وقت پیش آیا کہ سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا۔ قانون یہ تھا کہ اگر ملزم کو بری نہ کیا جائے تو مقدمے کا فیصلہ ایک ہی دن میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔ فیصلہ سنانے سے پہلے ضروری تھا کہ ایک رات گزار جائے تاکہ رم کے جذبات کو اُبھرنے کا موقع مل سکے۔ "زیر نظر مقدمے میں معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی لیڈر رم کے ہر احساس کو دبا دینے پر تھے۔ تاہم چونکہ رات کو مقدمہ چلانا خلاف قاعدہ بات تھی اس لئے انہوں نے صبح کو اجلاس طلب کیا تاکہ فیصلے کو قانونی جواز مہیا کیا جاسکے۔ رومی حکومت کے تحت یہودی لیڈروں کو سزائے موت دینے کا اختیار نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے جلدی سے یسوع کو رومی گورنر پنطس پیلاطس کے سامنے جا پیش کیا۔

اگرچہ وہ ہر رومی چیز سے سخت نفرت کرتے تھے لیکن اس وقت اُس طاقت کو استعمال کر کے اپنی اُس سے بھی بڑی نفرت کا مطالبہ پورا کرنے پر آمادہ تھے۔ یسوع کی مخالفت نے جانی دشمنوں کو متحد کر دیا تھا۔

ل۔ یہوداہ کا پچھتاوا اور موت (۲۷: ۳-۱۰)

۲۷: ۳، ۳، ۴۔ یہوداہ کو احساس ہوا کہ میں نے بے گناہ کا خون بہانے کے لئے اُسے دھوکے سے پکڑ لیا ہے تو پچھتاوا اور "وہ تیس روپے سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس واپس" لے آیا۔ چند گھنٹے پہلے یہ اعلیٰ درجے کے سازشی اُسے ہاتھوں ہاتھ لے کر اُس کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کر رہے تھے، لیکن اب انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ "ہمیں کیا، تُو جان"۔ دھوکے بازی اور غداری کا یہی صلہ ہوا کرتا ہے۔ یہوداہ پچھتاوا ہاتھ لے کر آیا۔ لیکن یہ وہ پچھتاوا نہیں جو خدا ترسی

سے ہوتا اور نجات کو پہنچاتا ہے۔ وہ اپنے جرم کے لئے نہیں، بلکہ اُن نتائج سے شرمسار اور پریشان تھا جو اُس کے جرم سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ اب بھی یسوع مسیح کو خداوند اور نجات دہندہ ملانے کو تیار نہ تھا۔

۵:۲۷۔ یائوسی اور بے یسی کے عالم میں یہوداہ اُن ”روہیوں کو مقدس میں پھینک کر جلا گیا“ (یہ وہ جگہ تھی جہاں صرف کاہن داخل ہو سکتے تھے) اور جا کر خود کشی کر لی۔ اس بیان کا اعمال ۱۸:۱ سے مقابلہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس نے خود کو ایک درخت پر پھانسی دی تھی۔ رسہ ٹوٹ گیا۔ اُس کا جسم ایک کھڑی چٹان پر گرا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

۶:۲۷۔ ”سردار کاہن اتنے ”روحانی“ تھے کہ انہوں نے اس رقم کو ”ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روا“ نہ سمجھا کیونکہ یہ ”خون کی قیمت“ تھی۔ دراصل قصور وار وہ خود تھے کیونکہ انہوں نے رقم ادا کی تھی کہ مسیح موجود کو اُن کے حوالہ کر دیا جائے۔ لیکن لگتا ہے کہ یہ بات انہیں قطعاً پریشان نہیں کر رہی تھی جیسا کہ خداوند نے کہا تھا وہ پیالے اور رکابی کو اُس سے تو دھو کر صاف کرتے تھے، لیکن اُن کے اندر دھوکے بازی، غداری، ریا کاری اور قتل و غارت گری بھری ہوئی تھی۔

۷:۲۷۔ ۱۰۔ انہوں نے اس رقم سے ”کھار کا کھیت“ خریدا جہاں ناپاک غیر قوم پر دیسیوں کو دفن کیا جاسکے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ کتنے غیر قوم ٹیٹروں کے گروہ اُن کے ملک پر یلغار کریں گے اور اُن کے گلی کوچوں میں خون بہائیں گے۔ اُس وقت سے آج تک یہ کھیت اس قوم کے لئے ”خون کا کھیت“ ہے۔ ان سردار کاہنوں نے نادانستہ طور پر زکریاہ (۱۱:۱۲، ۱۳) کی پیشین گوئی پوری کر دی کہ دفن کی رقم کھار سے خریداری کے لئے استعمال ہوگی۔ عجیب بات ہے کہ زکریاہ کے حوالے میں ”کھار“ کی جگہ ترجمہ ”خزانہ“ بھی ہو سکتا ہے۔

سردار کاہنوں کو یہ رقم ہیکل کے خزانے میں ڈالنے پر پس و پیش اور شک تھا۔ چنانچہ انہوں نے ”کھار“ کے مفہوم کی پیشین گوئی پوری کر دی اور اس رقم سے کھار کا کھیت خرید لیا۔ مٹی اس نبوت کو ”یرمیاہ“ سے منسوب کرتا ہے جبکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ زکریاہ کی کتاب سے آئی ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نبیوں کی فہرست میں یرمیاہ کا نام سب سے پہلے آتا تھا۔ یہ فہرست متعدد قدیم عبرانی نسخوں میں موجود ہے اور تالمود کی روایت میں بھی محفوظ ہے۔ اسی رقم کا ایک استعمال ٹوتنا ۲۴:۲۴ میں نظر آتا ہے جہاں عبرانی مسلمہ کتب کے پورے تیسرے حصے کو ”زبور“ کا نام دیا گیا ہے۔

م۔ پیلطس کے سامنے یسوع کی پہلی پیشگی (۱۱:۲۷-۱۴)

یہودیوں کو یسوع کے خلاف اصل شکایات تو مذہبی تھیں اور اسی بنیاد پر اُس پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ لیکن رومی عدالت میں مذہبی الزامات کوئی وزن نہیں رکھتے تھے۔ یہودی یہ بات بخوبی جانتے تھے۔ پناچہ جب پیلطس کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے یسوع کے خلاف تین سیاسی الزامات پر زور دیا (لوقا ۲۳: ۲)۔ (۱) کہ وہ انقلابی اور باغی ہے، اس لئے رومی سلطنت کے لئے خطرہ ہے۔ (۲) وہ لوگوں کو اکساتا ہے کہ محصول ادا نہ کریں۔ اس طرح حکومت کے خزانے اور خوشحالی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ (۳) وہ بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس لئے شہنشاہ کے لئے خطرہ ہے۔

متی کی انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ پیلطس تیسرے الزام کے متعلق پوچھ گچھ کرتا ہے۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟ تو یسوع نے جواب دیا کہ "ہاں، میں ہوں"۔ اس پر یہودی لیڈروں نے اُس پر الزامات کا طوفان کھڑا کر دیا تاکہ اُسے انتہائی طور پر بدنام کریں۔ پیلطس نے مدعا علیہ کی خاموشی پر "بہت تعجب کیا"۔ وہ جواب دے کر اُن کے ایک الزام کو بھی اہمیت نہیں دینا چاہتا تھا۔ غالباً گورنر نے پہلے کبھی کسی کو نہیں دیکھا تھا جو ایسے جملے کے روبرو خاموش کھڑا رہے۔

ن۔ یسوع یا برآبا (۱۵: ۲۷-۲۶)

دستور تھا کہ عید فصح پر رومی گورنر یہودیوں کی خاطر اُن کی مرضی کے مطابق ایک قیدی۔۔۔ چھوڑ دیتا تھا۔ اس طرح کا ایک مجرم "برآبا" تھا جسے چھوڑا جاسکتا تھا۔ وہ یہودی تھا اور بغاوت اور قتل کا مجرم تھا (مرقس ۱۵: ۷)۔ چونکہ وہ رومی حکومت کے خلاف بغاوت کا مجرم تھا اس لئے غالباً یہودیوں میں ہر دل عزیز تھا۔ پناچہ پیلطس نے یہودیوں کو پیش کش کی "یسوع اور برآبا" میں سے کسی ایک کو رہائی کے لئے چن لیں۔ مگر انہوں نے برآبا کی رہائی کے لئے شور مچایا۔ گورنر کو کوئی حیرانی نہ ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ عوام کی رائے کو بڑی حد تک سردار کا ہونے سے اس طرف ڈھلا ہے کیونکہ وہ یسوع سے جلتے تھے۔

۱۹:۲۷- تھوڑی دیر کے لئے کارروائی رک گئی۔ پیلطس کی بیوی کی طرف سے ایک خادم

پیغام لے کر آیا کہ مجھے یسوع کے بارے میں بہت پریشان کن خواب آیا ہے اس لئے ”تو اس راستباز سے مجھ کام نہ رکھو“

۲۷: ۲۰-۲۳- ”سردار کاہنوں اور بزرگوں نے“ پس منظر میں رہ کر لوگوں کو اُکسایا کہ ”برا بآ کی رہائی“ اور ”یسوع کی موت“ کے لئے شور مچائیں۔ اس لئے جب پیلاطس نے اُن سے دوبارہ پوچھا کہ کس کی رہائی چاہتے ہیں تو وہ قاتل کے حق میں چلانے لگے۔ پیلاطس فیصلے میں پیش کے باعث پھنس گیا تو پھیڑے پوچھنے لگا ”پھر یسوع کو جو سیرج کہلاتا ہے کیا کروں؟“ وہ ایک زبان ہو کر اُسے صلیب دینے کا مطالبہ کرنے لگے۔ رومی گورنر کو اُن کا یہ رویہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اُسے کیوں صلیب دوں؟ اُس نے کیا جرم کیا ہے؟ لیکن اب اُن سے ٹھنڈے دل سے خود کرنے کی اپیل کا موقع گزر چکا تھا۔ جرم کی حیثیت غالب اچھی تھی۔ بس ایک ہی نعرہ تھا۔ ”اُسے صلیب دیا جائے۔“

۲۷: ۲۴- پیلاطس کو صاف نظر آنے لگا کہ لوگ مُعاف کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ بلوا ہوا چاہتا ہے۔ چنانچہ اُس نے ”لوگوں کے رُو برو اپنے ہاتھ دھوئے“ اور اعلان کیا کہ ”میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔“ یہ تاریخ میں انصاف کا سب سے بڑا خون تھا۔ وہ پانی پیلاطس کے قصور کو کبھی دھو نہیں سکتا۔

۲۷: ۲۵- ”جرم اتنا دیوانہ ہو چکا تھا کہ قصور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ قصور اپنے سر لینے کو تیار تھے۔“ ”اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گرجن پر!“ اُس وقت سے لے کر یہودی قوم اس لعنت کا شکار چلے آتے ہیں۔ کہیں تو انہیں مخصوص مستیوں میں پابند کر دیا جاتا ہے، کہیں منظم طور سے اُن کا قتل عام ہوتا ہے۔ کبھی وہ مشقت کی میموں میں اور کبھی گیس چیمبرز میں بند کر کے ہلاک کئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے مسیح موعود کو رد کرنے اور اُس کا خون بہانے کے جرم کی نرا پاتے آ رہے ہیں۔ ابھی اُن کو ”یعقوب کی ہولناک مصیبت“ کا سامنا کرنا باقی ہے۔ یعنی مصیبت کے وہ سات سال جن کا بیان متی باب ۲۴ اور مکاشفہ ابواب ۶-۱۹ میں درج ہے۔ یہ لعنت اُس وقت تک رہے گی جب تک وہ رد کئے گئے یسوع کو اپنا مسیح موعود بادشاہ تسلیم نہیں کریں گے۔

۲۷: ۲۶- پیلاطس نے ”برا بآ کو اُن کی خاطر چھوڑ دیا“ اور اُس وقت سے برا بآ کی رُو دنیا پر غالب ہے۔ آج بھی راستباز بادشاہ کو رد کر کے قاتل کو تخت پر بٹھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد دستور کے مطابق مجرم کو کوڑے مارے گئے۔ یہ کوڑا چمڑے کی رسی کا بنا ہوتا تھا۔ دھات کے تیز اور نوکیلے ٹکڑے اس میں لگے ہوتے تھے۔ یہ کوڑا مجرم کی ننگی پیٹھ پر مارا جاتا تھا۔ اُس کی ایک ایک

ضرب گوشت کے ٹکڑے نوچ لیتی تھی اور خون کی دھاریں اُبلنے لگتی تھیں۔ اب وہ کمزور اور بُزدلی رومی گورنر بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ اُس نے یسوع کو سپاہیوں کے حوالہ کر دیا کہ ”صلیب دی جائے“

س۔ سپاہی یسوع کو ٹھٹھوں میں اُڑاتے ہیں (۲۷:۲۷-۳۱)

۲۷:۲۷-۲۸-۲۹۔ اب ”حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اُس کے گرد جمع کی۔“ غالباً کئی سو آدمی ہوں گے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اُس کا تصور کرنا مشکل ہے! کائنات کا خالق اور سنبھالنے والا بدتمیز سپاہیوں کے زرنے میں تھا۔ اُس پر وہ ظلم توڑے گئے، ایسی بے عزتی کی گئی کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حقیر اور گنہگار مخلوق وہ کچھ کہ گزری کہ اُس کی یاد سے تاریخ آج بھی سر جھکا لیتی ہے۔ انہوں نے اُس کے کپڑے اُتار کر اُسے قرمزی چوغہ پہنایا۔ یہ شاہی چوغے کی نقل تھی۔ لیکن یہ چوغہ آج ہمیں ایک پیغام دے رہا ہے۔ چونکہ قرمزی رنگ کا تعلق گناہ کے ساتھ ہے (یسعیاہ ۱:۱۸) اس لئے قرمزی چوغہ یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ میرے گناہ یسوع پر رکھے گئے تاکہ خدا کا استیلازی کا چوغہ مجھے پہنایا جاسکے (۲- کرنتھیوں ۵:۲۱)۔

۲۷:۲۹-۳۰۔ انہوں نے ”کانٹوں کا تاج بنا کر اُس کے سر پر رکھا۔“ اُن کے اس بھونڈے مذاق سے آگے دیکھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اُس نے ”کانٹوں کا تاج“ پہناتا کہ ہم ”جلال کا تاج“ پہن سکیں۔ انہوں نے اُسے گناہ کا بادشاہ بنا کر ٹھٹھوں میں اُڑایا۔ ہم اُسے گنہگاروں کا مُنہجی مان کر سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اُسے ایک ”سرکنڈا“ پکڑایا۔ شاہی عصا کی نقل۔ وہ بے خبر تھے کہ یہ سرکنڈا اتھلنے والا ہاتھ دُنیار پر حکمرانی کرتا ہے۔ یسوع کا وہ ہاتھ جس میں کیل کا نشان ہے آج کائنات کی حکومت کا عصا تھا ہے ہوئے ہے۔

وہ اُس کے آگے ”گھٹنے ٹیک“ کر اور اُسے ”یہودیوں کا بادشاہ“ کہہ کہہ کر اُس کا مذاق اُڑانے لگے۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وہ اُس کے مُنہ پر تھوکے لگے۔ اُس واحد کامل انسان کے مُنہ پر جس کا کوئی ثنائی نہیں۔ اور ”وہی سرکنڈا لے کر اُس کے سر پر مارنے لگے۔“

یسوع پورے صبر کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کرتا رہا۔ مُنہ سے ایک لفظ تک نہ نکالا۔

”اُس پر غور کرو جس نے اپنے حق میں بُرائی کرنے والے گنہگاروں کی اس قدر مخالفت کی برداشت کی تاکہ تم بے دل ہو کر ہمت نہ ہارو“ (عبرانیوں ۱۲:۳)۔

۲۷:۳۱-۳۲۔ اور آخر میں ”اُسی کے کپڑے اُسے پہنائے اور مصلوب کرنے کو بے گئے۔“

ع۔ بادشاہ کو صلیب دیا جانا (۲۷ = ۳۲ - ۴۴)

۳۲: ۲۷ - ہمارا خداوند اپنی "صلیب" اٹھا کر کچھ دور تک تو چلتا رہا (یوحنا ۱۹: ۱۷) پھر سپاہیوں نے "شمعون" نام ایک کربنی آدمی کو پا کر اُسے بیگار میں پکڑا "کرینی = شمالی افریقہ میں کربنیہ کا باشندہ" کی یسوع کی صلیب اٹھائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے وہ یہودی تھا جبکہ بعض کہتے ہیں وہ حبشی تھا۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ اُسے خداوند کی صلیب اٹھانے کا عجیب اعزاز حاصل ہوا۔

۳۳: ۲۷ - "کَلْمَا" ارامی زبان میں کھوپڑی کو کہتے ہیں۔ یونانی میں kranion ہے جو لاطینی سے ہوتے ہوئے انگریزی میں "کر" "کلوری" بن گیا جو اردو میں بھی مستعمل ہے۔ شاید اس جگہ کا یہ نام اس لئے ہوا کہ وہ پہاڑی کھوپڑی کی شکل کی تھی یا شاید اس لئے کہ وہاں مجرموں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ آج اس کا محل وقوع غیر یقینی ہے۔

۳۴: ۲۷ - یسوع کو کیلیوں سے صلیب پر جڑنے سے پہلے سپاہیوں نے "پت مٹی ہونی مئے" اُسے پینے کو دی۔ یہ مئے خراب اور دوا کے طور پر استعمال ہوتی تھی اور سزائے موت پانے والے مجرموں کو پلاتے تھے تاکہ احساس درد کم ہو۔ یسوع نے اُسے پینے سے انکار کر دیا۔ ضرور تھا کہ وہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ انسان کے گناہوں کا پورا بوجھ اٹھائے۔ احساس درد میں کمی کا کوئی جواز نہیں تھا۔

۳۵: ۲۷ - مٹی صلیب دئے جانے کا بیان بڑے سادہ اور غیر جذباتی انداز میں کرتا ہے۔ وہ کسی بات کو ڈرامائی رنگ نہیں دیتا، نہ صحافیوں کی طرح سنسنی خیزی پر مائل ہوتا ہے اور نہ دہشت انگیز تفصیل بیان کرتا ہے۔ وہ صرف واقعہ بیان کرتا ہے کہ "انہوں نے اُسے صلیب پر چڑھایا" لیکن ابدیت بھی ان الفاظ کی گہرائیوں تک نہیں اتر سکتی۔

زبور ۲۲: ۱۸ کی پیشین گوئی کے مطابق سپاہیوں نے "اُس کے کپڑے قریب ڈال کر بانٹ لئے"۔ قریب خاص اُس کے بن سے چرنے پر ڈالا گیا۔ اُس کی ساری دنیوی جائیداد یہی تھی۔ دنیا میں واحد کامل زندگی اُس ہستی کی تھی جس کے قبضہ ملکیت میں کچھ نہیں تھا اور جس نے اپنے پیچھے صرف تن کے کپڑے چھوڑے۔

۳۶: ۲۷ - پھرے دار سپاہیوں کو کوئی احساس نہیں تھا کہ تاریخ مرتب ہو رہی ہے۔ کاش اُن کو علم ہوتا تو وہ "بیٹھ" کر اُس کی "نگہبانی" نہ کرتے بلکہ گھنٹوں کے بلی ہو کر اُسے سجدہ کرتے۔

۳۷: ۲۷ - مسیح کے "سر سے اُوپر" انہوں نے ایک کتبہ لگا دیا کہ "یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع

ہے۔ چاروں اناجیل میں خاص الفاظ میں تھوڑا بہت فرق پایا جاتا ہے۔ مرقس (۱۵: ۲۶) کہتا ہے ”یہودیوں کا بادشاہ“۔ لوقا (۲۳: ۳۸) کے مطابق ”یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے“ اور یوحنا (۱۹: ۱۹) کے مطابق ”یسوع نامری یہودیوں کا بادشاہ“۔ سردار کاہنوں نے احتجاج کیا کہ لقب بیانِ حتمی کی شکل میں نہیں بلکہ ملزم کی طرف سے دعویٰ کی صورت میں ہونا چاہئے۔ لیکن پیلاطس نے اُن کے احتجاج کو رد کر دیا۔ حقیقت لکھی گئی تھی اور سب اُسے دیکھ سکتے تھے۔ یوحنا ۱۹: ۱۹-۲۲ کے مطابق یہ کتبہ عبرانی، لاطینی اور یونانی زبانوں میں لکھا ہوا تھا۔

۲۷: ۳۸۔ خدا کے بے گناہ بیٹے کے دونوں طرف دو ڈاکوؤں کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا کیونکہ کیالیسیا نے ساتتہ سو سال پہلے نبوت سے نہیں بتایا تھا کہ وہ خطا کاروں کے ساتھ شمار کیا گیا“ (۱۲: ۵۳) ۹ شروع میں تو دونوں ڈاکو اُسے طعنے اور الزام دینے لگے (آیت ۴۴) لیکن ایک نے عین وقت پر توبہ کر کے نجات پائی اور چند ہی گھنٹوں بعد وہ یسوع کے ساتھ فردوس میں تھا (لوقا ۲۳: ۴۲، ۴۳)۔

۲۷: ۳۹-۴۰۔ صلیبِ خدا کی محبت کو آشکار کرتی ہے۔ ساتھ ہی انسان کی خباثت کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ راہ گیر بھی تھوڑی دیر تک کر اُس چرواہے پر ٹھٹھے مارتے اور طعنے دیتے تھے جو بھیڑوں کے لئے اپنی جان دے رہا تھا۔ اُسے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ یہ قومی بے اعتقادی اور بے ایمانی کی زبان ہے۔ ہم دیکھیں گے تو ایمان لائیں گے۔ یہ آزاد خیالی کے فلسفہ کے حامیوں کی بھی زبان ہے ”صلیب پر سے اتر آ۔ دوسرے نفظوں میں ”صلیب کی ٹھوک کو دور کر دے تو ہم ایمان لائیں گے۔“ سالیشن آرمی کے بانی ولیم بوٹھ کہتے ہیں ”اُن کا دعویٰ تھا کہ اگر یسوع صلیب پر سے اتر آئے تو ہم ایمان لائیں گے۔ مگر ہم اس لئے ایمان لائے ہیں کہ وہ صلیب پر رہا۔“

۲۷: ۴۱-۴۴۔ سردار کاہن، فقیہ اور بزرگ بھی اُن لوگوں کے ساتھ مل گئے۔ وہ نادانستہ طور پر بہت بصیرت بھری بات کہہ رہے تھے۔ ”اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔“ وہ تو طعن کے طور پر کہتے تھے مگر ہم نے اسے حمد و ثنا کے گیت کے طور پر اپنا لیا ہے۔ یہ بات خداوند کی زندگی میں بھی درست تھی اور آج ہمارے لئے بھی درست ہے۔ جب ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں تو دوسروں کو نہیں بچا سکتے۔

مندہ ہی لیڈر اُس کے مہنجی ہونے کے دعوے کو ٹھٹھوں میں اڑاتے تھے۔ وہ اُس کے اُن

دعوؤں کی تضحیک کرتے تھے کہ میں ”اسرائیل کا بادشاہ ہوں، میں خدا کا بیٹا ہوں۔“ یہاں تک کہ
 لکن طعن کرنے میں ڈاکو بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اپنے خدا کو رسوا کرنے میں مذہبی لیڈر ڈاکوؤں
 کا ساتھ دینے لگے۔

ف۔ تاریکی کے تین گھنٹے

(۲۷:۲۵-۵۰)

۲۷:۲۵- یسوع نے بے حد دکھ اُٹھایا۔ اُس کی انتہائی بے عزتی کی گئی۔ اُسے نہایت بُری
 طرح ٹھٹھوں میں اُڑایا گیا، مگر یہ سب کچھ اُس اذیت اور کرب کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا جس کا
 سامنا اُسے اس مرحلے پر ہوا۔ ”چھٹے گھنٹے سے لے کر نویں گھنٹے تک یعنی دوپہر سے لے کر
 تیسرے پہر (بارہ بجے دوپہر سے ۳ بجے سہ پہر) تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔“ یہ
 اندھیرا نہ صرف ملکِ فلسطین پر بلکہ اُس کی مقدس جان پر بھی چھایا ہوا تھا، کیونکہ اسی وقت کے
 دوران اُس نے ہمارے گناہوں کی بے بیان لعنت اپنے اوپر اُٹھائی ہوئی تھی۔ ان تین گھنٹوں میں
 وہ جہنم سمٹ آیا تھا، ہماری خطا کاریوں کے خلاف خدا کا وہ غضب یکجا ہو گیا تھا جس کے سزاوار
 ہم تھے۔ ہمیں تو سب کچھ دُھندلا سا نظر آتا ہے۔ ہم جان ہی نہیں سکتے کہ یسوع کے لئے یہ
 کیا معنی رکھتا تھا۔ اُس نے گناہ کے بارے میں خدا کے ہر راستے مطالبے کو پورا کر دیا۔ ہم تو صرف
 اتنا جانتے ہیں کہ ان تین گھنٹوں کے دوران اُس نے وہ قیمت ادا کر دی، وہ قرض بے باقی کر دیا
 جو ہمارے ذمہ تھا اور انسان کی مخلصی کا کام پورا کر دیا۔

۲۷:۲۷- تیسرے پہر (۳ بجے) کے قریب اُس نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ”ایلی۔ ایلی۔ ایلی۔ لئما
 شَبَقْتَنی؟“ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟“ اس کا جواب
 زبور ۲۲: ۱ میں ملتا ہے۔ ”لیکن تو قدوس ہے۔“ تو جو اسرائیل کی حمد و ثنا پر تخت نشین ہے۔
 چونکہ خدا قدوس ہے وہ گناہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ ضرور ہے کہ گناہ کی سزا دے۔ خداوند
 یسوع نے تو کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ وہ سرتا پابے گناہ تھا۔ لیکن اُس نے ہمارے گناہوں
 کو اپنے اوپر لے لیا۔ اور جب خدا نے بطور مُتَّصِف اُس پر نگاہ کی اور ہمارے گناہوں کو اُس
 بے گناہ عوضی پر دیکھا تو اُس نے اپنے عزیز بیٹے سے کنارہ کشی کر لی۔ اور یہی جدائی تھی جس
 نے یسوع کے دل کو چیر کر رکھ دیا۔

۲۷:۲۷-۳۸۔ جب یسوع نے چلا کر ”ایلی۔ ایلی۔“ کہا تو ”جو وہاں کھڑے تھے اُن

میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو بھارتا ہے۔ یہ بات واضح نہیں کہ انہوں نے الفاظ کو سمجھنے میں غلطی کی یا ازراہ مذاق ایسا کہہ رہے تھے۔ مزید برآں ایک شخص نے ”سپنج“ لے کر ”سرکہ میں ڈبوایا“ اور پلے سے ”سرکندے“ پر رکھ کر اُس کے ہونٹوں تک بلند کیا۔ زبور ۶۹: ۲۱ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حرکت رَم کے تحت نہیں تھی بلکہ اُسے مزید تکلیف دینے کے لئے تھی۔

۲۷: ۲۹ - عام رُحمان یہ تھا کہ دیکھیں کہ ”ایلیاہ“ وہ یہودی روایت پوری کرنے کو آتا ہے یا نہیں جو اُس سے منسوب ہے کہ وہ راست بازوں کی مدد کو آتا ہے۔ مگر یہ ایلیاہ کے آنے کا وقت نہیں (ملاکی ۴: ۵) بلکہ یسوع کے مرنے کا وقت تھا۔

۲۷: ۵۰ - ”یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی“۔ بڑی آواز سے چلانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کمزوری میں نہیں بلکہ قوت میں مرا۔ یہ حقیقت کہ اُس نے ”جان دے دی“ اُس کی موت کو دوسروں سے میسر کرتی ہے۔ ہم اس لئے مرتے ہیں کہ مجبور ہیں، ہمارا مرنا ٹھہر چکا ہے۔ وہ اس لئے مرا کہ اُس نے مرنے کا انتخاب کیا۔ کیا اُس نے نہیں کہا تھا کہ میں اپنی جان دیتا ہوں تاکہ اُسے پھر لے لوں۔ کوئی اُسے مجھ سے چھینتا نہیں بلکہ میں اُسے آپ ہی دیتا ہوں۔ مجھے اُس کے دینے کا بھی اختیار ہے اور اُسے پھر لینے کا بھی اختیار ہے“ (یوحنا ۱۰: ۱۸)۔

ص - ہیکل کا پردہ پھٹتا ہے (۲۷: ۵۱-۵۲)

۲۷: ۵۱ - ایک بنا ہوا بھاری پردہ ہیکل کے پاک مقام اور پاک ترین مقام کو الگ کرتا تھا۔ جس وقت یسوع نے جان دی ایک اُن دیکھے ہاتھ نے اُسے اُوپر سے نیچے تک پھاڑ دیا۔ اُس وقت تک اس ”پردہ“ نے سوائے سردار کاہن کے باقی سب کو پاک ترین مقام سے جہاں خدا کی سکونت تھی باہر رکھا ہوا تھا۔ صرف ایک شخص اُس اندرونی پاک مقام میں داخل ہو سکتا تھا، اور وہ بھی سال میں صرف ایک دن۔ یہ شخص سردار کاہن ہوتا تھا۔

عبرانیوں کی کتاب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پردہ یسوع کے بدن کی علامت تھا۔ اُس کا پھٹنا یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ اُس نے موت کے وسیلے سے اپنا بدن دے دیا۔ اور اُس کی موت کے وسیلے سے یعنی ہمیں یسوع کے خون کے سبب سے اُس نئی اور زندہ راہ سے پاک مکان میں داخل ہونے کی دلیری ہے جو اُس نے پردہ یعنی اپنے جسم میں سے ہو کر ہمارے واسطے مخصوص کی ہے“ (عبرانیوں ۱۰: ۱۹-۲۰)۔ اب چھوٹے سے چھوٹا ایماندار بھی دُعا اور حمد و ثنا کے ساتھ

خدا کی حضوری میں داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن ہرگز نہ بھولیں کہ یہ اعزاز ہمارے لئے نہایت بھاری قیمت — یسوع کے خون — سے خریدا گیا ہے۔

خدا کے بیٹے کی موت نے عناصرِ قدرت میں بھی زبردست ہلچل مچا دی۔ گویا بے جان تخلیق اپنے خالق کے درد کو محسوس کر رہی تھی۔ ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ ”جٹانیں ترپک گئیں اور فرس کھل گئیں۔“

۵۲:۲۷-۵۳۔ مگر یاد رکھیں اس موقع پر جی اٹھنے والے یسوع کے جی اٹھنے کے بعد ”ہی قبروں سے نکلے اور یروشلیم میں گئے جہاں وہ بہنوں کو دکھائی دئے۔“ بائبل مقدس اس سلسلے میں خاموش ہے کہ یہ جی اٹھے مقدسین دوبارہ مرے یا خداوند یسوع کے ساتھ آسمان پر گئے۔

۵۴:۲۷۔ فطرت میں اس عجیب ہنگامہ خیزی نے رومی ”صوبہ دار“ کو قائل کر دیا کہ یسوع واقعی ”خدا کا بیٹا تھا“ صوبہ دار کا ان الفاظ سے کیا مطلب تھا؟ کیا وہ پورے طور پر اقرار کر رہا تھا کہ یسوع مسیح خداوند اور منجی ہے یا صرف اتنا تسلیم کر رہا تھا کہ وہ انسان سے بڑھ کر کچھ ہے؟ ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اُس پر پورے واقعہ کی دہشت چھا گئی تھی اور اُسے احساس ہو گیا تھا کہ فطرت میں جو ہلچل مچی ہے، اس کا تعلق یسوع کی موت کے ساتھ ہے جو دوسرے دن اُس کے ساتھ مصلوب تھے ان کی موت کے ساتھ نہیں ہے۔

ق۔ وفاتِ شعاع عورتیں (۵۵:۲۷-۵۶)

یہاں ان عورتوں کا خاص ذکر ہے جو وفاداری سے یسوع کی خدمت کرتی ہوئی ”گلیل سے اُس کے پیچھے پیچھے“ یروشلیم تک آئی تھیں۔ ان میں مریم مگدینی تھی اور یعقوب اور یوسیس کی ماں مریم اور زبیدی کی بیوی سلومی شامل تھیں۔ ان عورتوں کی بے خوف عقیدت خاص طور پر چمک رہی ہے۔ وہ اُس وقت بھی یسوع کے ساتھ ساتھ تھیں جب مرد شاگرد اپنی جائیں بچانے کو بھاگ گئے تھے۔

ر۔ یسوع کا یوسف کی قبر میں دفنایا جانا (۵۷:۲۷-۶۱)

۵۷:۲۷-۵۸۔ ارمیتیاہ کا یوسف ایک ”دولت مند آدمی“ تھا۔ وہ سنیڈرن (یہودیوں کی مجلسِ اعلیٰ) کا امیر تھا۔ وہ کونسل کے اس فیصلے سے متفق نہ تھا کہ یسوع کو پلاطس کے سامنے پیش کیا جائے (لوقا ۲۳:۵۱)۔ اگر وہ اُس وقت تک خفیہ ”شاگرد تھا“ تو اب اُس نے ہر

احتیاط کو دور بھینک دیا۔ اُس نے بڑی دلیری کے ساتھ ”پیلطس کے پاس جا کر“ اپنے خداوند کی لاش کو دفن کرنے کی اجازت مانگی۔ ذرا تصور کریں کہ پیلطس کس قدر حیران ہوا ہوگا۔ اور یہودیوں کو کیسا اشتعال آیا ہوگا کہ سنیڈرن کا ایک ممبر علی الاعلان اُس مصلوب کا ساتھ دے رہا ہے۔ ایک لحاظ سے جب یوسف نے یسوع کو دفن کیا تو معاشی، معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے اپنے آپ کو دفن کر دیا۔ اس عمل نے اُسے ہمیشہ کے لئے اُس نظام سے الگ کر دیا جس نے خداوند یسوع کو مروایا تھا۔

۲۷: ۵۹-۶۰۔ ”پیلطس“ نے اجازت دے دی اور یوسف نے بڑی محبت کے ساتھ لاش کو خوشبودار مسالے لگائے اور ”صاف مہین چادر میں لپیٹا“ اور لپیٹتے ہوئے درمیان میں بھی مسالے رکھے۔ پھر لاش کو ”اپنی نئی قبر میں جو اُس نے چٹان میں کھدوائی تھی رکھا“۔ قبر کا منہ ”ایک بڑے پتھر“ سے بند کر دیا گیا۔ یہ پتھر ایک خراس کے پتھر کی شکل کا تھا جو نیچے نالی یا بھری کے اندر کنارے کے بل کھڑا تھا۔ یہ بھی ٹھوس چٹان سے کاٹا اور تراش کر بنایا گیا تھا۔ صدیوں پہلے یسعیاہ نے نبوت کی تھی کہ ”اُس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی اور وہ اپنی موت میں دولت مندوں کے ساتھ ہوگا“ (یسعیاہ ۵۳: ۹)۔

اُس کے دشمنوں نے بے شک منصوبہ بنایا ہوگا کہ اُس کی لاش کو ہنوم کی وادی میں پھینک دیں گے تاکہ وہاں کے کورے کی آگ سے جل جائے یا اُسے ٹوٹیاں وغیرہ کھا جائیں، مگر خدا نے اُن کے منصوبے باطل کر دیے۔ اُس نے یوسف کو استعمال کیا تاکہ یقینی طور پر وہ دولت مندوں کے ساتھ دفن ہو۔ ۲۷: ۶۱۔ جب یوسف وہاں سے چلا گیا تو ”مریم مگدینی“ اور دوسری مریم یعنی یعقوب اور یوسیس کی ماں وہاں بیٹھی دیر تک قبر کو دیکھتی رہیں۔

ش۔ قبر پر پہرہ (۲۷: ۶۲-۶۶)

۲۷: ۶۲-۶۳۔ نوح کا پہلا دن ”تیسری کادن“ کہلاتا ہے۔ یہی دن تھا جب یسوع کو صلیب دی گئی۔ ”دوسرے دن“ سردار کاہن اور فریسی بے حد پریشان تھے۔ اُن کو یاد تھا کہ یسوع نے دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں کیا کہا تھا۔ اس لئے وہ پیلطس کے پاس گئے اور درخواست کی کہ قبر پر خصوصی پہرہ بٹھایا جائے۔ بیان یہ کیا کہ ہم اُس کے شاگردوں کو اُس کی لاش چرانے سے روکنا چاہتے ہیں مبادا وہ یہ تاثر پھیلادیں کہ وہ جی اٹھا ہے اور ”یہ پچھلا دھوکا پھیلنے سے بھی بڑا ہے“

یعنی یہ خبر کہ وہ جی اٹھا ہے اُس کے اس دعوے سے بھی بُری ہوگی کہ میں مسیح موعود اور خدا کا بیٹا ہوں۔

۲۷، ۶۵، ۶۶۔ پیلاطس نے جواب دیا ”تمہارے پاس پہرے والے ہیں۔ جاؤ۔ جہاں تک تم سے ہو سکے اُس کی نگہبانی کرو۔“ غالباً اس کا مطلب ہے کہ ایک رومی محافظ دستہ اُن کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ”تمہاری درخواست منظور کی جاتی ہے۔ اب محافظ دستہ تمہارے سپرد کرتا ہوں۔“ ممکن ہے کہ پیلاطس کے لہجے میں طنز ہو جب اُس نے کہا کہ ”جہاں تک تم سے ہو سکے اُس کی نگہبانی کرو۔“ انہوں نے اپنی پوری کوشش کی۔ قبر پر گھمیں لگا دیں، پہرے دار بٹھادے، لیکن اُن کا پہرہ اور نگہبانی کے سارے انتظامات دھوے کے دھوے رہ گئے۔

۱۵۔ بادشاہ کی فتح (باب ۲۸)

۱۔ خالی قبر اور زندہ خداوند (۱:۲۸-۱۰)

۲۸:۱-۳۔ اتوار کی صبح پو پھٹنے سے پہلے ”مریم مگدالینی اور دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں“ اُن کے پھینچتے پھینچتے ”ایک بڑا بھونچال آیا۔۔۔ ایک ”فرشتہ آسمان سے اُترا۔۔۔ اُس نے قبر کے مُنہ سے پتھر کو لٹھکھا دیا اور اُس پر بیٹھ گیا۔“ رومی پہرے دار چمکدار پوشاک میں ملیں اُس نورانی ہستی کو دیکھ کر ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئے۔

۲۸:۴، ۵، ۶۔ فرشتے نے ”عورتوں“ کو تسلی دی کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، جسے تم ڈھونڈتی ہو، وہ اپنے کتے کے مطابق جی اٹھا ہے۔ اُد، یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا۔ قبر کے مُنہ سے پتھر لٹھکایا جا چکا تھا، اُس لئے نہیں کہ خداوند باہر نکل سکے بلکہ اس لئے کہ عورتیں دیکھ سکیں کہ وہ جی اٹھا ہے۔

۲۸:۷-۱۰۔ اب فرشتے نے عورتوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ جلد جا کر ”یہ جلالی خبر اُس کے“ ”شاگردوں“ کو دیں کہ خداوند جی اٹھا ہے اور ”کلیل“ میں اُن سے ملے گا۔

جب وہ شاگردوں کو خبر دینے جا رہی تھیں تو لیسوس اُن پر ظاہر ہوا اور اُن کو خاص ایک کلفظ کے ساتھ سلام کیا۔ یہ کلفظ تھا ”خوشی مناؤ“ (جس کا ترجمہ ”سلام“ کیا گیا ہے)۔ یہ یونانی میں ”مردوبہ اور معیاری“ سلام“ تھا۔ اگرچہ لیس کا کلفظی ترجمہ کیا جائے تو اُس جی اٹھنے

کی صبح کی مناسبت سے نہایت موزوں ہوگا۔

عورتوں کا ردّ عمل نہایت فطری تھا۔ ”انہوں نے پاس آ کر اُس کے قدم پکڑے اور اُسے سجدہ کیا۔
اب اُس نے خود شخصی طرد پر اُن کے سپرد یہ کام کیا کہ ”جاؤ، میرے بھائیوں کو خبر دو تاکہ گھیل کو چلے
جائیں۔ وہاں مجھے دیکھیں گے۔“

ب۔ سپاہیوں کو جھوٹ بولنے کے لئے رشوت دی جاتی

ہے (۱۱:۲۸-۱۱-۱۵)

۱۱: ۲۸۔ جو نہی پہرے داروں کو ہوش آیا۔ اُن میں سے بعض نے بے شرم بن کر جا کر تمام ماجرا
سردار کا ہنوں سے بیان کیا کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے ہیں۔ قبر خالی ہے۔
۱۲: ۲۸-۱۳۔ یہ تصور کرنا کچھ مشکل نہیں کہ ان مذہبی لیڈروں کو کیسا اضطراب ہوا ہوگا۔ انہوں
نے بزرگوں کے ساتھ ایک خفیہ اجلاس کیا تاکہ کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔ اب وہ دیوانے ہو رہے تھے۔
انہوں نے ”سپاہیوں“ کو بھاری رشوت دی کہ یہ ناقابل یقین کہانی بیان کریں کہ ”جب ہم سو رہے تھے
اُس کے شاگرد آ کر اُسے چُرا لے گئے۔“

پہرے دار سو کیوں رہے تھے جبکہ اُن کو تو چوکنا ہونا چاہئے تھا؟ شاگرد اُن کو جگائے
بغیر پتھر کو کس طرح اُڑھکا سکتے تھے؟ سارے سپاہی ایک ساتھ کیسے سو گئے؟ اگر سو ہی گئے
تھے تو اُن کو کیسے پتہ چلا کہ لاش شاگردوں نے چُرائی ہے؟ اگر یہ سارا ماجرا درست تھا تو اسے
بیان کرنے کے لئے سپاہیوں کو رشوت دینے کی ضرورت کیوں پڑی؟ اگر شاگردوں نے لاش چُرائی
تھی، تو وہ کفن اور سرکار و مال آمارنے میں وقت کیوں صرف کرتے رہے؟ (نوٹا ۲۴: ۱۲؛ یوحنا
۲۰: ۷-۷)

۱۳: ۲۸۔ دراصل سپاہیوں کو ایسی کہانی سنانے کے لئے رشوت دی گئی جو خود اُنہی کو مجرم ٹھہراتی
تھی۔ رومی قانون کے تحت ڈیوٹی پر سوجانے کی سزا موت تھی۔ اس لئے یہودی لیڈروں کو وعدہ
کرنا پڑا کہ اگر یہ بات ”حاکم کے کان تک پہنچی“ تو ہم مداخلت کریں گے اور تمہیں بچالیں گے۔
سنیڈرن کے افراد سیکھ رہے تھے کہ سچائی اپنے آپ کو منوالیتی ہے۔ مگر جھوٹ کو
سمارا دینے کے لئے اُن گنت جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں۔

۱۵: ۲۸۔ یہ دیوالی کہانی ”آج تک یہودیوں میں مشہور ہے“ بلکہ غیر قوموں میں بھی مشہور

ہے۔ اور بھی دیو مالائی کہانیاں ہیں۔ ویسے سمجھنے سے ان میں سے دو کا خلاصہ پیش کیا ہے :

۱۔ یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ عورتیں غلط قبر پر چلی گئی تھیں۔ چند لمحوں کے لئے اس بات پر غور کریں۔ کیا آپ جمعہ کی شام سے اتوار کی صبح کے دوران اپنے کسی عزیز کی قبر کو یاد نہ رکھ سکیں گے؟ علاوہ ازیں یہ ارمیتیاہ کے یوسف کا قبرستان نہیں تھا بلکہ اُس کا ذاتی باغ تھا۔ وہاں اور قبریں نہیں تھیں۔

خیر، فرض کر لیتے ہیں کہ وہاں دوسری قبریں بھی تھیں (حالانکہ نہیں تھیں) اور یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ عورتوں کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے جن کے باعث انہیں اچھی طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا اور وہ ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتیں ایک غلط قبر پر چلی گئیں۔ چلنے عورتوں کے لئے ہم اتنی باتیں فرض کر لیتے ہیں، لیکن شمعون اور پطرس تو حوصلہ مند ماہی گیر تھے۔ وہ تو رو نہیں رہے تھے۔ وہ بھی قبر پر چلے گئے اور اُسے خالی پایا۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ بھی غلط قبر پر چلے گئے تھے؟ لیکن ذرا آگے دیکھئے۔ وہ قبر پر پہنچیں تو دیکھا کہ خالی ہے۔ مگر وہاں ایک فرشتہ بھی تھا جس نے کہا کہ ”وہ یہاں نہیں۔ وہ جی اٹھا۔ آؤ۔ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا۔“ کیا فرشتہ بھی غلط قبر پر آ گیا تھا؟ حیرت کی بات ہے کہ بڑے بڑے عالم لوگوں نے یہ نظریات پیش کئے ہیں۔ مگر یہ نظریہ بالکل نامعقول ہے!

۲۔ کئی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یسوع مرا نہیں تھا بلکہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اور اُس کی سیلی قبر کے اندر کسی طرح اُس کا سانس دوبارہ چلنے لگا۔ وہ ہوش میں آ گیا اور باہر نکل آیا۔ لیکن غور کیجئے۔ قبر کے منہ پر بھاری پتھر تھا اور اُس پر رومی حکومت کی ٹھہریں لگی ہوئی تھیں۔ اندر سے کوئی شخص اُس پتھر کو لٹھکا نہیں سکتا تھا کیونکہ ایک تو وہ خاص زاویہ پر رکھا گیا تھا، دوسرے وہ نالی یا جھری میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ قبر سے ایک کمزور اور بیمار شخص کی صورت میں نہیں نکلا تھا۔

صاف حقیقت تو یہ ہے کہ خداوند یسوع کا جی اٹھنا ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں بہت توثیق اور گواہی موجود ہے۔ اُس نے دکھ اٹھانے کے بعد اپنے آپ کو نابالغ تریڈر ٹہوتوں کے ساتھ شاگردوں پر زندہ ظاہر کیا۔ اُن خاص واقعات پر غور کریں جب وہ اپنے لوگوں پر ظاہر ہوا۔

- ۱- مریم مگدالینی پر (مرقس ۱۶: ۹-۱۱)۔
- ۲- عورتوں پر (متی ۲۸: ۸-۱۰)۔
- ۳- پطرس پر (توما ۲۴: ۲۴)۔
- ۴- اماؤس کی راہ پر دو شاگردوں پر (توما ۲۴: ۱۳-۳۲)۔
- ۵- توما کی غیر حاضری میں باقی شاگردوں پر (یوحنا ۲۰: ۱۹-۲۵)۔
- ۶- توما کے ساتھ شاگردوں پر (یوحنا ۲۰: ۲۶-۳۱)۔
- ۷- گلیل کی جھیل کے کنارے سات شاگردوں پر (یوحنا باب ۲۱)۔
- ۸- پانسو سے زیادہ ایمانداروں پر (۱-کرنقیوں ۱۵: ۷)۔
- ۹- یعقوب پر (۱-کرنقیوں ۱۵: ۷)۔
- ۱۰- زیتون کے پہاڑ پر شاگردوں پر (اعمال ۱: ۳-۱۲)۔

ہمارے سبھی ایمان کا ایک بنیادی پتھر جسے ہلانا یا سرکانا ممکن نہیں یہی تاریخی گواہی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ خداوند یسوع مسیح جی اٹھا۔ میں اور آپ اسی چٹان پر قدم جما کر ایمان کی خاطر لڑ سکتے اور اس کا دفاع کر سکتے ہیں کیونکہ ایسے حالات موجود ہیں جن کی تردید نہیں ہو سکتی۔ ان کا انکار تو کیا جاسکتا ہے مگر انہیں غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

ج۔ ارشادِ عظیم (متی ۲۸: ۱۶-۲۰)

۲۸: ۱۶-۱۷۔ جی اٹھا خداوند یسوع مسیح گلیل میں ایک پہاڑ پر اپنے شاگردوں کو دکھائی دیا (اُس پہاڑ کا نام نہیں بتایا گیا)۔ یہ وہی ظہور ہے جو مرقس ۱۶: ۱۵-۱۸ اور ۱-کرنقیوں ۱۵: ۶ میں بھی مرقوم ہے۔ کیسا عجیب اور شاندار ملاپ تھا! اُس کے دکھ ہمیشہ کے لئے گزر چکے تھے۔ چونکہ یسوع زندہ ہے اس لئے اُس کے شاگرد بھی جیتے رہیں گے۔ وہ اپنے جلالی بدن میں اُن کے سامنے کھڑا تھا۔ اُنہوں نے زندہ خداوند کو سجدہ کیا۔ اگرچہ اُن کے ذہنوں میں اب بھی شک چھپے ہوئے تھے۔

۲۸: ۱۸۔ وہاں المسیح نے بیان کیا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔

ایک لحاظ سے تو ہمیشہ ہمیشہ سے یہ اختیار اُس کا تھا۔ لیکن یہاں وہ اُس اختیار کی بات کر رہا تھا جو نئی مخلوق کا سردار ہونے کی حیثیت سے اُسے حاصل ہے۔ اپنی موت اور قیامت کے

باعث اُسے اختیار ہے کہ جنہیں خُدا نے اُسے بخشا ہے، اُن سب کو ہمیشہ کی زندگی دے (یوحنا، ۱: ۲۰)۔
تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہونے کے باعث اُسے ہمیشہ سے یہ اختیار حاصل تھا لیکن اب جبکہ
وہ مخلصی کے کام کو پورا کر چکا ہے اُسے مُردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو ٹھا ہونے کے
سبب سے بھی یہ اختیار ہے تاکہ سب باتوں میں اُس کا اول درجہ ہو“ (کلیسیوں، ۱: ۵، ۱۵)۔
۱۹: ۲۸-۲۰۔ نئی مخلوق کا سردار ہونے کے باعث اُس نے ارشادِ عظیم دیا، یعنی وہ حکم جو

موجودہ دور میں ایمان داروں پر لاگو ہے اور جس کی پابندی ہمیشہ کرتے رہنا فرض ہے۔
ارشادِ عظیم کسی مشورے پر نہیں بلکہ رہنمائی حکموں پر مشتمل ہے۔

۱۔ ”تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ“ اس سے یہ مراد نہیں کہ ایک دن ساری دُنیا مسیح کو
قبول کر لے گی۔ مقصد یہ ہے کہ انجیل کی منادی سے شاگرد ہر قوم، ہر قبیلے، ہر امت اور ہر اہل
لُغت کو مسیح کے قدموں میں آنے کی دعوت دیں۔

۲۔ ”اور اُن کو باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ دو“۔ مسیح کے اہلچوں پر یہ

ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بپتسمہ کی تعلیم دیں اور زور دیں کہ اسے حکم کے طور پر مانا جائے۔
ایمان داروں کے بپتسمہ میں مسیحی علانیہ خُدا کے ثالوث کا اقرار کرتے ہیں، وہ تسلیم کرتے ہیں کہ خُدا
ہمارا باپ ہے، یسوع مسیح ہمارا خُداوند اور نجات دہندہ ہے، اور رُوح القدس ہمارے اندر
سکونت کرتا، ہمیں قوت دیتا اور ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ آیت ۱۹ میں لفظ ”نام“ واحد ہے۔ لیکن
تین اتانیم کے لئے ہے یعنی ”باپ، بیٹا اور رُوح القدس“ یعنی ”نام“ یا جو ہر ایک ہی ہے۔

۳۔ ”اور اُن کو یہ تعلیم دو کہ اُن سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں تم کو حکم دیا“۔ ارشادِ عظیم
تبلیغ اور منادی سے بہت آگے کی بات کرتا ہے۔ صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ دوسروں کو مسیح کے پاس لا کر
چھوڑ دیا جائے کہ اپنے آپ کو سنبھالتے پھریں، بلکہ اُن کو یہ تعلیم دینا بھی ضروری ہے کہ مسیح کے حکموں
پر ہونے سے عمدنا سے میں پائے جاتے ہیں، عمل کریں۔ شاگردیت کا جوہر یہ ہے کہ اُستاد کی مانند
ہیں۔ اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ کام کی باقاعدہ تعلیم دی جائے اور
اُس کی تابعداری کی جائے۔

اس کے بعد مُتحنی نے ایک وعدہ کیا کہ ”اس دُنیا“ یعنی اس دور یا زمانے کے آخر تک
ہیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔ وہ دُنیا میں تنہا یا بے سہارا نہیں جائیں گے۔ ساری خدمت
اور سفر کے دوران اُن کو خُدا کے بیٹے کی حمایت اور ساتھ کا احساس بلکہ علم ہوگا۔

ارشادِ عظیم میں ان چار الفاظ پر غور کریں ”کل اختیار۔ سب قوموں۔ سب باتوں۔ اور ہمیشہ“ ان سب میں ”کلیت“ پائی جاتی ہے۔

یہ انجیل ہمارے جلالی خداوند کی طرف سے ارشاد اور کلمہ اطمینان پر اِقتنّام پذیر ہوتی ہے۔ دو ہزار سال بعد آج بھی یہ الفاظ اسی طرح بر محل ہیں، مگر کام ابھی تک نامکمل ہے۔

ہم اس کے آخری حکم کی بجا آوری کے لئے کیا کر رہے ہیں؟

مرقس رسول کی انجیل

تعارف

”مرقس کی انجیل میں ایسی تازگی اور قوت ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور اُس کے دل میں اُمتنگ پیدا کرتی ہے کہ میں بھی اپنے خداوند کی طرز پر خدمت کروں۔“
(اگست وان رین)

۱۔ مُستند کتابوں میں کیا درجہ

چونکہ مرقس کی انجیل سب سے چھوٹی انجیل ہے اور اس کا نوٹے فیصد حصہ متی اور لوقا یا دونوں میں بھی موجود ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ انجیل کیا کچھ پیش کرتی ہے جس کے بغیر ہمارا گزارا نہیں ہو سکتا تھا؟

مرقس کی انجیل اپنے اختصار اور صحافیانہ سادگی کے باعث مسیحی ایمان کو متعارف کرانے میں مثالی مقام رکھتی ہے۔ جہاں بھی مشن کا نیا کام شروع ہوتا ہے وہاں سب سے پہلے عموماً اسی انجیل کا نئی زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔

مگر اس کی اہمیت صرف اس کے براہ راست اور فعال انداز ہی کے باعث نہیں جو رومیوں اور آج کے دور میں اُن جیسے دیگر افراد کے لئے نہایت نمونوں سے ہے بلکہ اس کا مواد بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔

مرقس نے اگرچہ ہمت سے ایسے واقعات کا بیان کیا ہے جو متی اور لوقا میں بھی درج ہیں لیکن وہ ایسی رنگین اور خوبصورت تفصیل بھی درج کرتا ہے جو دوسروں کے ہاں موجود نہیں۔ علاوہ ازیں وہ چند نیا واقعات کا بیان بھی کرتا ہے۔ مثلاً وہ بیان کرتا ہے کہ یسوع نے شاگردوں پر کس طرح نگاہ کی۔ کس طرح ناراض ہوئے اور یروشلیم کو جاتے ہوئے وہ کس طرح اُن کے آگے آگے چلا۔ اس میں شک نہیں کہ اُسے ان باتوں کا پتہ پطرس رسول سے ملا تھا کیونکہ پطرس کی زندگی کے آخری ایام میں مرقس اُس کے ہمراہ تھا۔ روایت غالباً درست ہی کہتی ہے کہ مرقس کی انجیل دراصل پطرس کی یادداشتیں ہیں اور غالباً اسی لئے اس کتاب میں شخصی تفصیل، عمل و حرکت اور عینی شاہد ہونے کا تاثر پایا جاتا ہے۔

عام خیال ہے کہ جو نوجوان چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا تھا، وہ مرقس ہی تھا (۱۴: ۵۱)۔ اور یہ بیان گویا کتاب کے مصنف کی طرف سے مؤدبانہ سادستخط ہے (ابتدا میں اناجیل کے نام ان کتابوں کا حصہ نہیں تھے)۔ چونکہ یوحنا مرقس یروشلم میں رہتا تھا اس لئے یہ چھوٹی ٹیسی کہانی بیان کرنے کی کوئی وجہ نہیں تا وقتیکہ اس نوجوان کا اس انجیل کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ روایت درست معلوم ہوتی ہے۔

۲- تصنیف

ابتدا ہی سے کلیسیا کی متفقہ رائے ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا مرقس ہے اور اکثر مصنفین اور مفسرین اس رائے کو ملتے ہیں۔ وہ یروشلم کی مریم کا بیٹا تھا۔ وہ ایک گھر کی مالک تھی اور سچی اکثر اس گھر میں فراہم ہوا کرتے تھے۔

اس کے بارے میں خارجی شہادت بہت قدیم اور مضبوط ہے۔ اس شہادت کا تعلق سلطنت کے مختلف حصوں سے ہے۔ پپاس (تقریباً ۱۱۰ء) بزرگ یوحنا (غالباً یوحنا رسول مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اسی نام کا ایک اور شخص ہو) کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس انجیل کو پطرس کے ساتھی مرقس نے تصنیف کیا تھا۔ یوسطین شہید، ایرینیس، طرطلیان، سکندریہ کا کلیمنس، اورغین اور ہرقیون کے خلاف آغاز مقالہ اس بیان سے اتفاق کرتے ہیں۔

مرقس کے اس انجیل کے مصنف ہونے کے بارے میں داخلی شہادت اگرچہ اتنی وسیع نہیں مگر مسیحیت کی ابتدائی روایت کے ساتھ بہت میل کھاتی ہے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ملک فلسطین سے اور خصوصاً یروشلم سے تو بہت اچھی طرح واقف تھا (بالا خانے کے بارے میں اس کا بیان دوسروں کی نسبت زیادہ تفصیلی ہے۔ اور اس بیان پر کوئی حیرت نہیں ہوگی اگر شاید اس کا لڑکپن اسی گھر میں بسر ہوا ہو)۔ یہ انجیل کچھ اراعی (فلسطین کی زبان) پس منظر بھی پیش کرتی ہے۔ مصنف یہودی رسم و رواج کو اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے۔ بیان میں گفتگی اور وضاحت اس قدر ہے کہ گہرا احساس ہوتا ہے کہ مصنف کسی عینی شاہد کا قریبی ساتھی ہے۔ کتاب کا خاکہ اعمال باب ۱۰ میں پطرس کے وعظ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

روایت ہے کہ مرقس نے یہ انجیل روم میں لکھی۔ اس کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ

اس انجیل میں لاطینی زبان کے الفاظ (مثلاً صوبہ دار، اسم نویسی، دینار، لشکر اور پرتوریج) کے لئے لاطینی لفظ استعمال ہوئے ہیں (دوسری انجیل کی نسبت زیادہ ہیں)۔

نئے عہد نامے میں ہمارے مصنف کو دس مرتبہ اُس کے غیر قوم (لاطینی) نام مرقس سے اور تین مرتبہ غیر قوم اور یہودی مُشرکہ نام یُوخنا مرقس سے یاد کیا گیا ہے۔ مرقس "خادم" یا خدمت گار تھا۔ پہلے پوپس کا، پھر برناباس کا، اور معتبر روایت کے مطابق پطرس کی موت سے پہلے اُس کا بھی خادم تھا۔ اس لئے وہ "کابل خادم" کی انجیل لکھنے کے لئے نہایت موزوں شخص تھا۔

۳۔ تاریخ تصنیف

مرقس کی انجیل کی تاریخ تصنیف کے بارے میں راسخ الاعتقاد علماء میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اگرچہ حتمی تاریخ کا تعین نہیں کیا جاتا لیکن اتنا ضرور مانا جاتا ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی بربادی سے پہلے تصنیف ہوئی تھی۔

اس بارے میں بھی روایت میں اختلاف ہے کہ مرقس نے ہمارے خداوند کے بارے میں پطرس کی تعلیمات اور منادی کو اُس کی شہادت (۶۲ء - ۶۸ء سے پیشتر) سے پہلے قلم بند کیا تھا یا بعد میں۔

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ مرقس کی انجیل سب سے پہلے لکھی گئی تھی، تو اس تصنیف کا کافی پہلے ہونا چاہئے کیونکہ یہ بھی مانا جاتا ہے کہ لوقا نے مرقس کا مواد استعمال کیا ہے۔ کئی علماء کہتے ہیں مرقس کی انجیل ۵۰ اور ۵۵ عیسوی کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی۔ لیکن زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ انجیل ۶۵ء اور ۶۸ء کے درمیان تحریر ہوئی۔

۴۔ پس منظر اور موضوع

اس انجیل میں خدا کے "کابل خادم" ہمارے خداوند یسوع مسیح کی کہانی کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ اُس ہستی کی کہانی ہے جس نے آسمان میں اپنے جاہ و جلال کو چھوڑ دیا اور زمین پر خادم کی صورت اختیار کی (فلپیوں ۲: ۷)۔ یہ اُس ہستی کی بے مثال کہانی ہے جو اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے (مرقس ۱۰: ۴۵)۔ اگر ہم یاد رکھیں کہ یہ کابل خادم خدا کا بیٹا ہی تھا، جس نے غلام کا رُو مال اپنی کر کے گرد

باندھ لیا تھا تاکہ بنی نوع انسان کا خادم بن جائے تو ہمیں یہ انجیل مستقل نُور سے چمکتی ہوئی نظر آئے گی۔ اُس نے جو کام کیا خدا کی کامل مرضی کی کامل تابعداری سے کیا۔ اُس کے سارے کام رُوح القدس کی قدرت سے کئے گئے۔

مُصنّف یوحنا مرقس خداوند کا ایک خادم تھا۔ اُس نے خدمت کا آغاز بڑی عمر سے کیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے نظروں سے اوجھل ہو گیا (اعمال ۱۵: ۳۸) لیکن پھر مُفید کاموں کے لئے بحال ہو گیا (۲- تیمتھیس ۴: ۱۱)۔

مرقس کا اندازِ بیان تیز رفتار، جوشیلا اور اجمالی ہے۔ وہ خداوند کی باتوں کی نسبت کاموں پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے اُنیس^{۱۹} معجزات مگر صرف چار تمثیلیں قلم بند کی ہیں۔

اس انجیل کے مطالعے کے دوران ہم تین باتیں دریافت کریں گے (۱) یہ انجیل کیا کہتی ہے؟ (۲) اس کا مطلب کیا ہے؟ (۳) اس میں میرے لئے کیا سبق ہے؟ (۴) یہ کونسی خداوند کے سچے اور وفادار خادم بنا چاہتے ہیں، یہ انجیل اُن کے لئے بہت مُفید ہدایت نامہ ثابت ہوگی۔

خاکہ

- ۱- خادم کی تیاری ۱: ۱-۱۳
- ۲- خادم کی گلیل میں ابتدائی خدمت ۱: ۱۴-۳: ۱۲
- ۳- خادم کی بلا ہٹ اور اُس کے شاگردوں کی تربیت ۳: ۱۳-۸: ۳۸
- ۴- خادم کا سفرِ یروشلیم ابواب ۱۰: ۹
- ۵- خانہ کی یروشلیم میں خدمت ابواب ۱۲: ۱۱
- ۶- خادم کا کوہ زیتون پر درس باب ۱۳
- ۷- خادم کے دکھ اور موت ابواب ۱۴-۱۵
- ۸- خادم کی فتح باب ۱۶

تفسیر

۱۔ خادم کی تیاری (۱:۱-۱۳)

۱۔ خادم کا پیش رو اُس کا راستہ تیار کرتا ہے (۱:۱-۸)

۱:۱۔ مرقس کا موضوع ہے "یسوع مسیح ابنِ خدا کی خوشخبری"۔ چونکہ اُس کا مقصد خداوند یسوع کے بطور خادم کے کردار کو اجاگر کرنا ہے اس لئے وہ نَسَب نامے سے نہیں بلکہ خُداوند کی علانیہ خدمت سے آغاز کرتا ہے۔ اس کا اعلان خوشخبری کے نقیب یوحنا بپتسمہ دینے والے نے کیا۔

۱:۲، ۳۔ ملاکی اور یسعیاہ دونوں نے نبوت کی تھی کہ ایک "پیغمبر" مسیح یوحنا سے پہلے آئے گا۔ وہ لوگوں کو اُبھائے گا کہ رُوحانی اور اخلاقی لحاظ سے اُس کی آمد کے لئے تیار ہوں (ملاکی ۳: ۱؛ یسعیاہ ۴۰: ۳)۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے میں یہ نبوتیں تکمیل کو پہنچیں۔ وہ خدا کا "پیغمبر"۔۔۔ بیابان میں پیکارنے والے کی آواز تھا۔

۱:۴۔ اُس کا پیغام یہ تھا کہ لوگ توبہ کریں (ارادہ بدلیں اور گناہوں کو ترک کریں) تاکہ گناہوں کی "معافی" پائیں۔ ورنہ وہ خُداوند کا استقبال نہیں کر سکیں گے۔ صرف پاک لوگ ہی خدا کے پاک بیٹے کی قدر کر سکتے ہیں۔

۱:۵۔ جب اُس کے سامعین توبہ کرتے تھے تو وہ اُن کو بپتسمہ دیتا تھا۔ یہ ظاہری نشان تھا کہ اُنہوں نے اپنا رُخ بالکل بدل لیا ہے۔ بپتسمہ اُن کو علانیہ طور پر عام اسرائیلی قوم سے علیحدہ کرتا تھا کیونکہ اسرائیلی قوم نے خُداوند کو ترک کر دیا تھا۔ بپتسمہ اُن لوگوں کو اُس بقیہ کے ساتھ ملا دیتا تھا جو مسیح موعود کو قبول کرنے کو تیار تھا۔ آیت ۵ سے ایسا لگتا ہے کہ یوحنا کی منادی کے لئے رُوحِ عمل بہت وسیع تھا، مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے شروع میں ایک دم جذبہ اور جوش اُبھلا ہو اور لوگ اس شُکھ نوا مناد کی باتیں سُننے کو جوق در جوق آتے ہوں، لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو نہ تو دل سے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے تھے نہ اُنہیں چھوڑتے تھے۔ جیسے جیسے بات آگے بڑھے گی یہ حقیقت واضح ہوتی جائے گی۔

۱:۶۔ "یوحنا" کس قسم کا آدمی تھا؟ آج کے دور میں اُسے متعصب، کسٹر اور تارک الدُنیا

دیگر کے القاب سے پکارا جائے گا۔ ایلیاہ کی طرح اُس کی پوشاک نہایت سادہ اور کھردری تھی اور خوراک جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے ہی کافی تھی۔ اُسے کسی لحاظ سے بھی شاندار نہیں کہہ سکتے۔ اُس نے ان سب باتوں کو مسیح کا نام پھیلانے کے جلالی کام کے تابع کر رکھا تھا۔ شاید وہ دولت مند ہو سکتا تھا، مگر اُس نے غریب رہنا پسند کیا۔ اس طرح وہ اُس ہستی کے لائق اور موزوں نقیب اور پیش رو ہوا جس کے پاس سر دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اُس کی زندگی سے ہم سیکھتے ہیں کہ جتنے لوگ بھی خُداوند کے خادم بننا چاہتے ہیں، سادگی اُن کا خاصہ ہونی چاہئے۔

۱:۷۔ اُس کا پیغام یہ تھا کہ خُداوند یسوع اعلیٰ و افضل، ارفع و برتر ہے۔ وہ کہتا تھا کہ یسوع قدرت، شخصی فضیلت اور خدمت میں مجھ سے اس قدر عظیم ہے کہ ”میں اس لائق نہیں کہ جُھک کر اُس کی جُوتیوں کا تسمہ کھوں“ جو کہ ایک غلام کا ادنیٰ فرض ہے۔ جو منادی رُوح سے معمور ہو کر کی جاتی ہے، وہ خُداوند یسوع کو سر بلند کرتی اور اپنے آپ کو پست رکھتی ہے۔

۸:۱۔ ”یُوحنّا پانی سے بپتسمہ دیتا تھا۔ یہ ظاہری علامت تھی، لیکن انسان کی زندگی میں اس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ یسوع ”رُوح القدس سے بپتسمہ دے گا۔“ اس بپتسمہ سے انسان کے باطن میں رُوحانی قوت کے چھٹے پیدا ہوں گے (اعمال ۸:۱)۔ نیز یہ بپتسمہ تمام ایمانداروں کو کلیسیا یعنی مسیح کے بدن میں شریک کر دے گا (۱-کرتھیوں ۱۲:۱۳)۔

ب۔ پیشرو خادم کو بپتسمہ دیتا ہے (۱:۹-۱۱)

۹:۱۔ جس عرصہ کو ”ناصرت میں تیسرا خاموش سال“ کہا جاتا ہے، اب وہ عرصہ ختم ہو گیا۔ خُداوند یسوع علانیہ خدمت میں داخل ہونے کو تیار ہے۔ پہلے تو وہ ”ناصرت سے“ تقریباً ساٹھ میل کا فاصلہ طے کر کے یرسحر کے نزدیک ”دیائے یردن“ پر آیا۔ وہاں اُس نے ”یُوحنّا سے بپتسمہ لیا۔“ جہاں تک یسوع کا تعلق ہے یہ تو یہ تو یہ کا بپتسمہ نہیں تھا، کیونکہ اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ خُداوند کا بپتسمہ ایک علامتی عمل تھا۔ وہ کلوری پر اُس کی موت اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی تصویر تھا۔ اس طرح اُس کی خدمت کے آغاز ہی سے ہمیں صلیب اور خالی قبر کے واضح اشارے نظر آتے ہیں۔

۱۰:۱-۱۱۔ اور جب وہ پانی سے نکل کر اُپر آیا تو فی الفور اُس نے آسمان کو پھٹنے اور رُوح کو کبوتر کی مانند اپنے اُپر اُترتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی خُدا باپ کی آواز سنائی دی، اور اُس نے اعلان

”کیا یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔“

مسیح خداوند کی زندگی میں کوئی ایسا لمحہ نہیں تھا جب وہ رُوح القدس سے بھرا ہوا نہ ہو۔ لیکن اس وقت رُوح القدس اُس پر اترا تاکہ اُسے خدمت کے لئے مسح کرے اور قُدرت عطا کرے۔ اس کے بعد خداوند نے تین برس خدمت کرنا تھی اور یہ تیاری رُوح کی خاص خدمت تھی۔ رُوح القدس کی قُدرت اور طاقت ناگزیر ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، عمدہ صلاحیتوں کا مالک ہو، فصیح و بلیغ ہو، لیکن اُس پر اسرارِ غایت کے بغیر جسے ہم ”رُوح کا مسح“ کہتے ہیں اُس کی خدمت بے جان اور غیر مؤثر ہوگی۔ بنیادی سوال یہ ہے ”کیا مجھے رُوح القدس کا وہ تجربہ حاصل ہے جو خداوند کی خدمت کے لئے قوت عطا کرتا ہے؟“

ج۔ خادم ابلیس سے آزمایا جاتا ہے (۱: ۱۲ - ۱۳)

یسوواہ کا خادم ”بیابان میں چالیس دن تک شیطان سے آزمایا گیا۔“ خدا کا رُوح اُسے بیابان میں لے گیا۔ یہ آزمانے کے لئے نہیں کہ وہ گناہ کرتا ہے یا نہیں، بلکہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ گناہ نہیں کر سکتا۔ اگر وہ زمین پر بشر ہونے کی حیثیت سے گناہ کر سکتا تو کیا یقین ہے کہ اب آسمان پر بشر ہونے کی حیثیت سے وہ گناہ نہیں کر سکتا۔

مرقس یہ بات کیوں بیان کرتا ہے کہ وہ ”جنگلی جانوروں کے ساتھ رہا گیا؟“ کیا شیطان نے اُن جانوروں کو ابھارا تھا کہ خداوند کو ہلاک کر دیں؟ یا کیا وہ اپنے خالق کی حضوری میں فرمانبردار اور مصلح ہو گئے تھے؟ ہمارے پاس ایسے سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔ ان چالیس دنوں کے بعد فرشتے اُس کی خدمت کرنے لگے“ (دیکھئے متی ۴: ۱۱)۔ آزمائش کے دوران اُس نے کچھ نہ کھایا (لوقا ۴: ۲)۔ ایمان دار کے لئے آزمائشیں ناگزیر ہیں اور جتنا کوئی خداوند کے نزدیک ہوگا آزمائشیں بھی اتنی ہی سخت ہوں گی۔ ابلیس اپنا اسلام بارود صرف نام کے مسیحیوں پر ضائع نہیں کرتا بلکہ اپنی نپوں کے مُنہ اُن افراد پر کھول دیتا ہے جو روحانی جنگ میں جلا تہ فتح کر رہے ہوں۔ آزمایا جانا کوئی گناہ نہیں، لیکن آزمائش کے سامنے ہتھیار ڈال دینا گناہ ہے۔ ہم اپنی طاقت سے ابلیس کی مزاحمت نہیں کر سکتے، لیکن اندر سکونت کرنے والا رُوح القدس ایمان دار کی وہ قوت ہے جو تاریک دلوں کو زیر کرتی ہے۔

۲- خادم کی گلیں میں ابتدائی خدمت (۱۲:۳-۱۴:۱)

۱- خادم اپنی خدمت کا آغاز کرتا ہے (۱۵:۱۴:۱)

مرثیٰ خداوند کی یہودیہ میں خدمت (دیکھئے یوحنا: ۱-۴: ۴-۵) کا بیان حذف کر جاتا ہے اور اپنی بات گلیں میں عظیم خدمت سے شروع کرتا ہے جو کہ ایک سال اور نو ماہ کے عرصے پر محیط ہے (۱۴:۱-۹:۵)۔ اس کے بعد وہ پیریہ (یردن کے مشرق کا علاقہ) میں خدمت کے آخری حصے (۱۰:۱-۱۵:۱۰) کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے بعد یہوشلیم میں خداوند کی زندگی کے آخری ہفتہ کا بیان کرتا ہے۔

”پھر... یسوع نے گلیں میں آکر خدا“ کی بادشاہی ”کی خوشخبری کی منادی کی“۔ اس کا خاص

پیغام یہ تھا:

۱- ”وقت پورا ہو گیا ہے۔“ نبوت کے مطابق زمانوں اور اوقات کا تعین ہو چکا تھا اور ایک تاریخ مقرر ہو چکی تھی جب بادشاہ کو علانیہ ظاہر ہونا تھا۔ اب وہ وقت آ پہنچا تھا۔
۲- ”خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔“ اب بادشاہ موجود ہے اور اسرائیل قوم کو بادشاہی کی حقیقی اور سچی پیشکش کر رہا ہے۔ ”بادشاہی نزدیک“ ان معنوں میں آگئی ہے کہ بادشاہ منظر عام پر آ گیا ہے۔

۳- ”توبہ کرو اور خوشخبری پر ایمان لاؤ“ تاکہ تمہیں بادشاہی میں داخل ہونے کا حق حاصل ہو جائے۔ اب تمہیں گناہ سے منہ موڑ کر دوسری طرف کو رخ کرنا اور خداوند یسوع کے بارے میں خوشخبری پر ایمان لانا ہے۔

ب- ماہی گیروں کی بلا ہرٹ (۱۶:۱-۲۰)

۱۶:۱-۱۸- ”گلیں کی جھیل کے کنارے کنارے جانتے ہوئے اُس (یسوع) نے شمعون اور

... اندریاس کو جھیل میں جال ڈالتے دیکھا“ درحقیقت وہ اُن سے پہلے مل چکا تھا۔ اور وہ اُس کی خدمت کے آغاز ہی میں اُس کے شاگرد بن چکے تھے (یوحنا: ۴۰-۴۱)۔ اب اُس نے اُن کو بلایا کہ اُس کے ساتھ ساتھ رہیں اور وعدہ کیا کہ ”میں تم کو آدم گیر بناؤں گا“۔ انہوں نے اپنے ماہی گیری

کے نفع بخش کام کو فوراً خیر باد کہا اور اُس کے پیچھے ہوئے۔ اُن کی فرمانبرداری فری، بے کوش ،
ایثار سے پُر اور مکمل تھی۔

ماہی گیری ایک فن ہے۔ اسی طرح دُوحوں کو جیتنا بھی ایک فن ہے۔

۱۔ اس میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات گھنٹوں تنہائی میں انتظار کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ طعمہ اور جال وغیرہ کے استعمال میں مہارت و دکار ہوتی ہے۔

۳۔ اس کام میں قوتِ امتیاز اور عقلِ سلیم کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اُس مقام پر پہنچ سکیں جہاں

پھلیاں موجود ہوں۔

۴۔ اس کام میں مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ماہی گیر آسانی سے حوصلہ نہیں ہارتا۔

۵۔ پھر ماہی گیری میں خاموشی اور سکوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہترین حکمتِ عملی یہ ہے کہ

ہنگاموں اور خلل سے دور رہا جائے اور انسان اپنے آپ کو پس منظر میں (بلکہ پس پردہ) رکھے۔

ہم مسیح کے پیرو بن کر ہی ”ادم گیر“ بن سکتے ہیں۔ ہم جس قدر اُس کی مانند ہوں گے اسی قدر دُوحوں

کو اُس کے لئے جیتنے میں کامیاب ہوں گے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اُس کے پیچھے ہولیں۔ یا قی
کام وہ خود کرے گا۔

۱۹:۱-۲۰۔ ”تھوڑی دُور“ آگے ”بڑھ کر“ خُداوندِ یسوع نے ”زیدی کے بیٹے یعقوب اور

... یوحنا کو... دیکھا۔ وہ اپنے جالوں کی مُرمت کر رہے تھے۔ اُس نے جو منی اُن کو بلایا، وہ
اپنے باپ... کو“ خُدا حافظ کہہ کر اُس کے پیچھے ہوئے۔“

یسوع مسیح اب بھی انسانوں کو بلارہا ہے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اُس کے پیچھے ہولیں (لوقا ۱۴:۳۳)۔

مال ملکیت یا ماں باپ کو اجازت نہ دیں کہ وہ اِس حکم کی تعمیل کی راہ میں حائل ہوں۔

رہائی

مبغضہ

۱۔ ایک آدمی کو ناپاک رُوح سے شفا دینا

(۲۳:۱-۲۴)

۲۔ شمعون کی ساس کو شفا دینا (۲۹:۱-۳۱)

۳۔ کوڑھی کو شفا دینا (۴۰:۱-۴۵)

۴۔ مفلوج کو شفا دینا (۱:۲-۱۲)

۱۔ گناہ کی ناپاکی سے۔

۲۔ گناہ کے بُخار اور بے چینی سے۔

۳۔ گناہ کے گھونٹنے پن سے۔

۴۔ گناہ کی بیدار کردہ بے چارگی اور بے بسی سے۔

- ۵- سُوکھے ہاتھ والے آدمی کو شفا دینا (۱:۳-۵)
- ۶- بدروح گرفتہ کو آزاد کرنا (۱:۵-۲۰)
- ۷- عورت کو خون کے جاری ہونے سے شفا دینا (۲۵:۵-۳۴)
- ۸- یاشر کی بیٹی کو زندہ کرنا (۲۱:۵-۲۴:۲۵-۲۳)
- ۹- سورفینیکی عورت کی بیٹی کو شفا دینا (۴:۲۳-۳۰)
- ۱۰- گونگے اور پکے آدمی کو شفا دینا (۴:۳۱-۳۷)
- ۱۱- اندھے کی آنکھیں کھولنا (۲۲-۲۶)
- ۱۲- بدروح گرفتہ لڑکے کو شفا دینا (۹:۱۴-۲۹)
- ۱۳- اندھے برتھائی کو بٹیکرنا (۱۰:۴۶-۵۲)
- ۵- گناہ کے پیداکردہ ناکارے پن سے
- ۶- گناہ کے خراب ناشد اور درہشت سے
- ۷- گناہ کی اس قوت سے جو زندگی کی قوتوں کو کھانا جاتی ہے
- ۸- گناہ کے باعث رُوحوانی موت سے
- ۹- گناہ اور شیطان کی غلامی سے
- ۱۰- خدا کے کلام کو نہ سن سکنے اور رُوحوانی باتیں نہ کر سکنے کی کمزوری سے
- ۱۱- انجیل کی روشنی نہ پہچاننے والے اندھے پن سے
- ۱۲- شیطان کی حاکمیت کے ظلم سے
- ۱۳- اس اندھے پن اور سختی کی پستی سے جس میں گناہ مبتلا کر دیتا ہے

ج- ایک ناپاک رُوحو کو نکالنا (۱:۲۱-۲۸)

آیات ۲۱-۳۴ میں خداوند کی زندگی کے ایک عام دن کی مصروفیات کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔ طیب اعظم بدروح گرفتہ لوگوں اور بیماریوں میں مبتلا افراد کو شفا دیتا ہے۔ معجزے پر معجزہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

نجات دہندہ کے شفا دینے کے معجزات دکھاتے ہیں کہ وہ انسان کو گناہ کے خوفناک نتائج سے کس طرح رہائی دیتا ہے۔ اس کے لئے مندرجہ بالا چارٹ ملاحظہ کریں۔

اگرچہ آج انجیل کی منادی کرنے والے کی یہ خاص بلا ہٹ نہیں کہ وہ جسمانی شفا دینے کا کام کرے، مگر اس کی مستقل بلا ہٹ اور ذمہ داری یہ ہے کہ رُوحوانی بیماریوں کا ازالہ کرے۔ کیا یہی وہ بڑے معجزے نہیں ہیں جن کا ذکر خداوند یسوع نے یوحنا ۱۴: ۱۲ میں کیا ہے کہ ”جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا“ ؟

۲۱:۱-۲۲- لیکن آئیے ہم پھر مرقس کے بیان کی طرف رجوع کریں۔ ”کفرِ نوح“ میں یسوع ”سبت کے دن عبادت خانہ میں جا کر تعلیم دینے لگا۔“ لوگوں کو احساس ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی استاد نہیں۔ اُس کی باتوں میں ایسی قدرت تھی جس سے انکار ممکن نہ تھا۔ اُس کی تعلیم اور انداز ”فقیہوں“ سے بالکل جدا تھا۔ اُن کا تعلیم دینا بے جان سا تھا مگر یسوع کے مجلے گویا خُدا کے تیر تھے۔ اُس کی باتیں تو جو گوگرت میں لے لیتی تھیں، موزم ٹھہرائیں اور پھینچ کرتی تھیں۔ فقیہ تو اگھسے پٹے مذہب کی بانگ لگاتے تھے۔ خُداوند یسوع کی تعلیم میں کوئی غیر حقیقی بات نہ تھی۔ وہ جو کچھ کہتا تھا اختیار کے ساتھ کہتا تھا کیونکہ جو کہتا تھا وہ کرتا بھی تھا۔

جو شخص بھی خُدا کے کلام کی تعلیم دیتا ہے، لازم ہے کہ اختیار کے ساتھ بولے ورنہ چپ رہے۔ زبور نویس کہتا ہے کہ ”میں ایمان رکھتا ہوں اس لئے یہ کہوں گا“ (زبور ۱۱۶: ۱۰)۔ ۲- کرنتھیوں ۴: ۱۳ میں پولس کے ہاں بھی ایسی الفاظ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اُن کا پیغامِ ولی تائیدت سے پیدا ہوتا تھا۔

۲۳:۱ ”اُن کے عبادت خانہ میں ایک ایسا شخص تھا جس پر ”ناپاک رُوح“ کا قبضہ تھا یا وہ رُوح اُس میں بستی تھی۔ اُس رُوح کو ناپاک اس لئے کہا گیا ہے کہ شاید وہ اُس آدمی کو جسمانی اور اخلاقی طور پر ناپاک رہنے پر مجبور کرتی تھی۔ ہمیں احتیاط کرنی چاہئے کہ مختلف اقسام کے پاگل پن یا ذہنی امراض کو بد رُوحوں کے قبضے سے گڈامڈ نہ کریں۔ یہ دونوں باتیں ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ بد رُوح گرفتہ شخص کے اندر بُری رُوح بستی اور اُس کی زندگی کو کنٹرول کرتی ہے۔ ایسا شخص کئی دفعہ فوق الفطرت کرامات بھی کرتا ہے اور جب اُس کو خُداوند یسوع کی ذات اور کاموں کا سامنا ہوتا تو اُتر بے لگام ہو جاتا اور کفر بکینے لگتا ہے۔

۲۴:۱- غور کریں کہ بد رُوح نے ”یسوع“ کو پہچان لیا اور اُسے یوں کہہ کر مخاطب کیا ”اے یسوع ناصری!...“ تو ”خُدا کا قدوس ہے۔“ اس بات پر بھی غور کریں کہ اپنے لئے پہلے وہ جمع کا صیغہ ”ہمیں“ اور پھر واحد کا صیغہ ”میں“ استعمال کرتا ہے۔ ”ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو ہم کو ہلاک کرنے آیا ہے؟“ اور ”میں تجھے جانتا ہوں...“ پہلے بد رُوح اپنے اور اُس آدمی دونوں کے لئے بولتی ہے اور بعد میں آدمی خود اپنے لئے بولتا ہے۔

۲۵:۱-۲۶- ”یسوع“ کسی بد رُوح کی گواہی قبول نہیں کرتا، بے شک وہ سچ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اُس نے بد رُوح کو جھڑک دیا کہ ”چپ رہ۔“ پھر اُسے آدمی میں سے نکل جانے

کا حکم دیا۔ یہ کیسا تعجب انگیز منظر ہو گا کہ وہ آدمی مرد ڈرا گیا، پھر بدروح کی دہشت انگیز چیخ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی وہ آدمی میں سے نکل گئی۔

۲۷:۱-۲۸۔ اس معجزے سے چاروں طرف حیرانی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کے لئے یہ نئی اور

چونکا دینے والی بات تھی کہ ایک شخص صرف حکم دینے سے بدروح کو نکال سکتا ہے۔ وہ حیران تھے کہ کیا مذہبی تعلیم کا کوئی نیا مکتب فکر شروع ہو رہا ہے؟ ”فی الغور“ اس معجزے کی شہرت گلیل کی اُس تمام نواحی میں ہر جگہ پھیل گئی۔“ آگے بڑھنے سے پہلے ہم تین باتوں پر غور کریں گے:

۱۔ مسیح کی پہلی آمد سے زمین پر بدروحوں کی سرگرمیوں میں اچانک بے حد اضافہ ہو گیا۔

۲۔ مسیح کو ان بدروحوں پر قدرت حاصل ہے۔ مسیح کی زمینی زندگی کے دوران جس طرح یہ قدرت ظاہر ہوتی رہی اس سے واضح ہوتا ہے کہ بالآخر وہ شیطان اور اُس کے سارے پھلے چاٹوں پر فتح مند ہو گا۔

۳۔ جہاں بھی خدا کام کرتا ہے، وہاں شیطان مخالفت اور مزاحمت کرتا ہے۔ جتنے لوگ بھی خداوند کی خدمت کرنے کو قدم بڑھاتے ہیں، اُن کو توقع رکھنی چاہئے کہ ہر قدم پر ہماری مخالفت ہوگی۔ کیونکہ ہمیں خون اور گوشت سے کشتی نہیں کرنا ہے بلکہ حکومت والوں اور اختیار والوں اور اس دنیا کی تاریکی کے حاکموں اور شرارت کی اُن روحانی فوجوں سے جو آسمانی مقاموں میں ہیں“ (افسیوں ۶:۱۲)۔

۵۔ پطرس کی ساس شفا پاتی ہے (۱: ۲۹-۳۱)

”فی الغور“ اس کتاب کا مخصوص لفظ ہے اور اس انجیل کے لئے جو خداوند یسوع کے خادمانہ کردار کو اجاگر کرتی ہے خاص طور پر موزوں ہے۔

۱: ۲۹، ۳۰۔ ”عبادت خانہ سے نکل کر“ خداوند یسوع شمعون کے گھر آیا۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے

خبر دی گئی کہ ”شمعون کی ساس تپ میں پڑی“ ہے۔ آیت ۳۰ میں بیان ہوا ہے کہ ”انہوں نے فی الغور اُس کی خیرا سے دی۔“ انہوں نے اُس کی ضرورت کو طیب اعظم سے بیان کرنے میں کوئی وقت ضائع نہ کیا۔

۱: ۳۱۔ یسوع نے ایک لفظ کے بغیر ”اس کا ہاتھ کپڑا کر اُسے اٹھایا“ تو اُس نے ”فی الغور“

شفا پائی۔ عام طور پر تپ انسان کو کمزور کر دیتی ہے مگر خداوند نے اُسے نہ صرف شفا بخشی بلکہ

خدمت کرنے کے لئے قوت اور طاقت بھی عطا کی۔ اور وہ اُن کی خدمت کرنے لگی۔ بے آر۔
ملکر کہتا ہے :

”ہر بیمار شخص جو عام یا غیر معمولی طریقے سے شفا پاتا ہے، اُسے چاہئے
کہ جلد از جلد خداوند کی خدمت میں لگ جائے اور بقیہ زندگی اُسی کی خدمت کرتے
ہوئے گزار دے۔“

بہت سے افراد ہمیشہ آپس بھرتے رہتے ہیں کہ ہمیں مسیح کی خدمت کا موقع نہیں
ملتا۔ وہ کسی شاندار اور عمدہ قسم کی خدمت کا تصور کئے بیٹھے رہتے ہیں۔ لیکن اس
دوران اُن کے ہاتھوں سے وہ باتیں نکلتی چلی جاتی ہیں جن میں مسیح اُن سے اپنی خدمت
لینا چاہتا ہے۔ مسیح کی حقیقی خدمت یہ ہے کہ انسان اپنے روزمرہ کے فرائض کو
پہلے اور اچھی طرح سے ادا کرے۔“

یہ بات بھی صاف نظر آتی ہے کہ شفا کے ہر معجزے میں مسیحی کا طریقہ کار فرق ہے۔ اس
طرح ہمیں یاد دلایا گیا ہے کہ کوئی دوا افراد ایک ہی طریقہ سے ایمان نہیں لاتے۔ ہر فرد سے انفرادی
سطح پر معاملہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

پطرس کی ساس بھی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں مجرد کمانت (خادمانِ دین
کا کٹورا رہنا) کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہ صرف آدمیوں کی روایت ہے، پاک کلام سے اس کی تائید
نہیں ہوتی بلکہ اس سے بے شمار بُرائیاں جنم لیتی ہیں۔

۴۔ غروبِ آفتاب کے بعد شفا دینا (۱: ۳۲-۳۴)

دن کے دوران یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی تھی کہ نجات دہندہ یہاں موجود ہے۔
جب تک سبت کا دن رہا لوگوں کو بہت نہ ہوئی کہ ضرورت مندوں کو اُس کے پاس لائیں۔ مگر
”جب سورج ڈوب گیا“ اور سبت کا دن ختم ہو گیا تو پطرس کے دروازے پر بھیڑ لگ گئی اور
”بیماروں کو اور اُن کو جن میں بُدردھیں تھیں“ اُس خدمت کا تجربہ ہوا، جو گناہ کی ہر صورت اور بیماری
کے ہر مرحلے سے رہائی دلاتی ہے۔

۱: ۳۵۔ یسوع ”ون نکلنے سے بہت پہلے“ اٹھا اور باہر کسی ایسی جگہ پر گیا جہاں تو بہت
بہت سے لوگ تھے اور ”وہاں دعا کی“۔ یہوداہ کا خادم ہر صبح اپنے کان خدا باپ کی

طرف لگاتا اور دن بھر کے لئے ہدایات حاصل کرتا تھا (یسعیاہ ۵۰: ۴-۵)۔ اگر خداوند یسوع کو صبح سویرے اپنے آسمانی باپ کی سنگت میں وقت گزارنے کی ضرورت تھی، تو ہمیں کتنی زیادہ ضرورت ہے! غور کریں کہ وہ اُس وقت دُعا کرتا تھا جب اُسے کچھ قیمت (بند) ادا کرنی پڑتی تھی۔ وہ اٹھا اور "دن نکلنے سے بہت پہلے" باہر گیا۔ ہمیں دُعا کو ذاتی سہولت اور آسائش کے مطابق وقت نہیں دینا چاہئے بلکہ یہ ایک باضابطہ زندگی کا باقاعدہ حصہ ہونا چاہئے۔ کیا اس سے واضح نہیں ہوتا کہ ہماری خدمت کا بیشتر حصہ غیر مؤثر کیوں رہتا ہے؟

۳۶:۱-۳۷- جب تک "شہمعوں اور اُس کے ساتھی" بیدار ہو کر اٹھے گھر کے باہر دوبارہ بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔ شاگردوں نے جا کر خداوند کو بتایا کہ لوگوں کا جوش و خروش کس طرح بڑھنا جا رہا ہے۔ ۳۸:۱- حیرانی کی بات ہے کہ یسوع واپس شہر میں نہیں آیا بلکہ شاگردوں کو لے کر آس پاس کے شہروں میں "چلا گیا اور وضاحت یہ کی کہ تاکہ میں وہاں بھی منادی کروں"۔ وہ کفر نجوم میں واپس کیوں نہ آیا؟

اول۔ اُس نے ابھی ابھی دُعائیں وقت گزارا تھا۔ اور خدا نے اُسے بتایا تھا کہ آج کیا کچھ کرنا ہے۔

دوم۔ اُسے معلوم تھا کہ کفر نجوم میں جو عام تحریک اٹھی ہے، وہ سطحی ہے۔ منجی کو بڑی بڑی بھیڑ کے لئے کبھی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ سطح سے نیچے نظر ڈالتا اور دیکھتا تھا کہ اُن کے دلوں میں کیا کچھ ہے۔

سوم۔ وہ مقبولیت کے خطرات سے آگاہ تھا، لہذا وہ اپنے نمونے سے شاگردوں کو سکھاتا تھا کہ جب لوگ بڑی تعریفیں کر رہے ہوں تو خیردار رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

چہارم۔ وہ اُن مصنوعی، دکھاوے کے اور جذباتی مظاہروں سے ہمیشہ پہلوتی کرتا تھا جن کے باعث تاج آگے آجائے اور صلیب پیچھے رہ جائے۔

پنجم۔ اُس کا خاص زور کلام کی منادی پر تھا۔ شفا کے معجزات کا مقصد انسان کو دکھوں اور تکالیف سے بچانا تھا لیکن وہ انہیں لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا تاکہ وہ اُس کی منادیں بنیں۔

۳۹:۱- پناہ یسوع "تمام گلیں میں اُن کے عبادت خانوں میں جا جا کر منادی کرتا اور بد روحوں

کو نکالتا رہا"۔ وہ منادی کرنے اور عمل کرنے کو بجا رکھتا تھا۔ وہ کہنے اور کرنے کو اٹھا رکھتا

۹۔ ایک کوڑھی کا پاک صاف کیا جانا (۲۰:۱-۲۵)

اس "کوڑھی" کے واقعہ میں ہمیں اُس دُعا کا نمونہ نظر آتا ہے جس کا خدا جواب دیتا ہے۔

۱۔ اس دُعا میں دل سوزی اور خلوص تھا۔ "اُس کی منت کی"۔

۲۔ اس دُعا میں عقیدت اور احترام تھا۔ "اُس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر"۔

۳۔ اس دُعا میں انکساری اور عاجزی تھی۔ "اگر تو چاہے"۔

۴۔ اس دُعا میں ایمان تھا۔ "تو... کر سکتا ہے"۔

۵۔ اس دُعا میں ضرورت کا اعتراف تھا۔ "مجھے پاک صاف کر"۔

۶۔ یہ دُعا مبہم نہیں بلکہ واضح تھی۔ یہ نہیں کہ "مجھے برکت دے" بلکہ یہ کہ "مجھے

پاک صاف کر"۔

۷۔ یہ شخصی دُعا تھی۔ "مجھے" پاک صاف کر۔

۸۔ یہ دُعا مختصر تھی۔ اصل زبان میں صرف پانچ لفظ استعمال ہوئے ہیں۔

اب غور کریں کہ کیا ہوڑا۔

یسوع کو اُس پر "ترس" آیا۔ جب کبھی یہ الفاظ پڑھیں ہمارے دل خوشی،

شادمانی اور شکر گزاری سے بھر جانے چاہئیں۔

یسوع نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ذرا سوچیں کہ عاجزی اور ایمان کی دُعا کے جواب میں خدا

اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے۔

یسوع نے اُسے "چھوڑا"۔ شریعت کے مطابق اگر کوئی شخص کسی کوڑھی کو چھوتنا تو

رسمی طور پر ناپاک ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی ہوتا تھا کہ چھونے والے کو یہ

بیماری لگ جائے۔ مگر تھوس ابن آدم بنی نوع انسان کی صف میں کھڑا ہو کر... گناہ کی تباہ

کاری کو دور کرتا ہے، لیکن خود داغدار نہیں ہوتا۔

اُس نے کہا "میں چاہتا ہوں"۔ ہم شفا پانے کے اتنے آرزو مند نہیں ہوتے جتنا وہ

شفا دینے کا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا "تو پاک صاف ہو جا"۔ اسی لمحے کوڑھی کی جلد صاف، نرم

اور ملائم ہو گئی۔

اُس نے اُس آدمی کو معجزہ کو عام لوگوں میں مشہور کرنے سے منع کیا تا وقتیکہ پہلے جا کر

”کاہن کو“ نہ دکھالے اور مقررہ نذر نہ گزارانے (احبار ۱۴: ۲۰ و ما بعد)۔ اول تو یہ اُس آدمی کی فرمانبرداری کا امتحان تھا۔ کیا وہ کہنے کے مطابق کرے گا؟ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ اُس کا ”چرچا“ کرنے لگا۔ اور ایسا کرتے ہوئے وہ خداوند کے کام میں رکاوٹ کا باعث ہوا (آیت ۴۵)۔ دوسرے یہ کاہن کی قوت امتیاز کا بھی امتحان تھا۔ کیا اُسے احساس ہو جائے گا کہ جس مسیح موعود کے ہم اتنے عرصے سے منتظر تھے، وہ آگیا ہے اور شفا دینے کے عجیب معجزے دکھاتا ہے؟ اگر وہ اکثر اسرائیلیوں جیسا تھا تو اُسے یہ احساس نہیں ہوگا۔ وہ یہ امتیاز نہیں کر سکے گا۔ ہم پھر دیکھتے ہیں کہ یسوع بھیڑ سے الگ چلا گیا اور ”ویران مقاموں“ میں خدمت کرتا رہا۔ وہ کامیابی کو لوگوں کی تعداد سے نہیں ناپتا تھا۔

ز۔ ایک مفلوج شفا پاتا ہے (۲: ۱-۱۲)

۲: ۱-۴۔ کئی دن بعد یسوع ”کفر نحوم میں پھر داخل ہوا“۔ خبر ملتے ہی جس گھر میں وہ تھا، اُس کے گرد اتنے آدمی جمع ہو گئے کہ اندر جانے کا راستہ بھی ڈک گیا۔ لوگ اس معجزے کرنے والے کو معجزے کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ جب بھی خدا قدرت کے ساتھ عمل کرتا ہے تو لوگ کچھ چلے آتے ہیں۔ نجات دہندہ اُن لوگوں کو کلام سناتا رہتا ہے۔ بھیڑ کے پیچھے ”ایک مفلوج“ تھا۔ ”چار آدمی“ اُسے ایک چارپائی پر ڈال کر اُٹھا کر لائے تھے۔ بھیڑ نے خداوند یسوع تک پہنچنے کا راستہ روک رکھا تھا۔ دوسروں کو یسوع کے پاس لانے میں اکثر رکاوٹیں ہوتی ہیں، مگر ایمان راستہ نکال ہی لیتا ہے۔ یہ چاروں آدمی بھی گھر کی بیرونی سیڑھیوں سے چھت پر چڑھ گئے۔ انہوں نے چھت کا وہ حصہ اُدھیڑ دیا۔ جہاں یسوع تھا اور مفلوج کو نیچے لٹکا کر یسوع کے سامنے اتار دیا۔ کسی نے ان چاروں آدمیوں کو بہت عمدہ لقب دئے ہیں — ہمدردی، تعاون، قوت ایجاد اور استقلال — ہمیں بھی ایسا دوست بننے کی کوشش کرنی چاہئے جو ایسی خوبیوں کے مالک ہوں۔

۲: ۵۔ ”یسوع“ نے اُن کے ایمان سے متاثر ہو کر ”مفلوج سے کہا، بیٹا، تیرے گناہ معاف ہوئے“۔ یہ کہنا تو نہایت عجیب معلوم ہوتا ہے۔ مسئلہ تو فالج کا تھا، نہ کہ گناہ کا؟ مگر یسوع بیماری کی علامات سے آگے اُس کی وجہ تک پہنچا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ جسم کو شفا دے اور جان کو نظر انداز کر دے، دنیاوی حالت کا علاج کرے اور ابدی حالت کو ہاتھ نہ لگائے۔ چنانچہ اُس

نے کہا کہ ”تیرے گناہ مُعاف ہوئے۔“ کیسا عجیب اعلان تھا! ابھی، اسی دنیا میں، اسی زندگی میں اُس آدمی کے ”گناہ مُعاف ہو گئے۔“ اُس کو روزِ انصاف کے دن کا انتظار نہ کرنا پڑا۔ اُس کو ابھی مُعافی کی یقین دہانی کرادی گئی۔ جتنے لوگ بھی خداوندِ یسوع پر ایمان لاتے ہیں اُن سب کو یہ یقین دہانی حاصل ہوتی ہے۔

۷:۲-۷:۲ - فقیہوں کو اس اعلان کی اہمیت کا فوراً احساس ہو گیا۔ وہ بائبل مُقدس کے عقائد کا زنا علم رکھتے تھے کہ جانتے تھے کہ ”صرف خدا ہی گناہ مُعاف کر سکتا ہے۔“ اس لئے جو کوئی گناہ مُعاف کرنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ خدا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہاں تک تو اُن کی منطق درست تھی، مگر وہ خداوندِ یسوع کو الٰہی ذات تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے دلوں میں اُس پر الزام لگا رہے تھے کہ کُفر بکتا ہے۔

۱۰:۲-۹:۸ - یسوع نے اُن کے خیالات پڑھ لئے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ فَوْقِ لَیْفُطْرِ قُدْرَتِ کَا مَالِک ہے۔ اُس نے اُن سے یہ اشتعال انگیز سوال پوچھا ”آسان کیا ہے؟ مفلوج سے یہ کہنا کہ تیرے گناہ مُعاف ہوئے یا یہ کہنا کہ اُٹھ اور اپنی چار پائی اُٹھا کر چل پھر؟“ دراصل کہنے میں تو دونوں باتیں یکساں آسان ہیں، مگر انسانی لحاظ سے دونوں ناممکن ہیں کیونکہ جیسے مفلوج کو چلانا ناممکن ہے ویسے ہی گناہ مُعاف کرنا محال ہے۔

۱۰:۱۲-۱۱ - یسوع اُس آدمی کے گناہوں کی مُعافی کا اعلان تو کر چکا تھا مگر کیا حقیقتاً گناہ مُعاف ہو گئے تھے؟ فقیہ دیکھ تو نہیں سکتے تھے کہ گناہ مُعاف ہو گئے ہیں اس لئے وہ یقین نہیں کر سکتے تھے۔ یہ دیکھانے کے لئے کہ آدمی کے گناہ واقعی مُعاف ہو گئے ہیں مُنجی نے فقیہوں کے سامنے وہ بات پیش کی جسے وہ دیکھ سکیں۔ اُس نے مفلوج سے کہا ”اُٹھ اور اپنی چار پائی اُٹھا کر چل پھر۔“ اُس آدمی نے اسی لمحہ عملی جواب دیا۔ لوگ ”حیران ہو گئے۔“ اُنہوں نے پہلے کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا، مگر اتنے زبردست ثبوت کے باوجود بھی فقیہ ایمان نہ لائے۔ اُنہوں نے یقین نہ کیا۔ ایمان لانے کے لئے نیت اور ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ایمان لانا چاہتے ہی نہ تھے۔

ح - لاوی کی بلا ہرٹ (۲: ۱۳-۱۷)

۱۳:۲-۱۳:۲ - جب یسوع ”بھیس کے کنارے“ تعلیم دینے جا رہا تھا تو اُس نے ”لاوی“ کو حصول لیتے دیکھا۔ ہم لاوی کو متی کے نام سے جانتے ہیں جس نے بعد میں پہلی انجیل بھی لکھی۔

وہ تھا تو یہ یہودی، مگر اُس کا پیشہ غیر یہودی تھا کیونکہ وہ رومی حکومت کے لئے ٹیکس جمع کرتا تھا اور یہودی رومی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ لوگ ان آدمیوں کو دینا تیار بھی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُن کو حقیر جانتے، اُن سے نفرت کرتے اور کسبیوں کی طرح اُن کو معاشرے کا فضلہ مانتے تھے۔ تاہم لاوی کے حق میں یہ بات ابد تک قابلِ تعریف رہے گی کہ جو نہی اُس نے مسیح کی بلاہٹ دینی تو سب کچھ وہیں چھوڑ کر اُس کے پیچھے ہو گیا۔ کاش ہم میں سے ہر شخص اُس کی مانند ہو کہ فوراً بے چون و چرا فرمانبرداری کرے۔ اس وقت تو یہ بڑی قربانی معلوم ہوگی، مگر اگلے جہان میں ہرگز قربانی معلوم نہ ہوگی۔ جس طرح شہید شہزادی جم ایلٹ نے کہا ہے کہ ”وہ شخص بیوقوف نہیں ہوتا جو وہ چیز دے دیتا ہے جسے وہ پاس رکھ نہیں سکتا تاکہ وہ کچھ حاصل کرے جسے کھو نہیں سکتا۔“

۱۵:۲۔ لاوی کے گھر میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا گیا تاکہ وہ اپنے دوستوں کو خداوند یسوع سے متعارف کراوے۔ اُس کے اکثر دوست بھی اُسی کی طرح کے تھے یعنی ”محصول لینے والے اور گنہگار“۔ یسوع نے اُن کے ساتھ شامل ہونا قبول کر لیا۔

۱۶:۲۔ ”فقیموں اور فریسیوں“ کا خیال تھا کہ ہم نے اُس کا ایک بڑا قصور کچھ لیا ہے۔ لیکن براہِ راست اُس سے بات کرنے کی بجائے وہ ”اُس کے شاگردوں“ کے پاس گئے اور اُن کے اعتماد اور وفاداری کی بڑی کاسٹن کی کوشش کی کہ یہ کیا بات ہوئی کہ تمہارا استاد تو ”محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کھانا پیتا ہے۔“

۱۷:۲۔ ”یسوع نے یہ سن کر“ اُن کو یاد دلایا کہ تندرست لوگوں کو طبیب یا ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف بیماروں کو۔ فقیہ سمجھتے تھے کہ ہم ”تندرست“ ہیں۔ اس لئے وہ طبیبِ اعظم کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ محصول لینے والے اور گنہگار اپنے گناہ اور قصور کو مانتے اور اقرار کرتے تھے کہ ہمیں مدد کی ضرورت ہے۔ یسوع اُن جیسے گنہگاروں کو بلانے آیا تھا۔ جو لوگ اپنی راست بازی پر نازاں تھے اُن کو بلانے نہیں آیا تھا۔

اس واقعہ میں ہمارے لئے بھی سبق ہے۔ ہمیں نہ صرف اُن لوگوں کے ساتھ واسطہ رکھنا چاہئے جو مسیحیت اختیار کئے ہوئے ہیں بلکہ بے دین لوگوں کے ساتھ بھی دوستی کرنی چاہئے تاکہ اُن کو اپنے خداوند اور نجات دہندہ سے متعارف کرا سکیں۔ لیکن گنہگاروں کے ساتھ دوستی کرنے میں کوئی ایسا کام نہ کریں، نہ ایسے کاموں میں شریک ہوں جن میں ہمیں اپنی گواہی کا سمجھنا کرنا پڑے۔ نہ غیر نجات یافتہ لوگوں کو موقع دیں کہ وہ ہمیں گھسیٹ کر اپنی سطح پر لے جائیں بلکہ ہم پہل

کریں کہ دوستی مثبت رُخ میں چلے اور روحانی لحاظ سے مُمد و معاون ثابت ہو۔ شریر دُنیا سے الگ ہو جانا آسان ہے مگر یسوع نے ایسا نہیں کیا تھا، نہ اُس کے پیروؤں کو کرنا چاہئے۔
 فقیروں کا خیال تھا کہ یسوع کو گنہگاروں کا دوست کہنے اور مشہور کرنے سے ہم اُس کی شہرت اور نیک نامی کو برباد کر دیں گے، مگر جس بات کو وہ باعثِ ذلت سمجھتے تھے وہ باعثِ تحمیں ثابت ہوئی۔ تمام مخلصی یافتہ لوگ بڑی خوشی سے اُسے گنہگاروں کا دوست تسلیم کرتے ہیں اور اسی سبب سے ابد تک اُس سے محبت رکھیں گے۔

ط - روزہ کے متعلق مناظرہ (۲: ۱۸-۲۲)

۱۸:۲ - "یوحنا" پتھر دینے والے کے شاگرد اور فریسی روزہ رکھتے تھے۔ پُرانے عہد نامہ میں یہ دستور گمراہی اور افسوس کے اظہار کے لئے مقرر تھا، مگر اب تک اس کا اصل مقصد مفہوم بڑی حد تک نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اور روزہ ایک عام رسم بن کر رہ گیا تھا۔ فریسیوں نے دیکھا کہ یسوع کے شاگرد روزہ نہیں رکھتے۔" شاید وہ اُن سے حسد کرتے اور خود ترسی کا بھی شکر تھے، اسی لئے انہوں نے خداوند سے وضاحت چاہی۔

۱۹:۲-۲۰ - جواب میں یسوع نے اپنے شاگردوں کو "دلہا" کے ساتھیوں یا دونوں کے مشابہ ٹھہرایا۔ وہ خود دلہا ہے۔ جب تک وہ اُن کے ساتھ تھا انہیں کسی غم کے اظہار کی ضرورت نہ تھی۔ مگر وہ دن آرہے تھے جب وہ اُن سے جدا کیا جائے گا۔ اُس وقت اُن کے لئے روزہ رکھنے کا موقع ہوگا۔

۲۱:۲ - اس کے ساتھ ہی یسوع نے دو مثالیں دیں جن کا مقصد ایک نئے دور کا اعلان کرنا تھا جو پچھلے دور سے بالکل الگ اور مختلف ہوگا۔ پہلی مثال میں کورسے کپڑے کے پیوند کا ذکر ہے یعنی ایسا کپڑا جس کو دھویا بھگو کر سُکواؤ کے عمل سے نہیں گرا گیا۔ اگرچہ یہ پیوند پُرانی پوشاک میں لگا دیا جائے تو بالآخر سُکڑ جائے گا اور پوشاک کو بھی پھاڑ دے گا، اس لئے کہ پُرانی پوشاک کا کپڑا کمزور ہوگا۔ یہاں یسوع پُرانے نظام کو پُرانی پوشاک سے تشبیہ دے رہا ہے۔ خدا کا کبھی ارادہ نہیں تھا کہ یہودیت میں مسیحیت کا پیوند لگا دیا جائے۔ پُرانے دور میں غم تھا جس کا اظہار روزہ رکھنے سے کیا جاتا تھا۔ اب اُس غم کو ختم ہونا اور نئے دور کی خوشی کے لئے جگہ خالی کرنا تھی۔

۲۲:۲ - دوسری مثال میں نئی نے "کو پُرانی مشکوں" میں بھرنے کا بیان ہے۔ چرطے کی مشکیں پُرانی ہو کر لچک کھو دیتی ہیں۔ اگر ان میں "نئی نے" بھری جائے تو اُس کے غیر اٹھنے کے دباؤ سے پتھکیں پھٹ جاتی ہیں۔ "نئی نے" کسی ایمان کی تدرت اور خوشی کی مثیل ہے۔ "پُرانی مشکیں" یہودیت کی رسم پرستی اور ظاہری اشکال کو ظاہر کرتی ہیں۔ نئی نے کو نئی مشکوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خداوند کے شاگردوں کو روزہ کے غم ناک بندھن میں باندھنے سے یوحنا کے شاگردوں اور فریسیوں کو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جس انداز میں اُن دنوں روزہ رکھا جاتا تھا، اُس سے قطعاً کچھ فائدہ نہیں تھا۔ نئی زندگی کی خوشی اور جوش کو اظہار کا موقع ملنا چاہئے۔ انسان نے جب بھی مسیحیت کو رسم پرستی کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے مسیحیت کو نقصان ہی پہنچا ہے۔ خداوند یسوع نے سکھایا ہے کہ ان دونوں میں کوئی میل، کوئی موافقت نہیں۔ شریعت اور فضل دو متضاد اصول ہیں۔

ی۔ سبت کے بارے میں بحث (۲۳:۲-۲۸)

۲۳:۲-۲۴ - مسیح خداوند نے ابھی ابھی یہودیت کی روایت پرستی اور انجیل کی آزادی میں تصادم کے بارے میں تعلیم دی تھی۔ یہ واقعہ اسی تصادم کی وضاحت کرتا ہے۔

"اور یوں ہوا کہ وہ سبت کے دن کھیتوں میں ہو کر جا رہا تھا اور اُس کے شاگرد... بالیں توڑنے لگے۔" تاکہ انہیں کھائیں۔ اس سے خدا کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی تھی، مگر قوم کے بزرگ تو بال کی کھال اُتارتے تھے۔ اُن کے مطابق شاگردوں نے سبت کو توڑا تھا کہ "فصل کاٹی" تھی اور شاید "گاہی" بھی تھی (دانوں پر سے جھوسا اُتارنے کے لئے ہاتھوں میں ملاتھا)!

۲۶:۲، ۲۵:۲ - خداوند نے اُن کو جواب دینے کے لئے پُرانے عہد نامہ کے ایک واقعہ کا حوالہ دیا کہ "داؤد" اگرچہ بادشاہ ہونے کے لئے مسیح ہو چکا تھا مگر اُسے رو کر دیا گیا تھا۔ اور اُسے جنگلی جانور کی طرح شکار کرنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ جب ایک دن اُس کی رسد بالکل ختم ہو گئی تو وہ خدا کے گھر میں گیا اور اُس نے نذر کی روٹیاں کھائیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلائیں۔ شریعت کے مطابق نذر کی روٹیاں سوائے کاہنوں کے کسی اور کو کھانا منع تھیں، لیکن خدا نے داؤد کو ایسا کرنے پر نہیں جھڑکا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسرائیل میں حالات درست نہیں تھے۔ جب تک داؤد کو بادشاہ کی حیثیت سے جائز مقام نہ دیا جاتا خدا نے اُس کو ایسا کام کرنے کی اجازت دے دی

جو عام حالات میں خلاف شرع مانا جاتا۔

یہی صورت حال خداوند یسوع کو درمیش تھی۔ اگرچہ وہ مسوح تھا، مگر بادشاہی نہیں کر رہا تھا۔ یہی حقیقت کہ سفر کے دوران اُس کے شاگردوں کو بالین توڑنی پڑیں ثابت کرتی ہے کہ اسرائیل میں حالات درست نہیں تھے۔ چاہے تھا کہ فریسی خود یسوع اور اُس کے شاگردوں کی عہمان نوازی کرتے، مگر وہ تو ہر بات میں مُکنتہ چینی ہی کرتے تھے۔

اگرچہ داؤد نے نذر کی روٹیاں کھا کر حقیقت میں شریعت کو توڑا تھا مگر خدا نے اُسے نہیں جھپٹ کر کاٹھا، تو یسوع کے شاگرد اُس سے کس قدر زیادہ بے قصور تھے، جنہوں نے ویسے ہی حالات میں سوائے بزرگوں کی روایت کے کسی قانون کو نہیں توڑا تھا۔

آیت ۲۶ کہتی ہے کہ داؤد نے ”ایبائز سردار کاہن کے دنوں میں۔۔۔ نذر کی روٹیاں کھائیں“

مگر۔۔۔ سموئیل ۱۰:۲۱ کے مطابق اُن دنوں انیمک سردار کاہن تھا۔ ایبائز اُس کا باپ تھا۔ سردار کاہن داؤد کا حمایتی تھا۔ شاید اس وفاداری کے باعث اُس نے اجازت دے دی کہ شریعت سے یوں ہٹ کر کام کیا جائے۔ یہ بھرت غیر معمولی بات تھی۔

۲: ۲۸، ۲۷، ۲۶۔ خداوند یسوع نے بحث ختم کرتے ہوئے فریسیوں کو یاد دلایا کہ خدا نے سبت

کو انسان کے فائدہ کے لئے مقرر کیا تھا، اُسے سبت کا غلام بنانا مقصود نہ تھا۔ اُس نے مزید کہا ”ابن آدم سبت کا بھی مالک ہے“ کیونکہ سبت اسی نے دیا تھا۔ اس لئے اُسے فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ اس روز کیا کرنا روا ہے اور کیا کرنے کی ممانعت ہے۔ بے شک سبت کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ ضروری اور رحمہی کے کاموں کی ممانعت ہو۔ مسیحیوں پر سبت کا ماننا فرض نہیں۔ یہ

دن یہودیوں کو دیا گیا تھا۔ مسیحیت کا امتیازی دن خداوند کا دن، یعنی ہفتہ کا پہلا دن ہے۔ مگر اُس دن پر یہ کرو اور وہ نہ کرو کی پابندیاں عائد نہیں ہیں بلکہ یہ اعزاز اور استحقاق کا دن ہے جب ایمان دار دنیاوی ذمہ داریوں سے آزاد ہو کر خدا کی عبادت اور خدمت اور اپنی رُوحوں کی نشوونما کے لئے کچھ کر سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے یہ سوال نہیں ہونا چاہئے کہ کیا خداوند کے دن یہ کرنا روا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ کہیں کس طرح خدا کے جلال کے لئے یہ دن بہتر طور پر بسر کر سکتا ہوں؟ کس طرح پرہوسی کے لئے باعثِ برکت ہو سکتا ہوں اور کس طرح رُوحانی ترقی کر سکتا ہوں؟

ک۔ خادمِ سبت کے دن شفا دیتا ہے (۳-۱۰-۶)

۲۱:۳- سبت کے دن ایک اور معلم اٹھ کھڑا ہوا۔ جب یسوع عبادت خانہ میں پھر داخل ہوا تو اُسے ایک آدمی بلا جس کا ہاتھ سُکھا ہوا تھا۔ چنانچہ یہ سوال اٹھا کہ کیا یسوع سبت کے دن اس آدمی کو اچھا کرتا ہے یا نہیں؟ اگر کرتا تو فریسیوں کو اُس پر الزام لگانے کا موقع مل جاتا، مگر یہ اُن کی خام خیالی تھی۔ ذرا اُن کی ریا کاری اور بندنیتی دیکھئے! وہ خود تو اُس آدمی کی مدد کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے اور اگر کوئی دوسرا کچھ کرنا چاہتا تو بڑا ماننے تھے۔ وہ کوئی بہانہ چاہتے تھے کہ زندگی کے خداوند پر الزام لگائیں۔ اگر وہ "سبت کے دن" شفا دیتا تو جھوکے بھیر یوں کی طرح اُس پر جھپٹ پڑتے۔

۲۲:۳- خداوند نے اُس آدمی سے کہا: "بیچ میں کھڑا ہو۔ ہر طرف سے آنکھیں اُس پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے! پھر خداوند نے فریسیوں سے کہا "سبت کے دن نیکی کرنا روا ہے یا بدی کرنا؟ جان بچانا یا قتل کرنا؟" اس سوال نے فریسیوں کی شرارت کا بھانڈا پھوٹ دیا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ سبت کے دن شفا کا معجزہ کرنا اس شخص کے لئے روا نہیں جبکہ سبت کے دن اُس کے قتل کا منصوبہ بنانا ہمارے لئے روا اور جائز ہے۔

۵:۳- تعجب کیسا کہ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ گھبرائے اور کچھ کہ نہ سکے۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد مہنجی نے اُس آدمی کو حکم دیا "اپنا ہاتھ بڑھا"۔ جیسے ہی اُس نے ہاتھ بڑھایا اُس کی پوری قوت عود کر آئی۔ گوشت بھر کر معمول کے سائز کا ہو گیا۔ اُس کی جھریاں غائب ہو گئیں۔

۶:۲- یہ بات فریسیوں کی برداشت سے باہر تھی۔ وہ باہر نکل گئے اور جا کر "ہیرودیوں" سے رابطہ قائم کر لیا جو کہ اُن کے روایتی دشمن تھے۔ اور اُن سے مشورہ کرنے لگے کہ اُسے (یسوع کو) کس طرح ہلاک کریں۔ ابھی سبت ہی کا دن تھا۔ ہیرودیس نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کو مروا دیا تھا۔ شاید اُس کے سامنے یسوع کو مار ڈالنے میں بھی اسی طرح کامیاب رہیں۔ کم سے کم فریسیوں کو یہی امید تھی۔

ل۔ بڑی بھینٹ خادم کے گرد جمع ہو جاتی ہے (۳-۷-۱۲)

۷:۳-۱- عبادت خانے سے نکل کر یسوع کیلن کی "جھیل کی طرف چلا گیا"۔ بائبل مقدس

میں جھیل اکثر غیر قوموں کی علامت ہوتی ہے۔ اس لئے شاید اُس نے یہ ظاہر کیا ہو کہ میں یہودیوں کو چھوڑ کر غیر قوموں کی طرف جا رہا ہوں۔ اب نہ صرف گلیں سے بلکہ دُور دُور کے علاقوں سے بھی ایک بڑی بھیڑ اُس کے پاس آجی ہوئی۔ بھیڑ اتنی بڑی تھی اور شفا پانے کے لئے اُس پر گری پڑتی تھی کہ یسوع نے کہا کہ ”ایک چھوٹی کشتی میرے لئے تیار رہے تاکہ وہ مجھے دبا نہ ڈالیں۔“

۱۲:۱۱:۳۔ جب بھیڑ میں موجود ناپاک رُوحیں پکار پکار کر کہتیں کہ ”تُو خُدا کا بیٹا ہے“ تو وہ اُن کو بڑی تاکید کرتا تھا کہ مجھے ظاہر نہ کرنا۔ جیسے پہلے بیان ہوا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ بد رُوحیں میری گواہی دیں۔ اُس نے انکار نہیں کیا کہ میں خُدا کا بیٹا ہوں۔ صرف اظہار کے لئے وقت اور طریقہ کو کنٹرول کر رہا تھا۔ یسوع شفا دینے کی قُدرت رکھتا تھا مگر مُعجزے صرف اُن پر ظاہر ہوتے تھے جو مدد حاصل کرنے کو آتے تھے۔ یہی حال نجات کا ہے۔ نجات دینے کے لئے اُس کی قُدرت سب کے لئے کافی ہے، مگر استعمال صرف اُن کے لئے ہوتی ہے جو اُس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ خُداوند کی خدمت سے ہم سیکھتے ہیں کہ ضرورت بذاتِ خود بلا ہٹ نہیں بن جاتی۔ ضرورت تو ہر جگہ تھی۔ یسوع خُدا باپ کی ہدایات پر ہی چلنا تھا کہ کہاں اور کب خدمت کرنی ہے۔ لازم ہے کہ ہم بھی ایسا ہی کریں۔

۳۔ خادم کا شاگردوں کو بلانا اور تربیت دینا

(۳: ۱۳-۸: ۳۸)

۱۔ بارہ شاگرد چنے جاتے ہیں (۳: ۱۳-۱۹)

۱۲: ۱۳-۱۸۔ یسوع کے سامنے ساری دُنیا میں منادی کرنے کا کام تھا۔ اُس نے ”بارہ“ شاگردوں کو مقرر کیا۔ خود ان آدمیوں میں کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ یسوع کے ساتھ تعلق نے ہی انہیں وہ کچھ دینا دیا جو کچھ وہ تھے۔

یہ نوجوان آدمی تھے۔ جیسا ہی سٹوارٹ ان شاگردوں کی جوانی پر شاندار تبصرہ کرتا ہے کہ:

”مسیحیت نوجوانوں کی تحریک کے طور پر شروع ہوئی۔۔۔ بد قسمتی سے یہ ایسی

حقیقت ہے جس کو مسیحی آرٹ اور مسیحی منادی اکثر چھپا دیتی ہے۔ لیکن یہ بات

یقینی ہے کہ شاگردوں کا اولین گروہ نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے حیرت کی بات

نہیں کہ مسیحیت اس دُنیا میں نوجوانوں کی تحریک کی حیثیت سے داخل ہوئی۔ جب شاگرد یسوع کے پیچھے ہوئے تو اکثر کی عمر بیس تا اور تیس برس کے درمیان تھی۔ ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ خود یسوع نے اپنی زمینی خدمت کو اُس وقت شروع کیا جب جوانی کی ”شہنم“ (زبور ۱۱۰: ۳) سے ترنما (اس زبور کا اطلاق پہلے یسوع نے اپنے آپ پر اور پھر رسولی کلیسیا نے بھی اُس پر کیا)۔ یہ فطری جبلت تھی جس کے ماتحت بعد کے دور کے مسیحیوں نے زمین و آسمان کی دیواروں پر اپنے مالک کی شبیہ بنائی تو اُسے کسی بوڑھے، تھکے ماندہ اور دروں سے بے حال شخص کی صورت میں نہیں، بلکہ نوجوان چرواہے کی صورت میں دکھایا جو صبح سویرے پہاڑیوں پر نکل جاتا ہے۔

سے جب کرتا ہوں میں گروس پر دھیان جہاں جلال کے نوجوان شہزادہ نے موت سہی کون ہے جو جوانی کی چلبلا ہٹ اور شجاعت کو سمجھ سکتا ہے۔ کون ہے جو جوانی کی تنہائی اور خوابوں کو جان سکتا ہے۔ کون ہے جو جوانی کی کشمکش اور زبردست آزمائشوں کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ سوائے یسوع کے کوئی نہیں۔ یسوع خوب جانتا تھا کہ جوانی کے دن ہی خدا کے لئے بہترین موقع ہوتا ہے۔ یہ وہ ایام ہوتے ہیں جب عجیب خوابیدہ خیالات جاگتے لگتے ہیں، جذبات اگلڑاٹھیاں لینے لگتے ہیں اور ساری دُنیا گویا بے نقاب ہونے لگتی ہے... جب ہم ان اولین بارہ افراد کی کہانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے قائد کے پیچھے نامعلوم مقام کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اُن کو پوری خبر نہیں کہ یہ کون ہے، یا ہم کیوں ایسا کر رہے ہیں اور یہ ہمیں کہاں لے جائیگا۔ اُس میں انہیں ایک مقناطیسی قوت محسوس ہوتی ہے۔ اُس کی روح میں کوئی ایسی چیز ہے جس نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ وہ مزاحمت نہیں کر سکتے۔ دوست اُن کا مذاق اڑاتے ہیں، دشمن اُن کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ کبھی اُن کے دلوں میں شکوک و شبہات کے طوفان اٹھتے ہیں، اور کبھی تو وہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم اس سارے معاملے سے لائق ہوجاتے تو اچھا تھا، لیکن پھر بھی اُس کے ساتھ چٹھے ہوئے ہیں۔ اپنی امیدوں کے کھنڈرات سے نکل کر ایک بہتر و فاداری کی طرف قدم مارتے ہیں۔“

اُن بارہ کی بُلّاہٹ کے پیچھے سرگونا مقصد تھا (۱) وہ اُس کے ساتھ رہیں۔ (۲) وہ اُن کو بھیجے کہ منادی کریں اور (۳) وہ بیماروں کو شفا دینے اور بُدروحوں کو نکالنے کا اختیار رکھیں۔ پہلے تو اُن کی تربیت کی ضرورت تھی۔ علیحدگی میں تیاری اس سے پیشتر کہ لوگوں کے درمیان علانیہ منادی کر سکیں۔ یہ خدمت کا بنیادی اصول ہے۔ ضرور ہے کہ ہم اُس کے ساتھ وقت گزاریں، اس سے پیشتر کہ ہم خدا کے نمائندے بن کر باہر نکلیں۔ دوسرے۔ اُن کو منادی کرنے کے لئے بھیجا گیا کہ خدا کے کلام کا اعلان کریں۔ اُن کی منادی کا بنیادی طریقہ یہی تھا اور اسی کو ہمیشہ مرکزیت حاصل رہنی چاہئے۔ کسی دوسری بات کو اس پر سبقت نہیں دی جاسکتی۔

تیسرے۔ اُن کو فوق الفطرت "اختیار" دیا گیا۔ "بُدروحوں کو نکالنے" سے تصدیق ہوگی کہ شاگردوں کے وسیلے سے خدا کلام کر رہا ہے۔ بائبل مقدس ابھی تک مکمل نہیں ہوئی تھی۔ معجزے ہی خدا کے پیغمبروں کی سند تھے۔ آج ہمیں خدا کے مکمل کلام تک رسائی حاصل ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ معجزوں کے ثبوت کے بغیر اس کا یقین کریں۔

۱۹:۳۔ رسولوں کے درمیان "یہوداہ اسکر یوتی" کا نام بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ بات ایک معما، ایک اسرار لگتی ہے کہ جس شخص کو رسول ہونے کے لئے چنا گیا وہ خدا نکلا جس نے یسوع کو پکڑا بھی دیا۔ مسیحی زندگی میں سب سے بڑا دکھ یہ ہوتا ہے کہ کوئی فرد منجی اور خداوند کی طرف سے مقرر ہو کر پھر اُس دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے جس نے اُسے مصلوب کیا تھا۔ حالانکہ کچھ عرصہ پہلے وہی شخص بہت مخلص، اور خداوند کے کام کا دلدادہ تھا۔ باقی گیارہ خداوند کے پستے شاگرد ثابت ہوئے اور اُن کے وسیلے سے خداوند نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ وہ دوسروں تک پہنچے، منادی کی اور اپنے جیسے افراد پیدا کئے۔ یہ حلقہ وسیع سے وسیع تر بڑھتا گیا۔ اور ایک لحاظ سے ہم اُس کی خدمت کا پھیل ہیں۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ مسیح کے لئے جو اثر آج ہم پیدا کرتے ہیں وہ کہاں تک پہنچے گا۔

ب۔ ناقابلِ معافی گناہ (۳: ۲۰-۳۰)

۲۰:۳-۲۱۔ یسوع اُس پہاڑ سے اُترا جہاں اُس نے اپنے شاگردوں کو اپنے گلی گھر میں بلایا تھا۔ اور اتنے لوگ پھر جمع ہو گئے کہ وہ کھانا بھی نہ کھا سکے۔ جب اُس کے عزیزوں

نے یہ سنا تو وہ بھی سوچنے لگے کہ اُس کا دماغ چل گیا ہے، ”بے خود ہے“ اور کوشش کرنے لگے کہ اُسے پکڑ کر لے جائیں۔ بے شک وہ اپنے خاندان کے ایک فرد کے مذہبی جوش اور سرگرمی دیکھ کر گھبرا گئے بلکہ سراسیمہ ہو گئے تھے۔ بے۔ آر۔ ہلر اس پر یوں تبصرہ کرتا ہے :

”انہوں نے اُس کے ناقابلِ تسخیر جوش اور دلوے کو دیکھا تو کچھ جوازِ نظر نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ وہ ”بے خود“ یا دیوانہ ہے۔ آج بھی جب مسیح کا کوئی پرستار اپنے مالک کی محبت میں اپنے آپ تک کو مجھول جاتا ہے تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ ”دیوانہ ہو گیا ہے“۔ جس شخص کے اندر مذہبِ غیر معمولی جوش کی شمع روشن کر دیتا ہے یا جو اپنے مالک کے کام میں اوسط درجے کے مسیحی سے زیادہ سرگرم ہو جاتا ہے، اسی کو دیوانہ ہی قرار دیا جاتا ہے۔

یہ اچھی قسم کی دیوانگی اور مفید قسم کا پاگل پن ہے، مگر افسوس کہ کیا ہے۔ اگر ایسے دیوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو ہمارے گرجوں کے سائے میں دم توڑتی غیر نجات یافتہ رُوحوں کی تعداد اتنی نہ ہوتی۔ بشراتی خدمت کے لئے رُوپے پیسے کی کمی نہ ہوتی، گرجوں میں اتنی نشستیں خالی نہ ہوتیں، دُعائیہ میٹنگوں میں خاموشی کے لمبے لمبے وقفے نہ ہوتے، سمنڈے سکول کے اُستادوں کی کمی نہ ہوتی۔ کیسی جلالی بات ہو کہ سارے مسیحی اپنے مالک کی طرح ”بے خود“ ہوں۔ یا پوکس کی مانند ”دیوانے“ ہوں۔ یہ جو ن زیادہ بُرا ہے کہ انسان اگلے جہان کے بارے میں سوچتا تک نہیں۔ وہ کھوٹے ہوؤں کے درمیان پھرتا رہتا ہے مگر اُن کی حالت پر رحم نہیں کھاتا، نہ اُن کی نجات کے لئے رتی بھر کوشش کرتا ہے۔ یہ بہت آسان ہے کہ ہم ہلاک ہونے والے لوگوں کے بارے میں سوچتے نہیں، سرد صبری کاروتیہ اپنلئے رکھتے ہیں، اُن کی قطعاً فکر نہیں کرتے۔ لیکن ہم اپنے بھائی کے محافظ ہیں (پیدائش ۴: ۹)۔ یہ فرض میں کوتاہی ہے اور کوئی کوتاہی اس سے بُری ہو نہیں سکتی کہ ہم اُس کی ابدی نجات کی فکر نہ کریں۔“

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص خدا کے جوش سے بھرا ہوتا ہے اپنے جمہوروں کو ہمیشہ پاگل لگاتا ہے۔ ہم جس قدر مسیح کی مانند ہوں گے اسی قدر ہمیں یہ غم انگیز تجربہ ہو گا کہ ہمارے دوست اور رشتہ دار ہمیں غلط سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اپنی قسمت بنانے اور دولت کمانے

کو قدم بڑھائیں تو سب ہماری حوصلہ افزائی کریں گے۔ اگر ہم مسیح کے لئے کسٹریں کا مظاہرہ کریں گے تو سب ظعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے۔

۲۲:۳۔ فقہہ اُسے "بے خود" نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُس پر الزام لگاتے تھے کہ "بعل زبول" یعنی "بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے"۔ اس نام "بعل زبول" کا مطلب ہے "گوبر مکھیوں کا سردار (یا خداوند)" یا "غلاظت کا خداوند" (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ کریں "قاموس الکتاب" از ڈاکٹر خیر اللہ)۔ یہ الزام نہایت ہی سنجیدہ، گھٹیا اور کافرانہ تھا۔

۲۳:۳۔ پہلے تو یسوع نے اس الزام کو غلط ثابت کیا۔ پھر یہ الزام لگانے والوں کا حشر بیان کیا کہ اگر میں بعل زبول کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں تو گویا شیطان اپنے ہی خلاف کام کر رہا ہے اور اپنے ہی مقاصد کو ناکام بنانے میں سرگرم عمل ہے۔ اُس کا مقصد تو بدروحوں کی مدد سے انسانوں کو اپنے قابو میں رکھنا ہے، اُن سے آزاد کرانا نہیں ہے۔

۲۴:۳۔ ۲۶۔ جس "سلطنت... اور گھر..." اور شخصیت میں پھوٹ پڑ جائے "وہ قائم نہیں رہ سکتا۔ کسی بھی سلطنت کے قائم رہنے کا انحصار باطنی تعاون پر ہے، خاصیت اور دشمنی پر نہیں۔

۲۷:۳۔ چنانچہ فقیہوں کا الزام بالکل غلط تھا۔ حقیقت میں خداوند تو جو وہ کہہ رہے تھے اس کے قطعی اُلٹ کر رہا تھا۔ اُس کے معجزوں سے ابلیس کی جواں مردی نہیں بلکہ زوال ظاہر ہوتا تھا۔ اسی لئے مہنجی نے وضاحت کی کہ "کوئی آدمی کسی زور آور کے گھر میں گھس کر اُس کے اسباب کو ٹوٹ نہیں سکتا جب تک وہ پہلے اُس زور آور کو نہ باندھ لے۔"

وہ "زور آور" شیطان ہے۔ "گھر" سے مراد اُس کا دائرہ اختیار یا سلطنت ہے۔ "اسباب" وہ لوگ ہیں جن پر وہ فرمانروائی کرتا ہے اور یسوع وہ ہستی ہے جو شیطان کو باندھتا اور اُس کے گھر کو ٹوٹتا ہے۔ مسیح کی آمد ثانی پر شیطان باندھا اور ایک ہزار سال کے لئے اٹھا ہر گڑھے میں ڈالا جائے گا۔ اپنی زمین زندگی کے دوران مہنجی کا بدروحیں نکالنا دراصل اس بات کی علامت تھی کہ بالآخر وہ ابلیس کو پورے طور پر باندھ دے گا۔

۲۸:۳۔ ۳۔ ان آیات میں خدا نے اُن فقیہوں کے حشر اور انجام کا بیان کیا ہے جو ناقابلِ معافی گناہ کے مرتکب تھے۔ یسوع تو روح القدس کی قدرت سے بدروحوں کو نکالتا تھا جبکہ انہوں نے الزام لگایا کہ وہ بدروحوں کی قوت سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔ اس طرح دراصل

وہ رُوحُ الْقُدُس کو ایک بَدْرُوح قرار دے رہے تھے۔ یہی رُوحُ الْقُدُس کے حق میں کُفْر ہے۔ ”مب“ قسم کے گناہ مُعَاف ہو سکتے ہیں، لیکن اس خاص گناہ کی مُعَافِی نہیں ہے۔

ج۔ خادِم کی حقیقی ماں اور بھائی (۳: ۳۱-۳۵)

یسوع کی ”ماں“ مریم اور ”اُس کے بھائی“ اُس سے ملنے آئے، مگر بیٹھ کے سبب وہ اُس تک پہنچ نہ سکے۔ اس لئے اُسے پیغام بھیجا کہ ہم ”باہر“ تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ جب پیغام لانے والے نے اُسے بتایا کہ تیری ماں اور تیرے بھائی ”تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں تو اُس نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں پر نظر دوڑا کر اعلان کیا ”کہ جو کوئی خُدا کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے۔“ اس سے کئی سبق حاصل ہوتے ہیں :

۱۔ خُداوند یسوع کے الفاظ مریم پرستی کے خلاف سرزنش اور ملامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُس نے پرہیزگاری اپنی طبعی ماں ہونے کے اُس کی بے عزتی نہیں کی، مگر اتنا ضرور کہا کہ رُوحانی رشتے بھائی رشتوں پر سبقت رکھتے ہیں۔ مریم کی عزت اس بات میں زیادہ تھی کہ خُدا کی مرضی پوری کرے، یسوع کی ماں ہونے میں اتنی وقعت نہیں۔

۲۔ یہ واقعہ اس عقیدہ کو بھی غلط ثابت کرتا ہے کہ مریم دائمی کنواری ہے۔ یسوع مریم کا پہلوٹھا تھا۔ مگر بعد میں اُس کے دوسرے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں (دیکھئے متی ۱۳: ۵۵؛ مرقس ۶: ۳؛ یوحنا ۲: ۱۲؛ ۴: ۴۵؛ ۱۰: ۱۱؛ اعمال ۱: ۱۴؛ ۱-۱ کرنتھیوں ۹: ۵؛ گلیتوں ۱: ۱۹۔ نیز ملاحظہ کریں زبور ۶۹: ۸)۔

۳۔ یسوع خُدا کے مقاصد کو طبعی رشتوں پر ترجیح دیتا تھا۔ وہ اپنے پیروؤں کو آج بھی کہتا ہے کہ ”اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا“ (لوقا ۱۴: ۲۶)۔

۴۔ کلام کا یہ حصہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ایمان دار اپنے ہم ایمان سچوں کے ساتھ ایسے مضبوط رشتوں سے بندھے ہیں کہ خونی رشتوں کے ساتھ نہیں بندھے، جبکہ یہ خونی رشتے دار غیر نجات یافتہ ہوں۔

۵۔ واضح ہوتا ہے کہ یسوع خُدا کی مرضی کو پورا کرنے کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ کیا میں اس معیار پر پورا اترتا ہوں؟ کیا میں اُس کی ماں یا اُس کا بھائی (یا بہن) ہوں؟

د۔ بیج بونے والے کی تمثیل (۲۰-۱:۴)

۲-۱:۴۔ یسوع ”پھر جھیل کے کنارے تعلیم دیتے لگا۔“ بھیرٹ کے سبب سے پھر ضروری ہو گیا کہ وہ ”ایک کشتی“ کو پلٹ بنا لے۔ وہ کشتی کو کنارے سے ذرا ہٹا لے گیا اور اپنے اردگرد کی طبعی دنیا کی مثالوں سے روحانی ”باتیں سکھانے لگا۔“ وہ دنیا کے فطرت میں روحانی حقائق اور سچائیاں دیکھ سکتا تھا۔ ہمارے لئے بھی یہ سچائیاں موجود ہیں بشرطیکہ دیکھیں۔

۴:۳۔ اس تمثیل کا تعلق ”ایک بیج بونے والے“ اور ”بیج“ اور ”زمین“ سے ہے۔ ”راہ کے کنارے“ کی زمین یا مٹی اتنی سخت تھی کہ بیج اس کے اندر نہیں جاسکتا تھا۔ چنانچہ ”بزرگوں نے اُسے چُک لیا۔“

۶:۱۵۔ پتھر۔ پٹی زمین پر مٹی کی تہ بہت تہلی تھی اور نیچے سخت چٹان تھی، اس لئے بیج کی جڑیں گہری نہ جاسکیں۔

۷:۴۔ جھاڑیوں والی زمین میں کانٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ ان جھاڑیوں نے بیج کی نشوونما کو روک دیا اور دھوپ بھی اُس تک نہ پہنچنے دی، اس لئے وہ پھل نہ لایا۔“

۹:۸۔ ”اچھی زمین“ گہری بھی تھی اور زرخیز بھی۔ اُس نے بیج کے لئے سازگار حالات مہیا کئے۔ چنانچہ اُس میں گرنے والا بیج کوئی تیس گنا، کوئی ساٹھ گنا، کوئی سو گنا پھل لایا۔“

۱۰:۱۰۔ ”جب“ شاگرد ”اکیلے“ میں اُس کے ساتھ تھے تو انہوں نے پوچھا کہ وہ تمہیلوں میں باتیں کیوں کرتا ہے۔ اُس نے وضاحت کی کہ جو قبول کرنے والے دل رکھتے ہیں، صرف اُنہی کو ”خدا کی

بادشاہی کا بھید دیا گیا ہے۔“ نے ”عہد نامہ میں“ ”بھید“ سے مراد وہ سچائی ہے جس کا اب تک علم نہیں، اور یہ علم صرف خاص مکاشفہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ”خدا کی بادشاہی کا بھید“ یہ ہے کہ:

۱۔ جب خداوند یسوع نے خود کو بنی اسرائیل کے سامنے بادشاہ کی حیثیت سے پیش کیا تو اُسے رد کر دیا گیا۔

۲۔ زمین پر حقیقی معنوں میں بادشاہی قائم ہونے سے پہلے کچھ عرصے کا وقفہ ہوگا۔

۳۔ اُس عبوری دور میں بادشاہی روحانی شکل میں موجود ہوگی۔ رخصتے لوگ مسیح کو بادشاہ

مانیں گے وہ بادشاہی میں شامل ہوں گے، مگر بادشاہ خود غیر حاضر ہوگا۔

۴۔ اُس عبوری دور کے دوران خدا کا کلام بویا جائے گا، مگر کامیابی کے درجات کم و بیش

ہوں گے۔ کچھ لوگ واقعی ایمان لے آئیں گے جبکہ دوسرے صرف نام کے ایماندار رہیں گے۔ جتنے لوگ سچی ہونے کے دعویدار ہوں گے وہ سب بادشاہی میں شامل ہوں گے جبکہ بادشاہی ظاہری شکل میں ہوگی۔ لیکن جو حقیقی مسیحی ہوں گے صرف وہی اُس کی اندرونی حقیقت میں داخل ہوں گے۔ آیات ۱۱ اور ۱۲ واضح کرتی ہیں کہ یہ حقیقت تمثیلوں میں کیوں بیان کی گئی۔ خدا اپنے خاندانی راز صرف انہی پر رکھتا ہے جن کے دل کھلے ہیں، جو قبول کرنے اور حکم ماننے کو تیار ہیں، جبکہ اُن لوگوں سے سچائی کو دانستہ چھپایا جاتا ہے جو اُس نور کو رد کر دیتے ہیں جو اُن کو عطا کیا جاتا ہے۔ یسوع نے انہی لوگوں کے لئے کہا کہ ”جو باہر ہیں“۔ ایک عام قاری کو آیت ۱۲ کے الفاظ سخت اور غیر متصفانہ معلوم ہوتے ہیں کہ ”تا کہ وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں، اور سنتے ہوئے سنیں اور نہ سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں“۔

لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کو کتنا بڑا استحقاق اور اعزاز دیا گیا تھا۔ خدا کا بیٹا خود اُن کے درمیان تعلیم دیتا اور بڑے بڑے معجزے کرتا رہا۔ اُسے حقیقی مسیح موعود تسلیم کرنے کی بجائے وہ اُس وقت بھی اُسے رد کر رہے تھے۔ چونکہ اُنہوں نے دُنیا کے نور کو لات ماری تھی، اس لئے اُن کو اُس کی تعلیم کے نور سے بھی محروم کر دیا گیا۔ اب سے وہ اُس کے معجزے دیکھیں گے لیکن اُن کی روحانی اہمیت کو نہیں سمجھیں گے، اُس کا کلام سنیں گے مگر اُس میں موجود گہرے سبقوں کو نہ جان سکیں گے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ انجیل کو آخری بار سنتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ فضل کے دن کو گناہ میں گنوا دیا جائے۔ سچ ہے کہ کئی لوگ مخلصی کی حدود سے آگے نکل جاتے ہیں (جہاں سے واپس نہیں آسکتے)۔ ایسے مرد و زن بھی ہیں جنہوں نے نجات دہندہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اُن کو پھر کبھی توبہ کرنے اور معافی پانے کا موقع نہیں ملے گا۔ وہ انجیل کی خوشخبری سنیں گے، مگر اُن کے کان بھاری اور دل بے حس ہو جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ ”جب تک سانس تب تک آس“ مگر بائبل مقدس ایسے لوگوں کا ذکر کرتی ہے جو زندہ ہیں مگر اُن کے لئے توبہ کی امید نہیں رہی (مثلاً عبرانیوں ۶: ۴-۶)۔

۱۳: ۴۔ ہم بیچ بونے والے کی تمثیل کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔ خداوند یسوع اپنے شاگردوں سے پوچھتا ہے کہ جب تم یہ سادہ سی تمثیل نہیں سمجھ سکتے تو زیادہ مشکل اور پیچیدہ تمثیلوں کو کیسے سمجھو گے؟

۱۴: ۴۔ ”مجھے نے“ بیچ بونے والے کی شناخت نہیں کرائی۔ وہ خود بھی ہو سکتا ہے اور اُس کے وہ نمائندے بھی ہو سکتے ہیں جو کلام کی منادی کرتے ہیں۔ اُس نے بتایا کہ ”بیچ“ کلام ہے۔

۱۵:۴-۲۰ - مختلف قسم کی زمینیں انسانی دلوں کی نمائندہ ہیں کہ وہ کلام کو کس طرح قبول کرتے ہیں۔

”راہ کے کنارے“ کی زمین (آیت ۱۵) - یہ دل سخت ہوتا ہے۔ ایسا شخص ضدی اور غیر تربیت پذیر ہوتا ہے۔ وہ بڑی ہٹ کے ساتھ سمجھی کو ”نہ“ کہتا ہے۔ پرزورے ”شیطان“ کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ وہ ”کلام“ کو اچک لے جاتا ہے۔ گنہگار پر پیغام کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ پلٹنا کھڑا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اگلی دنیا یا آخرت کے بارے میں بے پروا اور بے حس بنا رہتا ہے۔

”پتھر ٹی زمین“ (آیات ۱۶، ۱۷) - یہ شخص ”کلام“ کے لئے سطحی سارو عمل دکھاتا ہے۔ جب خوشخبری کو قبول کرنے کے لئے پُر زور اپیل کی جاتی ہے تو شاید وہ جذبات میں اگر مسیح پر ایمان لانے کا اقرار کر لیتا ہے مگر یہ صرف ذہنی اتفاق رائے ہوتا ہے وہ شخص اپنے آپ کو دل سے مسیح کے سپرد نہیں کرتا۔ وہ کلام کو ”خوشی سے قبول کر“ لیتا ہے لیکن بہتر ہوتا کہ وہ اُسے گھر سے بچھتا دے اور توبہ کے ساتھ قبول کرتا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ چلتا ہے، مگر جب اپنے ایمان کے سبب اُسے ”مُصِیبت یا ظلم“ کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ قیمت بہت بھاری ہے۔ اور سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اُس وقت تک مسیحی ہونے کا اقرار کرتا ہے جب تک سمجھتا ہے کہ مقبولیت اور ہر دل عزیز می حاصل ہو رہی ہے۔ لیکن مُصِیبت اور ایذا رسانی اُس کی حقیقت کو ظاہر کر دیتی ہے۔

”جھاڑیوں“ والی زمین (آیات ۱۸، ۱۹) - ان لوگوں کا آغاز بھی بڑا ہونہار ہوتا ہے۔ بظاہر وہ سچے ایمان دار ہوتے ہیں مگر جب وہ اپنے کاروبار، دنیاوی تفکرات اور امیر ہونے کی حرص میں گرفتار ہوتے ہیں تب دُوحانی باتوں میں اُن کی دلچسپی کا فور ہوجاتی ہے اور بالآخر وہ مسیحیت کو یکسر ترک کر دیتے ہیں۔

”اچھی زمین“ (آیت ۲۰) - یہاں کلام کو قطعی طور پر قبول کیا جاتا ہے، خواہ اس کی کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔ یہ لوگ واقعی نئے رُسرے سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ مسیح بادشاہ کے وفادار رعایا ہوتے ہیں۔ دُنیا، جسم یا اُمیلس اُن کے ایمان کو ہلا نہیں سکتا۔

اچھی زمین والوں کے درمیان بھی پھل لانے کے مختلف درجات پائے جاتے ہیں۔ کوئی تیس^۳ گنا، کوئی ساٹھ گنا، کوئی سو گنا پھل لاتا ہے۔ کون سی بات پھل لانے کے اس درجے کا تعین کرتی ہے؟ سب سے زیادہ پھل دار زندگی وہ ہوتی ہے جو کلام کو بے چوں و چرا، خوش دلی کے ساتھ اور

بلا توقف مانتی ہے اور اُس پر عمل کرتی ہے۔

۵۔ سنسنے والوں کی ذمہ داری (۲۱:۴-۲۵)

۲۱:۴۔ یہاں ”چراغ“ اُن سچائیوں کی نمائندگی کرتا ہے جو خداوند نے اپنے شاگردوں کو سکھائیں۔ یہ سچائیاں ”بیمانہ یا پلنگ کے نیچے“ رکھنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ ضرور ہے کہ ان کو باہر کھلی جگہ پر رکھا جائے تاکہ لوگ دیکھیں۔ اناج ناپنے کا ”بیمانہ“ ہمارا کاروبار بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اسی میں لگے رہیں تو جو وقت خداوند کے کاموں میں صرف ہونا چاہئے، وہ بھی اسی کی نذر ہو جاتا ہے۔ ”پلنگ آرام و آسائش یا سستی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ دونوں ہی تبلیغی کام کی دشمن ہیں۔

۲۲:۴۔ یسوع لوگوں سے تمثیلوں میں باتیں کرتا تھا۔ ”بنیادی سچائی“ ”چھپی“ ہوتی تھی، مگر خدا کی مرضی یہ ہے کہ شاگرد ان چھپی ہوئی سچائیوں کو اُن دلوں پر بظاہر کریں جو سنسنے کو تیار ہیں۔

آیت ۲۲ کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ خدمت کرتے ہوئے شاگرد ہر وقت یاد رکھیں کہ وہ دن آ رہا ہے جب سب کچھ ظاہر کیا جائے گا۔ اُس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کاروبار اور ذاتی آرام و آسائش کو سبقت دی گئی تھی یا نجات دہندہ کی گواہی کو۔

۲۳:۴۔ یہ الفاظ نہایت سنجیدہ ہیں۔ یہاں یسوع خاص تنبیہ کرتا ہے ”اگر کسی کے سنسنے کے کان ہوں تو سن لے“۔

۲۴:۴۔ اس کے ساتھ ہی منجی نے ایک اور سنجیدہ ”تنبیہ کی“ ”خبردار رہو کہ کیا سنسنے ہو“۔ اگر میں خدا کے کلام سے کوئی حکم سننا چاہوں مگر اُس کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتا ہوں تو اُسے دوسروں تک نہیں پہنچا سکتا۔ تعلیم اور منادی اسی وقت مؤثر اور کامیاب ہوتی ہے جب لوگ سچائی کو منادی کرنے والے کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔

سچائی کو دوسروں تک پہنچانے میں، اور اُن کو اس میں شریک کرنے کے لئے ہم جس بیمانے سے ناپتے ہیں، وہی سود در سود کے ساتھ ہمیں ٹوٹایا جائے گا۔ سبق تیار کرنے کے دوران اُستاد عموماً شاگرد سے زیادہ سیکھتا ہے۔ ہم جو معمولی خرچ کرتے ہیں اُنہ اُس کا اجر کئی گنا زیادہ ہے۔

۲۵:۴۔ جب بھی ہم پر کوئی نئی سچائی واضح ہوتی ہے اور ہم اُسے اپنی زندگیوں میں حقیقی سچائی بننے کا موقع دیتے ہیں تو ضرور ہمیں مزید سچائی دی جاتی ہے۔ دوسری طرف

اگر ہم سچائی پر عمل نہیں کرتے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم نے پہلے حاصل کیا تھا وہ بھی پھین جاتا ہے۔

۱۔ بڑھنے والے زیچ کی تمثیل (۲۶: ۳-۲۹)

یہ تمثیل صرف مرقس کی انجیل میں مرقوم ہے۔ اس کی تشریح کم سے کم دو طرح سے کی جاسکتی ہے۔

(۱) ”وہ آدمی“ خداوند یسوع ہے جو اپنی زمینی خدمت کے دوران زمین میں ”زیچ“ ڈالتا ہے۔ پھر آسمان پر واپس چلا جاتا ہے۔ وہ زیچ بڑھتے لگتا ہے۔ اور پھر اسرار طور پر، غیر محسوس طور پر، ناقابلِ تسخیر طور پر بڑھتا رہتا ہے۔ ایک معمولی اور چھوٹے سے آغاز سے حقیقی ایمانداروں کی بڑی فضل تیار ہو جاتی ہے۔ ”جب اناج پک چکا...“ تو اسے آسمانی کھنتوں میں پہنچایا جائے گا۔

(۲) اس تمثیل کا مقصد شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرنا بھی ہو سکتا ہے: ”زیچ“ یونان کی ذمہ داری ہے۔ ”وہ دن کو جاگ اور رات کو سو“ سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کا کلام بے تازہ برائے اس کے پاس واپس نہیں آئے گا بلکہ اس کی مرضی کو پورا کرے گا۔ ایک پراسرار اور معجزانہ عمل سے جس میں انسانی طاقت اور مہارت کا کچھ دخل نہیں ہوتا، یہ کلام انسانی دلوں میں کام کرتا اور خدا کے لئے پھیل پیدا کرتا ہے۔ انسان پودا لگاتا اور پانی دیتا ہے، مگر پھل اور بڑھوتری خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس تشریح میں ایک مشکل ہے جو آیت ۲۹ میں نظر آتی ہے کہ ”گٹائی کے وقت صرف خدا ہی ”دراستی لگا“ سکتا ہے۔ مگر تمثیل میں جب اناج پک جاتا ہے تو جس نے زیچ بویا تھا وہی دراستی لگاتا ہے۔

۲۔ رائی کے دانے کی تمثیل (۳۰: ۳-۳۲)

۳۰: ۳-۳۲۔ یہ تمثیل ”بادشاہی“ کی ترقی اور بڑھتی کی تصویر پیش کرتی ہے کہ اس کا آغاز ”رائی کے دانے“ کی طرح چھوٹا سا ہوتا ہے مگر اتنا بڑا درخت بن جاتا ہے کہ پرندے اس میں بسیرا کر سکتے ہیں۔ خدا کی بادشاہی کا آغاز ایک ایذا رسیدہ چھوٹے سے گروہ سے ہوا۔ پھر یہ مذہب مقبول ہوا اور حکومتوں نے اسے سرکاری مذہب کے طور پر اپنایا۔

یہ ترقی بڑی ڈرامائی اور نمائشی، مگر غیر صحت مندانہ تھی کیونکہ اس میں اکثریت اُن لوگوں کی تھی جو بادشاہ کی تعریف صرف زبان سے کرتے تھے، حقیقت میں ایمان نہیں لائے تھے۔
وانس ہیوفر کہتا ہے:

”جب تک کلیسیا کے چہرے پر زخموں کے داغ رہے وہ ترقی کی راہوں پر گامزن رہی، جب اُسے تمنّے سجانے لگے تو مقصد سے ہٹ گئی اور ناتواں ہونے لگی۔ کلیسیا کے لئے وہ دن عظیم تھے جب اُسے شیروں کے آگے ڈالا جاتا تھا، بہ نسبت اُن دنوں کے جب وہ سیزن ٹرکٹ خرید کر تماشاخیوں کی گیلری میں بیٹھنے لگی۔“

چنانچہ رانی کا درخت اس سمیت کی تصویر پیش کرتا ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ جس میں ہر قسم کے جھوٹے استنادوں نے سیرا کر لیا ہے۔ آج ہمیں بادشاہی کی صرف ظاہری صورت نظر آتی ہے۔

۳۳:۴-۳۴۔ یہ آیات ہمیں تعلیم دینے کے ایک اہم اصول سے متعارف کراتی ہیں۔ یسوع لوگوں کو ”اُن کی سمجھ کے مطابق کلام سنانا تھا“۔ وہ اُن کے گوشہ نشین علم کو بنیاد بنا کر بات آگے بڑھاتا تھا۔ وہ اگلا سبق دینے سے پہلے وقت دیتا تھا کہ پچھلا سبق اچھی طرح سمجھ لیں۔ وہ اپنے سُننے والوں کی صلاحیت کا شعور رکھتا تھا۔ وہ اُن کو اتنی ہی ہدایات دیتا تھا جتنی وہ آسانی سے ہضم کر سکتے تھے (مزید دیکھئے یوحنا ۱۶: ۱۲؛ ۱- کرنتھیوں ۳: ۲؛ عبرانیوں ۵: ۱۲)۔ ہمارے بعض مبلغین کے انداز کو دیکھ کر تو لگتا ہے کہ یسوع نے یہ نہیں کہا تھا کہ ”میری بھٹی میں بچرا“ بلکہ یہ کہ ”میرے زرانے پورا“۔

اگرچہ یسوع کی عام تعلیم تمثیلوں میں ہوتی تھی، مگر علیحدگی میں وہ اپنے خاص شاگردوں سے سب باتوں کے معنی بیان کرتا تھا۔“ جو دل سے چاہتے ہیں، وہ اُن کو روشنی بخشتا ہے۔

ح۔ ہوا اور پانی بھی خادم کا حکم مانتے ہیں (۳۱-۳۵:۴)

۳۵:۴-۳۷۔ ”اُسی دن جب شام ہوئی“ یسوع اور اُس کے شاگرد کشتی میں سوار ہو کر گلیلی کی جھیل کے مشرقی ساحل کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے پہلے سے کوئی تیاری نہیں کر رکھی تھی۔ دوسری چھوٹی کشتیاں اُن کے پیچھے آنے لگیں۔ اچانک ”بڑی آندھی“ چلنے لگی۔ بڑی بڑی

”لہریں“ اٹھنے لگیں۔ خطرہ تھا کہ کشتی ڈوب جائے گی۔

۳۸:۴-۴۱- یسوع کشتی میں پیچھے کی طرف گدے پر سورا ہا تھا۔ شاگرد انتہائی گھبرا گئے تھے۔ انہوں نے استاد کو ”جگا“ دیا اور شکایت کرنے لگے کہ ”مجھے (ہماری) فکر نہیں۔“ خداوند نے ”اٹھ کر بچو اور ڈانٹا اور پانی سے کہا چُپ رہ!“ فوراً کامل ”آمن“ ہو گیا۔ پھر یسوع نے انہیں خوفزدہ اور بے اعتقاد ہونے پر ڈانٹا۔ گو وہ جانتے تھے کہ یسوع کون ہے تاہم وہ اُس ہستی کی قدرت سے جو عناصر قدرت کو کنٹرول کرتا ہے نے دوسرے سے متاثر ہوئے۔

یہ واقعہ خداوند یسوع کی بشریت اور اُلُوہیت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ کشتی کے پچھلے حصے میں سورا ہا تھا۔ یہ اُس کی بشریت ہے۔ اُس نے حکم دیا اور سمندر ساکن ہو گیا۔ یہ اُس کی اُلُوہیت ہے۔

یہ معجزہ ثابت کرتا ہے کہ وہ عناصر قدرت پر اختیار رکھتا ہے۔ گزشتہ معجزے ثابت کرتے ہیں کہ وہ بیماریوں اور بد رُوحوں پر اختیار رکھتا ہے۔

اس واقعہ سے ہماری حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ زندگی کے سارے طوفانوں میں یسوع کے پاس آئیں اور یقین رکھیں کہ جب تک وہ موجود ہے کشتی کبھی نہیں ڈوب سکتی۔

تو وہ خداوند ہے جو گدے پر سورا ہا تھا،

تو وہ خداوند ہے جس نے طوفانی سمندر کو ساکن کر دیا۔

اگر ہم تیرے ساتھ کشتی پر سوار ہوں

تو بچاؤ کے جھگڑوں اور لہروں کے تھپیڑوں کا کیا غم؟ (ایمی کارماگیل)

ط۔ بَد رُوحِ گِرَفْتہ گِراسینی شفا پاتا ہے (۱:۵-۲)

۱:۵-۵- ”گراسینیوں کا علاقہ“ گلیل کی جھیل کے مشرق میں تھا۔ وہاں یسوع کی مُلاقات ایک

نہایت تند مزاج بَد رُوحِ گِرَفْتہ آدمی سے ہوئی۔ یہ آدمی معاشرے کے لئے دہشت بنا بڑھا تھا۔ اُس کو قابو میں رکھنے کی ہر کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ وہ ”رات دن قبروں اور پہاڑوں میں چلاتا پھرتا، اور اپنے تئیں (نوکیلے) پتھروں سے زخمی کرتا تھا“

۶:۵-۱۳- اس بَد رُوحِ گِرَفْتہ آدمی نے ”یسوع کو دیکھا۔“ تو دُور سے دوڑا آیا۔ پہلے تو

وہ عزت سے پیش آیا، پھر تلخی سے شکایت کرنے لگا۔ یہ کیسی دہشت ناک اور سچی تصویر ہے

کہ — ایک شخص جھکا ہوا خداوندنا کر رہا ہے — فریاد اور منت کر رہا ہے — ایمان رکھتا ہے مگر مزاحمت آمادہ اور خوفزدہ بھی ہے — دُہری شخصیت — آزادی اور مخلصی کا آرزو مند، مگر مسیح کے مقابلے پر آمادہ —

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعات کی صحیح ترتیب کیا تھی، مگر کچھ یوں ہوگی :

۱- آسیب زدہ آدمی نے خداوند یسوع کے لئے عزت و احترام کا عملی اظہار کیا (آیت ۶)۔

۲- یسوع نے "ناپاک رُوح" کو حکم دیا کہ "اس آدمی میں سے نکل آ" (آیت ۸)۔

۳- بدرُوح نے اُس آدمی کے وسیلے سے بولتے ہوئے تسلیم کیا کہ یسوع کون ہے۔

پھر یسوع کے مداخلت کرنے کے حق کو چیلنج کیا اور قسم دے کہ درخواست کی کہ

"مجھے عذاب میں نہ ڈال" (آیت ۷)۔

۴- یسوع نے اُس کا نام "پوچھا۔ اُس کا نام "لشکر" تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

اُس کے اندر بہت سی بدرُوحیں تھیں (آیت ۹)۔ اس سے آیت ۲ کی نفی نہیں ہوتی

جہاں لکھا ہے کہ اُس "میں ناپاک رُوح تھی" (واحد)

۵- غالباً بدرُوحوں کے ایک نمائندے نے درخواست کی کہ "ہم کو ان سُواروں میں بھیج

دے" (آیات ۱۰-۱۲)۔

۶- اجازت مل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی دو ہزار سُوار... کڑاڑے پر سے جھپٹ کر

... جھیل میں ڈوب مرا" (آیت ۱۳)۔

اکثر اعتراض کیا جاتا ہے کہ خداوند نے ان سُواروں کو ہلاک کر دیا اور مالکوں کا نقصان ہوا۔

مگر اس معنی میں کئی نکات قابلِ غور ہیں :

۱- اُس نے ہلاک نہیں کیا تھا، اُس نے اجازت دی تھی۔ شیطان کی تباہ کرنے کی قوت نے

ان کو ہلاک کیا۔

۲- یہ کہیں درج نہیں کہ مالکوں نے اعتراض کیا ہو۔ شاید وہ یہودی تھے جن کو سُوار

پالنے کی عادت تھی۔

۳- ایک انسان کی رُوح ساری دنیا کے سُواروں سے زیادہ قیمتی ہے۔

۴- اگر ہمیں یسوع کے برابر علم ہوتا تو ہم بھی وہی کچھ کرتے جو اُس نے کیا۔

۵- ۱۴-۱۷۔ جن افراد نے سُواروں کو ہلاک ہوتے دیکھا تھا، انہوں نے "بھاگ کر شہر اور

دیہات میں خبر پہنچائی۔“ وہاں سے ایک بھیڑ اٹھی ہو کر آگئی۔ انہوں نے دیکھا کہ جس آدمی میں بد رُوہیں تھیں وہ بھلا پتنگا ہے یعنی کبڑے پہننے اور پوش میں “یسوع کے قدموں میں بیٹھا ہے۔ اب سارے لوگ ”ڈر گئے“ کسی نے کہا ہے کہ ”وہ اُس وقت بھی ڈر گئے تھے جب اُس نے جھیل پر طوفان کو ساکن کر دیا تھا۔ اور اب بھی ڈر گئے جب اُس نے انسانی رُوہ کے طوفان کو ساکن کیا ہے۔“ دیکھنے والوں نے اُن سے اُنے والوں کو سارا ماجرا سنایا۔ اُن لوگوں کے لئے یہ بات اتنی بڑی تھی کہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ یسوع کی منت کرتے لگے کہ ”ہماری سرحد سے چلا جا۔“ اس سارے واقعے میں افسوس ناک بات یہی ہے۔

بے شمار لوگ آج بھی چاہتے ہیں کہ یسوع ہم سے دُور ہی رہے کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ اُس کی قربت سے کوئی سماجی، مالی یا ذاتی نقصان نہ ہو جائے۔ اپنے مال و متاع کو بچانے کی کوشش میں وہ اپنی رُوہوں کا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

۱۸۰۵ء-۲- جب یسوع ”رکشتی میں“ سوار ہو کر جانے لگا تو شفا پا جانے والے آدمی نے ”منت کی“ کہ مجھے بھی ساتھ لے چل۔ بہت مناسب درخواست تھی جس سے اُس کی نئی زندگی کی تصدیق ہوتی ہے مگر یسوع نے اُسے ”اپنے گھر“ بھیج دیا تاکہ وہ اپنے لوگوں کے لئے خدا کی قدرت اور رحم کی زندہ گواہی ہو۔ اُس آدمی نے حکم کی تعمیل کی اور کیپلس یعنی دس شہروں کے علاقے میں خوشخبری کا پرچا کرنے لگا۔

جن لوگوں کو خدا کے نجات بخش فضل کا تجربہ ہوا ہے، اُن کے لئے یہ مستقل حکم ہے کہ اپنے لوگوں کے پاس اپنے گھر جا اور اُن کو خبر دے کہ خداوند نے تیرے لئے کیسے بڑے کام کئے اور تجھ پر رحم کیا۔“ منادی گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اول خویش بعد درویش۔

سی۔ لا علاج کو شفا دینا اور مُردوں کو زندہ کرنا (۲۱: ۵-۴۳)

۲۱: ۵-۲۳۔ وہ ٹھیل کی نیلگوں جھیل کے مغربی کنارے پر واپس آگئے۔ خداوند کو بہت

جلد ایک ”بڑی بھیڑ“ نے گھیر لیا۔ ایک باپ دیوانہ وار دوڑتے ہوئے اُس کے پاس آیا۔ یہ عبادت خانہ کے سرداروں میں سے ایک شخص یا سُر تھا۔ اُس کی چھوٹی بیٹی ”قریب الموت تھی۔“ وہ منت کرنے لگا کہ یسوع چل کر اُس پر اپنے ہاتھ رکھے اور اُسے شفا دے۔

۲۴: ۵۔ خداوند نے اُس کی بات مانی اور اُس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ ایک بھیڑ اُس

کے پیچھے ہوئی اور لوگ اُس پر گرے پڑتے تھے۔ بڑی دلچسپ بات ہے کہ پہلے تو بیان ہوتا ہے کہ لوگ اُس پر گرے پڑتے تھے اور اس کے فوراً بعد شفا کے لئے اُسے چھوٹے کا بیان ہے۔

۵: ۲۵-۲۹۔ یسوع یاسر کے گھر کی طرف جا رہا ہے کہ ایک پریشان حال عورت حامل ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند نے دق ہوئے اُس سے ناراض ہوئے۔ اگر کوئی ہمارے کام میں مُنہ یا حامل ہو تو ہمارا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟

انسان دن بھر کے کام کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس میں جتنی بھی مداخلت یا رکاوٹ ہوتی ہے، وہ خدا کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے کہ انسان اپنے کام کے بارے میں خود غرض نہ ہو جائے۔ ہم اکثر سوچتے ہیں کہ یہ ضیاعِ وقت ہے، مگر ایسا نہیں بلکہ دن بھر کے کام کا نہایت ضروری حصہ ہوتا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جو انسان خدا کی نذر کر سکتا ہے۔

اُس عورت کے ”بارہ برس سے“ خون جاری تھا۔ اُس نے ”بہت طبیعوں“ سے علاج کروایا تھا۔ اُنہوں نے یقیناً زبردست سے زبردست علاج کیا ہوگا۔ اُس کا مال خرچ ہو چکا تھا، مگر وہ پہلے سے ”زیادہ بیمار“ ہو گئی تھی۔ جب اُسے صحت یابی کی کوئی اُمید نہ رہی تو کسی نے اُسے یسوع کی خبر دی۔ وہ بلا توقف اُسے ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئی۔ وہ بھیڑ میں سے راستہ بناتی ہوئی یسوع تک پہنچی اور اُس کی پوشاک کو چھوا۔ اُس کا خون بہنا فوراً بند ہو گیا اور اُس نے محسوس کیا کہ میں مکمل طور پر صحت یاب ہو گئی ہوں۔

۵: ۳۰۔ اُس نے منصوبہ بنا رکھا تھا کہ بچکے سے چلی جاؤں گی مگر خداوند نہیں چاہتا تھا کہ وہ اُس برکت سے محروم رہ جائے جو منجی کا علانیہ اقرار کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جب عورت نے اُسے چھوا تو اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ ”مجھ میں سے قوت نکلی“ ہے اس لئے اُس نے پوچھا کہ کس نے میری پوشاک چھوئی؟ وہ جواب جانتا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ وہ عورت کو پھیرنے کے رو برو لائے۔

۵: ۳۱۔ اُس کے شاگردوں کا خیال تھا کہ یہ عجیب سا سوال ہے کیونکہ لوگ تو اُس پر گرے پڑتے تھے، یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ ”مجھے کس نے چھوا؟“ مگر جسمانی طور پر چھونے اور ایمان سے چھونے میں فرق ہے۔ ممکن ہے کہ انسان ہمیشہ اُس کے قریب رہے مگر اُس پر ایمان نہ لائے۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی اُسے ایمان سے چھوئے اور خداوند

کو معلوم نہ ہو اور چھوٹے والا شفا نہ پائے۔

۵: ۳۲-۳۳۔ ”وہ عورت... ڈرتی اور کانپتی ہوئی“ سامنے آگئی۔ وہ اُس کے

اگے گر پڑی اور سب لوگوں کے سامنے یسوع کا پہلا اقرار کیا۔

۵: ۳۴۔ پھر خداوند نے وہ الفاظ کہے جس سے عورت کی رُوح کو تسلی اور یقین حاصل

ہوا۔ مسیح کا علانیہ اقرار کرنا بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر مسیحی زندگی کی نشوونما

نہیں ہو سکتی۔ جب ہم دلیری کے ساتھ اُس کا اقرار کرتے ہیں تو وہ ہماری رُوح کو ایمان کے

پورے یقین کے ساتھ معمور کر دیتا ہے۔ خداوند یسوع کے الفاظ نے نہ صرف اُس کی جسمانی

شفا یابی کی تصدیق کر دی بلکہ رُوح کی نجات کی بڑی برکت کے بارے میں بھی کوئی شک نہ

رہا۔

۵: ۳۵-۳۸۔ اس وقت تک یاٹر کے گھر سے پیغام آ گیا کہ ”تیری بیٹی مر گئی ہے۔“

اب ”استاد“ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ خداوند نے بڑی مہربانی اور لطافت

کے ساتھ یاٹر کو تسلی دی۔ پھر وہ صرف ”پطرس، یعقوب اور... یوحنا“ کو ساتھ لے کر

یاٹر کے گھر گیا۔ وہاں دیکھا کہ ”فلٹر ہو رہا ہے“۔ دستور کے مطابق کرائے کے ماتم

کرنے والے ”غلّ مچاتے اور روتے“ تھے۔

۵: ۳۹-۴۲۔ یسوع نے اُن کو یقین دلایا کہ ”لڑکی مر نہیں گئی بلکہ سوتی ہے“ تو وہ

ماتم اور رونا بند کر کے ”اُس پر ہنسنے لگے۔“ مگر یسوع نے اُن کی کچھ پروا نہ کی بلکہ گھر کے

افراد کو ساتھ لے کر کمرے میں گیا جہاں لڑکی ساکت پڑی تھی۔ اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر ارامی

زبان میں کہا ”تلیتا قومی“ یعنی ”اے لڑکی میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ۔“ وہ بارہ سالہ لڑکی ”فی الفور

اٹھ کر چلنے پھرنے لگی۔“ رشتہ دار ہلکا بکاڑہ گئے اور بلاشبہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

۵: ۴۳۔ یسوع نے انہیں اس معجزے کا چرچا کرنے سے منع کیا۔ وہ لوگوں سے واہ

واہ کروانے کا روادار نہ تھا۔ اُس نے تو صلیب تک پہنچنے کا عزم مصمم کر رکھا تھا۔

اگر لڑکی واقعی مریچکی تھی تو یہ باب واضح کرتا ہے کہ خداوند کو بدروحوں، بیماریوں

اور موت پر قدرت حاصل تھی۔ بائبل مقدس کے کئی علماء اتفاق نہیں کرتے کہ لڑکی مر

چکی تھی۔ یسوع نے بھی کہا تھا کہ ”لڑکی مر نہیں گئی بلکہ سوتی ہے“۔ شاید وہ گہری بے ہوشی

میں تھی جسے ”کوما“ (coma) کہا جاتا ہے۔ وہ اُسے باآسانی مُردوں میں سے بھی

جلا سکتا تھا، مگر وہ اس بات پر تیار نہیں ہو سکتا ہے کہ بے ہوش کو ہوش میں لا کر مردوں میں سے جلانے کی تعریف کروائے۔

ہمیں باب کے اختتامی الفاظ پر بھی غور کرنا چاہئے۔ ”اور فرمایا کہ لڑکی کو کچھ کھانے کو دیا جائے۔“ مسیح ایک کام شروع کر کے اُسے چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اُس کے اگلے مراحل کو پورا کرنے کے لئے عملی اقدام کرتا ہے۔ جن رُوحوں کو نئی زندگی کی دھڑکن کا تجربہ ہو جاتا ہے، اُن کو مزید کچھ کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاگرد کے لئے اپنے نجات دہندہ کے لئے محبت کے اظہار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُس کی بھیڑیں چرائے۔

ک۔ ناصرت میں خادم کو روک دیا جاتا ہے (۶: ۱-۶)

۶: ۱-۳۔ یسوع ”اپنے شاگردوں“ کے ہمراہ ”اپنے وطن“ ناصرت میں واپس آیا۔ یہاں وہ بطور بڑھئی کام کرتا رہا تھا۔ ”سبت کے دن... وہ عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا۔ لوگ حیران ہو گئے اور اُس کی حکمت اور معجزوں کا انکار نہ کر سکے، مگر وہ کسی صورت اُسے خدا کا بیٹا ماننے کو آمادہ نہ تھے۔ وہ اُسے ”وہی بڑھئی“ اور ”مریم کا بیٹا“ ہی سمجھتے تھے۔ اُس کے بھائی اور بہنیں وہیں تھیں۔ اگر وہ ایک خارج بیرو کی طرح ناصرت واپس آتا تو وہ اُسے خوشی سے قبول کرتے مگر وہ فروتنی اور انکساری کے ساتھ آیا، اس سبب سے انہوں نے ”ٹھوکر کھائی“۔

۶: ۴-۶۔ یہ دیکھ کر ”یسوع“ نے کہا کہ ”نبی“ عموماً اپنے وطن سے دُور زیادہ عزت پاتا ہے۔ اُس کے رشتہ دار اور دوست اتنے قریب ہوتے ہیں کہ اُس کی شخصیت یا خدمت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے، نہ اُس کی قدر و قیمت کو جان سکتے ہیں۔ خداوند کے لئے خدمت کرنا جتنا اپنے علاقے (گھر) میں مشکل ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا۔ لوگ خود ناصریوں کو بھی حقیر سمجھتے تھے۔ عام رویہ یہ تھا کہ ”کیا ناصرت سے کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے؟“ (یوحنا: ۶: ۶)۔ مگر یہ سماجی اچھوت بھی خداوند یسوع کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ انسانی دل کے تکبر اور بے اعتقادی پر کیسا نمایاں تبصرہ ہے۔ اُن کی بے اعتقادی ناصرت میں منجی کے کام کی راہ میں رُکاوٹ ثابت ہوئی۔ وہ ”صرف تھوڑے سے بیماروں“ کو اچھا کر سکا۔ اور اُس نے اُن کی بے اعتقادی پر تعجب کیا۔

جے۔ جی مگر خبردار کرتا ہے کہ

”اس قسم کی بے اعتقادی سے بے حد برے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ فضل اور رحم کے راستے بند ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ضرورت مند انسانی زندگیوں تک صرف چند قطرے ہی پہنچ پاتے ہیں۔“

یہاں یسوع کو پھر تنہائی اور تحقیر کا مزہ چکھنا پڑا کہ اُسے غلط سمجھا گیا تھا۔ اُس کے بہت سے پیرو بھی اس غم میں شریک ہوتے ہیں۔ خداوند کے خادم اکثر نہایت عاجزانہ اور مُکسرانہ لباس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا ہم ظاہری شکل و صورت سے آگے دیکھنے اور حقیقی روحانی قدر و قیمت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ یسوع ناصرت میں رد کیا گیا، مگر وہ اس بات سے خوفزدہ نہ ہوا بلکہ ”وہ چاروں طرف کے گاؤں میں تعلیم دیتا پھرا“

ل۔ خادم اپنے شاگردوں کو بھیجتا ہے۔ (۶: ۷-۱۳)

اب وقت آ گیا تھا کہ ”اُن بارہ“ کو دنیا میں بھیجا جائے۔ وہ خداوند سے بے مثال تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ اُس کی لاثانی زنگرنی اور تربیت میں رہے تھے۔ اب اُن کو جلالی پیغام کے نقیب بن کر جانا تھا۔ اُس نے انہیں ”دو دو کر کے بھیجا“۔ اس طرح دو دو گواہوں کے مُنہ سے منادی کی تصدیق ہو جائے گی۔ مزید برآں اکٹھے سفر کرنے میں ایک دوسرے کی مدد اور تقویت ہوگی۔ اور دو کی اُن مقامات پر موجودگی مددگار ثابت ہو سکتی ہے جہاں کلیسیاؤں کی اخلاقی حالت کمزور ہو۔ اس کے ساتھ ہی خداوند نے ”اُن کو ناپاک رُوحوں پر اختیار بخشا“۔ یہ بات نہایت قابلِ توجہ ہے۔ بد رُوحوں کو زکاتنا ایک خاص کام ہے۔ صرف خدا ہی یہ اختیار اور قوت عطا کر سکتا ہے۔

۶: ۸۔ اگر خداوند کی بادشاہی اس دنیا کی ہوتی تو وہ کبھی وہ ہدایات نہ دیتا جو آیات ۸-۱۱ میں درج ہیں۔ وہ اُن ہدایات کے بالکل الٹ ہیں جو ایک عام دنیاوی لیڈر دیتا ہے۔ شاگردوں کو بغیر کسی زاوہ کے جانا تھا۔ ”نہ روٹی، نہ جھولی، نہ اپنے کمر بند میں پیسے“۔ انہیں اعتقاد رکھنا تھا کہ خدا ہماری ضروریات پوری کرے گا۔

۶: ۹۔ اُن کو صرف اپنی ”جو تیاں“ اور ”لاٹھی“ ساتھ لے جانے کی اجازت تھی۔ لاٹھی غالباً جانوروں سے حفاظت کی غرض سے تھی۔ اُن کو گنا بھی صرف ایک ہی پہننا تھا۔ یقیناً کوئی شخص بھی شاگردوں کے مال و اسباب پر حسد نہیں کر سکتا، اور نہ اس طرح کے دولت مند

ہونے کی اُمید سے مسیحیت کے لئے کشش محسوس کر سکتا ہے۔ اور جو اختیار اور طاقت شاگردوں کو حاصل تھی، وہ بھی خدا کی طرف سے تھی۔ اُن کا کابل انحصار اُسی پر تھا، مگر وہ خدا کے بیٹے کے نمائندے تھے۔ اُس کی قوت اور اختیار سے ملبس تھے۔

۱۰:۶۔ اُن کو ہدایت تھی کہ جہاں تمہیں مہمان نوازی کی پیشکش ہو اُسے قبول کرو اور اُس علاقے سے روانہ ہونے تک ”اُسی گھر میں رہو“۔ اس ہدایت نے زیادہ آرام دہ رہائش گاہ تلاش کرنے کے راستے بھی بند کر دیئے۔ اُن کا مشن اُس ہستی کے پیغام کی منادی کرنا تھا، جو اپنی خوشی کا خیال نہیں کرتا، جو اپنی بہتری نہیں چاہتا۔ اُن کو پیغام کی خاطر آسائش و آرام کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرنا تھا۔

۱۱:۶۔ اگر کسی علاقے میں شاگردوں اور اُن کے پیغام کو رد کر دیا جانا تو وہ قیام کرنے کے پابند نہیں تھے۔ ایسا کرنا گویا سٹوڈنٹوں کے آگے موٹی ڈالنے کے مترادف تھا۔ خداوند نے کہا کہ ”وہاں سے چلتے وقت اپنے نلوں کی گرد جھاڑ دو“۔ یہ علامت ہے کہ جو خدا کے پیارے بیٹے کو رد کرتے ہیں خدا اُن کو رد کرتا ہے۔

اگرچہ کچھ ہدایات عارضی نوعیت کی تھیں اور بعد میں خداوند یسوع نے واپس لے لی تھیں (کوٹنا ۲۲: ۳۵-۳۶) مگر اُن کے پیچھے مستقل اصول ہیں۔ اور خدا کے خادم کو ہر زمانے میں اُن کو نظر میں رکھنا چاہئے۔

۱۲:۶-۱۳۔ شاگردوں نے ”روانہ ہو کر منادی کی کہ تو یہ کرو۔ اور بھننے سی بدرجوں کو نکالا اور بہت سے بیماروں کو تیل مل کر اچھا کیا۔“ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ تیل سے مسح کرنا ایک علامت ہے اور رُوح القدس کی تسکین بخش قوت کی تصویر پیش کرتا ہے۔

م۔ خادم کے پیش رو کا سر قلم کیا جاتا ہے (۶: ۱۴-۲۹)

۱۴:۶-۱۶۔ بادشاہ ہیرودیس کو یہ خبر پہنچی کہ ایک مُعجزے کرنے والا شخص سارے ملک میں گھومنا پھرتا ہے تو وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ ”یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے۔۔۔ جی اٹھا ہے“ جبکہ بعض لوگ کہتے تھے کہ ”ایلیاہ ہے۔۔۔ (یا) نبیوں میں سے کسی کی مانند ایک نبی ہے۔“ مگر ہیرودیس کو یقین تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کا سر میں نے کٹوایا تھا۔ یوحنا بپتسمہ دینے والا خدا کی طرف سے ایک آواز تھا۔ ہیرودیس نے اُس آواز کو خاموش کر دیا تھا۔ اب

ضمیر ہیرو دیس کو زبردست چوکے دے رہا تھا۔ اُس کو سیکھنا تھا کہ خطا کار کی راہ سخت ہوتی ہے۔

۱۷:۶-۲۰۔ اب کمانی وقت کے اعتبار سے پیچھے جاتی ہے جب یوحنا کو قتل کروایا گیا تھا۔ یوحنا پستمر دینے والا ہیرو دیس کو ملامت کرتا تھا کہ تُو نے "اپنے بھائی فلپس کی بیوی" سے بیاہ کر کے ناروا کام کیا ہے۔ اب ہیرو دیاس جو ہیرو دیس کی بیوی بن چکی تھی، سخت طیش میں آئی اور اُس نے انتقام لینے کی قسم کھائی۔ مگر ہیرو دیس یوحنا کو راست بازار اور مقدس آدمی جان کر "اُس کا احترام کرنا اور ہیرو دیاس کی کوششوں کو ناکام بنائے رکھنا تھا۔

۲۱:۶-۲۵۔ بالآخر ہیرو دیاس کو موقع مل گیا۔ ہیرو دیس کی "سالگرہ" کا جشن تھا۔ مقامی معززین حاضر تھے۔ "ہیرو دیاس" نے بندوبست کیا اور اُس کی بیٹی نے ناچ کر سب کا دل خوش کر دیا۔ ہیرو دیس نواتنا خوش ہوؤا کہ (طکی سے کہنے لگا "جو چاہے مجھ سے مانگ ... آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا۔" ماں کی ترغیب پر طکی نے درخواست کی "یوحنا پستمر دینے والے کا سر ایک تھال میں اکھی مجھے منگوا دے۔"

۲۶:۶-۲۸۔ اب "بادشاہ" پھنس گیا۔ اپنی مرضی اور عقل سلیم کے خلاف اُس نے درخواست منظور کر لی۔ گناہ نے اُس کے گردانا بانا بن لیا تھا۔ اور یہ باجگزار بادشاہ ایک عورت کی شیطنت اور ہیجان انگیز رقص کا شکار بن گیا۔

۲۹:۶۔ جب اس ماجرے کی خبر یوحنا کے وفادار "شاگردوں" کو پہنچی انہوں نے آکر "اُس کی لاش" حاصل کی، اُسے کفنا یا دفنایا اور جا کر یسوع کو بتایا۔

ن۔ پانچ ہزار کو کھلانا (۶: ۳-۴۴)

۳۰:۶۔ یہ معجزہ جس کا بیان چاروں انجیلوں میں ہے، خداوند کی علانیہ خدمت کے تیسرے سال کے اوائل میں کیا گیا۔ شاگرد اپنے منادی کے پہلے مشن سے واپس کفرخوم آئے تھے (دیکھئے آیات ۷-۱۳)۔ شاید وہ اپنی کامیابی کے بوش میں بھرے ہوئے تھے۔ شاید تھکے ماندہ تھے اور اُن کے پاؤں دکھتے تھے۔ خداوند نے دیکھا کہ اُن کو آرام اور سکون کی ضرورت ہے، اس لئے وہ انہیں کشتی میں ساتھ لے کر "الگ ایک ویران جگہ میں چلے گئے"۔ یہ جگہ گلیل کی جھیل کے کنارے تھی۔

۳۲:۳۱-۶ - مسیحی لوگ آرام و آسائش کے ساتھ چھٹیاں منانے کے لئے اکثر اس آیت کو موقف بناتے ہیں ”تم آپ الگ ویران جگہ میں چلے آؤ اور ذرا آرام کرو۔“ کیلی لکھتا ہے:

”بہتر ہوتا کہ ہمیں اس قسم کے آرام کی زیادہ ضرورت ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری محنت و کاوش اتنی زیادہ ہوتی، دوسروں کے لئے برکت کی خاطر ہماری بے لوث کوشش اتنی مسلسل ہوتی کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے کہ خداوند کا یہ فرمان ہمارے واسطے ہے۔“

۳۳:۶، ۳۴-۶ - پھیل کے کنارے خشکی کے راستے سے ایک بڑی بھیڑ خداوند اور اُس کے شاگردوں کے پیچھے آگئی۔ یسوع کو ”اُن پر ترس آیا“ وہ بغیر کسی روحانی پیشوا کے، بھوکے پیاسے اور بے سہارا گھوم رہے تھے۔ چنانچہ وہ ”اُن کو بہت سی باتوں کی تعلیم دینے لگا۔“

۳۶:۳۵-۶ - ”جب دن بہت ڈھل گیا“ تو شاگرد بھیڑ کے بارے میں پریشان ہونے لگے کہ لوگ اتنے ہیں اور کھانے کو کچھ نہیں۔ وہ خداوند پر زور دیتے لگے کہ ”اِن کو رخصت کر دے۔ جس بھیڑ پر مُسجی کو ترس آیا تھا، اسی پر شاگردوں کو تاؤ آ رہا تھا۔ کیا ہم لوگوں کو مداخلت بے جا سمجھتے ہیں یا اس لائق جانتے ہیں کہ اُن سے محبت کی جائے؟“

۳۷:۳۷-۳۸ - یسوع نے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا ”تم ہی انہیں کھانے کو دو۔“ یہ تو بات ہی غلط اور الٹی معلوم ہو رہی تھی۔ پانچ ہزار مرد اور سب سے اور عورتیں ان کے جلاوہ اور پاس ہیں صرف پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں اور خُرا۔

۳۹:۶-۴۴ - اس سے بعد جو معجزہ ہوا اس میں شاگردوں نے وہ تصویر دیکھی کہ نجات دہندہ کس طرح بھوکوں مرقی دُنیا کو اپنا آپ دے گا کہ وہ زندگی کی روٹی ہے۔ اُس کا بدن توڑا جائے گا تاکہ دوسرے ہمیشہ کی زندگی پائیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں استعمال ہونے والے لفظ خداوند کی عشاء کا اشارہ دیتے ہیں جو اُس کی موت کی یادگاری میں منائی جاتی ہے۔ غور کریں۔ ”اُس نے... لیں... برکت دی...۔۔۔ توڑ کر... شاگردوں کو دیتا گیا۔“

شاگردوں نے اُس کے لئے اپنی خدمت کے بارے میں بھی اُمول سبق سیکھے کہ

۱۔ شاگردوں کو خداوند یسوع کی قدرت پر کبھی شک نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ہماری ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ وہ ”پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں“ سے ”پانچ ہزار مردوں کو کھلا سکتا ہے۔“ وہ ہر قسم کے حالات میں اپنے ایمان اور یقین رکھنے والے

خداؤں کی ساری ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ وہ بے فکر ہو کر اُس کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ انہیں سوچنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارے لئے کھانا کہاں سے آئے گا۔ اگر وہ پہلے خدا کی بادشاہی اور اُس کی راستبازی کو تلاش کریں گے تو ان کی ہر ضرورت پوری ہوگی۔

۲۔ اس فانی دنیا میں منادی کیسے ہو سکتی ہے؟ اسے کس طرح خداوند کے قدموں میں لایا جاسکتا ہے؟ یسوع کہتا ہے ”تم ہی انہیں کھانے کو دو“۔ اگر ہم جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے اُسے دے دیں، خواہ وہ ہماری نظر میں کتنا بھی کم یا بے حقیقت ہو تو وہ اُس پر اتنی برکت دے گا کہ بڑی سے بڑی بھیڑ برکتوں سے سیر ہو جائے گی۔

۳۔ اُس نے سارے کام کو بڑے فارعدہ اور تنظیم کے ساتھ کیا۔ لوگوں کو ”سوسو“ اور بیچناش پینچاش کی قطاروں میں بٹھایا۔

۴۔ خداوند نے روٹیوں اور مچھلیوں کو ”برکت دی“ اور انہیں ”توڑا“۔ اگر برکت نہ دینا تو کبھی کافی نہ ہوتیں۔ اور توڑی نہ جاتیں تو بالکل ناکافی رہتیں۔ ”ہم لوگوں کے لئے کیوں زیادہ برکت کا باعث نہیں بننے؟ اس لئے کہ ہمیں صحیح طور پر توڑا نہیں گیا۔“

۵۔ یسوع نے خوراک خود تقسیم نہیں کی۔ اُس نے اپنے ”شاگردوں“ کو یہ کام کرنے دیا۔ اُس کا منصوبہ یہ ہے کہ شاگردوں کے وسیلے سے لوگوں کو خوراک بہم پہنچائے۔

۶۔ وہ خوراک ”سب“ کے لئے کافی ثابت ہوئی۔ اگر ایماندار اپنی جاری ضروریات کے علاوہ جو کچھ ہے اُسے خداوند کے کام میں لگا دیں تو ساری دنیا اسی پشت میں خوشخبری سن سکتی ہے۔

۷۔ بچے ہوئے ”مکڑے“ (بھری ہوئی باڑہ ٹوکریاں) اُس مقدار سے زیادہ بھری جتنی سے اُس نے شروع کیا تھا۔ خدا کثرت سے دینے والا خدا ہے۔ مگر غور کریں کہ کچھ بھی ضائع نہیں کیا گیا۔ بچے ہوئے مکڑے جمع کر لئے گئے۔ ضائع کرنا گناہ ہے۔

۸۔ اگر شاگرد اپنے آرام کرنے کے منصوبے پر کار بند رہتے تو کبھی اتنا بڑا معجزہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ یہ بات ہم پر کتنی مرتبہ صادق آتی ہے؟

س۔ یسوع جھیل پر چلتا ہے۔ (۶ : ۴۵-۵۲)

۵۰-۴۵:۶۔ نجات دہندہ اپنے خادموں کے لئے نہ صرف کھانا فراہم کر سکتا بلکہ اُن کی حفاظت

اور سلامتی کا بندوبست بھی کر سکتا ہے۔

یسوع نے اپنے شاگردوں کو کشتی کے ذریعہ جھیل کے مغربی کنارے کو روانہ کیا اور خود پہاڑ پر دُعا کرنے چلا گیا۔ رات کی تاریکی میں اُس نے دیکھا کہ وہ مخالف ہوا کے سامنے کھینٹے سے تنگ ہیں، تو وہ ”جھیل پر چلتا ہوا“ اُن کی مدد کو آیا۔ اُسے دیکھ کر پہلے تو وہ ڈر گئے کیونکہ خیال کیا کہ جھوت ہے۔ اس پر اُس نے اُن کی ڈھارس بندھائی اور اُن کی کشتی میں آگیا اور فوراً ہوا ختم ہو گئی۔

۵۱:۶-۵۲۔ یہ بیان ان الفاظ کے ساتھ ختم ہوتا ہے کہ ”اور وہ اپنے دل میں نہایت حیران ہوئے۔ اس لئے کہ وہ روٹیوں کے بارے میں نہ سمجھے تھے بلکہ اُن کے دل سخت ہو گئے تھے۔“

خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ روٹیوں کے معجزہ میں خداوند کی قدرت دیکھنے کے باوجود بھی وہ نہیں سمجھے تھے کہ اُس کے لئے کوئی کام بھی ناممکن نہیں۔ اُسے پانی پر چلنے ہوئے دیکھ کر انہیں حیران نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ اُس معجزے سے بڑا نہیں تھا جو انہوں نے ابھی ابھی دیکھا تھا۔ ایمان کی کمی نے دلوں کو سخت اور رُوحانی سمجھ کو دھندلا کر دیا تھا۔

کیسیا کو اس معجزے میں موجودہ دور اور اس کے اختتام کی تصویر نظر آتی ہے۔ پہاڑ پر مسیح آسمان پر اُس کی موجودہ خدمت کی تصویر پیش کرتا ہے کہ وہ ہماری شفاعت کر رہا ہے۔ شاگرد اُس کے خادموں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ زندگی کی آزمائشوں اور طوفانوں کے تھپڑے کھا رہے ہیں۔ بہت جلد نجات دہندہ اپنے لوگوں کے پاس واپس آنے کو ہے۔ وہ انہیں مصیبت اور خطرے سے چھڑائے گا اور بحفاظت آسمانی ساحل پر لے جائے گا۔

ع۔ خادم گنہگار کے علاقے میں شفا دیتا ہے

(۶ : ۵۳-۵۶)

خداوند پھر جھیل کے مغربی کنارے پر نظر آتا ہے۔ بیماروں نے پھر اُسے گھیر لیا۔ وہ ”جہاں کہیں“ جاتا لوگ ”بیماروں کو چار پائیوں پر ڈال کر“ وہیں اُس کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ بازار ایک لحاظ سے عارضی ہسپتال بن گئے۔ بیمار اُس کے آس پاس ہونا چاہتے تھے

”صرف اُس کی پوشاک کا کنارہ چھولیں۔“ اور جتنے اُسے چھوتے تھے شفا پاتے تھے۔“

ف۔ روایت بمقابلہ خدا کا کلام (۱:۷-۲۳)

۱:۷ ”فریسی اور... فقیہ“ یہودی مذہبی لیڈر تھے۔ انہوں نے روایات کا ایک سخت نظام قائم کر رکھا تھا۔ اس نظام کا نانا بابا خدا کی شریعت کے ساتھ ملا رکھا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے صحائف کے برابر اختیار اور سند حاصل کر لی تھی۔ بعض حالات میں تو وہ صحائف سے متصادم ہوتے یا شریعت کو کمزور ثابت کرتے تھے۔ یہ مذہبی لیڈر اپنے بنائے ہوئے آئین و قواعد کو نافذ کرنے میں خاص خوش محسوس کرتے تھے جبکہ لوگ بھیڑنے اُن کی مانتے تھے، اور رسومات کے ایسے نظام سے مطمئن تھے جس میں کوئی حقیقت نہ تھی۔

۲:۷-۲۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ فریسی اور فقیہ یسوع پر اس وجہ سے مکتہ چینی کرتے ہیں کہ اُس کے بعض شاگرد... بن دھوئے ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں۔“ یہاں مطلب یہ نہیں کہ کھانا کھانے سے پہلے شاگرد ہاتھ نہیں دھوتے تھے، بلکہ یہ کہ ہاتھ دھونے وقت وہ روایت کی مقرر کردہ ساری رسومات کو پوری تفصیل کے ساتھ ادا نہیں کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر وہ بازار گئے تھے تو انہیں رسمی طور پر غسل کرنا ضروری ہوتا تھا۔ دھونے دھلانے کا یہ پیچیدہ نظام برتنوں اور رکابیوں کو دھونے اور پانی میں ڈبونے تک پہنچتا تھا۔ فریسیوں کے بارے میں ایسی سٹیٹمنٹیں جو نرہیں رقوم طراز ہے :

”وہ یروشلیم سے چل کر اُس سے ملنے آئے۔ زندگی کے بارے میں اُن کا رویہ اتنا منفی اور عیب جو یا نہ تھا کہ اُن کو سوائے بن دھلے ہاتھوں کے کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ ہمارے گڑے ارضی کو چھونے والی عظیم ترین تحریک کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ تحریک جو انسانوں کے ذہنوں، روتوں اور بدنوں کو دھو کر پاک کر رہی تھی۔ اُن کی آنکھیں صرف سطحی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو دیکھتی تھیں، مگر بڑی اور عظیم باتوں کی طرف سے بند تھیں۔ چنانچہ تاریخ نے انہیں بھلا دیا ہے اور اس لئے بھلا دیا ہے کہ وہ منفی سوچ کے لوگ تھے۔ اگر یاد رکھا بھی ہے تو صرف اس پس منظر کے طور پر جو مثبت سوچ کے مسیح کے

اُردو نفوذ کو اُجاگر کرنا ہے۔ اُنہوں نے پیچھے کیا چھوڑا؟ مکتبہ چینی اور عریب جوئی۔ مسیح نے کیا چھوڑا؟ دل کی تبدیلی۔ وہ غلطیاں اور خامیاں تلاش کرتے پھرتے تھے، یہ پیروکار تلاش کرتا تھا۔

۵: ۸۔ یسوع نے فوراً ایسے کردار کی ریاکاری کو بے نقاب کر دیا۔ یہ لوگ وہی کچھ تھے جس کی نبوت ”یسعیاہ“ نے کی تھی۔ وہ دعویٰ تو بہت کرتے تھے کہ ہم خداوند کے شیدائی ہیں، مگر باطن میں بگڑے ہوئے تھے۔ تفصیلی اور چھوٹی چھوٹی روایات پر عمل کر کے وہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم خدا کی عبادت کر رہے ہیں، مگر اُنہوں نے ان روایات کو پاک کلام کے عقائد اور تعلیمات کا متبادل بنا رکھا تھا۔ بجائے اس کے کہ ایمان اور اخلاق کے ہر معاملے میں وہ خدا کے کلام کو مستد مانتے، وہ اپنی روایات کے ذریعے سے پاک کلام کے واضح مطالبات کو باطل کر دیتے تھے اور اپنی ہی تشریحات اور تاویلات کو مستند مانتے تھے۔

۹: ۱۰۔ یسوع نے ایک واضح مثال پیش کی کہ ”روایت“ کس طرح ”خدا کی شریعت“ کو باطل کر رہی ہے۔ دس احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اولاد اپنے باپ کی اور اپنی ماں کی عزت کرے (اس میں ضرورت کے وقت اُن کی نگرہداشت اور پرورش کرنا بھی شامل ہے)۔ اگر کوئی ”باپ یا ماں کو برا کہے“ تو شریعت میں اس کے لئے موت کی سزا کا حکم ہے۔

۱۱: ۱۳۔ لیکن ایک یہودی ”روایت“ پیدا ہو گئی تھی جسے ”قریان“ کہتے تھے۔ اس کا مطلب ہے ”مقصود کیا گیا“ یا ”دسے دیا گیا“۔ مذہبی زبان میں ”نذر کر دیا گیا“۔ اب فرض کریں کہ کسی یہودی کے والدین کو سخت ضرورت ہے۔ اُن کے بیٹے کے پاس پیسہ بھی ہے جس سے وہ اُن کی نگرہداشت / پرورش کر سکتا ہے، لیکن وہ کرنا نہیں چاہتا۔ اُسے بس اتنا ہی کہنا ہوتا تھا کہ ”قریان“۔ اور مفہوم یہ ہوتا تھا کہ وہ پیسہ ”خدا“ یا ہیکل کی نذر ہو چکا ہے اور یوں وہ والدین کے لئے خرچ کرنے کی ہر ذمہ داری سے بری ہو جاتا تھا۔ وہ اس پیسے کو بے عمد و مدت کے لئے اپنے پاس رکھ سکتا اور کاروبار وغیرہ میں لگا سکتا تھا۔ اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ وہ پیسہ کبھی ہیکل میں دیا جاتا ہے یا نہیں۔ کیلیٰ اس سلسلے میں کہتا ہے کہ:

”لیڈروں نے مقصودہ وضع کر رکھا تھا جس سے وہ مال متاع اور جائیداد مذہبی مقاصد کے لئے حاصل کر لیتے تھے اور خدا کے کلام کے بارے میں لوگوں کے ضمیر کو مطمئن اور خاموش کر دیتے تھے... خدا نے حکم دیا تھا کہ انسان

اپنے ماں باپ کی عزت کرے اور وہی والدین کی ہر قسم کی تحقیر کو بُرا ٹھہراتا ہے۔
تاہم یہاں ایسے انسان موجود ہیں جو مذہب کے لبادہ میں خُدا کے دونوں حکموں کی
خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ”قربان“ کہنے کی اس روایت کو خُداوند نہ صرف والدین کے
ساتھ زیادتی بلکہ خُدا کے واضح اور صریح حکم کے خلاف بغاوت بھی قرار دیتا ہے۔“

۷: ۱۳-۱۶۔ ان آیات میں خُداوند نے ایک انقلاب آفرین اعلان کیا ہے کہ جو کچھ انسان کے
مذہب میں جاتا ہے (مثلاً بن دھوئے ہاتھوں سے کھانا، اُسے ناپاک نہیں کرتا بلکہ جو کچھ اُس کے اندر
سے نکلتا ہے (مثلاً روایات جو خُدا کے کلام کو باطل کرتی ہیں) وہ ناپاک کرتا ہے۔

۷: ۱۷-۱۹۔ ”شکرگد“ بھی خُداوند کی اِس بات سے بھونچکا رہ گئے۔ اُن کی پرورش اور
نشوونما بھی پُرانے عہد نامہ کے مطابق ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ سے مانتے آئے تھے کہ بعض قسم کے
کھانے مثلاً سُوار اور خرگوش کا گوشت اور بعض قسم کی مچھلیاں ناپاک ہیں اور اُن کا کھانا جائز نہیں۔
اب یسوع صاف صاف کہہ رہا تھا کہ انسان کے اندر جو کچھ جاتا ہے (یعنی کھانے) اُسے ناپاک
نہیں کرتا بلکہ جو کچھ اُس کے اندر (باطن / دل) سے نکلتا ہے، وہ ناپاک کرتا ہے۔ ایک مفہوم میں
یہ واضح نشان تھا کہ شریعت کا دور ختم ہو گیا ہے۔

۷: ۲۰-۲۳۔ ”جو کچھ آدمی میں سے نکلتا ہے، وہی آدمی کو ناپاک کرتا ہے۔“

خیال، حرام کاریاں، چوریاں، خون ریزیاں، زنا کاریاں، لالچ، بدیاں، مکر، شہوت پرستی، بے نظمی،
بدگوئی، شیخی، بیوقوفی۔ سیاق و سباق کے مطابق خیال یہ ہے کہ انسانی روایت کو بھی اِس فہرت
میں شامل کرنا چاہئے۔ ”قربان“ کی روایت تو نرہیزی (قتل) کے برابر ہے۔ شرارت سے کھائی
ہوئی قسم کے ٹوٹنے یا پورا ہونے سے پہلے والدین جھوکوں مرسکتے ہیں۔

کلام کے اِس حصے میں ایک بڑا سبق یہ ہے کہ ہمیں ہر قسم کی تعلیم اور روایت کو خُدا کے
کلام کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔ جو کچھ خُدا کی طرف سے ہو اُس پر عمل کریں، جو کچھ انسان کی طرف
سے ہو اُسے رد کر دیں۔ ہو سکتا ہے شروع میں کوئی انسان واضح طور پر کلام پاک کے مطابق تعلیم
دے، اور بائبل مقدس پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے درمیان مقبولیت حاصل کرے، اور
مقبولیت حاصل کر لینے کے بعد انسانی تعلیم کا اضافہ کرنے لگے۔ اُس کے وفادار پیرو تو یہ
خیال کرنے لگتے ہیں کہ وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا اور آنکھیں بند کر کے اُس کے پیچھے چلنے
لگتے ہیں، بے شک اُس کا پیغام پاک کلام کی تیز دھار کو گند کرتا چلا جائے یا واضح مطلب کا بھی

گلا گھونٹتا چلا جائے۔

فقہوں اور فریسیوں نے اسی طریقے سے سند اور اختیار حاصل کر رکھا تھا کہ وہ کلام کے اُستاد مانے جاتے تھے مگر اب وہ کلام کے ارادہ اور مقصد کو باطل کر رہے تھے۔ چنانچہ خداوند یسوع کو لوگوں کو خبردار کرنا پڑا کہ کلام انسان کو عزت اور سند دیتا ہے، انسان کلام کی عزت اور سند نہیں دے سکتا۔ کسوٹی ہمیشہ یہی ہے کہ ”کلام کیا کہتا ہے؟“

ص۔ ایک غیر قوم عورت اپنے ایمان کے باعث برکت پاتی ہے

(۷: ۲۴-۳۰)

۷: ۲۴، ۲۵۔ گزشتہ واقعہ میں یسوع نے ثابت کر دیا کہ ہر قسم کی خوراک پاک ہے۔ یہاں دکھاتا ہے کہ غیر قوم لوگ ناپاک نہیں ہیں۔ اب یسوع شمال میں واقع ”صُور اور صیدا کی سرحدوں میں گیا“۔ اس علاقے کو صُور فینیکے بھی کہتے تھے۔ وہ ایک گھر میں داخل ہوا اور نہ چاہتا تھا کہ کوئی جانے۔ لیکن اُس کی شہرت اُس سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔ جلد ہی لوگوں کو اُس کی موجودگی کا علم ہو گیا اور ایک غیر قوم ”عورت“ اُس کے پاس آ کر اپنی بدروح گرفتہ ”بیٹی“ کے لئے درخواست کرنے لگی۔

۷: ۲۶۔ ہم اس حقیقت پر زور دیں گے کہ وہ ”یونانی“ تھی۔ یہودی نہیں تھی۔ یہودی خدا کی برگزیدہ قوم تھے اور خدا کے حضور میں خاص اعزاز اور مرتبہ رکھتے تھے۔ اُس نے اُن کے ساتھ نہایت بڑے اور اعلیٰ وعدے کر رکھے تھے۔ اپنا کلام اُن کے سپرد کیا تھا۔ اور پہلے خیر اجتماع میں اور بعد میں ہیکل میں اُن کے درمیان سکونت کرتا تھا۔ اس کے برعکس غیر قوم لوگ اسرائیل کی سلطنت سے خارج اور وعدہ کے جہدوں سے ناواقف اور ناامید اور دنیا میں خدا سے جدا تھے (انسویوں ۲: ۱۱، ۱۲)۔ خداوند یسوع پہلے اسرائیلی قوم کے پاس آیا تھا۔ اُس نے خود کو بطور بادشاہ قوم کے سامنے پیش کیا۔ خوشخبری پہلے اسرائیل کے گھرانے کو سنائی گئی۔ یہ بات سمجھنا ضروری ہے تاکہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ اُس نے ”صُور فینیکے“ عورت سے جو سلوک کیا اُس کا پس منظر کیا ہے۔ جب اُس نے درخواست کی کہ یسوع ”بدروح کو اُس کی بیٹی میں سے نکالے“ تو لگتا ہے کہ اُس نے درخواست نامنظور کر دی تھی۔

۲۷:۷- یسوع نے کہا کہ ”پہلے لڑکوں (اسرائیلیوں) کو سیر ہونے دے۔“ اور یہ بھی کہ لڑکوں کی روٹی لے کر گنتوں (غیر قوم والوں) کو ڈال دینا اچھا نہیں۔“ اُس کا جواب انکار نہیں تھا۔ اُس نے کہا تھا ”پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے۔“ یہ لفظ بہت سخت معلوم ہوتے ہیں۔ دراصل ان سے اُس کی توبہ اور ایمان کا امتحان کرنا مقصود تھا۔ اُس وقت خداوند کی خدمت بنیادی طور پر یہودیوں کے لئے تھی۔ غیر قوم ہونے کے باعث خداوند یا اُس سے ملتے والے فوائد پر اُس کا کوئی حق نہیں تھا۔ کیا وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے کو تیار تھی؟

۲۸:۷- اُس نے یہ بات تسلیم کی۔ اُس نے جو کچھ کہا حقیقتاً اُس کا مطلب ہے کہ ”ہاں خداوند، میں ایک غیر قوم حقیر گناہوں۔ اور میں دیکھتی ہوں کہ گتے بھی میز کے تلے لڑکوں کی روٹی کے ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں۔ اور میری درخواست بھی صرف اتنی ہی ہے کہ یہودیوں کے درمیان تیری خدمت کے چند بچے ہونے ملکرے مجھے بھی دے دے۔“

۳۰، ۲۹:۷- یہ ایمان نہایت قابل تعریف ہے اور خداوند نے فی الفور اس کا اجر دے کر لڑکی کو دور ہی سے شفا عطا کی۔ جب وہ عورت گھر پہنچی تو بیٹی کو پورے طور پر صحت یاب پایا۔

ق - ایک بہرہ اور ہرکلا شفا پاتا ہے (۷: ۳۱-۳۷)

مسیحیہ روم کے ساحل سے خداوند ٹھیل کی جھیل کے مشرق کنارہ پر واپس آیا۔ یہ علاقہ ”دکلبیس“ کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں ایک واقعہ پیش آیا جو صرف مرقس کی انجیل میں مرقوم ہے۔ چند خیر خواہ دوست ”ایک بہرے کو جو ہرکلا بھی تھا اُس کے پاس لائے۔ ہیکلے پن کی وجہ شاید کوئی جسمانی نقص تھا یا چونکہ بہرے پن کے باعث اُس نے کبھی الفاظ صاف نہیں سُننے تھے، اس لئے درستی سے بول نہیں سکتا تھا۔ کچھ بھی ہو، وہ ایک گنہگار کی تصویر پیش کرتا ہے جو خدا کی آواز سُننے کو بہرہ ہے اور اسی باعث دوسروں کو خدا کے بارے میں بتانے سے قاصر رہتا ہے۔“

۳۳:۷- پہلے تو یسوع ”اُس کو بھیڑ میں سے الگ لے گیا۔“ پھر ”اپنی انگلیاں اُس کے کانوں میں ڈالیں اور ٹھوک کر اُس کی زبان چھوئی۔“ گویا اشاروں کی زبان میں اُسے سمجھایا کہ میں تیرے کان اور تیری زبان کھولنے کو ہوں۔ اس کے ساتھ ہی خداوند نے آسمان

کی طرف نظر کر کے ایک آہ بھری۔ اس سے ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میری قدرت خدا کی طرف سے ہے۔ ”آہ“ ظاہر کرتی ہے کہ مجھے گناہ کے باعث انسان کے دکھ اور مصیبت کا غم ہے۔ آخر میں اُس نے کہا ”افتح“ ارامی زبان کے اس لفظ کا مطلب ہے ”کھل جا۔“

۳۶:۳۵۔ اُس آدمی کے کان اور زبان ”فورا“ درست ہو گئے۔ خداوند نے لوگوں سے کہا کہ اس معجزے کا پرچہ نہ کریں، مگر انہوں نے اُس کی ہدایات کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ ہم نافرمانی کو کبھی جائز قرار نہیں دے سکتے، خواہ لوگوں کی تبت کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔

۳۷:۷۔ دیکھنے والے اُس کے معجزوں سے ”نہایت ہی حیران“ تھے۔ وہ کہتے تھے ”جو کچھ اُس نے کیا سب اچھا کیا۔ وہ بہروں کو سننے کی اور گونگوں کو بولنے کی طاقت دیتا ہے۔“ وہ اپنی بات کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ کلوڑی کو دیکھ لیتے تو زیادہ گہرے احساس اور قابلیت کے ساتھ یہ بات کہتے۔

۱۔ چار ہزار کو کھلانا (۸:۱-۱۰)

یہ معجزہ پانچ ہزار کو کھلانے کے معجزے سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ مگر دیکھئے کہ کن کن باتوں میں فرق ہے۔

چار ہزار	پانچ ہزار
۱۔ یہ لوگ غالباً غیر قوم تھے (دیکھیں) کے رہنے والے تھے۔	۱۔ یہ لوگ یہودی تھے (دیکھئے یوحنا ۶:۱۴)۔
۲۔ یہ بھیڑ تین دن سے اُس کے ساتھ تھی (۲:۸)۔	۲۔ یہ بھیڑ صرف ایک دن خداوند کے ساتھ رہی تھی (۳۵:۶)۔
۳۔ اُس نے سات روٹیاں اور تھوڑی سی چھوٹی مچھلیاں استعمال کیں (۸:۵)۔	۳۔ یسوع نے پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں استعمال کیں (متی ۱۴:۱۷)۔
۴۔ چار ہزار مردوں کے علاوہ عورتوں اور بچوں نے بھی سیر ہو کر کھایا (متی ۱۵:۳۸)۔	۴۔ پانچ ہزار مردوں کے علاوہ عورتوں اور بچوں نے بھی سیر ہو کر کھایا (متی ۱۴:۲۱)۔
۵۔ بچے ہوئے ٹکڑوں سے سات ٹوکڑے بھر گئے (۸:۸)۔	۵۔ بچے ہوئے ٹکڑوں سے بارہ ٹوکڑیاں بھری گئیں (متی ۱۴:۲۰)۔

جب چیریں تھوڑی تھیں، خداوند نے زیادہ لوگوں کو کھلایا اور زیادہ باقی بچا۔ جب زیادہ تھیں تو نسبتاً تھوڑے لوگوں کو کھلایا اور تھوڑا باقی بچا۔ باب ۷ میں ہم نے دیکھا کہ ایک غیر قوم عورت کے لئے ٹکڑے میز پر سے گرے۔ یہاں ایک بڑی غیر قوم بھیڑ کو کثرت سے کھلایا گیا۔ ارڈین کہتا ہے کہ :

”پہلا معجزہ ظاہر کرتا ہے کہ اس دور میں ضرورت مند غیر قوم افراد کے لئے میز پر سے روٹی کے ٹکڑے گر سکتے ہیں اور یہاں ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع کی قوم نے اُس کو رد کر دیا ہے اس لئے وہ ساری دنیا کے لئے اپنی جان دے گا اور ساری قوموں کے لئے زندگی کی روٹی ہوگا۔“

بعض لوگ چار ہزار کو کھلانے جیسے واقعات کے بارے میں کہتے ہیں کہ غیر ضروری طور پر دہرائے گئے ہیں۔ یہ بڑی حد تک خطرناک بات ہے۔ ہمیں بائبل مقدس کا مطالعہ اس قابلیت کے ساتھ کرنا چاہئے کہ اس کا ایک ایک لفظ روحانی سچائی سے بھرا ہوا ہے۔ البتہ بعض اوقات ہماری ناقص عقل اس تک پہنچ نہیں سکتی۔

۱۰:۸- کیپلس سے یسوع ”اپنے شاگردوں“ کے ہمراہ گلیل کی جھیل کو پار کر کے اُس کے مغربی کنارہ پر پہنچا اور ”دلنورتنہ کے علاقہ میں“ آیا (متی ۱۵: ۳۹ میں ٹنگن)۔

ش۔ فریسی آسمانی نشان طلب کرتے ہیں (۱۱:۸-۱۳)

۱۱:۸- ”فریسی“ اُس کے انتظار میں تھے۔ وہ آکر اُس سے ”کوئی آسمانی نشان“ طلب کرنے لگے۔ اُن کا اندھا پن اور جرات و بے باکی نہایت بڑھ گئی تھی۔ اُن کے سامنے تمام زمانوں کا عظیم ترین نشان یعنی خداوند یسوع مسیح خود کھڑا تھا۔ یقیناً وہ نشان تھا جو آسمان سے اُترتا تھا، لیکن وہ اُسے جان اور پہچان نہ سکے۔ وہ اُس کی بے مثال باتیں سُنتے تھے، اُس کے عجیب اور قادر معجزے دیکھتے تھے، ہر روز اُنہیں اُس قطعی بے گناہ ہستی سے واسطہ پڑتا تھا، خدا جسم میں ظاہر ہوا تھا مگر وہ اپنے اندھے پن میں ”آسمانی نشان“ طلب کرتے تھے۔

۱۳:۱۲، ۱۳- تعجب کیسا کہ منجی نے ”اپنی رُوح میں آہ کھینچی“۔ اگر دنیا کی تاریخ میں کسی پشت کو اعزاز ملا تھا تو وہ یہودی ”پشت“ تھی، اور یہ فریسی اُس کا حصہ تھے مگر اُن کو واضح ترین شہادت بھی دکھائی نہیں دیتی تھی کہ مسیح موجود ظاہر ہو گیا ہے۔ وہ زمین کی بجائے آسمان

پر معجزہ طلب کر رہے تھے، اور یسوع کہہ رہا تھا ”تمہیں کوئی اور نشان نہ دیا جائے گا۔ تمہیں موع دیا گیا مگر۔۔۔۔“ اور وہ اُن کو چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا“ یعنی گلیل کی جھیس کے مشرقی ساحل پر چلا گیا۔

ت۔ فریسیوں اور ہیرودیس کا خمیر (۸: ۱۴-۲۱)

۸: ۱۴-۱۵۔ سفر پر جاتے ہوئے ”شاگرد روٹی ہاتھ لینا بھول گئے تھے“۔ یسوع ابھی تک فریسیوں کے ساتھ اپنی جھڑپ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تب اُس نے اُن سے کہا ”خبردار! فریسیوں کے خمیر اور ہیرودیس کے خمیر سے ہوشیار رہنا“۔ بائبل مقدس میں خمیر ہمیشہ بُرائی کی مثال ہے جو خاموشی سے اور آہستہ آہستہ اتر کر جاتا ہے۔ ”فریسیوں کے خمیر“ میں ریاکاری، اپنے آپ کو راستیاز سمجھنا اور تعصب اور کٹر پن شامل ہے، جبکہ ”ہیرودیس کے خمیر“ میں شک پرستی، بد اخلاقی اور دنیا داری یا دنیا پرستی شامل ہے۔ ہیرودی انہی گناہوں کے باعث نمایاں تھے۔

۸: ۱۶-۲۱۔ شاگرد خداوند کی بات کو بائبل نہ سمجھے۔ اُن کے خیال میں صرف روٹیاں تھیں۔ چنانچہ خداوند نے بڑی تیزی سے اُن سے نو سوال پوچھے۔ پہلے پانچ سوالات میں اُن کی گندہنی پر سرزنش تھی، اور آخری چار میں اس بات پر ملامت تھی کہ وہ اُس کے ساتھ ہوتے ہوئے اپنی ضروریات کے پورا ہونے کی فکر کرتے تھے۔ کیا اُس نے پانچ روٹیوں سے پانچ ہزار کو نہیں کھلایا تھا اور بارہ ٹوکریاں نہیں اٹھائی تھیں؟ ہاں۔ کیا اُس نے سات روٹیوں سے چار ہزار کو نہیں کھلایا تھا اور سات ٹوکریاں نہیں بچے تھے؟ ہاں بچے تھے۔ تو پھر وہ کیوں نہیں سمجھے تھے کہ وہ کشتی میں موجود مٹھی بھر شاگردوں کی ضروریات کو کثرت کے ساتھ پورا کر سکتا ہے؟

ث۔ بیت صیدا میں اندھے آدمی کو شفا دینا

(۸: ۲۲-۲۶)

اس معجزے کا بیان صرف مرقس کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ یہاں کئی دلچسپ سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اول، شفا دینے سے پہلے یسوع اُس اندھے کو گاؤں سے باہر کیوں لے

کیا؟ اُس نے اُس آدمی کو صرف چھو کر شفا کیوں نہ دی؟ اور تھوک جیسی غیر رسمی چیز کیوں استعمال کی؟ آدمی کو مکمل بینائی فوراً کیوں حاصل نہ ہوئی؟ (انا جیل میں صرف یہی ایک شفا ہے جو بتدریج عمل میں آئی)۔ اور آخری سوال یہ ہے کہ یسوع نے گاؤں میں اس معجزہ کے بارے میں بتانے سے اُس آدمی کو کیوں منع کیا؟

خداوند یسوع اختیارِ کامل رکھتا ہے۔ لہذا ضروری نہیں کہ اپنے کاموں کے بارے میں ہمیں وضاحت پیش کرے۔ اگرچہ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے اُس نے جو کچھ کیا اُس کے پیچھے بالکل جائز وجوہات موجود تھیں۔ شفا دینے کا ہر واقعہ دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح ایمان لانے کا ہر واقعہ بھی دوسرے سے فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ایمان لاتے ہی تمنا یا روحانی بعیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض کو شروع میں دھندلا نظر آتا ہے اور رفتہ رفتہ نجات کے پتھر سے یقین تک پہنچتے ہیں۔

خ۔ پطرس کا عظیم اقرار (۸: ۲۷-۳۰)

اس باب کے آخری دو پیرے ہمیں شاگردوں کی تربیت (ٹریننگ) کے نقطہء عروج تک لے آتے ہیں۔ یسوع اُن کو بتانا چاہتا تھا کہ مجھے کونسا راستہ درپیش ہے۔ وہ اُنہیں دعوت دیتا تھا کہ تین وہی کے ساتھ میری پیروی کرو۔ اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ شاگرد گہرے طور پر جان لیں کہ یسوع کون ہے۔ زیرِ نظر پیرا ہمیں شاگرد دینے کے مرکز تک پہنچا دیتا ہے۔ آج کی سچی سوچ اور عمل میں غالباً اُس بات کو زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔

۸: ۲۷-۲۸۔ ”یسوع اور اُس کے شاگرد“ کچھ تنہائی اور سکون چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ انتہائی شمالی علاقے کی طرف روانہ ہوئے۔ ”قیصر یہ فلپی“ کو جاتے ہوئے اُس نے ایک خاص موضوع پر بات چیت شروع کی کہ ”لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟“ عام طور پر لوگ اُسے ایک ”بڑا یا عظیم شخص“ تسلیم کرتے تھے اور اُسے ”یوحنا بپتسمہ“ دینے والے یا ایلیاہ“ یا دوسرے ”نبیوں“ کے برابر مانتے تھے۔ لیکن انسان کی عطا کردہ عزت و حقیقت بے عزتی ہوتی ہے۔ اگر یسوع خدا نہیں، تو پھر دھوکے باز، پاگل یا خیالی داستان ہے، دوسرا کوئی امکان نہیں۔

۸: ۲۹، ۳۰۔ پھر خداوند نے ایک سیدھا سوال کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ شاگرد اُس کی قدر

کس انداز سے کرتے ہیں۔ پطرس نے بے تامل اعلان کیا کہ ”تو مسیح ہے“ یعنی مسیح موعود یا مسیح کیا ہوا ہے۔ عقلی طور سے تو پطرس اس بات کو جانتا تھا، مگر اس کی زندگی میں کوئی بات ہوئی تھی جس کے باعث اُسے گہری اور ذاتی قابلیت حاصل تھی۔ اب زندگی کبھی ویسے نہیں رہ سکتی تھی۔ پطرس ایسی زندگی سے مطمئن نہیں رہ سکتا تھا جس میں اپنی ذات کو مرکزیت حاصل ہو۔ اگر یسوع مسیح موعود ہے تو پطرس کے لئے لازم ہو گیا تھا کہ سب کچھ ترک کر کے صرف اُسما کے لئے چلے۔

ذ۔ خادمِ اپنی موت اور جی اٹھنے کی پیشین گوئی کرتا ہے

(۳۸-۳۱:۸)

اب تک ہم نے دیکھا ہے کہ یہوواہ کے خادم کی زندگی دوسروں کی متواتر خدمت کرنے کے لئے وقف تھی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دشمن اُس سے عداوت اور نفرت رکھتے تھے اور دوست اُس کو سمجھنے سے قاصر رہے تھے۔ ہم نے وہ زندگی دیکھی ہے جو عمل و حرکت کی قوت سے سرشار تھی، جو اخلاقی کمال کا نمونہ تھی، اور سراسر محبت اور حلیمی تھی۔

۳۱:۸۔ مگر خُدا کی خدمت کا راستہ دکھوں اور موت کی طرف جانا ہے۔ چنانچہ اب مُنجی

نے شاگردوں کو صاف صاف بتا دیا کہ ”ضرور ہے کہ ابن آدم (۱) بہت دکھ اٹھائے (۲) اور دیکھا

جائے (۳) قتل کیا جائے (۴) اور جی اٹھے۔“ اس کے لئے جلال کا راستہ صلیب اور قبر سے ہو کر گزرتا تھا۔ ایف۔ ڈبلیو گرانٹ کہتا ہے کہ ”خدمت کی اصل رُوح قربانی میں نظر آتی ہے۔“

۳۲:۸-۳۳۔ پطرس اس خیال کو قبول نہیں کر سکتا کہ یسوع کو دکھ اٹھانا اور مرنا ہوگا۔

یہ بات تو اُس کے مسیح موعود کے تصور کے بالکل خلاف ہے۔ وہ یہ سوچنا تک نہیں چاہتا کہ میرا خُداوند اور مالک اپنے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ وہ ایسی بات مُنہ سے نکالنے پر مُنجی کو

علامت کرنے لگا۔ اس پر یسوع نے پطرس سے کہا ”اے شیطان، میرے سامنے سے دُور

ہو کیونکہ تو خُدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“ یہ مت سمجھیں کہ

یسوع پطرس پر شیطان ہونے کا الزام لگا رہا تھا یا یہ کہ شیطان اُس کے اندر سکونت

کرتا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ ”تو ایسی بات کر رہا ہے جیسی کہ اگر شیطان یہاں ہوتا

تو کرتا۔ خُدا کی پوری فرمانبرداری کرنے سے وہ ہمیں ہمیشہ روکتا اور بے حوصلہ کرتا ہے۔ وہ

آزمائش میں ڈالتا ہے کہ تخت حاصل کرنے کے لئے آسان راستہ اختیار کریں۔ پطرس کے

الفاظ کا سرِ پشمہ شیطان تھا اور اسی بات پر خداوند کو غصہ آیا۔ کیلی اس سلسلے میں کہتا ہے کہ:

”کون سی بات تھی جس نے خداوند کو اتنا غصہ دلایا؟ یہاں بھی وہی پھندا تھا جو ہم سب کی راہ میں ہوتا ہے، یعنی اپنی جان بچانے کی خواہش۔ صلیب کی نسبت آسان راستے کو ترجیح دینا۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ ہم آزمائش، انگشت نما ہونے اور روکے جانے سے بچنا فطرتاً پسند کرتے ہیں؟ ہم ان دکھوں سے کترانا چاہتے ہیں جو خدا کی مرضی کو پورا کرنے میں آتے ہیں۔ جبکہ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں، اس میں ان کا آنا ضرور ہے۔ ہم زمین پر باعزت اور پرسکون راستے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دونوں جہانوں میں بہترین چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس پھندے میں پھنس جانا کس قدر آسان ہے! پطرس نہ سمجھ سکا کہ مسیح موعود کو دکھ کے اس سارے راستے کو طے کرنا کیوں ضروری تھا۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو شاید اس سے بھی بُری بات کہہ دیتے یا سوچتے۔ پطرس کی تلقین انسانی ہمدردی پر مبنی تھی۔ وہ سنجی سے دلی محبت رکھتا تھا۔ لیکن اُسے خبر نہ تھی کہ میرے اندر دنیا کی بے لگام رُوح بھی ہے۔“

غور کریں کہ پہلے یسوع نے ”مُرْکُرا اپنے شاگردوں پر ننگاہ کی اور اس کے بعد پطرس کو طامت کی“۔ گویا کہہ رہا تھا کہ ”اگر تم صلیب پر نہ چڑھو تو یہ، میرے شاگرد، کیسے بچیں گے؟“

۸:۳۴۔ پھر اُس نے اُن سے گویا یہ کہا ”میں اس لئے دکھ اٹھا رہا ہوں تاکہ انسان نجات پائیں۔ اگر تم میرے پیچھے آنا چاہتے ہو تو خود غرضی کی ہر خواہش سے انکار کرو۔ وہ لاسہ اختیار کرو جس میں طامت، دکھ اور موت ہے اور میرے پیچھے ہو۔“ تمہیں ذاتی آرام و آسائش، معاشرتی توشیہ، دنیاوی رشتے، بڑی بڑی تمنائیں، مال و دولت بلکہ اپنی جان کو بھی ترک کرنا ہوگا۔ اس قسم کے الفاظ ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ ہمارے لئے آرام و آسائش کی زندگی اختیار کرنا کہاں تک جائز ہے۔ ہم اپنے دل کی مادہ پرستی، خود غرضی اور سرد مہری کو کس طرح جائز قرار دے سکتے ہیں؟ اُس کے الفاظ تو ہمیں خود انکاری، تابع داری، دکھوں اور ایثار و قربانی کی زندگی کی طرف بلاتے ہیں۔

۳۵:۸ - اپنی جان بچانے کی آزمائش تو ہر وقت موجود رہتی ہے کہ ہم آرام و آسائش میں رہیں، مستقبل کے لئے انتظام کریں، اپنی پسند کے مطابق سب کچھ کریں، اور ہر بات میں ہماری ذات کو مرکزیت حاصل رہے۔ اور یہی اپنی جان کھونے کا یقینی راستہ ہے۔ یسوع مسیح بلاتا ہے کہ ہم اپنی جان اُس کی اور انجیل کی خاطر انڈیل دیں۔ اپنی جان، رُوح اور بدن اُس کی نذر کر دیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہمارا مال و جان اُس کی پاک خدمت میں خرچ ہو، اور ضرورت پڑے تو ہم دُنیا کو حلقہ بگوشی انجیل کرنے کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دیں۔ ”جان کھونے“ کا یہی مطلب ہے اور یہی جان بچانے کا یقینی راستہ ہے۔

۳۷:۱۳، ۳۷:۸ - اگر کوئی ایماندار دُنیا بھر کی دولت حاصل کر لے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا؟ کیونکہ وہ اپنی زندگی کو خدا کے جلال اور کھوئے ہوؤں کی نجات کے لئے استعمال کرنے کا موقع کھو دے گا۔ یہ گھاٹے کا سودا ہوگا۔ ہماری باتیں تو اُس ساری دولت سے زیادہ قیمتی ہیں جو دُنیا پیش کر سکتی ہے۔

۳۸:۸ - خداوند کو احساس تھا کہ میرے نوجوان شاگردوں میں سے بعض بے عزت ہونے کے خوف سے ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے انہیں یاد دلایا کہ جو میری خاطر بے عزت ہونے سے کترائے گا اُسے اُس وقت زیادہ بڑی شرمساری برداشت کرنی پڑے گی جب میں قدرت کے ساتھ زمین پر واپس آؤں گا۔ کیسا زبردست خیال ہے! خداوند یسوع بہت جلد اُس دُنیا میں واپس آ رہا ہے۔ اس دفعہ پستی کی حالت میں نہیں، بلکہ اپنے شخصی جلال اور اپنے باپ کے جلال میں پاک فرشتوں کے ہمراہ آ رہا ہے۔ یہ تابناک شان و شوکت کا منظر ہوگا۔ اُس وقت وہ اُن سے شرمائے گا جو اب اُس سے شرماتے ہیں۔ کاش اُس کے یہ الفاظ ہمارے دلوں میں اتر جائیں کہ ”جو کوئی اِس زنا کار اور خطا کار قوم میں مجھ سے ... شرمائے گا۔ اِس گناہ بھری اور بے وفا دُنیا میں اُس بے گناہ منجی سے شرمانا کیسی ناموزوں بات ہے!“

۴- خادم کا برونشلیم کو سفر (ابواب ۱۰، ۹)

۱- خادم کی صورت کا بدل جانا (۱:۹-۱۳)

خداوند نے شاگردوں پر واضح کر دیا کہ جس راہ پر یہی جا رہا ہوں، وہ کس قدر حقارت،

دکھوں اور موت کی راہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں دعوت دی کہ ایشیا و قریانی اور ترکِ نفس کی زندگیوں کے ساتھ میرے پیچھے ہوں۔ اب خداوند ان کو تصویر کا دوسرا رخ دکھا رہا ہے۔ اگرچہ اس زندگی میں انہیں شاگردیت کی بڑت بھاری قیمت ادا کرنا ہوگی لیکن بلاخبر اس کا جلالی اجر ملے گا۔

۹-۱-۷۔ خداوند نے گفتگو کا آغاز اس بات سے کیا کہ شاگردوں میں سے بعض...
خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آیا ہوا نہ دیکھ لیں، موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔
 اس کا اشارہ ”پطرس، یعقوب اور یوحنا“ کی طرف تھا۔ جس پہاڑ پر خداوند کی صورت بدل گئی تھی، وہاں انہوں نے ”خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آیا ہوا“ دیکھا۔ کلام کے اس حصے میں دلیل یہ ہے کہ اس دنیا میں ہم مسیح کی خاطر جو دکھ بھی اٹھاتے ہیں، اس کی آمد ثانی پر جب وہ اپنے خادموں کے ساتھ جلال میں ظاہر ہوگا ان دکھوں کا اجر کثرت کے ساتھ دیا جائے گا۔ اس پہاڑ کے حالات مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی کا عکس پیش کرتے ہیں۔

۱۔ یسوع کی ”صورت بدل گئی۔“ اس کی ذات سے چکا چوندا والا نور نکل رہا تھا۔ اس کی پوشاک بھی ”نورانی“ ہو گئی تھی۔ ایسی سفید کہ ”دنیا میں کوئی دھو بی ویسی سفید نہیں کر سکتا۔“
 پہلی آمد کے وقت مسیح کا جلال پردے میں تھا۔ وہ پستی کی حالت میں آیا۔ وہ مردِ غمناک اور رنج کا آشنا تھا، مگر آمد ثانی کے وقت وہ جلال کے ساتھ آئے گا۔ اس وقت کسی کو اس کے بارے میں قلعی نہیں لگے گی۔ سب دیکھیں گے کہ وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔

۲۔ ایلیاہ اور موسیٰ وہاں پر تھے۔ وہ نمائندگی کرتے ہیں (۱) پرانے عہد نامہ کے مقدسین کی یا (ب) شریعت (موسیٰ) اور نبیوں (ایلیاہ) کی یا (ج) ان مقدسین کی جو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

۳۔ ”پطرس، یعقوب اور یوحنا“ وہاں تھے۔ عام لحاظ سے وہ نئے عہد نامہ کے مقدسین کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یا ان ایمانداروں کی جو اس وقت زندہ ہوں گے جب مسیح کی ظاہری بادشاہی قائم کی جائے گی۔

۴۔ ”یسوع“ وہاں مرکزی شخصیت تھا۔ آسمان سے آنے والی ”آواز“ اور ”بادل“ نے پطرس کی اس تجویز کو باطل ٹھہرایا کہ وہاں ”تین ڈیرے“ بنائے جائیں۔ ضرور ہے

کہ ہر بات میں یسوع کا اول درجہ ہو۔ وہ عموماً ایل کی مملکت کا جلال ہوگا۔
۵۔ شاید وہ بادل 'شکینہ' تھا یعنی وہ بادل جو پرانے عہد نامہ کے زمانے میں خیمہ اجتماع اور یہیکل میں پاک نرین مقام پر ٹھہرا تھا۔

۶۔ وہ "آواز" تو خدا کی آواز تھی جس نے اعلان کیا کہ مسیح میرا پیارا بیٹا ہے۔
۸:۹۔ جب بادل ہٹ گیا تو شاگردوں نے "یسوع کے سوا اور کسی کو اپنے ساتھ پھر نہ دیکھا۔" یہ اُس بے مثال، جلالی اور فائق مقام کی تصویر تھی جو یسوع کو اُس وقت حاصل ہوگا جب خدا کی بادشاہی تدرت کے ساتھ آئے گی۔ اور یہی مقام آج اسے اپنے پیروؤں کے دلوں میں حاصل ہوتا چاہئے۔

۱۰:۹، ۱۰:۹۔ "جب وہ پہاڑ سے اترتے تھے تو اُس نے ان کو حکم دیا کہ جب تک ابن آدم مُردوں میں سے جی نہ اٹھے جو کچھ تم نے دیکھا ہے کسی سے نہ کہنا" وہ آخری نکتہ کو سمجھ نہ پائے۔ شاید وہ ابھی تک نہ سمجھے تھے کہ وہ قتل کیا جائے گا اور پھر جی اٹھے گا۔ وہ ان الفاظ پر حیران تھے کہ "جب تک... مُردوں میں سے جی نہ اٹھے"۔ یہودی ہونے کے باعث وہ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ سب زندہ رکھے جائیں گے، مگر یسوع اپنے جی اٹھنے کی بات کر رہا تھا۔ یہ نہیں کہ جب میں جی اٹھوں گا اُس وقت سب زندہ رکھے جائیں گے۔ یہ وہ سچائی ہے جس کا صرف نئے عہد نامے میں انکشاف ہوا ہے۔

۱۱:۹۔ شاگردوں کو ایک اور مشکل بھی درپیش تھی۔ ابھی ابھی اُن کو بادشاہی کا پیشگی نظارہ دکھایا گیا تھا۔ لیکن کیا ملائی نے پیشین گوئی نہیں کی تھی کہ ساری چیزوں کی بحالی کے شروع ہونے سے پہلے "ایلیاہ کا... آنا ضرور ہے" تاکہ مسیح موعود کا پیشرو ہو، اور اُس کی عالمگیر بادشاہی کے قائم ہونے کا راستہ تیار کرے (ملاکی ۴: ۵)؟ ایلیاہ کہاں ہے؟ کیا وہ فقیہوں کے کہنے کے مطابق پہلے آئے گا؟

۱۳:۱۲، ۱۳:۹۔ یسوع نے جواب دیا کہ "بے شک یہ درست ہے کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے۔ لیکن ایک اور اہم اور فوری سوال یہ ہے کہ کیا پرانے عہد نامہ کے صحائف یہ پیشین گوئی نہیں کرتے کہ "ابن آدم... بہت سے دکھ اٹھائے گا اور حقیر کیا جائے گا"؟ مگر جہاں تک ایلیاہ کا تعلق ہے، وہ "تو اچھا" (یوحنا، پیمتسمہ دینے والے کی ذات اور خدمت کی صورت میں)۔ لیکن لوگوں نے جیسا چاہا اُس کے ساتھ سلوک کیا، جیسا کہ ایلیاہ کے ساتھ بھی کیا تھا۔

یوحنا پستہ دینے والے کی موت پیشگی نشان تھا کہ لوگ ابن آدم کے ساتھ کیا کریں گے۔ انہوں نے پیرس رُود کو رد کیا وہ بادشاہ کو بھی رد کریں گے۔

ب۔ ایک بدروح گرفتہ لڑکا شفا پاتا ہے (۹: ۱۴-۲۹)

۱۴:۱۶-۱۶۔ شاگردوں کو اُس پہاڑ پر طیر سے ڈالنے کی اجازت نہ ملی۔ نیچے وادی میں کراہتی اور آہیں بھرتی ہوئی نسلِ انسانی اُن کی منتظر تھی۔ ضرورت اور محتاجی سے بھری دُنیا اُن کے قدموں میں پڑی تھی۔ جب یسوع اور تینوں شاگرد پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو فقیموں اور بھیڑ اور باقی "شاگردوں" کے درمیان ایک گرما گرم بحث چل رہی تھی۔ جو نبی خداوند نظر آیا، بحث بند ہو گئی اور بھیڑ اُس کی طرف لپکی۔ اُس نے دریافت کیا کہ میرے شاگردوں کے ساتھ "کیا بحث" کر رہے تھے؟

۱۸:۱۷:۹۔ ایک باپ جو دیوانہ ہو رہا تھا، اُس نے خداوند کو بتایا کہ میرے "بیٹے" پر "گوئی روح" کا قبضہ ہے۔ یہ بدروح اُسے زمین پر پشک دیتی ہے۔ اور وہ کھ بھرتا اور دانت پیسنے لگتا ہے۔ ان شدید تشنجی دوروں کے سبب سے لڑکا سوکھتا جاتا ہے۔ باپ نے "شاگردوں سے" مدد کی درخواست کی تھی مگر وہ بدروح کو "نہ نکال سکے"۔

۱۹:۹۔ یسوع نے شاگردوں کو اُن کی بے اعتقادگی پر ڈانٹا۔ کیا اُس نے اُن کو بدروحیں نکالنے کا اختیار نہیں دیا تھا؟ وہ کب تک اُن کے "ساتھ رہے" گا۔ کب تک اُن کی شکست خوردہ اور بے بس زندگیوں کی برداشت کرے گا؟

۲۰:۹-۲۳۔ جب وہ بچہ کو خداوند کے پاس لائے تو بدروح نے اُسے نہایت شدید دورہ میں مبتلا کر دیا۔ خداوند نے لڑکے کے باپ سے پوچھا "یہ اس کو کتنی مدت سے ہے؟" باپ نے بتایا کہ "بچپن سے"۔ ان ناگہانی دوروں کے باعث وہ لڑکا "اکثر آگ میں اور اکثر پانی میں" گرتا تھا۔ کئی دفعہ تو موت سے بال بال بچا تھا۔ اب باپ منت کرنے لگا کہ "اگر تو کچھ کر سکتا ہے تو ہم پر ترس کھا کہ ہماری مدد کر"۔ یہ دل کو چیر دینے والی پکار اور فریاد تھی جس کے پیچھے برسوں کی مایوسی اور ناامیدی کا رفرما تھی۔ یسوع نے واضح کیا کہ یہاں میری شفا دینے کی قدرت کا سوال نہیں، بلکہ باپ کے ایمان لانے کا سوال ہے۔ "جو اعتقاد رکھتا ہے اُس کے لئے سب کچھ ہو سکتا ہے"۔ زندہ خدا پر ایمان ہمیشہ

اُجڑ پاتا ہے۔ اُس کے لئے کوئی کام بھی مشکل نہیں۔

۲۴:۹۔ باپ نے ایمان اور بے اعتقادی کا وہ بڑا جلا عمل دکھایا جو ہر زمانے میں خدا کے لوگوں کے تجربے میں آتا ہے۔ خداوند! میں اعتقاد رکھتا ہوں۔ تو میری بے اعتقادی کا علاج کر۔ ہم ایمان رکھنا چاہتے ہیں لیکن اپنے آپ کو شکوک سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ ہم اپنے باطن کے اس غیر معقول تضاد سے نفرت کرتے ہیں، مگر محسوس کرتے ہیں کہ ہماری جدوجہد لا حاصل ہے۔

۲۵:۹-۲۷۔ ”جب یسوع نے ... اُس ناپاک رُوح کو بچہ میں سے نکل جانے کا حکم دیا تو اُسے ایک نہایت ہولناک دُورہ پڑا۔ ایسا کہ وہ مُردہ سا ہو گیا۔“ نجات دہندہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھایا اور صحیح سلامت باپ کے سپرد کیا۔

۲۹:۲۸-۲۹۔ بعد میں جب میسج گھر میں اپنے ”شاگردوں“ کے ساتھ تنہائی میں تھا تو انہوں نے پوچھا کہ ”ہم اُسے“ یعنی ناپاک رُوح کو ”کیوں نہ نکال سکے؟“ اُس نے جواب دیا کہ بعض مُعجزوں کے لئے ”دُعا“ اور روزہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم میں سے کون ہے جسے اپنی مسیحی خدمت کے دُوران کبھی یالوسی اور احساسِ شکست کا سامنا نہیں ہوتا؟ ہم پوری دیانت داری سے بے تھکان کام کرتے ہیں مگر کوئی نشانِ نظر نہیں آتا کہ رُوح القدس قُدرت کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اُس وقت ہمیں بھی تمنجی کے یہ الفاظ یاد رکھنے چاہئیں کہ ”یہ قسم ...“

ج۔ یسوع اپنی موت اور حی اُٹھنے کی دوبارہ پیشین گوئی کرتا ہے۔ (۳۰:۹-۳۲)

۳۰:۹۔ یسوع کا قیصر یہ فلپی کا دُورہ ختم ہو گیا۔ اب وہ گھلیں سے ہو کر گُزرے۔ یہ سفر اُسے یروشلیم اور صلیب کو لے جانے کو تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سفر کے دُوران کوئی اُسے نہ جانے۔ بڑھی حد تک اُس کی عام خدمت پُوری ہو چکی تھی۔ اب وہ شاگردوں کے ساتھ وقت گزارنا اور انہیں آنے والے واقعات کے لئے تیار کرنا چاہتا تھا۔

۳۱:۹-۳۲۔ وہ انہیں صاف صاف بتاتا ہے کہ میں ”آدمیوں کے حوالہ“ کیا جاؤں گا۔ وہ مجھے قتل کریں گے۔ لیکن میں ”تین دن بعد حی اُٹھوں گا، مگر وہ ان باتوں کو سمجھ نہ سکے اور اُس سے پوچھتے ہوئے ڈرتے تھے۔“ ہم بھی اکثر پوچھتے ہوئے ڈرتے ہیں اور

لے بعض نسخوں میں ”دُعا“ کے ساتھ ”روزہ“ کا لفظ بھی ہے۔

یوں برکت حاصل کرنے سے محروم نہ جاتے ہیں۔

۵۔ بادشاہی میں بڑا مقام (۹: ۳۳-۳۷)

۹: ۳۳، ۳۴۔ ”جب وہ کفرخوم“ میں اُس ”گھر میں“ آئے جہاں انہیں قیام کرنا تھا تو یسوع نے اُن سے پوچھا کہ وہ راہ میں کیا بحث کر رہے تھے۔ اب وہ یہ اقرار کرتے ہوئے شرماتے تھے کہ ہم اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ ”بڑا کون ہے؟“ شاید خداوند کی شکل کے جلالی ہوجانے کے واقعے نے اُن کی امید کو بحال کر دیا تھا کہ بادشاہی برکت جلد قائم ہونے والی ہے۔ اور وہ اُس میں اعلیٰ اور معزز مقام حاصل کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ادھر تو یسوع اُن کو اپنی موت کے بارے میں بتا رہا ہے ادھر وہ اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ برتر قرار دے رہے ہیں۔ یرمیاہ (۹: ۱۷) نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کا دل سب سے زیادہ جھلملا ہوا اور بُرا ہے، بلکہ لاعلاج ہے۔

۹: ۳۵-۳۷۔ یسوع جانتا تھا کہ اُن میں کیا بحث ہوئی تھی۔ چنانچہ اُس نے انہیں حلیمی کا سبق دیا کہ اول ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دانستہ اور رضا کارانہ ادنیٰ ترین خدمت کرنے میں عار محسوس نہ کرے اور اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے جیسے۔ یسوع نے ایک چھوٹے بچے کو لے کر اُن کے پیچ میں کھڑا کیا۔ پھر اُسے گود میں اٹھا لیا اور زور دے کر بیان کیا کہ ”اگر کوئی میرے نام پر سب سے چھوٹے اور سب سے گناہ مند شخص پر مہربانی کرتا ہے تو یہ بڑا اور عظیم عمل ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے خود خداوند کے ساتھ، ہاں بلکہ خدا باپ کے ساتھ مہربانی کی جائے۔“ اسے مبارک خداوند یسوع، تیری تعلیم ہمارے دنیا دار دل کی تہ تک پہنچتی اور اسے بے نقاب کرتی ہے۔ میری خودی کو توڑ دے اور بخش دے کہ مجھ میں تیری زندگی ظاہر ہو جائے۔“

۶۔ خادم فرقہ پرستی سے منع کرتا ہے (۹: ۳۸-۴۲)

یہ باب ناکامیوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ پہلا پیر پطرس بے سوچے سمجھے بول اٹھا (آیات ۵، ۶)۔ شاگرد گونگی ہماری بدروح کو نہ نکال سکے (آیت ۱۸)۔ وہ بحث کرنے لگے کہ بڑا کون ہے (آیت ۳۴) اور آیات ۳۸-۴۰ میں وہ فرقہ پرستی کی روح کا مظاہرہ کرتے

ہوئے نظر آتے ہیں۔

۳۸:۹۔ یہ یوحنا تھا جسے خداوند عزیز رکھتا تھا۔ اسی نے یسوع کو خبر دی کہ ہم نے ایک شخص کو تیرے نام سے بد روحوں کو نکالتے دیکھا۔ شاگردوں نے اس شخص کو روک دیا کیونکہ وہ اُن کے ساتھ بلا ہوا نہیں تھا۔ یہ شخص نہ تو کسی غلط عقیدے کی تعلیم دیتا تھا نہ گناہ میں زندگی گزارتا تھا۔ صرف اتنی بات تھی کہ وہ شاگردوں کے اس مخصوص گروہ میں شامل نہیں تھا۔

۳۹:۹۔ یسوع نے کہا ”اُسے منع نہ کرنا“۔ اگر وہ مجھ پر اتنا ایمان رکھتا ہے کہ میرے نام سے بد روحوں کو نکالتا ہے تو وہ میری طرف ہے اور شیطان کے خلاف کام کر رہا ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ جلدی پھیر جائے اور ”مجھے جلد بُرا کہے“ یا میرا دشمن ہو جائے۔

۴۰:۹۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت متی ۳۰:۱۲ کی ترمیم کرتی ہے جہاں یسوع کہتا ہے کہ جو میرے ساتھ نہیں وہ میرے خلاف ہے اور جو میرے ساتھ جمع نہیں کرتا وہ بکھیرتا ہے۔ مگر ان میں کوئی حقیقی تضاد نہیں پایا جاتا۔ متی میں مسک زبیر بحت یہ تھا کہ کیا یسوع خدا کا بیٹا ہے یا اُس میں شیطان کی قوت ہے۔ ایسے بنیادی سوال میں جو کوئی اُس کے ساتھ نہیں وہ اُس کے خلاف کام کرتا ہے۔

یہاں مرقس کی انجیل میں مسئلہ مسیح کی ذات یا کام کا نہیں بلکہ خداوند کی خدمت میں حصہ دار ہونے کا ہے۔ یہاں رواداری اور محبت کو کارفرما ہونا چاہئے۔ خدمت کے سلسلے میں جو کوئی اُس کے ”خلاف نہیں“ یقیناً وہ شیطان کے خلاف ہے اور یوں مسیح کی طرف ہے۔

۴۱:۹۔ مسیح کے نام کی خاطر کسی چھوٹی سے چھوٹی مہربانی کا بھی اجر ضرور ملے گا۔ حتیٰ کہ کسی شاگرد کو اگر ”ایک پیالہ پانی“ اس لئے دیا جائے کہ وہ مسیح کا ہے تو اس کا بھی اجر ملے گا۔ اُس کے نام سے بد روحوں کو نکالنا تو بہت بڑی اور نمایاں بات ہے جبکہ پانی کا گلاس پیش کرنا ایک معمولی بات ہے۔ لیکن جب اُس کے جلال کے لئے کیا جائے تو دونوں باتیں اُس کی نظر میں گراں قدر ہوتی ہیں۔ کہ تم مسیح کے ہو“ یہ رشتہ (رسمی) ہے جس سے ایمان داروں کو باہم بندھے ہونا چاہئے۔ اگر یہ الفاظ ہمارے سامنے رہیں تو ہمیں پارٹی بازی کی رُوخ سے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنے اور مسیحی خدمت میں باہمی حسد سے آزاد کر دیں گے۔

۹: ۴۲ - خداوند کے خادم کو ہمیشہ غور کرنا چاہئے کہ میرے الفاظ اور میری حرکات دوسروں پر کیا اثر کریں گی۔ ہم ایمان کو ٹھوکر کھلانا بالکل عکس اور آسان ہوتا ہے اور اس طرح زندگی بھر کے لئے روحانی نقصان ہو جاتا ہے۔ ایسی ٹھوکر کھلانے والے کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی (خراس) کا پاٹ اُس کے گلے میں لٹکایا جائے اور وہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔ دیکھئے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے کو بھی سچائی اور پاکیزگی کی راہ سے بھٹکانے کا حشر کیسا ہولناک ہے۔

۱۔ سخت خود ضبطی (۹: ۴۳-۵۰)

۹: ۴۳- باب کی بقیہ آیات خود ضبطی اور بُری خواہشات کو ترک کرنے پر زور دیتی ہیں۔ جو لوگ حقیقی شاکر دیت کی راہ اختیار کرتے ہیں اُن کو نفسانی خواہشات اور جذبات کے خلاف مسلسل جنگ لڑنے کی ضرورت ہے۔ ان کو پورا کرنا تباہی و بربادی پر منتهی ہوتا ہے۔ ان پر ضبط رکھنے سے روحانی فتح یقینی ہو جاتی ہے۔

خداوند نے ”ہاتھ“ اور ”پاؤں“ اور ”آنکھ“ کا ذکر کیا، اور واضح کر لیا کہ ان میں سے کسی ایک کو کھو کر زندگی میں داخل ہونا اس سے بہتر ہے کہ انسان ”جہنم“ میں داخل ہو۔ منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

”ہاتھ“ نمائندہ ہے ہمارے اعمال کا، ”پاؤں“ ہماری چال کا اور ”آنکھ“ ہماری خواہشات کی۔ یہ وہ آزمائشیں ہیں جن میں گرنے کا احتمال ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اگر ان کے ساتھ پوری سختی سے نمٹنا نہ جائے تو ابدی ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جاتے ہیں۔

کیا اس حوالے سے یہ تعلیم اخذ ہوتی ہے کہ بالآخر سچے ایمان دار بھی ہلاک ہو جائیں گے اور ابدیت جہنم میں گزاریں گے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ اگر اس حوالے کو الگ کر کے دیکھا جائے تو ایسا ممکن معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر اسے نئے عہد نامہ کی پوری تعلیمات کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر کوئی جہنم میں پہنچے تو دراصل وہ کبھی سچا مسیحی تھا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص دعویٰ اور اقرار کرے کہ میں نے سرے سے پیدا ہوا ہوں، اور کچھ وقت تک اُس کی زندگی بالکل ٹھیک چلتی ہوئی دکھائی دے لیکن اگر وہ شخص مُستقلًا نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ

اُسے کبھی نجات کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔

۹:۲۴-۲۸۔ خداوند نے بار بار بتایا ہے کہ جہنم ایسی جگہ ہے ”جہاں اُن کا کبھی نہیں

مڑنا اور آگ نہیں بجھتی۔“ یہ انتہائی سنجیدہ بات ہے۔ اگر ہم اس پر واقعی ایمان رکھتے

ہیں تو مادی چیزوں کے لئے نہیں بلکہ کبھی نہ مرنے والی رُوحوں کے لئے زندگی بسر کریں گے۔

اُسے خداوند مجھے رُوحوں کے لئے درد عطا کرے!

خوش قسمتی سے اخلاقی طور پر کبھی ضروری نہیں ہوتا کہ ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالیں یا

آنکھ نکال کر پھینک دیں۔ یسوع کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم اس انتہا پر عمل کریں بلکہ وہ

کہتا ہے کہ ”بہتر ہے“ کہ ان اعضا کے استعمال کو قربان کر دیا جائے، بہ نسبت اس کے کہ

ان کا غلط استعمال ہمیں جہنم میں کھینچ لے جائے۔

۹:۲۹- آیات ۲۹ اور ۵۰ بہت مشکل ہیں۔ اس لئے ہم ان پر جملہ بہ جملہ غور کریں

گے۔

”کیونکہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا۔“ اس میں تین بڑی مشکلات ہیں (۱) ”آگ“ سے

کون سی آگ مراد ہے؟ (۲) ”نمکین کیا جائے گا“ کا کیا مطلب ہے؟ (۳) کیا ”ہر شخص“ کا

اشارہ نجات یافتہ کی طرف ہے، یا غیر نجات یافتہ کی طرف یا دونوں کی طرف؟

”آگ“ کا مطلب جہنم (جیسا آیات ۲۴، ۲۶، ۲۸ میں ہے) ہو سکتا ہے۔ یا ہر قسم کی

عدالت ہو سکتا ہے جس میں ایمان دار کے کاموں کی الٰہی عدالت اور اپنا ذاتی امتحان کرنا بھی شامل

ہے۔

”نمک“ مثیل ہے اُس چیز کا جو محفوظ کرتی، پاک کرتی اور نمکین (مزیدار) کرتی ہے۔

مشرقی ممالک میں نمک دفا داری، دوستی، اور وعدہ پورا کرنے کی قسم اور عہد کا نشان

بھی ہوتا ہے۔

”ہر شخص“ سے اگر مراد غیر نجات یافتہ افراد ہیں تو پھر مفہوم یہ ہے کہ اُن کو جہنم کی

آگ میں محفوظ رکھا جائے گا یعنی وہ ابدی سزا پائیں گے۔

”ہر شخص“ سے اگر مراد ایمان دار افراد ہیں تو اس حوالے سے یہ تعلیمات حاصل ہوتی

ہیں (۱) کہ اس زندگی کے دوران اُن کا خدا کی تادیب کرنے والی آگ سے خالص کیا جانا ضرور

ہے۔ (۲) لازم ہے کہ خود ضبطی اور نفسانی خواہشات کو ترک کرنے کے وسیلے سے وہ

اپنے آپ کو ہر قسم کے پکار سے بچائے رکھیں یا (۳) مسیح کے تحت عدالت کے سامنے اُن کا امتحان ہو۔

”اور ہر ایک قربانی نمک سے نمکین کی جائے گی۔“ یہ جگہ احبار ۲: ۱۳ سے اقتباس کیا گیا ہے (گنتی ۱۸: ۱۹ اور

۲- تواریخ ۱۳: ۵ بھی دیکھئے)۔ نمک خدا اور اُس کی اُمت کے درمیان عہد کا نشان ہے۔ اس سے لوگوں کو یہ یاد دلانا مقصود تھا کہ یہ عہد ایک سنجیدہ عہد ہے اور لازوال ہے۔ اسے توڑا نہیں جاسکتا۔ جب ہم اپنے یذوں کو خدا کے لئے زندہ قربانی کے طور پر پیش کرتے ہیں (رومیوں ۱۲: ۱، ۲) تو اس قربانی کو نمک سے نمکین کرنا چاہئے یعنی پوری وفا داری سے اس پر قائم رہنا چاہئے۔

۵۰: ۹۔ ”نمک اچھا ہے۔“ مسیحی، زمین (دُنیا) کا نمک ہیں (متی ۵: ۱۳)۔ خدا توقع کرتا ہے کہ

وہ صحت مند اور پاکیزگی پیدا کرنے والا اثر پیدا کریں گے۔ جب تک وہ اپنی شاگردیت کی ذمہ داریاں پوری کرتے رہیں گے سب کے لئے باعثِ برکت ہوں گے۔

”لیکن اگر نمک کی نمکینی جاتی رہے تو اُس کو کس چیز سے مزیدار کر دے۔“ نمک بغیر

نمکین کے بے کار اور بے قدر ہوتا ہے۔ جو اپنے فرائض اور ذمہ داریاں پوری نہیں کرتا وہ غیر موثر اور بے نفع ہوتا ہے۔ مسیحی زندگی میں اچھا آغاز کر لینا ہی کافی نہیں۔ جب تک خدا کا فرزند متواتر اپنے آپ کو جانچتا نہ رہے وہ یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا جس کے لئے خدا نے اُسے نجات اور مخلصی بخشی تھی۔

”اپنے میں نمک رکھو۔“ مسیح کے جلال کی خاطر دُنیا میں مفید اثر چھوڑو۔ آپ کی زندگی میں

جو بات بھی آپ کی مسیحی گواہی کم کر دے اُسے ایک سر رو کر دیں۔

”ایک دوسرے کے ساتھ میں بلاپ سے رہو۔“ یہ جگہ بظاہر پیچھے آیات ۳۳ اور ۳۴ کی

طرف اشارہ کرتا ہے جہاں شاگرد اس بات پر بحث کرتے تھے کہ ہم میں سب سے ”بڑا کون ہے؟“ غرور اور فخر کو دور کر کے حلیمی کے ساتھ سب کی خدمت کرنی چاہئے۔

مختصراً یہ کہ آیات ۴۹ اور ۵۰ یہ تصویر پیش کرتی ہیں کہ ایماندار کی زندگی خدا کے لئے

ایک قربانی ہو۔ یہ زندگی آگ سے نمکین کی جاتی ہے۔ یعنی اس میں خود احتسابی اور خودی کا انکار شامل ہوتا ہے۔ یہ زندگی نمک سے نمکین کی جاتی ہے۔ یعنی یہ اس عہد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ مخصوصیت میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ اگر ایمان دار اپنے عہد سے پھر جائے، یا گناہ آلودہ خواہشات سے آہستی ہاتھ اور ارادہ سے معاملہ نہ کر سکے، تو اُس

کی زندگی بے مزہ ، بے کار اور بے مقصد ہو جائے گی۔ چنانچہ اُس کو اپنی زندگی میں سے ہر اُس بات کا خاتمہ کرنا ہوگا جو اُس کے خُدا کی طرف سے مُقرر کردہ مشن میں مداخلت کرتی ہو، اور اُسے دوسرے ہم ایمانوں کے ساتھ صلح اور میل ملاپ قائم رکھنا ہوگا۔

ز۔ بیاہ اور طلاق (۱:۱۰-۱۲)

۱:۱۰۔ گیلیں سے مسیح خُداوند جنوب مشرق کو سفر کر کے پیرسیرہ میں آیا۔ یہ علاقہ دریائے بردان کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ پیرسیرہ میں اُس کی خدمت کا بیان ۱۰: ۴۵ تک چلتا ہے۔

۲:۱۰۔ ”فریسیوں“ کو بھی جلد ہی خبر ہو گئی کہ وہ آیا ہے۔ وہ بھی طریوں کے غول کی طرح اُس کے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ موقع ملے ہی اُسے مار ڈالیں۔ اُس کو پھنسانے کی غرض سے اُنہوں نے پوچھا کہ کیا ”طلاق“ دے دینا ”روا ہے“؟ اُس نے اُنہیں اُسفارِ خمسہ کا حوالہ دیا اور پوچھا کہ ”موسیٰ نے تم کو کیا حکم دیا ہے؟“

۳:۱۰-۹۔ اُنہوں نے اُس کے سوال سے بچنے کے لئے کہا کہ ”موسیٰ نے تو اجازت دی ہے۔“

اُس نے ”اجازت دی“ تھی بشرطیکہ مُرد اپنی بیوی کو ”طلاق نامہ لکھ دے۔“ مگر یہ خُدا کا شروع کا مقصد نہ تھا۔ یہ اجازت تو صرف لوگوں کی ”سخت دلی کے سبب سے“ دی گئی تھی۔ خُدا کے مقبولے کے مطابق تو مُرد اور عورت زندگی بھر کے لئے جوڑے جاتے ہیں۔ یہ بات ”خلقت کے شروع سے“ یعنی جب خُدا نے انسان کو الگ الگ جنس بنایا، اُس زمانہ سے ہے۔ ”مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جُدا ہو کر“ شادی کے وسیلے سے بیوی کے ساتھ اِس طرح رہے گا کہ ”دونوں ایک جسم ہوں گے۔“ چونکہ اُن کو ”خُدا نے جوڑا ہے“ اِس لئے اُن کو انسانی حکم (عدالتی فیصلہ) سے جُدا نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰:۱۰۔ لگتا ہے کہ اُس کے ”شاگردوں“ کو بھی یہ بات قبول کرنا مشکل تھا۔ اُس زمانے میں عورتوں کو عزت یا تحفظ حاصل نہیں تھا۔ اُن کے ساتھ حقارت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ مُرد ناراض ہونا تو بیوی کو طلاق دے سکتا تھا۔ مشکل اور مصیبت میں اُس کی کہیں رسائی اور رشتہ نوائی نہ ہوتی تھی۔ اکثر حالات میں تو اُسے مُرد کی جائیداد سمجھا جاتا تھا۔

۱۱: ۱۰-۱۲۔ جب شاگردوں نے خُداوند سے مزید تشریح چاہی تو اُس نے بڑی

وضاحت سے کہا کہ طلاق کے بعد شادی کرنا "زنا کاری" ہے۔ طلاق خواہ مرد نے حاصل کی ہو خواہ عورت نے۔ اگر صرف اسی آیت کو لیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قسم کے حالات میں طلاق کی ممانعت ہے۔ مگر متی ۱۹: ۹ میں خداوند نے ایک استثنائی صورت حال کا بیان بھی کیا ہے۔ اگر طرفین میں سے کوئی بدکاری کا مرتکب ہو تو دوسرے کو طلاق لینے کی اجازت ہے، اور غالباً اُسے دوبارہ شادی کر لینے کی بھی ممانعت نہیں۔ علاوہ ازیں ۱- کرنتھیوں ۷: ۱۵ میں بھی طلاق کی اس صورت میں اجازت ہے کہ بے ایمان ساتھی اپنے مسیحی ساتھی کو چھوڑ جائے۔ اس میں شک نہیں کہ طلاق اور دوبارہ شادی کے موضوع میں بہت سی مشکلات اور مسائل ہیں۔ ازواجی زندگی میں لوگ ایسی ایسی الجھنیں پیدا کر لیتے ہیں کہ انہیں سلجھانے کے لئے سیلیمان کی سی حکمت درکار ہوتی ہے۔ ان الجھنوں اور کھینچڑوں سے بچنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ طلاق سے احتراز کیا جائے۔ جو لوگ طلاق میں ملوث ہوتے ہیں، اُن کی زندگیوں پر ایک دُھند چھا جاتی اور سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ جب طلاق یافتہ افراد مقامی کلیسیا میں رفاقت و شراکت کے متمنی ہوتے ہیں تو کلیسیا کے بزرگوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سارے معاملے پر خدا کے خوف کے ساتھ نظر تانی کریں۔ ہر معاملہ دوسرے سے الگ اور فرق ہوتا ہے، اس لئے الگ الگ جائزہ لینا چاہئے۔ کلام کے اس حصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کو نہ صرف شادی کے تقدس کا خیال ہے بلکہ اُسے عورتوں کے حقوق کی بھی فکر ہے۔ مسیحیت عورتوں کو عزت کا مقام دیتی ہے۔

ح - چھوٹے بچوں کو برکت دینا (۱۰: ۱۳-۱۶)

۱۰: ۱۳۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند یسوع کو چھوٹے "بچوں" کی بھی فکر ہے۔ والدین اپنے بچوں کو اُستاد چوپان کے پاس لائے تاکہ وہ انہیں برکت دے "مگر شاگردوں نے اُن کو چھوڑا"۔

۱۰: ۱۳-۱۶۔ خداوند اس بات پر بہت "خفا ہوا" اور واضح کیا کہ "خدا کی بادشاہی یسوع ہی کی ہے"۔ یعنی جو لوگ بچوں کی طرح حلیم ہیں اور بچوں کی طرح ایمان رکھتے ہیں، وہ بادشاہی کے وارث ہیں۔ بڑوں کو خدا کی بادشاہی میں "داخل" ہونے کے لئے بچوں جیسا بننا ہوگا۔

ہارج میکڈونلڈ کہا کہ تاکھا کہ مجھے اُس وقت تک لوگوں کی مسیحیت پر یقین نہیں آتا جب تک میں لڑکوں اور لڑکیوں کو اُن کے دروازے کے آس پاس کھیلتے نہ دیکھوں۔ بے شک ان آیات سے خداوند کے خادم کو جان لینا چاہئے کہ چھوٹے بچوں تک خدا کا کلام پہنچانا کتنا

ضروری ہے۔ چھوٹے بچوں کے ذہن ملائم اور بات کو قبول کرنے پر مائل ہوتے ہیں۔

ط۔ نوجوان مالدار سردار (۱۰: ۱۷-۳۱)

۱۰: ۱۷۔ ایک دولت مند شخص نے خداوند کو راستے میں روکا۔ لگتا ہے وہ بڑی نیک بیتی سے سوال پوچھنا چاہتا تھا۔ اُس نے یسوع کو "اے نیک استاد" کہہ کر مخاطب کر کے پوچھا کہ "میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟"

۱۰: ۱۸۔ یسوع نے اُس کے ان لفظوں کو پکڑ لیا کہ "اے نیک استاد۔" اُس نے اس لقب کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ اُس نوجوان کے ایمان کو جانچنے کے لئے استعمال کیا کہ نیک تو صرف "خدا" ہے۔ کیا یہ دولت مند آدمی خداوند یسوع کو خدا ماننے پر آمادہ ہے؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہیں۔

۱۰: ۱۹-۲۰۔ اس کے بعد نبی نے شریعت کو استعمال کیا جو گناہ کا احساس دلاتی ہے۔ وہ شخص ابھی تک اس غلط فہمی میں تھا کہ میں کچھ "کرتے" کے اصول پر بادشاہی کا وارث بن سکتا ہوں۔ چنانچہ چاہئے کہ وہ شریعت پر عمل کرے جو بتاتی ہے کہ کیا کیا کرنا ہے۔ مسیح نے اُن پانچ حکموں کو دہرایا جو بنیادی طور پر ہمارے ہم جنس انسانوں کے ساتھ تعلقات سے علاقہ رکھتے ہیں۔ یہ پانچ حکم یہی کہتے ہیں کہ "اپنے بڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔" اُس آدمی نے دعویٰ کیا کہ "میں نے لڑکپن سے ان سب پر عمل کیا ہے۔"

۱۰: ۲۱، ۲۲۔ لیکن کیا وہ اپنے بڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھتا تھا؟ اگر رکھتا تھا تو ثبوت پیش کرے اور جا کر اپنی ساری جائیداد بیچ ڈالے اور یوں حاصل ہونے والی رقم "غریبوں" میں بانٹ دے۔ ادھر۔۔۔ یہ توفیق ہی دوسرا ہے۔ "وہ غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا۔"

خداوند یسوع کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہ شخص اگر اپنا سب کچھ بیچ کر غریبوں میں خیرات کر دیتا تو نجات پاسکتا تھا۔ نجات کا راستہ صرف ایک ہی ہے۔ یعنی خداوند پر ایمان۔ مگر نجات پانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اقرار کرے کہ میں گنہگار ہوں اور خدا کے مطالبات پورے کرنے سے بالکل قاصر ہوں۔ خداوند نے اُس آدمی کو دس احکام کے ردِ بڑو اس لئے لاکھڑا کیا کہ اُس میں گناہ کی قائلیت پیدا ہو۔ مگر وہ دولت مند آدمی اپنے

مال و زر میں دوسروں کو شریک کرنے پر آمادہ نہیں تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت نہیں رکھتا۔ اُسے کہنا چاہئے تھا کہ خداوند، اگر شریعت پر پورا اترنے کی ضرورت ہے، تو میں گنہگار ہوں۔ میں اپنی کوشش سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ اس لئے تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے اپنے فضل سے بچالے۔ مگر اُسے اپنے مال و متاع سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ اُس سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ اُس نے شکستہ ہونے سے انکار کر دیا۔

جب یسوع نے کہا کہ ”جو کچھ تیرا ہے بیچ“ تو وہ یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ یہ نجات کا راستہ ہے۔ وہ صرف اُسے سمجھا رہا تھا کہ تو نے خدا کی شریعت کو توڑا ہے اس لئے تجھے نجات پانے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ منجی کی ہدایت پر عمل کرتا تو اُس کو نجات کا راستہ بھی دکھایا جاتا۔

مگر یہاں ایک مشکل نظر آتی ہے۔ کیا ہم جو ایمان دار ہیں، ہم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھیں؟ کیا یسوع ہم سے کہتا ہے کہ ”جا، جو کچھ تیرا ہے بیچ کر غریبوں کو دے۔“ تجھے آسمان پر خزانہ بنے گا اور آ کر میرے پیچھے ہوئے؟ ہر شخص کو اس کا جواب خود دینا ہوگا۔ مگر ایسا کرنے سے پہلے اُسے ان حقائق پر سوچنا ہوگا جن سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

۱- ہزاروں لوگ ہر روز بھوک سے مر جاتے ہیں۔

۲- آدھی سے زیادہ دنیا کو خوشخبری سننے کا کبھی موقع نہیں ملا۔

۳- اب ہمارا مال و متاع انسان کی روحانی اور جسمانی ضروریات کو کم کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۴- مسیح کا نمونہ ہمیں بتا جاتا ہے کہ ہم غریب ہو جائیں تاکہ دوسروں کو دولت مند بنایا جاسکے (۲- کرنتھیوں ۸: ۹)۔

۵- زندگی مختصر ہے اور مسیح خداوند کی آمد بالکل قریب ہے۔ ان باتوں سے ہم سیکھتے ہیں کہ اپنی دولت کو اُس کے کام کے لئے صرف کریں۔

۱۰: ۲۳-۲۵۔ یسوع نے اُس دولت مند کو جاتے اور بھیڑ میں گم ہوتے دیکھا۔ اور پھر بیان کیا کہ ”دولت مندوں کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا کیسا مشکل ہے!“ شاگرد

اُس کی بات پر حیران ہوئے۔ وہ دولت کو خدا کی برکت سمجھتے تھے۔ چنانچہ یسوع نے بات کو دہرایا کہ ”بچو! جو لوگ دولت پر بھروسا رکھتے ہیں اُن کے لئے خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا کیا ہی مشکل ہے! حقیقت تو یہ ہے کہ اُس نے بات جاری رکھی کہ ”اونٹ کا سُونے کے ناکے میں سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو“

۱۰:۲۶-۲۷۔ اس پر شاگرد حیران ہو کر کہنے لگے ”پھر کون نجات پاسکتا ہے؟“ وہ یہودی تھے اور شریعت کے ماتحت زندگی گزارتے تھے، اس لئے وہ دولت کو بجا طور پر خدا کی برکت کا نشان مانتے تھے۔ موسوی آئین کے تحت خدا نے اپنے احکام ماننے والوں کے لئے خوش حالی کا وعدہ کر رکھا تھا۔ شاگردوں کی دلیل یہ تھی کہ اگر دولت مند بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا تو کوئی دوسرا بھی نہیں ہو سکتا۔ یسوع نے جواب دیا کہ جو بات انسان کے لئے ناممکن ہوتی ہے، وہ خدا کے لئے ممکن ہے۔

اس سوال کی تعلیم سے ہم کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟

اول۔ دولت مندوں کے لئے نجات پانا خصوصی طور پر مشکل ہے (آیت ۲۳) کیونکہ یہ لوگ اکثر خدا کی نسبت دولت سے زیادہ محبت رکھنے کا مرجحان رکھتے ہیں۔ وہ دولت کو نہیں مگر خدا کو چھوڑ دیں گے۔ وہ خداوند پر بھروسا کرنے کی بجائے اپنی دولت پر بھروسا کرتے ہیں۔ جب تک یہ حالات رہے وہ نجات نہیں پاسکیں گے۔

دوم۔ یہ بات درست ہے کہ پرانے عہد نامے میں دولت خدا کے کرم اور مہربانی کی علامت تھی۔ مگر اب یہ بات تبدیل ہو چکی ہے۔ اب دولت خداوند کی برکت کی علامت نہیں رہی بلکہ اس سے انسان کی خدا کے لئے مخصوصیت کی آزمائش ہوتی ہے۔

سوم: ایک اونٹ سُونے کے ناکے میں سے آسانی سے گزر سکتا ہے اس کی نسبت ایک دولت مند شخص بادشاہی کے دروازہ سے اتنی آسانی سے داخل نہیں ہو سکتا۔ انسانی لحاظ سے ایک دولت مند نجات پاسکتا ہے۔ یہاں اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ انسانی لحاظ سے تو کوئی بھی نجات نہیں پاسکتا۔ یہ بات بالکل سچ ہے، مگر دولت مند شخص کے تعلق سے یہ اور بھی زیادہ سچ ہے۔ امیر یا دولت مند شخص کو ایسی ایسی مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا غریب آدمی کو خیال تک نہیں ہوتا۔ ضرور ہے کہ دولت کے دیوتا کو اُس کے دل کے تخت سے گھسیٹ کر اتارا جائے،

اور وہ خدا کے حضور غریب اور محتاج بن کر کھڑا ہو۔ اس قسم کی تبدیلی لانا انسان کے بس میں تو نہیں، صرف خدا ہی ایسا کر سکتا ہے۔

پہلام۔ جو مسیحی زمین پر نذرانہ جمع کرتے ہیں، وہ اپنی نافرمانی کی قیمت عموماً اپنے بچوں کی زندگیوں کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ ایسے خاندانوں کے بھرت ہی کم بچے خداوند کی راہوں پر چلتے ہیں۔

۱۰:۲۸-۳۰۔ ”پطرس“ کو مسیحی کی تعلیم کی سمجھ آگئی۔ اُسے احساس ہو گیا کہ یسوع کہہ رہا ہے کہ ”سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے ہولو“۔ یسوع نے وعدہ کیا کہ جو لوگ میری اور انجیل کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیں گے، اُن کو اس دُنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی اجر ملے گا۔ اس طرح اُس نے پطرس کے خیال اور احساس کی تصدیق کر دی۔

۱۔ ”اس زمانہ میں“ آبر ۱۰،۰۰۰ فی صد ہے، مگر روپیہ پیسہ کی صورت میں نہیں بلکہ ”گھر“ یعنی دوسرے لوگوں کے گھر جہاں اُس کو خدا کا خادم ہونے کی حیثیت سے رہائش اور قیام مہیا کیا جاتا ہے۔

ب۔ ”بھائیوں یا بہنوں یا ماں یا باپ یا بچوں“۔ مسیحی دوست جن کی رفاقت سے ساری زندگی خوشحال ہو جاتی ہے۔

ج۔ ”کھیت“۔ دُنیا کے ممالک جن کو اُس نے بادشاہ کے لئے بھجیت لیا ہے۔
د۔ ”ظلم“۔ یہ ”اب، اس زمانہ“ میں آبر کا ایک حصہ ہے۔ جب کسی کو مسیح کی خاطر دکھ اٹھانے کے لائق سمجھا جاتا ہے تو یہی ظلم شادمانی کا سبب بن جاتا ہے۔

۲۔ ”آنے والے عالم“ میں آبر ”ہمیشہ کی زندگی“ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سب کچھ چھوڑنے کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی کمالیتے ہیں۔ ہمیشہ کی زندگی ایک بخشش ہے۔ یہاں خیال یہ ہے کہ جو لوگ سب کچھ چھوڑ دیتے ہیں، اُن کو آسمان میں ہمیشہ کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کی زیادہ صلاحیت عطا کی جائے گی۔ یہ زندگی تو سارے ایمان داروں کو ملے گی مگر سب کے سب اس سے یکساں لطف اندوز نہیں ہوں گے۔

۱۰:۳۱۔ اس کے بعد خداوند نے خبردار بھی کیا۔ ”لیکن بھرت سے اول آخر ہو جائیں گے

اور آخر اول۔“ شاگردیت کی راہ پر بہت عمدہ آغاز کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اہمیت اس بات کو ہے کہ ہم دوڑ کو ختم کیسے کرتے ہیں۔ آئرن سائڈ نے کہا ہے :

”بہت سے ہیں جو فادازمی اور جاں نثاری کے ساتھ چلنے کا وعدہ کرتے ہیں مگر مسیح کے نام کی خاطر خود انکاری اور جاں نثاری پر پورے طور پر قائم رہنے والے تھوڑے ہی نکلتے ہیں۔ اور بعض جو پس ماندہ گتے تھے یا رجن کی جاں نثاری مشکوک معلوم ہوتی تھی، وہ مصیبت اور آزمائش کی گھڑی میں سچے اور خود کو قربان کرنے والے ثابت ہوئے۔“

ی۔ خادم کے دکھوں کی تیسری پیشین گوئی

(۱۰: ۳۲-۳۴)

۱۰: ۳۲۔ اب وقت آ گیا تھا کہ یسوع ”یروشلیم کو جائے“۔ خداوند کے لئے اس کا مطلب تھا گتسمنی کا غم اور دکھ، اور صلیب کی توہین اور جاں کنی۔

ایسے موقع پر اُس کے جذبات کیا ہوں گے؟ کیا ہم ان الفاظ میں اُن جذبات کو نہیں پڑھ سکتے کہ ”یسوع اُن کے آگے آگے جا رہا تھا“؟ خدا کی مرضی پوری کرنے کا مصمم ارادہ تھا حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ ایک احساس تنہائی تھا۔ وہ شاگردوں سے الگ اُن کے آگے آگے تھا۔ اکیلا چل رہا تھا۔ اور احساس مسرت تھا۔ ایک ایسی گہری اور ٹھہری ہوئی خوشی کہ میں باپ کی مرضی کے مطابق کر رہا ہوں۔ اُسے آنے والا جلال نظر آ رہا تھا۔ اُسے شادمانی تھی کہ میں اپنے لئے دلہن کو فدیہ دے کر چھڑا رہا ہوں۔ ”اُس خوشی کے لئے جو اُس کی نظروں کے سامنے تھی شرمندگی کی پروا نہ کر کے صلیب کا دکھ سہا“ (عبرانیوں ۱۲: ۲)۔

جب ہم اُس پر نظر کرتے ہیں کہ وہ کس طرح قدم بڑھاتے ہوئے آگے آگے جا رہا ہے ہم بھی ”حیران ہونے لگتے ہیں۔ ہمارا جوان مرد اور بیباک لہڑے ہمارے ایمان کا بانی اور کابل کرنے والا، ہمارا جلالی خداوند، الہی شہزادہ۔ ارڈمین لکھتا ہے کہ :

”آئیے ذرا رگ کر اُس چہرے اور ڈیل ڈول پر نظر میں جمائیں۔ خدا کا بیٹا، مضبوط قدموں کے ساتھ صلیب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جب ہم اُس کے پیچھے قدم بڑھاتے ہیں تو کیا ہمارے اندر ایک نئی شجاعت بیدار

نہیں ہو جاتی؟ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری خاطر اُس نے کیسے رضا کارانہ موت سہی تو کیا ہمارے اندر ایک نئی محبت بیدار نہیں ہو جاتی؟ تو بھی کیا ہم اس موت کے مطلب اور بھید پر حیران نہیں رہ جاتے؟

جو اُس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے وہ ڈرتے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ یروشلیم میں موجود مذہبی لیڈر اُس کے قتل کا مصمم ارادہ کئے بیٹھے ہیں۔

- ۱۰: ۳۳، ۳۴۔ تیسری دفعہ یسوع نے اپنے شاگردوں کو آنے والے واقعات کی تفصیل بتائی۔ یہ نبوتی خاکہ ثابت کرتا ہے کہ وہ انسان سے کہیں اعلیٰ تر ہستی ہے۔
- ۱۔ ”دیکھو ہم یروشلیم کو جاتے ہیں“ (۱: ۱۱-۱۳: ۳۷)۔
- ۲۔ ”ابن آدم سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالہ کیا جائے گا“ (۱۴: ۲۱، ۲۳-۵۳)۔
- ۳۔ ”وہ اُس کے قتل کا حکم دیں گے“ (۱۴: ۵۵-۶۵)۔
- ۴۔ ”اور اُسے غیر قوموں کے حوالہ کریں گے“ (۱: ۱۵)۔
- ۵۔ ”اور وہ اُسے ٹھٹھوں میں اڑائیں گے۔ اور اُس پر ٹھٹھوں کے اور اُسے کو طرے ماریں گے اور قتل کریں گے“ (۱۵: ۲-۳۸)۔
- ۶۔ ”اور تین دن کے بعد وہ جی اٹھے گا“ (۱۶: ۱-۱۱)۔

ک۔ خدمت میں عظمت ہے (۱۰: ۳۵-۴۵)

۱۰: ۳۵-۳۷۔ اُس نے اپنے صلیب دئے جانے کے بارے میں یہ تیج پیشین گوئی کی تو اس کے بعد ”یعقوب اور یوحنا“ ایک ایسی درخواست کے ساتھ اُس کے پاس آئے جو بہت اچھی بھی تھی اور بے وقت بھی۔ اچھی اس لئے کہ وہ مسیح کے نزدیک رہنا چاہتے تھے، مگر اپنے لئے اتنی عظیم باتیں چاہنے کا یہ وقت مناسب نہ تھا۔ انہوں نے اس ایمان کا مظاہرہ کیا کہ یسوع اپنی بادشاہی قائم کرے گا۔ لیکن اُن کو اُس کے آنے والے دکھوں کا خیال ہونا چاہئے تھا۔

۱۰: ۳۸، ۳۹۔ یسوع نے اُن سے پوچھا کہ ”جو پیالہ میں پینے کو ہوں کیا تم پی سکتے ہو؟“ اُس کا اشارہ اپنے دکھوں کی طرف تھا۔ اُس نے یہ بھی پوچھا کہ ”کیا تم میرے“ پیپٹم“ میں شریک ہو سکتے ہو؟“ یہ اشارہ اُس کی موت کی طرف تھا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ”ہم سے ہو سکتا ہے۔“ اور اُس نے کہا کہ واقعی وہ اُس کے ساتھ وفاداری کے باعث دکھ اٹھائیں گے۔ اور کم سے کم

یعقوب کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ وہ شہید بھی ہوا (اعمال ۱۲: ۲)۔

۴۰: ۱۰۔ اب اُس نے واضح کیا کہ بادشاہی میں عزت کے درجات کسی قاعدے اور اصول کے مطابق دئے جاتے ہیں۔ انہیں حاصل کرنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بادشاہی میں داخلہ ایمان کے وسیلے فضل سے ہے، مگر بادشاہی میں رُتبے کا فیصلہ مسیح کے ساتھ وفاداری کی بنیاد پر ہوگا۔

۴۱: ۱۰۔ ۴۲۔ باقی ”دسوں“ شاگرد یعقوب اور یوحنا کی اس بات پر بہت ”خفا“ ہوئے کہ یہ دونوں ہم سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اُن کے غصے نے اس حقیقت کا پول کھول دیا کہ وہ بھی ایسی ہی رُوح رکھتے ہیں۔ اب خداوند یسوع کو موقع مل گیا کہ انہیں حقیقی عظمت پر ایک خوبصورت اور انقلابی سبق دے۔ غیر نجات یافتہ لوگوں کے درمیان بڑے اور عظیم افراد وہ ہوتے ہیں جو اُن پر طاقت کے ساتھ حکومت کرتے ہیں، جو اُن پر دہرہ اور غلبہ رکھتے ہیں۔ لیکن مسیح کی بادشاہی میں عظمت کا نشان خدمت ہے۔ ”جو تم میں اول ہونا چاہے وہ سب کا غلام بنے۔“

۴۵: ۱۰۔ اور سب سے اعلیٰ نمونہ خود ”ابن آدم“ ہے۔ وہ اُس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اُس لئے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے۔ ذرا اِس پر غور کریں! وہ اپنی ساری زندگی خدمت کرتا رہا اور عوضی موت میں اُس نے اپنی جان دی۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، آیت ۴۵، اِس انجیل کی مرکزی آیت ہے۔ یہ علم الہیات کا پتھر ہے۔ یہ اُس عظیم ترین زندگی کی تصویر ہے جو اِس دُنیا میں کبھی بسر ہوئی۔

ل۔ اندھے برتھائی کا شفا پانا (۱۰: ۴۶-۵۲)

۴۶: ۱۰۔ اب منظر بدل جاتا ہے۔ پیریہ کی بجائے اب ہمارے سامنے یہودیہ ہے۔ خداوند اور اُس کے شاگرد یردن کو پار کر کے ”یریحو میں آئے“ تھے۔ یہاں اُس کی ملاقات ”اندھے برتھائی“ سے ہوئی۔ اُس شخص کو نہ صرف ایک اشد ضرورت تھی بلکہ وہ اپنی ضرورت کا شعور رکھتا تھا۔ اور وہ مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ یہ ضرورت پوری ہو۔

۴۷: ۱۰۔ برتھائی نے خداوند یسوع کو پہچان لیا اور اُسے ”ابن داؤد“ کہہ کر مخاطب کیا۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ اسرائیلی قوم تو مسیح موعود کی موعودگی سے اندھی تھی، مگر ایک اندھا

یہودی حقیقی روحانی بیٹائی رکھتا تھا۔

۱۰:۲۸-۵۲۔ وہ بار بار ”رحم“ کی درخواست کرتا رہا اور اُس کی درخواست منظور ہوئی۔ تب اُس نے شکر گزاری کی۔ اُس کی شکر گزاری اُس کی وفادار شاگردیت سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یروشلیم کے آخری سفر میں اُس کے پیچھے ہویا۔ اس بات سے یسوع کو خوشی اور حوصلہ افزائی ہوئی ہوگی کہ جب میں صلیب کی طرف بڑھ رہا ہوں تو یہ سچو میں اس قسم کا ایمان ملا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ اُس دن برتھائی نے خداوند کو پایا کیونکہ اس کے بعد وہ کبھی وہاں سے نہ گزرا۔

۵۔ یروشلیم میں خادم کی خدمت (ابواب ۱۱، ۱۲)

۱۔ فاتحانہ داخلہ (۱۱:۱-۱۱)

۱۱:۱-۳۔ یہاں سے آخری ہفتے کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ یسوع زیتون کے پہاڑ کی مشرقی ڈھلان پر ”بیت نکے“ (کچے انجیروں کا گھر) اور ”بیت عنیاہ“ (غریبوں، جلیموں اور مفلوٹوں کا گھر) کے قریب رکا۔

اب وقت آگیا تھا کہ وہ علانیہ اپنے آپ کو یہودی قوم کے سامنے پیش کرے کہ میں تمہارا مسیح موعود بادشاہ ہوں۔ وہ زکریاہ نبی (۹:۹) کی پیشین گوئی کو پورا کرتے ہوئے ”گدھی کے بچے“ پر سوار ہوگا۔ چنانچہ اُس نے بیت عنیاہ سے ”دو شاگردوں“ کو بیت نکے بھیجا۔ اُس کو کامل علم اور کامل اختیار تھا، اس لئے اُس نے انہیں کہا کہ گدھی کا وہ بچے لے آؤ۔ اُس پر کبھی کوئی سوار نہیں ہوا۔ وہ تمہیں بندھا ہوا ملے گا۔ اگر کوئی اُن سے پوچھتا تو انہیں یہ جواب دینا تھا کہ ”خداوند کو اس کی ضرورت ہے۔“ یہاں ہمیں خداوند کا عالم کل ہونا نظر آتا ہے۔

۱۱:۴-۶۔ ہر بات اسی طرح ہوئی جیسے مسیح نے پہلے سے کہی تھی۔ اُن کو گدھی کا بچہ باہر چوک میں بندھا ہوا مل گیا۔ جب لوگوں نے اُن کو چیلنج کیا تو انہوں نے جیسا یسوع نے کہا تھا ویسا ہی اُن سے کہہ دیا۔ اس پر لوگوں نے ”اُن کو جانے دیا۔“

۱۱:۷-۸۔ اگرچہ اُس گدھی کے بچے پر پہلے کبھی کوئی سوار نہیں ہوا تھا، لیکن وہ

اپنے خالق کو یروشلیم میں لے جاتے ہوئے ہرگز نہ مزاحم ہوا نہ مرکا۔ مسیح کی سواری کپڑوں اور ڈالیوں کے قالین پر چلتی ہوئی یروشلیم میں داخل ہوئی۔ اُس کے کانوں میں لوگوں کے تعریفی نعرے گونج رہے تھے۔ وہ اُسے بادشاہ تسلیم کر رہے تھے۔

۱۱: ۱۰، ۱۹۔ لوگ نعرے لگا رہے تھے۔

۱۔ ”ہوشعنا“ اس کا اصل مطلب ہے: ”ہم عزت کرتے ہیں۔ بچا“ لیکن بعد میں

یہ حمد و ستائش کا نعرہ بن گیا۔ غالباً لوگوں کے نعرے کا مطلب یہ تھا کہ ”ہم عزت

کرتے ہیں، ہمیں ظالم رومیوں سے بچا!“

۲۔ ”مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔“ لوگ واضح طور سے تسلیم کر رہے تھے

کہ یسوع ہی مسیح موعود ہے (زبور ۱۱۸: ۲۶)۔

۳۔ ”مبارک ہے ہمارے باپ داؤد کی بادشاہی جو آرہی ہے۔“ اُن کا خیال تھا کہ

”بادشاہی“ کا قیام عمل میں آیا چاہتا ہے جس میں مسیح ”داؤد“ کے تخت پر بیٹھے گا۔

۴۔ ”عالم بالا پر ہوشعنا!“ یہ پکار ہے کہ آسمانوں کے آسمان یعنی ”عالم بالا“ پر خداوند

کی حمد و ثنا کرو یا یہ کہ تو ہمیں ”عالم بالا“ سے بچا۔

۱۱: ۱۱۔ ”یروشلیم“ میں داخل ہو کر یسوع ”ہیکل میں“ گیا۔ پاک مقام میں نہیں بلکہ

ہیکل کے صحنوں میں۔ غالباً یہ حصہ بھی خدا کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وہ اس گھر میں مطمئن

نہیں تھا کیونکہ کاہن اور دوسرے لوگ اُسے اُس کا جائز مقام دینے سے انکار کرتے تھے۔

چنانچہ چاروں طرف سب چیزیں ملاحظہ کر کے ”نجات دہندہ اپنے ”بارہ“ (شاگردوں) کے

ساتھ بیت عنیاہ کو گیا۔“ یہ اتوار کی شام تھی۔

ب۔ انجیر کا بے پھل درخت (۱۱: ۱۲-۱۴)

اس واقعہ سے منجی نے یروشلیم میں اپنے ہنگامہ آرا خیر مقدم کی تشریح کی ہے۔

اسرائیلی قوم ”انجیر کے بے پھل درخت“ کی مانند تھا۔ اُس میں اقرار کے پتے تو تھے مگر پھل

نہیں تھا۔ ہوشعنا کے نعرے بہت جلد اُسے صلیب دے“ کی خون منجمد کر دینے والی لٹکار

میں بدل جائیں گے۔

یہاں ایک بہت بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ خداوند نے اُس درخت پر پھل نہ ملنے

کی وجہ سے لعنت کی جبکہ واضح طور پر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ”کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔“ اس طرح نجات دہندہ غیر معقول حرکت کا مُرتکب اور بد مزاج نظر آتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔ لیکن ہم ان عجیب و غریب واقعات یا حالات کی کیا توجیہ پیش کر سکتے ہیں؟

ارضِ بائبل میں انجیروں پر پتے نکلنے سے پہلے کھانے کے لائق پھل بھی لگتا ہے۔ یہ پھل باقاعدہ فصل کا پیش خمیر یا ”خبرلانے والا“ سمجھا جاتا ہے، اور اسی حقیقت کو یہاں ”انجیر کا موسم“ کہا گیا ہے۔ اگر یہ پیشگی انجیر ظاہر نہیں ہوتے تھے، تو یہ نشان ہونا تھا کہ بعد میں باقاعدہ فصل کے انجیر بھی نہیں لگیں گے۔ جب یسوع اسرائیلی قوم کے پاس آیا تو پتے موجود تھے جو اقرار کی علامت ہیں، لیکن خدا کے لئے کوئی پھل نہیں تھا۔ وعدہ تھا، وعدہ کی تکمیل نہ تھی، اقرار تھا، اقرار میں حقیقت نہ تھی۔ یسوع قوم سے پھل کا بھوکا تھا۔ چونکہ اُس میں پتلے آنے والا پھل موجود نہیں تھا، اس لئے وہ جانتا تھا کہ اس بے ایمان امت میں بعد میں بھی پھل نہیں لگے گا۔ اس وجہ سے اُس نے انجیر کے درخت کو لعنت کی۔ یہ اُس غضب کا پیشگی عکس تھا جو شرع میں اسرائیل پر نازل ہونے کو تھا۔

البتہ یہ واقعہ ہرگز یہ نہیں سکھاتا کہ بنی اسرائیل پر بے پھل رہنے کی دائمی لعنت کی گئی تھی۔ یہودی قوم کو حاضی طور پر برطرف کر دیا گیا۔ لیکن جب مسیح بادشاہی کرنے آئے گا، یہ قوم نئے سرے سے پیدا ہوگی اور اپنے خدا کے نزدیک کے مقام پر بحال ہوگی۔ یہ واحد معجزہ ہے جس میں مسیح نے برکت دینے کی بجائے لعنت کی۔ زندگی کو بحال کرنے کی بجائے برباد کیا۔ یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ خالق اختیار رکھتا ہے کہ ایک بے رُوح چیز کو برباد کر کے ایک اہم رُوحانی سبق سکھائے اور اس طرح انسانوں کو ابدی ہلاکت سے بچائے۔ اگرچہ کلام کے اس حصے کی ابتدائی تشریح کا تعلق اسرائیلی قوم کے ساتھ ہے، مگر اس کا اطلاق ہر زمانے کے اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو بائبل بہت بناتے ہیں مگر عمل میں کورے ہوتے ہیں۔

ج۔ خادم ہیکل کو پاک صاف کرتا ہے (۱۱: ۱۵-۱۹)

۱۱: ۱۵-۱۶۔ اپنی علانیہ خدمت کے شروع میں یسوع نے ہیکل کے ماحول کو کاروبار تجارت سے صاف کیا تھا (یوحنا ۲: ۱۳-۲۲)۔ اب جبکہ اُس کی خدمت ختم ہونے کو

تھی، وہ پھر ”ہیکل“ کے صحن میں داخل ہوا اور اُن لوگوں کو باہر ہانک دیا جو عوام کی مذہبی فراہمی کی ادائیگی سے منافع خوری کر رہے تھے بلکہ اُس نے عام برتن اٹھا کر ہیکل کے علاقے میں سے گزرنا بھی روک دیا۔

۱۷:۱۱ - اُس نے یسعیابہ اور یرمیاہ میں سے اقتباسات کو اکٹھا استعمال کر کے ہیکل کی بے ہوشی، وہاں تجارتی کاروبار اور پاک جگہ کو دوسرے کاموں کے لئے مختص کر دینے کی سخت مذمت کی۔ خدا نے تو ہیکل کو ”سب قوموں کے لئے دُعا کا گھر“ بنایا تھا (یسعیابہ ۵۶: ۷)۔ وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں تھی۔ مگر انہوں نے اُسے مذہبی منڈی بنا دیا تھا جہاں منافع خوروں اور بددیانت تاجروں نے اُدے بنا لئے تھے (یرمیاہ ۷: ۱۱)۔

۱۸:۱۱ - اُس کے الزامات سے ”سرور کا بن اور فقیہ“ جُل جھن کر رہ گئے۔ وہ اُس کو ہلاک کرنے کے درپے تھے، لیکن ڈھیٹ بن کر کھلم کھلا اُس پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے، کیونکہ عام لوگ یسوع سے عقیدت رکھتے تھے۔

۱۹:۱۱ - اپنے معمول کے مطابق ”شام کو وہ شہر سے باہر“ چلا گیا۔ اصل زبان کے فعل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی اُس کا معمول تھا۔ شاید وہ حفاظت کے خیال سے ایسا کرتا تھا۔ اُسے اپنے لئے تو کوئی ڈر یا خوف نہ تھا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ میری خدمت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اپنی بھیڑوں یعنی اپنے شاگردوں کا تحفظ کروں (یوحنا ۱۷: ۶-۱۹)۔ علاوہ ازیں وقت سے پہلے دشمنوں کے ہاتھوں میں پڑنا مضحکہ خیز بات ہوتی۔

د۔ انجیر کے بے پھل درخت سے سبق (۱۱: ۲۰-۲۶)

۲۰:۱۱-۲۳ - انجیر کے درخت پر لعنت بھیجنے کے بعد اگلی ”صبح“ یروشلیم کو جاتے ہوئے وہ اُدھر سے گزرے تو شاگردوں نے دیکھا کہ درخت ”بڑبڑ تک سُوکھا ہوا“ ہے۔ جب ”پطرس“ نے اس کا ذکر خداوند سے کیا تو اُس نے جواب دیا کہ ”خدا پر ایمان رکھو۔“ لیکن ان الفاظ کا انجیر کے درخت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اگلی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ یسوع ایمان کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے کہ یہ مشکلات کو دور کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر شاگرد ”خدا پر ایمان“ رکھیں تو وہ بے پھل ہونے کے مسئلے کا حل کر سکتے اور پہاڑوں جیسی بڑی مشکلات کو دور کر سکتے ہیں۔

البتہ یہ آیات کسی بھی شخص کو اختیار نہیں دیتیں کہ اپنی آسائش یا ناموری کی خاطر معجزانہ قدرت کے لئے دعا مانگے۔ ایمان کے ہر کام کا انحصار خدا کے وعدے پر ہونا لازمی ہے۔ اگر ہم جانتے ہیں کہ خدا کی مرضی ہے کہ کوئی مشکل دور کی جائے تو ہم پورے یقین کے ساتھ دعا مانگ سکتے ہیں کہ ایسا ہو جائے گا بلکہ ہم تو ہر اُس بات کے لئے دعا مانگ سکتے ہیں جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے جیسا کہ بائبل مقدس میں ظاہر کیا گیا ہے یا جیسا روح ہمارے دل میں گواہی دیتا ہے۔

۱۱: ۲۴- جب ہمارا خداوند کے ساتھ رابطہ قائم ہے اور ہم روح میں دعا مانگتے ہیں تو ہمیں یقین ہونا چاہئے کہ اس دعا کا جواب ملے گا اور ہم نے جو کچھ مانگا ہے وہ ہو جائے گا۔
 ۱۱: ۲۵، ۲۶- لیکن دعا کا جواب ملنے کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ ہم میں معافی کی روح ہو۔ اگر ہمارے دل میں سختی اور انتقامی رویہ ہو تو ہم امید نہیں رکھ سکتے کہ خدا ہماری سُن کر جواب دے گا۔ اگر ہم معافی چاہتے ہیں تو ضرور ہے کہ دوسروں کو بھی ”معاف“ کریں۔ یہاں اُن گناہوں کا مسئلہ نہیں جن کی معافی ایمان لاتے وقت ملتی ہے۔ وہ سراسر فضل کا معاملہ ہے۔ وہ ایمان کے وسیلے سے ملتی ہے۔ بلکہ یہاں اُس سلوک کی طرف اشارہ ہے جو خدا بطور باپ بچوں سے کرتا ہے۔ اگر ایمان دار میں معافی کی روح نہ ہو تو ”باپ (کی) جو آسمان پر ہے“ اُس سے رفاقت ٹوٹ جاتی اور برکت رُک جاتی ہے۔

۵- خادم کے اختیار کی باز پرس (۱۱: ۲۷-۳۳)

۱۱: ۲۷-۲۸- جو نہی یسوع ”ہیکل میں“ آیا مذہبی لیڈر اُس سے مخاطب ہوئے اور اُس کے اختیار کو چیلنج کرنے لگے۔ اس مقصد سے انہوں نے دو سوال پوچھے (۱) ”تُو اُن کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہے؟“ (۲) ”کس نے تجھے یہ اختیار دیا کہ اُن کاموں کو کرے؟“ (یعنی ہیکل کو پاک صاف کرنا، انجیر کے درخت پر لعنت کرنا اور یروشلیم میں فاتحانہ داخل ہونا)۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ کوئی بھی جواب دے ہم اُسے پھنسا لیں گے۔ اگر وہ دعویٰ کرے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں اس لئے یہ بات خود اختیار رکھتا ہوں تو اُس پر کفر کا فتویٰ صادر کریں گے۔ اگر کہے کہ یہ اختیار مجھے خدا نے دیا ہے تو اس دعوے کو چیلنج کریں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا کی طرف سے مقرر شدہ لیڈر ہیں۔

۲۹:۱۱-۳۲- مگر یسوع نے جواب کے طور پر بھی ایک سوال پوچھا۔ ”کیا یوحنا پتسمہ دینے والے کو خُدا نے مقرر کیا تھا یا نہیں؟“ ”یوحنا کا پتسمہ“ اُس کی پوری خدمت کی طرف اشارہ ہے۔ اُن کو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سخت گھبراہٹ ہوئی۔ اگر یوحنا کی خدمت خُدا کی طرف سے مقرر تھی تو اُنہیں اُس کی طرف سے توبہ کی بلا ہٹ کو ماننا چاہئے تھا۔ اگر وہ یوحنا کی خدمت کی بے قدری کرتے تو اُنہیں عام لوگوں کی طرف سے خطرہ تھا، اس لئے کہ ”سب لوگ واقعی یوحنا کو نبی جانتے تھے۔“

۳۳:۱۱- اُنہوں نے جواب دینے سے انکار کر کے کہہ دیا کہ ”ہم نہیں جانتے۔“ چنانچہ خُداوند نے بھی اپنے اختیار کے بارے میں کوئی بات کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ اُس کے پیشرو کو مُستند نہیں مانتے تو خود بادشاہ کو مُستند کیسے مان سکتے تھے؟

و۔ شریر یا غبانوں کی تمثیل (۱۲:۱-۱۲)

۱۲:۱- اگرچہ خُداوند نے اُن یہودی لیڈروں کے سوال کا جواب نہیں دیا مگر اُنہیں چھوٹا نہیں۔ اُس نے ”تمثیلوں“ کی زبان میں اُن پر چمکتا ہوا الزام لگایا کہ وہ خُدا کے بیٹے کو رد کرتے ہیں۔ ”تارستان“ لگانے والا شخص خود خُدا ہے۔ اور ”تارستان“ اعزاز و استحقاق کا وہ مقام ہے جو اُس وقت بنی اسرائیل کو حاصل تھا۔ ”احاطہ“ موسوی شریعت ہے جو بنی اسرائیل کو غیر قوموں سے الگ کرتی اور اُن کو خُداوند کے امتیازی لوگوں کی حیثیت سے محفوظ رکھتی تھی۔ ”غبان“ مذہبی لیڈر یعنی فقیہ، فریسی اور بزرگ تھے۔

۱۲:۲-۵- خُدا اپنے خادموں یعنی نبیوں کو متواتر اسرائیلی اُمت کے پاس بھیجتا رہا اور اُن کے ساتھ رفاقت، پاکیزگی اور محبت کا متمنی رہا۔ مگر تو م نبیوں پر ظلم ڈھاتی اور بعض کو قتل کرتی رہی۔

۱۲:۶-۸- آخر کار خُدا نے اپنے پیارے ”بیٹے“ کو بھیجا کہ وہ اُس کا تو ضرور ”لحاظ کریں گے۔“ مگر اُنہوں نے اُس کا کوئی نہ کیا بلکہ اُس کے خلاف سازش کی اور بالآخر اُسے بھی ”قتل کیا۔“ اس طرح خُداوند نے خود اپنی موت کی پیشین گوئی کی اور اپنے قاتلوں کو بے نقاب کیا۔

۱۲:۹- خُدا ایسے شریر انسانوں سے ”کیا کرے گا؟“ وہ اُن کو ”ہلاک“ کرے گا اور اُن کا اعزاز اور استحقاق ”اُوروں کو دے دے گا۔“ اُوروں سے یہاں مُراد ”غیر اقوام“ ہو سکتی ہیں۔

وہ مفتوح رعایا ہیں۔ وہ کیوں اس حالت میں تھے؟ گناہ اور خدا کے ساتھ بے وفائی کے باعث۔ ان کو یہ اقرار کرتے ہوئے شرمسار ہونا چاہئے تھا کہ جو کئے ہم استعمال کرتے ہیں ان پر ایک غیر قوم امر کی شبیہ کندہ ہے۔

۱۷:۱۷۔ یسوع نے ان سے کہا ”جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔“ وہ پہلے جھٹکے کی نہیں بلکہ دوسرے جھٹکے کی ادائیگی میں ناکام رہے تھے۔ بے شک بے دلی ہی سے سہی، مگر رومی محصولات ادا کرتے تھے، مگر اپنی زہدگیوں پر خدا کے مطالبات کو نظر انداز کرتے تھے۔ اسکے پر قیصر کی شبیہ تھی، اس لئے وہ قیصر کی ملکیت تھا۔ انسان پر خدا کی شبیہ ہے۔ خدا نے انسان کو اپنی صورت، اپنی شبیہ پر بنایا (پیدائش ۱: ۲۶، ۲۷)۔ اس لئے وہ خدا کی ملکیت ہے۔

ایمان دار پر فرض ہے کہ جس حکومت کے ماتحت ہے اس کی حمایت اور فرمانبرداری کرے۔ اپنے حاکموں کی بدگویی نہ کرے، نہ حکومت کا تختہ الٹنے میں شریک ہو۔ اگر اسے کوئی ایسا کام کرنے کو کہا جائے جس سے اعلیٰ تر حاکم یعنی مسیح سے وفاداری پر حرف آتا ہو تو اس کا فرض ہے کہ حکم ماننے سے انکار کر دے اور سزا برداشت کرے۔ خدا کے مطالبات (احکام) کو ہر صورت میں اولیت حاصل ہونی چاہئے۔ ان احکامات کی بجا آوری سے مسیحی دنیا کے سامنے ہمیشہ اچھی گواہی دے گا۔

ح۔ صدوقیوں کا قیامت کے بارے میں معمّا (۱۲: ۱۸-۲۷)

۱۸:۱۲۔ ”صدوقی“ اپنے زمانے کا آزاد خیال گروہ تھا۔ وہ جسم کی قیامت کے تصور کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ خداوند کے پاس آئے اور ایک الٹی قسم کی کہانی گھڑ لائے جس سے مذکورہ تصور مضحکہ خیز معلوم ہو۔

۱۹:۱۲۔ انہوں نے یسوع کو یاد دلایا کہ موسیٰ کی شریعت نے بنی اسرائیل کے درمیان بیواؤں کے لئے خصوصی انتظام کیا ہے۔ خاندان کے نام کو برقرار رکھنے اور گھرانے کی جائیداد کو گھرانے ہی میں رکھنے کی غرض سے شریعت نے مقرر کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی بے اولاد مر جائے تو ”اُس کا بھائی“ اُس بیوہ سے شادی کرے (استثنا ۲۵: ۵-۱۰)۔

۲۰:۱۲-۲۳۔ اب انہوں نے ایک عجیب و غریب مسئلہ پیش کیا کہ ایک عورت کو شریعت

کے مذکورہ انتظام کے مطابق یکے بعد دیگرے ”سات بھائیوں“ سے شادی کرنی پڑی۔ ”سب کے بعد وہ عورت بھی مر گئی۔“ اب انہوں نے اپنے خیال کے مطابق بڑا معقول سوال کیا کہ ”قیامت میں یہ ان میں سے کس کی بیوی ہوگی؟“

۲۴:۱۲۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم بہت ہوشیار ہیں۔ خداوند نے ان پر عیاں کر دیا کہ تم ”کتاب مقدس“ اور ”خدا کی قدرت“ دونوں ہی سے قطعی ناواقف ہو۔ ”کتاب مقدس“ قیامت کی تعلیم دیتی ہے اور ”خدا کی قدرت“ مردوں کو زندہ کرتی ہے۔

۲۵:۱۲۔ پہلے تو ان کو یہ جاننا چاہئے کہ آسمان میں ازدواجی رشتے جاری نہیں رہیں گے۔ وہاں ایمان دار ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بطور مرد اور عورت ان کی انفرادیت قائم رہے گی۔ مگر ان میں بیاہ شدہ ہی نہ ہوگی۔ اس لحاظ سے وہ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے۔“

۲۶:۱۲۔ اب یسوع صدوقیوں کی طرف متوجہ ہوا جو موسیٰ کی کتابوں کو پڑانے عمد نامہ کی دیگر کتابوں پر فوقیت دیتے اور زیادہ اہم گردانتے تھے۔ وہ انہیں موسیٰ کی جلتی جھاڑی کے واقعہ (خروج ۳:۶) پر واپس لے گیا۔ وہاں خدا اپنے بارے میں کہتا ہے کہ ”میں ابرہام کا خدا اور اسمحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔“ اس بات سے منجی نے واضح طور پر ثابت کیا کہ خدا ”مردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا ہے۔“

مگر کیسے؟ جب خدا موسیٰ پر ظاہر ہوا تو کیا ابرہام اور اسمحاق اور یعقوب کو مرے صدیاں نہیں بیت چکی تھیں؟ ہاں، درست، ان کے بدن حبرون میں مکفیلہ کے غار میں پڑے تھے۔ پھر خدا زندوں کا خدا کیسے ہوا؟

دلیل یوں معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ خدا نے ان بزرگان قوم سے ایک ملک اور مسیح موعود کے بارے میں وعدے کئے تھے۔

۲۔ یہ وعدے ان کی زندگیوں میں پورے نہیں ہوئے تھے۔

۳۔ جس وقت جلتی جھاڑی پر خدا موسیٰ سے ہمکلام ہوا ان کے بدن قبر میں تھے۔

۴۔ پھر بھی خدا نے ان کا اس طرح ذکر کیا جیسے وہ زندہ ہوں۔

۵۔ ضرور ہے کہ وہ ابرہام اور اسمحاق اور یعقوب سے اپنے وعدے پورے کرے۔

۶۔ اس لئے قیامت ایک حتمی اور قطعی ضرورت ہے۔ خدا کی ذات کے بارے میں ہمارا

علم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قیامت ہو۔
 چنانچہ خداوند نے بحث کو ختم کرتے ہوئے صدوقیوں سے کہا "پس تم بڑے گمراہ ہو۔"

ط۔ بڑا حکم (۱۲: ۲۸-۳۴)

۱۲: ۲۸۔ "فقہیوں میں سے ایک" اس بات سے بہت متاثر ہوا کہ خداوند نے اپنے نکتہ چینیوں کے سوالوں کے جواب بڑی چابک دستی سے دئے۔ اب خود اُس فقہ نے پوچھا کہ "سب حکموں میں اول کونسا ہے؟" یعنی سب سے اہم حکم کون سا ہے۔ بہت کھرا سوال تھا جو کئی لحاظ سے زندگی کا بنیادی سوال ہے۔ دراصل وہ پوچھ رہا تھا کہ مجھے مختصراً بتایا جائے کہ انسان کے وجود کا بڑا مقصد کیا ہے۔

۱۲: ۲۹۔ جواب میں یسوع نے "شمار" یعنی یہودیوں کے اقرار الایمان سے اقتباس پیش کیا کہ "اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" (استثنا ۶: ۴)۔
 ۱۲: ۳۰۔ خداوند یسوع نے خدا کے لئے انسان کے حقوق کا خلاصہ پیش کیا کہ "تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ"۔ ضرور ہے کہ انسان اپنی زندگی میں خدا کو اعلیٰ ترین اور فائق ترین مقام دے۔ کوئی اور محبت خدا کی محبت کی رقیب نہ ہو۔

۱۲: ۳۱۔ باقی احکام ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ "اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ"۔ ہمیں خدا سے اپنے سے "بڑھ کر" محبت رکھنی چاہئے اور اپنے پڑوسی سے "اپنی مانند"۔ چنانچہ وہ زندگی جو واقعی اہمیت رکھتی ہے، اس کا تعلق پہلے خدا کے ساتھ ہے، بعد میں دوسروں کے ساتھ۔ یہاں مادی چیزوں کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ اہمیت ہے تو خدا کو اور انسانوں کو۔
 ۱۲: ۳۲، ۳۳۔ اُس فقہ نے خداوند سے پورا پورا اتفاق کیا اور قابل تعریف وضاحت کے ساتھ کہا کہ خدا اور ہم جنس انسانوں کے ساتھ محبت رکھنا ریت و رسم پر عمل کرنے کی نسبت نہایت اہم ہے۔ اُس کو احساس ہو گیا کہ لوگ مذہبی رسوم بھی ادا کرتے ہیں اور لوگوں کو دکھانے کی غرض سے خدا پرستی کا ڈھونگ بھی رچا لیتے ہیں، لیکن باطنی اور شخصی پاکیزگی نہیں رکھتے۔ اُس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ خدا انسان کے ظاہر اور باطن، دونوں کو پرکھتا ہے۔

۳۴:۱۲ - جب یسوع نے یہ قابلِ تعریف بات سنی تو اُس نقیحہ سے کہا کہ ”تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں۔“ بادشاہی کی سچی رعایا ظاہری مذہب سے خدا کو یا اپنے ہم جنس انسانوں کو یا اپنے آپ کو دھوکا نہیں دیتی۔ وہ جانتے ہیں کہ خدا دلوں پر نظر کرتا ہے اس لئے وہ گناہ سے صفائی کے لئے اور اُس کی مرضی اور خوشی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی طاقت حاصل کرنے کے لئے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اس کے بعد کسی نے ”جراثِ مذکی“ کہ اُلٹے سیدھے سوالوں سے اُسے پھنسائے۔

ی۔ داؤد کا بیٹا، داؤد کا خداوند ہے (۱۲: ۳۵-۳۷)

”نقیحہ“ ہمیشہ سے یہی تعلیم دیتے آئے تھے کہ مسیح موعود صلیبی لحاظ سے ”داؤد“ کی نسل سے ہوگا۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے مگر پوری حقیقت نہیں۔ چنانچہ جتنے لوگ خداوند یسوع کے پاس بیسکل کے صحن میں جمع تھے، اُس نے اُن کے سامنے ایک مُشکل پیش کی۔ زبور ۱۱۰: ۱ میں داؤد آنے والے مسیح موعود کا ذکر کرتے ہوئے اُسے ”میرے خداوند“ کہتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ مسیح موعود بیک وقت داؤد کا ”بیٹا“ اور داؤد کا ”خداوند“ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمارے لئے جواب صاف اور واضح ہے۔ مسیح موعود بشر اور خدا دونوں ہے۔ ابن داؤد ہونے کے لحاظ سے وہ بشر ہے اور اُس کا خداوند ہونے کے لحاظ سے وہ خدا ہے۔

”عام لوگ خوشی سے اُس کی سنتے تھے۔“ لگتا ہے کہ وہ حقیقت کو ماننے اور قبول کرنے کو تیار تھے، حالانکہ وہ اُسے پوری طرح سمجھتے بھی نہیں تھے۔ مگر یہاں فقیہوں اور فریسیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا۔ اُن کی خاموشی یدِ شگونی کی علامت ہے۔

ک۔ فقیہوں کے خلاف آگاہی (۱۲: ۳۸-۴۰)

۳۹: ۳۸، ۱۲ - ”نقیحہ“ ظاہری طور پر مذہبی تھے۔ وہ ”لیے لیے جانے“ پیمانے پر گھومنا پھرتا پسند کرتے تھے۔ یہ لباس اُن کو عام لوگوں سے ممتاز کرتا اور انہیں دینداری اور پرہیزگاری کی وضع قطع دیتا تھا۔ وہ اس بات سے خوش ہوتے تھے کہ لوگ سرعام ہمیں بڑے بڑے القاب سے مخاطب کریں۔ اس طرح اُن کی انا کی تسکین ہوتی تھی! وہ عیادت خانوں میں ”اعلیٰ درجہ کی کرسیاں“ یعنی عزت کی جگہ کے طالب رہتے تھے۔ گویا جسمانی لحاظ سے جگہ بھی خدا پرستی یا روحانیت کے

ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ وہ نہ صرف مذہبی لحاظ سے نمایاں نظر آنا چاہتے تھے بلکہ سماجی لحاظ سے بھی فوقیت چاہتے تھے۔ وہ ”ضیافتوں میں صدر نشینی چاہتے تھے“۔

۱۲:۲۰۔ باطن میں وہ لالچی اور ریاکار تھے۔ وہ اپنے لئے دولت سمیٹنے کی خاطر ”بیواؤں“ کی جائیداد بلکہ گزارے کے وسائل بھی چھین لیتے بلکہ ٹوٹ لیتے تھے، اور ظاہر کرتے تھے کہ یہ رقم خداوند کے لئے ہے۔ وہ لمبی لمبی ”دُعائیں“ مانگتے تھے۔ اور دُعائیں موٹے موٹے الفاظ استعمال کرتے تھے، مگر ان کی دُعائیں فقط لفظی تھیں۔ مختصر یہ کہ وہ امتیاز (بڑے چرخے)، ہر دلچیزی (سلام)، عزت افزائی (اعلیٰ درجہ کی کرسیاں)، فوقیت (صدر نشینی)، مال و دولت (بیواؤں کے گھر) اور جعلی خدا پرستی (لمبی لمبی دُعائیں) کے دلدادہ تھے۔

ل۔ بیوہ کی دو دُمڑیاں (۱۲:۲۱-۲۴)

یہاں ہمیں زبردست تقابلی نظر آتا ہے۔ ایک طرف فقیہوں کی حرص اور طمع ہے، دوسری طرف ایک بیوہ کا ایشاد اور جاں نثاری ہے۔ فقیہ تو بیواؤں کے گھر بھی ہڑپ کر جاتے تھے اور بیوہ نے ”جو کچھ اُس کا تھا یعنی اپنی ساری روزی ڈال دی“۔ اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم کُل ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ”دولت مند“ لوگ بڑے بڑے نذرانے میسکل کے نذرانے میں ڈال رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اُن کے نذرانوں میں قربانی اور ایشاد کا کوئی عمل دخل نہیں۔ وہ اپنے مال کی بھنات سے ”ڈال رہے تھے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بیوہ نے دو دُمڑیاں ڈالی ہیں، یہی اُس کی ”ساری روزی“ تھی۔ خداوند نے بتایا کہ اس بیوہ نے اُن سبھیوں کے مجموعی نذرانوں سے ”زیادہ“ ڈالا ہے۔ جہاں تک مالی قیمت کا تعلق ہے اُس نے سب سے کم ڈالا تھا، مگر خداوند ہماری نیت، ہمارے وسائل سے ہمارے دینے کا اندازہ لگاتا ہے، نہ اس سے کہ ہمارے پاس کتنا ہے۔ یہ اُن لوگوں کے لئے بہت حوصلہ افزائی کی بات ہے جن کے پاس مادی مال و دولت کی کمی ہے۔ مگر خداوند کو دینے کی بڑی خواہش رکھتے ہیں۔ ہم بیوہ کے کام کی تعریف کرتے اور خداوند کی بات سے اتفاق کرتے ہیں مگر ہجرت کی بات ہے کہ بیوہ کے نمونے کی پیروی نہیں کرتے! اگر ہم جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں اُس پر واقعی یقین بھی رکھتے ہوں تو ہم وہی کچھ کریں گے جو بیوہ نے کیا تھا۔ اُس کی نذر اُس کی اس قابلیت کی شاہد ہے کہ سب کچھ خداوند کا ہے اور وہ اس لائق ہے کہ اُسے سب کچھ

دے ڈالا جائے۔ اور ضرور ہے کہ ہم سب کچھ اُس کی نذر کر دیں۔ آج کے بُرت سے مسیحی بیوہ پر اعتراض کریں گے کہ اُس نے مستقبل کا کچھ انتظام نہ کیا۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پیش بینی یا مصلحت اندیشی سے محروم تھی؟ لوگ تو ایسی ہی دلیلیں دیں گے، مگر یہ ایمان کی زندگی ہے۔ کہ اس وقت جو کچھ بھی ہے سب خدا کے کام میں لگا دیا جائے اور مستقبل کے لئے اُس پر بھروسہ کیا جائے۔ کیا اُس نے وعدہ نہیں کیا کہ جو لوگ خدا کی باوٹا ہی اور اُس کی راستبازی کی تلاش کریں گے اُن کو یہ سب چیزیں بھی مل جائیں گی؟ (متی ۶: ۳۳)۔

کیا یہ انتہا پسندی ہے؟ انقلابی بات ہے؟ جب تک ہم یہ نہیں جان لیتے کہ مسیح کی تعلیمات انقلابی ہیں، ہم اُس کی خدمت کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے۔

۶۔ کوہ زیتون پر خادِم کا دُرس (باب ۱۳)

۱۔ یسوع ہیکل کی بربادی کی پیشین گوئی کرتا ہے

(۱۳: ۱-۲)

۱۳: ۱۔ مسیح کی موت سے پہلے یہ آخری موقع ہے کہ وہ ”ہیکل سے باہر جا رہا تھا“۔ اُس وقت اُس کے شاگردوں میں سے ایک نے ہیکل کی شان و شوکت اور مُلحد تعیرات کی عظمت کے بارے میں خداوند کے جوش و ولولہ کو جگانے کی کوشش کی۔ شاگرد اس بات سے متاثر تھے کہ اتنے بڑے بڑے پتھروں کو ترتیب سے لگانا تعمیراتی فن کا ایک شاہ کار ہے۔

۱۳: ۲۔ مُنجی نے بیان کیا کہ بُرت جلد یہ سب کچھ برباد کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا۔ اور واقعی سنہ ۷۰ء میں رومی فوجوں نے یہوشلیم پر یلغار کی تو یہ پیش گوئی حُرف بہ حُرف پوری ہوئی۔ ہم کیوں ڈھلتی چھاؤں پر دل لگاتے ہیں؟

ب۔ دُکھوں کا شروع (۱۳: ۳-۸)

”زیتون کے پہاڑ“ پر بیٹھے باتیں کرتے ہوئے خداوند نے اپنے شاگردوں کی توہر زیادہ

اہم واقعات کی طرف لگائی۔ بعض پیش گوئیاں سنسہ ۶ میں یروشلیم کی تباہی و بربادی کا بیان کرتی ہیں۔ لیکن صاف نظر آتا ہے کہ زیادہ تر پیش گوئیاں بڑی مصیبت کے ایام اور خداوند کی قدرت اور جلال کے ساتھ دوبارہ آمد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ وہ کلیدی الفاظ جو ہر زمانے کے ایمان داروں سے علاقہ رکھتے ہیں یہ ہیں: (۱) خبردار (آیات ۵، ۲۳، ۳۳، ۴۲) گھبرانہ جانا (آیت ۷)، (۳) برواشت کرنا (آیت ۱۳)، (۴) دُعا کرو (آیات ۱۸، ۳۳)، (۵) خبردار (جاگتے رہو) (آیات ۹، ۳۳، ۳۵، ۳۷)۔

۱۳: ۳، ۴۔ اس پورے درس کا آغاز ”پطرس اور یعقوب اور یوحنا اور اندریاس“ کے ایک سوال سے ہوا کہ ہیکل ”کب“ برباد ہوگی اور اس واقعے سے پہلے ”کیا نشان ہے“؟ خداوند کے جواب میں اُس بعد کی ہیکل کی بربادی بھی شامل ہے جو خداوند کی آمد ثانی سے پہلے ”بڑی مصیبت“ کے وقت وقوع میں آئے گی۔

۱۳: ۶، ۵۔ سب سے پہلے شاگردوں کو ”خبردار“ رہنا ہے کہ کوئی انہیں یہ کہہ کر ”گمراہ نہ کر دے“ کہ کین مسیح موعود ہوں کیونکہ ”بہتیرے“ جھوٹے مسیح اٹھ کھڑے ہوں گے۔ آج بے شمار فرقوں کے اٹھ کھڑے ہونے میں اس نبوت کی تکمیل نظر آتی ہے کہ ہر فرقہ اپنا الگ مخالف مسیح رکھتا ہے۔

۱۳: ۷، ۸۔ دوسرے، انہیں ”لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہوں“ سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا ہوگا کہ ”خاتمہ“ آ پہنچا۔ اس درمیانی تمام عرصے کے دوران بین الاقوامی کشمکش اور باہمی آویزش جاری رہے گی۔ علاوہ ازیں زمین اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی۔ ”بھونچال... کال... اور مصیبتوں“ کے عذاب انسان کی زندگی اجیرن کر دیں گے۔ لیکن یہ سب کچھ گویا دروڑہ کا آغاز ہی ہوگا جن سے بڑے سخت عذاب کے بے مثال عرصے کا شروع ہی ہوگا۔

ج۔ شاگردوں کی ایذا رسانی (۱۳: ۹-۱۳)

۱۳: ۹۔ تیسرے۔ خداوند نے بتا دیا کہ اُن لوگوں کو شخصی اور ذاتی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو اُس کی خاطر گواہی دینے سے نہیں ہچکچائیں گے۔ اُن پر مذہبی اور دیوانی عدالتوں میں مقدمے چلائے جائیں گے۔

اگرچہ کلام کے اس حصے کا اطلاق مسیحی گواہی کے ہر دور پر ہوتا ہے، لیکن معلوم ہونا

ہے کہ خاص اشارہ اُن ایک لاکھ چوالیس ہزار ۴۴۰۰۰ یہودی ایمان داروں کی طرف ہے جو مسیح کے ظاہری طور پر بادشاہی کرنے کو آنے سے فوراً پہلے بادشاہی کی خوشخبری ساری قوموں تک پہنچائیں گے۔

۱۰:۱۳۔ اس آیت کو یہ تعلیم دینے کے لئے ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے کہ ضرور ہے کہ فضائی استقبال سے پہلے سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے۔ ہونا تو چاہئے کہ دنیا بھر میں منادی ہو، اور شاید ہو بھی جائے، مگر یہ کہنا بائبل مقدس کی تعلیم کے خلاف ہے کہ ضرور ہی ایسا ہوگا۔ اب کوئی ایسی نبوت رہ نہیں گئی جسے مسیح کی آمد ثانی سے پیشتر ابھی پوری ہونا ہو۔ وہ کسی لمحہ بھی آسکتا ہے۔

۱۱:۱۳۔ خداوند یسوع نے وعدہ کیا ہے کہ جب ایمان داروں پر مصیبت آئے گی اور اُن پر مقدمے چلائے جائیں گے تو انہیں اپنے دفاع کے لئے قوت عطا کی جائے گی۔ انہیں اپنا مقدمہ یا جو ابدی پہلے سے تیار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ شاید اتنی مہلت ہی نہ ملے گی۔ ”روح القدس“ انہیں بالکل صحیح الفاظ عطا کرے گا۔ اس وعدے کو آج کل وعظ اور انجیلی پیغام تیار نہ کرنے کا ہمانہ نہیں بنا لینا چاہئے۔ یہ وعدہ ضمانت ہے کہ ہنگامی حالت میں فوق الفطرت مدد ملے گی۔ یہ وعدہ شہیدوں کے لئے ہے واعظوں کے لئے نہیں!

۱۲:۱۳۔ ۱۳۔ مصیبت کے دنوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہوگی کہ جو لوگ منجی کے وفادار ہوں گے، اُن کو اپنوں سے پکڑوایا جائے گا۔ خاندان کے افراد ہی ایمان داروں کی خبری کریں گے۔ مسیحیت کی مخالفت کی ایک زبردست لہر ساری دنیا میں اُٹھے گی اور خداوند یسوع کے ساتھ وفادار رہنے میں بڑے حوصلے اور جرات کی ضرورت ہوگی۔ ”مگر جو آخر تک برداشت کرے گا، وہ نجات پائے گا۔“ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی برداشت کے سبب سے ابدی نجات پائیں گے۔ یہ مجموعی تعلیم ہے۔ نہ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اُن مصیبت کے ایام کے دوران ایمان داروں کو جسمانی موت سے بچا لیا جائے گا کیونکہ کسی اور مقام پر لکھا ہے کہ وہ اپنی گواہی پر اپنے خون سے مہر لگائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر تک برداشت کرنا اُن کی سچائی یا حقیقت کا ثبوت ہوگا۔ یعنی یہ خصوصیت اُن میں نمایاں ہوگی جو سچ مچ نجات یافتہ ہوں گے۔

د- بڑی مصیبت (۱۳: ۱۴-۲۳)

۱۳: ۱۴-۱۸ - آیت ۱۴ مصیبت کے اُن ایام کی نشاندہی کرتی ہے جسے "بڑی مصیبت" کہا جاتا ہے۔ ہم اس بات کو دانی ایل ۲۷: ۹ کے ساتھ متقابلہ کر کے سمجھ سکتے ہیں۔ اُن دنوں یروشلم کی ہیکل میں ایک بڑا مکروہ بُت نصب کیا جائے گا۔ لوگوں کو اس کی پرستش کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ انکار کرنے والوں کو قتل کیا جائے گا۔ بلاشبہ سچے ایماندار انکار ہی کریں گے۔

اس بُت کا نصب کیا جانا نشان ہوگا کہ بڑی ایذا رسانی شروع ہوگئی ہے۔ جو لوگ بائبل مقدس کو پڑھتے اور مانتے ہیں، وہ جان جائیں گے کہ اب "یہودیہ" سے بھاگ جانے کا وقت آگیا ہے۔ ذاتی چیزیں ساتھ لے جانے کی مہلت بھی نہیں ملے گی۔ "حاملہ... اور دودھ پلاتی" عورتوں کو خاص مشکل ہوگی۔ اور اگر یہ مصیبت "چاروں میں" آتی تو خطرات اور مصائب اور بھی زیادہ ہوں گے۔

۱۳: ۱۹ - "وہ دن ایسی مصیبت کے ہوں گے" کہ نہ ماضی میں کبھی ہوئے نہ مستقبل میں ہوں گے۔ یہ ہے "بڑی مصیبت"۔ یہاں خداوند یسوع حامِ قسم کی مصیبت کا ذکر نہیں کر رہا، جس کا ایمانداروں کو ہر زمانے میں سامنا رہا ہے بلکہ یہ مصیبت کے وہ ایام ہیں جو اپنی شدت میں بے مثال ہوں گے۔

خود کریں کہ اپنی نوعیت میں یہ بڑی مصیبت یہودیہ ہے۔ یہاں "ہیکل" (آیت ۱۴ بحوالہ متی ۲۴: ۱۵) اور "یہودیہ" (آیت ۱۴) کا خاص ذکر ہے۔ یہی "یعقوب بنی مصیبت کا وقت" (یرمیاہ ۳: ۷) ہے۔ یہاں منظر میں کلیسا نظر نہیں آتی کیونکہ خداوند کا "دن" شروع ہونے سے پیشتر کلیسیا کو آسمان پر اٹھا لیا جائے گا (۱-تھسسالونیکوں ۴: ۱۳-۱۸ بمقابلہ ۱-تھسسالونیکوں ۵: ۱-۳)۔

۱۳: ۲۰ - اُن دنوں میں خدا کے غضب کے پیلے دنیا پر اُنڈیلے جائیں گے۔ یہ آفات، افراتفری اور خوں ریزی کا وقت ہوگا۔ بلکہ قتل و غارت اتنی زیادہ ہوگی کہ خدا فوق الفطرت طور پر دنوں کو چھوٹا کر دے گا، ورنہ کوئی بھی بچ نہ سکے گا۔

۱۳: ۲۱، ۲۲ - بڑی مصیبت کے دوران "بھوٹے مسیح" پھر عروج حاصل کریں گے۔

لوگ اس قدر مایوس اور بد دل ہو جائیں گے کہ جو بھی اُن کو تحفظ فراہم کرنے کا وعدہ کرے گا اُس کے پیچھے ہوں گے، مگر ایمانداروں کو معلوم ہوگا کہ مسیح خاموشی سے نہیں آئے گا۔ اُس کی آمد اعلان کے ساتھ ہوگی۔ اگرچہ یہ ”جھوٹے مسیح“ فوق الفطرت عجائبات دکھائیں گے، لیکن ”برگزیدوں“ کو دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ ان معجزوں کے پیچھے شیطان کی طاقت کام کر رہی ہے۔

ضروری نہیں کہ سب معجزے خدا کی طرف سے ہوں۔ معجزات معلومہ اصولاتِ فطرت سے فوق البشر انحراف کی نمائندگی کرتے ہیں مگر ساتھ ہی وہ شیطان یا فرشتوں یا ارواحِ بد (شیاطین) کے کام کی نمائندگی بھی کر سکتے ہیں۔ ”گناہ کے شخص“ کو معجزے کرنے کی شیطانی طاقت حاصل ہوگی (۲-تھسلٹیکوں ۲: ۳، ۹)۔

۱۳: ۲۳۔ چنانچہ ایمانداروں کو ”خبردار“ رہنا چاہئے کیونکہ اُن کو پہلے ہی بتا دیا گیا ہے۔

۵۔ آمد ثانی (۱۳: ۲۴-۲۷)

۱۳: ۲۴-۲۵۔ ”اُس مصیبت کے بعد“ آسمان پر حیرت ناک اور ہیبت ناک نشان ظاہر ہوں گے۔ تاریکی کی چادر دن کے وقت بھی دُنیا کو ڈھانپ لے گی۔ ”آسمان سے ستارے گرنے لگیں گے اور جو تُو تُو آسمان میں ہیں (اور گہ ہائے سمادی کو اپنے اپنے محور پر قائم رکھتی ہیں) وہ ہلائی جائیں گی۔“

۱۳: ۲۶، ۲۷۔ اُس وقت دہشت زدہ دُنیا ”ابنِ آدم“ کو زمین پر واپس آتے دیکھے گی۔ اب وہ پست حال ناصری نہیں بلکہ جلالی فاتح کی حیثیت سے آئے گا۔ وہ ”بادلوں میں“ آئے گا اور بے شمار فرشتے اور مرحوم مقدسین اُس کے ہمراہ ہوں گے۔ ”انہماکی قدرت اور چکاچوند شان و شوکت کا منظر ہوگا۔“ اُس وقت وہ فرشتوں کو بھیج کر اپنے برگزیدوں کو زمین کی انتہا سے آسمان کی انتہا تک چاروں طرف سے جمع کرے گا۔ ”یہاں برگزیدوں سے مراد وہ ایمان دار ہیں جنہوں نے ”بڑی مصیبت“ کے ایام کے دوران اُس کو اپنا خداوند اور مہتری تسلیم کیا تھا۔ وہ دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے تک چھین سے کولمبیا تک جمع ہوں گے اور زمین پر اُس کی عجیب اور شاندار ہزار سالہ

بادشاہی کی برکات اور فیوض سے نطف اندوز ہوں گے، مگر اُن کے دشمن ہلاک کئے جائیں گے۔

۱۔ انجیر کے درخت کی تمثیل (۱۳: ۲۸-۳۱)

۱۳: ۲۸ = پاک کلام میں ”انجیر کا درخت“ اسرائیلی قوم کی مثال ہے۔ یہاں یسوع نے یہ بتایا ہے کہ میری دوسری آمد سے پہلے انجیر کے درخت کے ”پتے“ نکلیں گے۔ ۱۹۴۸ء میں آزاد اور خود مختار اسرائیلی قوم کی تشکیل ہوئی۔ کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیل کے ”پتے“ نکل آئے ہیں، البتہ ابھی تک پھل نہیں آیا۔ دراصل جب تک مسیح موعود کی واپسی نہ ہوگی کوئی پھل نہیں لگے گا۔ اُس وقت ہی یہ قوم اُسے قبول کرنے پر آمادہ ہوگی۔

۱۳: ۲۹۔ اسرائیلی قوم کی تشکیل اور ترقی ہمیں بتا رہی ہے کہ بادشاہ ”نزدیک، بلکہ دروازہ پر ہے۔“ اگر بادشاہی کرنے کے لئے اُس کا آنا نزدیک ہے تو کلیسیا کے لئے اُس کا آنا اُس سے کتنا زیادہ قریب ہے!

۱۳: ۳۰۔ آیت ۳۰ کا مطلب اکثر یہ لیا جاتا ہے کہ اس باب میں جتنی نبوتیں ہیں، وہ اُن لوگوں کی زندگی میں ہی پوری ہو جائیں گی جو مسیح کے دنوں میں زمین پر زندہ موجود تھے۔ لیکن یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سے واقعات، خصوصاً آیات ۲۴-۲۷ کے واقعات اُس وقت قطعاً رونما نہ ہوئے۔ بعض لوگ یہ مطلب لیتے ہیں کہ ”جونس“ انجیر کے درخت کے پتے نکلتے وقت موجود ہوگی، یعنی ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیلی قوم کی تشکیل ہوئی، وہ نسل ہوگی جو آمیزثانی کو دیکھے گی۔ لیکن ہم ایک تیسرے نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ”یہ نسل“ سے مراد یہ یہودی نسل ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ مسیح موعود پر ایمان نہ لائی بلکہ اُسے رد کر دیا۔ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ ”یہ نسل“ نا حال تمام نہیں ہوئی۔ مجموعی طور پر یہ قوم نہ صرف قائم رہی ہے بلکہ الگ اور نمایاں رہی ہے۔ مگر خداوند یسوع کے ساتھ اس قوم کی عداوت اور دشمنی جاری رہی ہے۔ یسوع نے نبوت کی تھی کہ یہ قوم اور اُس کی قومی خصوصیت میری دوسری آمد تک قائم اور جاری رہے گی۔

۱۳: ۳۱۔ خداوند نے تاکیدا کہا کہ میری ایک ایک نبوت قطعی طور پر یقینی اور اٹل ہے۔ یہ فضائی ”آسمان“ ستاروں سمیت ”ٹل جائیں گے“۔ یہ ”زمین“ پگھل جائے گی لیکن اُس کی باتوں کا ایک حرف بھی نہیں ٹلے گا۔

ز۔ اُس دن یا گھڑی کا علم نہیں (۱۳: ۳۲-۳۷)

۱۳: ۳۲۔ یسوع نے کہا کہ ”اُس دن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ۔“ اس سے کون واقف نہیں کہ خوشخبری کے دشمن اس آیت کو یہ ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں کہ یسوع صرف انسان تھا اور میری اور آپ کی طرح اُس کا علم بھی محدود تھا۔ علاوہ انہیں نیک نیت مگر گمراہ ایمان دار بھی اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب یسوع انسان بن کر اس دنیا میں آیا تو اُس نے خود کو الہی صفات سے خالی کر دیا تھا۔

ان میں سے کوئی تشریح بھی درست نہیں۔ یسوع خدا اور انسان دونوں تھا اور ہے۔ وہ تمام الہی صفات اور تمام بشری خصائص رکھتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اُس کی الوہیت جسمانی بدن میں چھپی ہوئی تھی، مگر موجود ضرور تھی۔ کبھی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ وہ کامل خدا نہ ہو۔ تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی دوسری آمد کے وقت سے لاعلم تھا؟ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس سوال کا جواب یوحنا ۱۵: ۱۵ میں موجود ہے۔ ”... نوکر نہیں جانتا کہ اُس کا مالک کیا کرتا ہے۔“ چونکہ وہ کامل خادم ہے اس لئے اس حیثیت میں خداوند یسوع کو اپنی دوسری آمد کے وقت کا علم نہ دیا گیا تھا۔ وہ کامل خدا ہے، اس حیثیت میں وہ اس بات کا علم رکھتا ہے۔ لیکن خادم کی حیثیت میں اُسے دوسروں پر ظاہر کرنے کے مقصد کے لئے یہ علم نہ دیا گیا۔ جیمز ایچ۔ بروکس اس کی وضاحت یوں کرتا ہے:

”اس بات کے باعث خداوند کے عالم کُل ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ

صرف یہ تصدیق ہوتی ہے کہ انسان کی مخلصی اور قدیر کے انتظام میں اُسے ”اُن

وقتوں اور ميعادوں کا جانتا جنہیں باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے“ (اعمال

۷: ۱) نہ دیا گیا۔ یسوع جانتا تھا کہ میں دوبارہ آؤں گا۔ وہ اکثر اپنی آمدِ ثانی کا

ذکر کرتا تھا، لیکن یہ امر بیٹا ہونے کے منصب کے لائق نہ تھا کہ اپنی آمدِ ثانی

کی تاریخ مقرر کرتا۔ چنانچہ وہ اسے اپنے پیروؤں کے سامنے ایک ایسی چیز

کے طور پر پیش کرتا ہے جو مسلسل امید اور توقع کا باعث ہے۔“

۱۳: ۳۳-۳۷۔ اس باب کے اخیر میں نصیحت کی گئی ہے کہ خداوند کی واپسی یعنی آمدِ ثانی

کے پیش نظر جاگتے اور دُعا مانگتے رہو، تاکہ یہ حقیقت کہ ہم وقتِ مقررہ کو نہیں جانتے ہمیں ہوشیار رکھے۔

روزمرہ زندگی میں بھی ایسی ہی صورتِ حال نظر آتی ہے۔ ایک شخص لمبے سفر پر گھر سے نکلتا ہے۔ وہ لوگر کو ہدایات دیتا ہے اور چوکیدار کو بھی کہتا ہے کہ میری واپسی کے لئے ہوشیار اور چوکنا رہنا۔ یسوع نے اپنے تئیں اُس سفر پر جانے والے آدمی کے مشابہ ٹھہرایا۔ وہ رات کے کسی پہر بھی واپس آسکتا ہے۔ اُس کے لوگ رات کو نگہبانی کرنے والے چوکیدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ لازم ہے کہ ”سوتے نہ پائے جائیں“ وہ اپنے تمام لوگوں سے کہتا ہے کہ ”جاگتے رہو“۔

۷۔ خادم کا دکھ اٹھانا اور موت (ابواب ۱۴، ۱۵)

۱۔ یسوع کو مار ڈالنے کی سازش (۱۴: ۱، ۲)

یہ اُس تاریخی ہفتے میں بدھ کا دن تھا۔ ”دو دن کے بعد عیدِ فصح“ ہونے والی تھی جس کے ساتھ ہی سات روز کی ”عیدِ نظیر“ یا بے خمیری روٹی کی عید کا آغاز ہوتا ہے۔ مذہبی راہنما خُداوند یسوع کا کام تمام کرنے پر تیلے ہوئے تھے۔ لیکن عید کے دنوں میں ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ بہت سے لوگ یسوع کو نبی مانتے تھے۔

اگرچہ ”سردار کاہن اور فقیر“ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ ”عید میں“ اُس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے مگر خُداوند نے اُن کے منصوبے باطل کر دیئے۔ اور خُدا کا فصح کا برہ عین اسی وقت ذبح ہوؤا (ملاحظہ کریں متی ۲۶: ۲)۔

ب۔ بیتِ عنیاہ میں یسوع پر عطر ملا جاتا ہے

(۱۴: ۳-۹)

جس طرح جوہری ہیرے کو سیاہ مغل پر رکھتے ہیں تاکہ اُس کی چمک دمک زیادہ نمایاں ہو اسی طرح رُوح القدس اور اُس کا انسانی مُصنّف مرقس ایک عورت کی خُداوند یسوع کے لئے محبت کو مذہبی لیڈروں کی حکومت اور یہوداہ اسکرپتی کی سازش کے

سیاہ پردوں کے بالمقابل رکھنا ہے تاکہ یہ محبت اور زیادہ نورانی نظر آئے۔

۳:۱۲۔ ”شمعون کوڑھی نے مہنجی کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا۔ شاید وہ اپنی شفا یابی کی شکر گزاری کرنا چاہتا تھا۔ ایک بے نام عورت (غالباً بیت عنیاہ کی مریم۔ یوحنا ۳:۱۲) نے آکر ”بیش قیمت خالص عطر... اُس کے سر پر ڈالا“ بلکہ پوری فراخ دلی سے پورا عطر دان اُس کے سر پر اُنڈیل دیا۔ اُس کی محبت اتنی زیادہ تھی!

۴:۱۴-۵۔ مگر ”بعض“ مہمان سوچنے لگے کہ یہ بہت بڑا ضیاع ہے۔ یہ عورت نہایت بے پروا اور فضول خرچ ہے۔ اس نے یہ عطر ”بیچ کر“ آمدنی ”غریبوں“ میں کیوں تقسیم نہیں کی؟ ”تین سو دینار“ سال بھر کی مزدوری کے برابر تھے۔ لوگ آج بھی سوچتے ہیں کہ اپنی زندگی کا ایک سال خداوند کو دینا وقت کا ضیاع ہے۔ اگر کوئی پوری زندگی خداوند کو دے دے تو اُن لوگوں کی نظر میں کتنا بڑا ضیاع ہوگا!

۶:۱۴-۸۔ یسوع نے اُن کے بڑے بڑا نے پر اُنہیں جھپٹ کا۔ عورت نے اسے ایک سنہری موقع جان کر اپنے مہنجی کو خراج تشکر پیش کیا تھا۔ اگر وہ غریبوں کے لئے اتنے ہی فکرمند تھے تو ہر وقت اُن کی مدد کر سکتے تھے۔ ”کیونکہ غریب فریاد تو ہمیشہ تمہارے پاس ہیں“ مگر خداوند بہت جلد مرنے اور دفن ہونے کو تھا۔ یہ عورت موقع ملتے ہی اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتی تھی۔ ہو سکتا ہے خداوند کی موت کے بعد اُسے اُس کے ”بدن“ کے لئے کچھ کرنے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اُس نے مہنجی کے جیتے جی اپنی محبت کا اظہار کیا۔

۹:۱۴۔ اُس عطر کی خوشبو ہماری نسل تک پہنچ رہی ہے۔ یسوع نے کہا تھا کہ ”تمام دُنیا میں... اس کی یادگاری میں کہا جائے گا“ اور انجیل میں اس واقعے کے اندراج سے آج تک ایسا ہو رہا ہے۔

ج۔ یہوداہ کی دغا بازی (۱۴:۱-۱۱)

وہ عورت مہنجی کی دل و جان سے قدر کرتی تھی۔ اُس کے بالمقابل ”یہوداہ“ اُس کی قدر و قیمت سے بے خبر تھا۔ حالانکہ وہ کم از کم ایک سال خداوند یسوع کے ساتھ رہا تھا اور اُس سے اُسے سولے مہربانی اور عنایت کے کچھ نہیں ملا تھا۔ تاہم یہوداہ اب چھکے سے سردار کا ہمنوں کے پاس پہنچ گیا اور اُن کو یقین دلایا کہ میں خدا کے بیٹے کو تمہارے حوالہ

کردوں گا۔ انہوں نے اُس کی پیش کش کو بڑی خوش دلی سے قبول کیا اور اُسے پیش کش کی کہ ہم تمہاری غلامی کی قیمت ادا کریں گے۔ اب صرف تفصیل طے کرنا باقی رہ گیا۔

د۔ فسح کی تیاریاں

(۱۴: ۱۲-۱۶) -

یہاں واقعات کی تواریخی ترتیب یقینی نہیں ہے۔ لیکن غالباً ہم عیدِ فسح کے ہفتے کی جمعرات تک آپہنچتے ہیں۔ شاگردوں کو قطعاً احساس نہیں تھا کہ یہ فسح کی گزشتہ تمام عیدوں کی تکمیل ہوگی۔ انہوں نے خداوند سے ہدایات کی گزارش کی کہ "فسح" کہاں منائی جائے۔ اُس نے انہیں یروشلیم "شہر" میں بھیجا اور بتایا کہ "ایک شخص پانی کا گھڑائے ہوئے تمہیں ملے گا۔ یہ نہایت غیر معمولی بات تھی کیونکہ پانی بھرتا عموماً عورتوں کا کام تھا۔ یہ آدمی انہیں خاص مکان تک لے جائے گا۔ اس کے بعد انہیں گھر کے مالک سے پوچھنا ہوگا کہ "میرا مہمان خانہ جہاں میں اپنے شاگردوں کے ساتھ فسح کھاؤں، کہاں ہے؟"

خداوند کا اس طریقے سے انتخاب کرنا اور حکم صادر کرنا نہایت تعجب انگیز ہے۔ وہ قادرِ مطلق حاکم ہے۔ اُن فرمانبردار دلوں پر بھی حیرت ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اور اپنی ساری چیزوں کو اُس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ کیا ہی عمدہ اور قابلِ رشک بات ہوتی ہے جب اُسے ہماری زندگیوں کے ایک ایک گوشے تک فری رسائی حاصل ہوتی ہے!

۵۔ یسوع اپنے (دھوکے سے) پکڑوائے جانے

کی پیشین گوئی کرتا ہے

(۱۴: ۱۷-۲۱)

اُسی شام "وہ اُن بارہ کے ساتھ" اُس بالا خانے میں آیا جو تیار کیا گیا تھا۔ اور جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے "تو یسوع نے صاف صاف کہہ دیا کہ شاگردوں میں سے ایک... مجھے پکڑوائے گا۔" اب ہر ایک کو اپنی طبیعت کے بُرے میلان اور رجحان کا احساس ہونے لگا۔ انہیں صحت مندانہ انداز میں اپنے آپ پر بے اعتمادی ہونے لگی۔ چنانچہ وہ باری باری سب پوچھنے لگے کہ "کیا میں ہوں؟" تب یسوع نے ظاہر کیا کہ خدا وہ ہے جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ یعنی وہ جسے اُس نے روٹی کا نوالہ دیا۔

”ابن آدم“ تو نبوت کے مطابق اپنی موت کی طرف جا ہی رہا تھا، لیکن اُس سے غداری کرنے والے کا حشر بڑا ہوگا۔ بلکہ ”اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اُس کے لئے اچھا ہوتا۔“

و۔ پہلی عشائے ربانی (۱۴: ۲۲-۲۶)

۱۴: ۲۲-۲۵۔ ”نور“ لینے کے بعد یسوع باہر رات کے اندھیرے میں چلا گیا (یوحنا ۱۳: ۳۰)۔ اس کے بعد یسوع نے وہ رسم مقرر کی جسے ہم عشائے ربانی (پاک عشاء) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا مطلب کا خاکہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ صرف تین الفاظ میں پیش کیا گیا ہے (۱) ”مئی“۔ اُس نے اپنے اوپر بشریت لے لی۔ (۲) ”توڑی“۔ اُس کا بدن صلیب پر توڑا جانے کو تھا۔ (۳) ”دئی“۔ اُس نے اپنا آپ ہمارے لئے دے دیا۔

”روٹی“ اُس کے ”بدن“ کی علامت ہے جو دیا گیا۔ ”پیالہ“ اُس کے ”خون“ کی علامت ہے جو بہایا گیا۔ اُس نے اپنے ”خون“ سے ”نئے عہد“ کی توثیق کی۔ اس کے بعد زمین پر اُس کے لئے کوئی عید، کوئی خوشی نہ ہوگی، تا وقتیکہ وہ اپنی ”بادشاہی“ قائم کرنے کے لئے واپس آئے گا۔

۱۴: ۲۶۔ اس موقع پر انہوں نے ایک ”گیت“ گایا۔ غالباً عظیم ہیلن۔ زبور ۱۱۳-۱۱۸۔
 — کا ایک حصہ گایا۔ اس کے بعد وہ یروشلیم سے ”باہر“ چلے گئے اور قدرون کے نالے کو پار کر کے ”زبتون“ کے پہاڑ پر گئے۔“

ز۔ پیطرس کی خود اعتمادی (۱۴: ۲۷-۲۸)

جب جا رہے تھے تو تمبجی نے شاگردوں کو خبردار کیا کہ آنے والی گھڑیوں میں تم سب میرے شاگرد ہونے کی وجہ سے ڈرو گے اور شرم محسوس کرو گے۔ یہ ذکر یہاں ہی کی نبوت کے مطابق ہوگا کہ ”میں چرواہے کو ماروں گا اور بھیڑیں پراگندہ ہو جائیں گی“ (ذکر یہاں ۱۳: ۷)۔ مگر اُس نے بڑے پیار سے انہیں یقین دلایا کہ میں تم سے دستبردار نہ ہوں گا بلکہ مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد ”میں گیلن کو جاؤں گا“ اور وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔

۱۴: ۲۹-۳۰۔ ”پیطرس“ خداوند کا انکار کرنے کے تصور ہی سے خفا ہونے لگا۔ دوسرے شاگرد تیرا انکار کریں تو کریں مگر میں ہرگز نہیں کرنے کا! یسوع نے اُس کی تصحیح کی

اور ”ہرگز نہیں“ کو ”جلد ہی“ میں بدل دیا۔ ”مُرخ کے دُوبار بانگ دینے سے پہلے“ پطرس ”تین بار“ سُنجی کا انکار کرے گا۔

۱۴: ۳۱۔ پطرس نے بہت زور دے کر بلکہ ہچکار کر کہا کہ یہ بات بالکل غلط ہے، میں ”تیرا انکار“ کرنے سے پہلے مرنے کو قبول کروں گا۔ صرف پطرس ہی نہیں، دُوسروں نے بھی بڑھ چڑھ کر ایسا ہی کہا۔ وہ ”سب“ خود اعتمادی سے دعوے کر رہے تھے۔ ہمیں بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم بھی اُن سے اچھے نہیں ہیں۔ ہمارے دل بھی کمزور اور ڈر لپوک ہیں۔

ح۔ گتسمنی میں جاں کنی (۱۴: ۳۲-۴۲)

۱۴: ۳۲۔ پورے ملک پر تاریکی کی حکمرانی تھی۔ جمُعات کی رات گز رہی تھی اور جمعہ کی صُبح چلی آرہی تھی۔ پھر وہ ایک باغ میں آئے جس کا نام گتسمنی تھا۔ خداوند یسوع نے اُٹھنا شروع کیا اور اُس کے مدخل کے قریب ہی چھوڑا اور

۱۴: ۳۳، ۳۴۔ ”پطرس اور یعقوب اور یوحنا کو اپنے ساتھ لے کر“ باغ میں اندر گیا۔

وہاں اُسے اپنی پاک جان پر ایک بے حد بھاری بوجھ کا تجربہ ہوا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ میں گناہ کی قُربانی کے طور پر قربان ہونے کو ہوں۔ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اُس کے لئے یہ بات کیا معنی رکھتی تھی کہ وہ جو بے گناہ ہے ہماری خاطر گناہ ٹھہرایا جا رہا تھا۔ اُس نے تینوں شاگردوں کو ہدایت کی کہ ”تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو“ اور خود وہ ”تھوڑا آگے بڑھا“ یعنی باغ کے اندر چلا گیا۔ اسی طرح اُسے اکیلے صلیب تک جا کر ہمارے گناہوں کے لئے خدا کا ہولناک غضب برداشت کرنا تھا۔

۱۴: ۳۵۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند یسوع زمین پر گر کر دُعا کر رہا ہے۔ ہم حیران

ہو جاتے ہیں، کیا وہ غرض کر رہا ہے کہ مجھے صلیب تک جانے سے معذور رکھا جائے؟ ہرگز نہیں۔ یہی تو اُس کا دنیا میں آنے کا مقصد تھا۔ پہلے وہ ”دُعا کرنے لگا کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی

مجھ پر سے طل جائے۔“ اگر گنہگاروں کی نجات کا کوئی دُوسرا راستہ ہے اور اُس کی موت، دفن

اور جی اُٹھنے کے بغیر یہ کام سرانجام پاسکتا ہے، تو خدا اُسے ظاہر کرے۔ لیکن آسمان خاموش رہا۔ کوئی اور وسیلہ نہیں تھا جس سے ہمارا فدیہ — ہماری مخلصی ہو سکتی۔

۱۴: ۳۶۔ دوبارہ وہ دُعا کرنے لگا ”اے ابا! اے باپ! تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔“

اس پالہ کو میرے پاس سے ہٹا لے۔ تو بھی جو میں چاہتا ہوں، وہ نہیں بلکہ جو تو چاہتا ہے، وہی ہو۔ غور کریں کہ اُس نے خدا کو اپنے پیارے ”باپ“ کے طور پر مخاطب کیا جس سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ یہاں طبعی طور سے ممکن ہونے کی بات نہیں، بلکہ اخلاقی لحاظ سے ممکن ہونے کی بات ہے۔ کیا خدا، تادیر مطلق باپ کوئی اور راست اور مبنی بر انصاف بنیادریافت کر سکتا ہے جس سے شریر گنہگاروں کو نجات دے سکے؟ ضرور ہے کہ خدا کا پاک بیٹا خون بہائے تاکہ گنہگاروں کو گناہ سے خلاصی ملے!

۱۴:۳۷-۴۰۔ اب یسوع اُن تین شاگردوں کے پاس واپس آیا مگر انہیں سوتے پایا۔ یہ گناہ آلودہ انسانی فطرت پر کیسا بھرا پورا اور غمناک تبصرہ ہے۔ یسوع نے پطرس کو آگاہ کیا کہ ایسی پُر آزار گھڑی میں سونا کیسا خطرناک ہو سکتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے پطرس نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ میں ہرگز تیرا انکار نہیں کروں گا اور اب وہ تھوڑی دیر جاگ بھی نہ سکا۔ جو انسان ”ایک گھڑی“ بھر دعا نہیں کر سکتا تو وہ آزمائش کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے؟ خصوصاً جب سخت دباؤ کا وقت ہو؟ بے شک اُس کی روح نہایت پُر جوش ہو، لیکن اُس نے اپنے جسم کی کمزوری یاد رکھنی چاہیے۔

۱۴:۴۱، ۴۲۔ خداوند یسوع تین بار واپس آیا اور تینوں بار شاگردوں کو سوتے پایا۔ آخری بار اُس نے کہا کہ اب سوتے رہو اور آرام کرو۔ بس وقت آپہنچا ہے۔ دیکھو، ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ بیٹھے گویا کہیں جانے لگے ہیں۔ مگر انہیں کیسے دور نہیں جانا پڑا۔

ط۔ یسوع کا دھوکے سے حوالہ کیا جانا اور گرفتاری

(۱۴:۴۳-۵۲)

۱۴:۴۳۔ اسی دوران ”یہوداہ“ ایک طاقت ور جتھلے کر باغ میں داخل ہو چکا تھا۔ سپاہیوں کا دستہ ”ننواریں اور لالٹیاں“ لے کر ہوئے تھا جیسے وہ کسی خطرناک ڈاکو کو گرفتار کرنے آئے ہوں۔

۱۴:۴۴-۴۵۔ اُس خدار نے پکڑنے والوں کو ایک ”نشان“ دے رکھا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے۔ چنانچہ وہ یسوع کے پاس آیا، اُسے ”اے ربی“ کہہ کر مخاطب کیا

”اور اُس کے بارے میں“ (اصل زبان میں فعل زور دار ہے جس کا مطلب ہے بار بار بوسے لئے یا بوسوں کا مظاہرہ کیا)۔ یہوداہ نے خداوند سے کیوں غداری کی؟ اُسے کیوں حوالہ کر دیا؟ کیا اُسے مایوسی ہوئی تھی کہ یسوع نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں نہیں لی تھی؟ کیا اُس کی اُمیدیں خاک میں مل گئی تھیں کہ مجھے اُس حکومت میں امتیازی درجہ ملے گا؟ کیا لالچ اُس پر غالب آ گیا تھا؟ شاید ساری باتوں نے مل کر اُس سے یہ گھٹاؤنی حرکت کروائی ہو۔

۱۴:۴۶-۵۰۔ اُس غدار کے مسلح اور تنخواہ دار ساتھیوں نے آگے بڑھ کر خداوند کو حراست میں لے لیا۔ پطرس نے قافط ”تلوار کھینچ کر سردار کا ہن کے نوکر... کا کان اڑا دیا۔“ یہ رُوحانی نہیں بلکہ فطری ردِ عمل تھا۔ پطرس رُوحانی جنگ لڑنے کے لئے دنیاوی اور جسمانی ہتھیار استعمال کر رہا تھا۔ خداوند نے پطرس کو جھڑکا اور معجزانہ طور پر اُس شخص کا کان ٹھیک کر دیا جیسا کہ لوقا ۲۲:۵۱ اور یوحنا ۱۸:۱۱ میں درج ہے۔ پھر اُس نے اپنے گرفتار کرنے والوں کو یاد دلایا کہ مجھے اس طرح زبردستی گرفتار کرنا کیسی بے نیکی بات ہے، کیونکہ ”میں ہر روز تمہارے پاس یہیں میں تعلیم دیتا تھا“ اُس وقت کیوں نہیں پکڑا؟ یسوع کو جواب معلوم تھا کہ ”یہ اِس لئے ہوا ہے کہ نوشتے پورے ہوں“ کہ اُسے دھوکے سے پکڑ دیا جائے گا (زبور ۴۱:۹)، گرفتار کیا جائے گا (یسعیاہ ۵۳:۷)، اُس کے ساتھ جبر اور زبردستی کی جائے گی (زبور ۲۲:۱۲) اور ساتھی اُسے چھوڑ جائیں گے (زکریاہ ۱۳:۷)۔

۱۴:۵۱-۵۲۔ مرقس واحد انجیل نویس ہے جو اس واقعہ کو درج کرتا ہے۔ عام خیال ہے کہ خود مرقس ہی وہ ”جوان“ تھا۔ بھاگ نکلنے کی افراق فری میں وہ اپنی چادر مسلح آدمیوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ ”میں چادر“ پوشاک کا حصہ نہیں تھی بلکہ اُس نے جسم ڈھانپنے کے لئے اوڑھ رکھی تھی۔

ارڈین کتا ہے کہ ”یہ واقعہ بڑی واضح تصویر پیش کرتا ہے کہ مصیبت کی اس گھڑی میں یسوع کو بالکل تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ صرف وہی جانتا ہے کہ اکیلے دکھ اٹھانے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔“

ی۔ سردار کاہن کے سامنے یسوع کی پیشگی (۱۴:۵۳-۵۴)

مذہبی عدالت میں پیشگی اور مقدمہ کا بیان آیت ۵۳ سے ۱۵ تک چلتا ہے۔

اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) سردار کاہن کے سامنے پیشی (آیات ۵۳-۵۴)؛
(۲) سنہیڈرن (یہودیوں کی دینی کونسل) کا آدھی رات کو اجلاس (آیات ۵۵-۶۵)؛ (۳)؛
سنہیڈرن کا صبح کا اجلاس (۱:۱۵)۔

۱۴:۵۳۔ اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ مرقس نے یہاں سردار کاہن کا بٹھا کے سامنے
پیشی کا حال درج کیا ہے۔ سردار کاہن حتماً کے سامنے پیشی کا حال یوحنا ۱۸:۱۳، ۱۹-۲۴ میں درج
ہے۔

۱۴:۵۴۔ ”پطرس“ خداوند یسوع کے پیچھے پیچھے ”سردار کاہن کے دیوان خانہ کے اندر تک
گیا۔“ پیچھے جاتے ہوئے اتنا فاصلہ ضرور رکھا کہ محفوظ رہ سکے۔ کسی نے پطرس کے زوال کا
خاکہ یوں پیش کیا ہے :

۱۔ پہلے لڑا۔۔۔ غلط جوش اور ولولہ۔

۲۔ پھر بھاگ گیا۔۔۔ بزدلانہ ہسپائی۔

۳۔ فاصلے پر پیچھے پیچھے آیا۔۔۔ رات کو نیم دلانہ شاگردیت۔

پطرس ”پیادوں“ یعنی خداوند کے دشمنوں کے ساتھ بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔

گ۔ صدر عدالت (سنہیڈرن) کے سامنے پیشی

(۱۴:۵۵-۶۵)

۱۴:۵۵-۵۹۔ اگرچہ وضاحت تو موجود نہیں مگر آیت ۵۵ سے سنہیڈرن کے آدھی رات
کے اجلاس کا حال شروع ہوتا ہے۔ اکثر مذہبی لیڈروں کی اس مجلس کی صدارت سردار کاہن
نے کی۔ فقیر، فریسی، صدوقی اور قوم کے چیدہ چیدہ بزرگ اس سنہیڈرن کے اراکین تھے۔
اس رات انہوں نے آئین و قواعد کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ وہ رات کے وقت یا کسی بھی
یہودی عید کے روز اجلاس نہیں بلا سکتے تھے۔ وہ گواہوں کو جھوٹی قسم کھانے کے لئے
رشوت نہیں دے سکتے تھے۔ سزائے موت سنانے کے لئے ضروری تھا کہ ایک رات کا
وقفہ دیا جائے۔ اور اگر اجلاس ہیکل کے احاطے میں گھڑے ہوئے پتھروں کے ہال میں
منعقد نہ ہوتا تو کوئی فیصلہ مستند نہیں ہو سکتا تھا۔

مگر ان پر تو یسوع کو ختم کر دینے کا جنون سوار تھا۔ اس لئے یہ مذہبی لیڈر اپنے ہی

ایک دن قواعد کی دھجیاں اڑانے پر اتر آئے تھے۔ اُن کے مصمم ارادہ اور کوششوں نے ”جھوٹی گواہیاں“ بھی پیدا کر دیں۔ ”لیکن اُن کی گواہیاں متفق نہ تھیں۔“ بعضوں نے خداوند کی بات کو غلط طور سے پیش کیا کہ ”یہ اس مقدس کو جو ہاتھ سے بنا ہے ڈھاؤں گا اور تین دن میں دوسرا بناؤں گا جو ہاتھ سے نہ بنا ہو۔“ یسوع کے اصل الفاظ یوحنا ۲: ۱۹ میں موجود ہیں۔ اُنہوں نے جان بوجھ کر یہ تشہیم کی ہیکل کو اُس کے بدن کی ہیکل کے ساتھ گڈمڈ کر دیا۔

۱۳: ۶۰-۶۲۔ جب سردار کاہن نے پہلے سوال پوچھا تو یسوع نے کوئی جواب نہ دیا، مگر جب قسم دے کر پوچھا گیا (متی ۲۶: ۶۲) کہ ”کیا تو... ستودہ کا بیٹا مسیح ہے؟“ تو نجات دہندہ نے جواب دیا ”ہاں میں ہوں۔“ اس طرح اُس نے اجاب ۵: ۱ کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر کسی بھی شک کو رفع کرنے کے لئے کہ وہ کون ہے خداوند یسوع نے سردار کاہن سے کہا کہ ”تم ابن آدم کو تا دُطَلَن کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے۔“ مراد یہ تھی کہ سردار کاہن اُسے ظاہر طور پر بطور خدا دیکھے گا۔ اُس کی پہلی آمد کے وقت اُس کی اُلوہیت کا جلال انسانی بدن میں چھپا ہوا تھا۔ مگر جب وہ قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ دوبارہ آئے گا تو پردہ ہٹ جائے گا اور ہر فرد بشر جان لے گا کہ وہ کون ہے۔

۱۳: ۶۳، ۶۴۔ ”سردار کاہن“ سمجھ گیا کہ یسوع کا مطلب کیا ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے کپڑے پھاڑے۔ ”یہ کسی کے کُفر یکنے پر غصے کا اظہار تھا۔ جس کو مسیح موعود کو پہچانتے اور قبول کرنے میں سب سے آگے ہونا چاہئے تھا وہی اُسے رد کرنے اور تصور وار ٹھہرانے میں سب سے بلند آواز میں پکار رہا تھا۔ مگر وہ بھی اکیلا نہیں تھا۔ پوری صدر عدالت (سنیڈرن) متفق تھی کہ یسوع نے کُفر بکا ہے۔ اور سب نے فتویٰ دیا کہ وہ قتل کے لائق ہے۔“

۱۳: ۶۵۔ اس کے بعد جو منظر دیکھنے میں آیا انتہائی بے ڈھنگا اور وحشیانہ تھا۔ سنیڈرن کے بعض ارکان خدا کے بیٹے پر تھوکنے لگے۔ وہ اُس کا منہ ڈھانپ کر یعنی آنکھیں باندھ کر اُس کے مُٹے مارتے اور کہتے تھے نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا ہے۔ یقین نہیں آتا مالک دُجہان کو گنہگاروں کے ہاتھوں ایسی الٹی باتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ”پیادے“ (ہیکل کی پولیس) بھی اُن کے ساتھ مل گئے اور اُس کے ”ٹھانپنے“ مارنے لگے۔

ل۔ پطرس کا انکار کرنا اور زار زار رونا (۱۴: ۶۶-۷۲)

۱۴: ۶۶-۶۸۔ ”پطرس نیچے صحن میں تھا۔“ سردار کاہن کی کونڈیوں میں سے ایک ”ادھر سے گزری۔ اُس نے پطرس کو غور سے دیکھا اور اُس پر الزام لگایا کہ یہ بھی ”ناصری یسوع کے ساتھ تھا۔“ پطرس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ اُس نے کونڈی کے الزام کا قطعی انکار کیا کہ میں تو جانتا بھی نہیں کہ تو کیا کہتی ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کر ڈیوڑھی میں چلا گیا۔ اسی وقت ”مرغ“ کو بانگ دینے لگا۔ کیسا خوفناک لمحہ تھا! گناہ اپنا ہیبت ناک خراج وصول کر رہا تھا۔

۱۴: ۶۹-۷۰۔ اُس ”کونڈی“ نے پطرس کو ”پھردیکھا“ اور پاس کھڑے لوگوں کو بتانے لگی کہ یہ بھی یسوع کا شاگرد ہے۔ پطرس نے پھر بڑی سرد مہری سے انکار کیا۔ شاید وہ حیران بھی ہونے لگا کہ لوگ میرا بیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ اس کے بعد وہاں موجود لوگ بھی کہنے لگے ”بے شک تو اُن میں سے ہے کیونکہ تو گلیلی بھی ہے“ اور تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

۱۴: ۷۱-۷۲۔ پطرس لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا۔ اور بڑے جارحانہ انداز میں کہنے لگا کہ ”میں اس آدمی کو... نہیں جانتا“ ابھی اُس کے منہ سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ ”مرغ نے دوسری بار بانگ دی“۔ گویا دنیا نے فطرت اس بزدلانہ جھوٹ پر احتجاج کر رہی تھی۔ لمحہ بھر میں پطرس کو احساس ہو گیا کہ خداوند کی پیشینگوئی پوری ہو گئی ہے۔ اُس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ ”رو پڑا“۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ چاروں انجیلوں نے پطرس کے انکار کے واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ ہم سب کو بھی یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ غلط قسم کی خود اعتمادی سے شرمندگی ہی حاصل ہوتی ہے۔ ہم سیکھیں کہ اپنے آپ پر تکبر نہیں کرنا، بلکہ پورے طور پر خدا کی قوت اور قدرت پر انحصار رکھنا ہے۔

م۔ صبح کے وقت سنہیڈرن میں پیشی (۱: ۱۵)

اس آیت میں سنہیڈرن (صدر عدالت) کے ”صبح“ کے اجلاس کا بیان ہے۔ شاید گزشتہ رات کے غیر قانونی اجلاس کو قانونی شکل دینے کے لئے یہ اجلاس طلب کیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں یسوع کو ”بندھوایا“ اور ”پہلا طس“ کے حوالہ کیا گیا۔ پہلا طس فلسطین کا رومی گورنر تھا۔

ن۔ یسوع پیلطس کے سامنے (۱۵: ۲-۵)

۲:۱۵۔ اب تک یسوع کا مقدمہ مذہبی لیڈروں کے سامنے تھا اور فتویٰ کفر کا تھا۔ اب اُس کو دیوانی عدالت میں پیش کیا گیا۔ یہاں اُس پر "عداری" یا سیاسی "سازش" کا الزام لگایا گیا۔ دیوانی مقدمہ تین مراحل میں پورا ہوا۔ پہلے پیلطس کے سامنے، پھر ہیرودیس کے سامنے اور آخر میں دوبارہ پیلطس کے سامنے۔

پیلطس نے خداوند یسوع سے پوچھا۔ "کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟" اگر ہوتا تو غالباً قیصر کا تختہ الٹنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہوتا۔ ایسی صورت میں وہ حکومت کے خلاف سازش کرنے کا مجرم ہوتا۔

۱۵: ۳-۵۔ "سردار کاہن" تو یسوع پر الزام پر الزام لگائے چلے جا رہے تھے۔ پیلطس اُن کے اس طوفان کے سامنے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اُس نے یسوع سے پوچھا کہ اپنا دفاع کیوں نہیں کرتا؟ صفائی کیوں پیش نہیں کرتا؟ مگر یسوع نے اپنے نکتہ چینیوں کو جواب دینے سے انکار کر دیا اور چپکا ہی رہا۔

س۔ یسوع یا برآبا (۱۵: ۶-۱۵)

۱۵: ۶-۸۔ دستور تھا کہ عید فصح کے موقع پر رومی گورنر "ایک" یہودی "قیدی" کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ یہ نارض قوم کے لئے گویا ایک سیاسی بہلاوا تھا۔ ایک ایسا موزوں قیدی "برآبا" تھا جو "بغاوت" اور "خون" کے جرم میں قید تھا۔ جب پیلطس نے یسوع کو "چھوڑ" دینے کی پیش کش کی اور حسد سے بھرے ہوئے سردار کاہنوں پر طنز بھی کی تو انہوں نے لوگوں کو درغل یا کہ برآبا کو مانگ لیں۔ وہی لوگ جو یسوع پر قیصر کے خلاف سازش کا الزام لگا رہے تھے اب ایک ایسے شخص کی رہائی کا مطالبہ کرنے لگے جو واقعی سازش اور بغاوت کا مجرم تھا۔ اس وقت سردار کاہنوں کی حالت غیر معقول اور مضحکہ خیز تھی۔ مگر نگاہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ دراصل وہ یسوع کی ہر دلچیزی سے جلتے تھے۔

۱۵: ۹-۱۳۔ پیلطس پوچھنے لگا کہ "پھر جسے تم یہودیوں کا بادشاہ کہتے ہو اُس سے میں کیا

کردوں؟" لوگ وحشیانہ انداز میں دہانے لگے "اُسے صلیب دے!" پیلطس نے اس کا سبب دریافت کرنا چاہا، مگر سبب تو کوئی نہ تھا۔ "ہجوم" کا پاگل پن بڑھتا جا رہا تھا۔ اُن پر ہسٹیریائی کیفیت

طاری تھی۔ وہ بس پھلتے جا رہے تھے ”اُسے صلیب دے۔“

۱۵:۱۵۔ چنانچہ بُزردِ ”پیلطس“ نے فوری کیا جو وہ چاہتے تھے — یعنی ”برابا کو چھوڑ دیا۔“ اور ”یسوع کو کورے لگوا کر“ سپاہیوں کے حوالہ کیا تاکہ صلیب دی جائے۔ یہ نہایت غیر متصفاانہ اور غلط فیصلہ تھا۔ مگر یہ ہماری مخلصی کی تمثیل ہے۔ بے قصور کو موت کے حوالہ کر دیا تاکہ قصور وار آزاد ہو سکیں۔

ع۔ سپاہی خدا کے خادم کو مٹھسوں میں اڑاتے ہیں

(۱۵: ۱۶-۲۱)

۱۵: ۱۶-۱۹۔ ”سپاہی یسوع کو اُس صحن میں لے گئے جو پر تئورین کہلاتا ہے۔“ وہ رومی گورنر کی رہائش گاہ کا حصہ تھا۔ وہاں انہوں نے ”ساری پلٹن“ کو بلایا اور یہودیوں کے بادشاہ کی جھوٹ موٹ ناجبوشی کی۔ کاش وہ حقیقت کو جانتے! انہوں نے خدا کے بیٹے کو ”ارخوانی چونہ پہنایا۔“ اپنے ہی خالق کو ”کانٹوں کا تاج“ پہنایا۔ کانٹات کو سنبھالنے والے کو ”یہودیوں کا بادشاہ“ کہہ کر مٹھسوں میں اڑایا۔ زندگی اور جلال کا خداوند تھا جس کے سر پر سر کند امارتے تھے اور مذاق میں بادشاہوں کے بادشاہ اور خداوندوں کے خداوند کے سامنے گھٹنے ٹیکتے تھے۔

۱۵: ۲۰-۲۱۔ جب وہ بد تمیزی کے ساتھ مٹھسے اور مذاق کر چکے تو اسی کے کپڑے اُسے پہنائے۔ پھر اُسے صلیب دینے کو باہر لے گئے۔ ”مرقس یہاں بتاتا ہے کہ سپاہیوں نے ”شمعون“ نام ایک راہگیر کو حکم دیا کہ یسوع کی صلیب اٹھائے۔“ شمعون کرینے (شمالی افریقہ) کا رہنے والا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ سیاہ فام ہو، مگر قیاس غالب ہے کہ وہ یونانی نائل یہودی تھا۔ اُس کے دو بیٹے تھے ”سکندر اور رؤس“ جو پھالیا ایمان دار تھے (اگر یہ وہی ”رؤس“ ہے جس کا ذکر رومیوں ۱۶: ۱۳ میں ہے تو)۔ یسوع کی صلیب اٹھا کر اُس کے پیچھے چلنے میں شمعون یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ متحجی کا شاگرد ہوتے ہوئے ہماری خصوصیت کیا ہونی چاہئے۔

ف۔ صلیب دیا جانا (۱۵: ۲۲-۳۲)

خدا کا رُوح صلیب دے جانے کا بیان بڑے سادہ اور غیر جذباتی انداز میں کرتا ہے۔ وہ صلیب دینے کے طریقے اور اُس کے ساتھ انتہائی ظلم اور بربریت کی تفصیل میں نہیں جاتا،

نہ اُس خوفناک دکھ اور درد کی تصویر کھینچتا ہے جو سزا کے اُس طریقے سے وابستہ ہے۔
 کلوری کا صحیح محل وقوع آج کسی کو معلوم نہیں۔ روایتی مقام یہ وسطی شہر کی دیواروں
 کے اندر ہے۔ اس روایت کے حامی دلیل دیتے ہیں کہ مسیح کے زمانے میں یہ مقام دیواروں
 سے باہر ہوتا تھا۔ ایک اور فرضی مقام گارڈن کی کلوری ہے جو کہ شہر کی دیوار کے شمال
 میں ہے اور ایک باغ سے ملحق ہے۔

۱۵:۲۲۔ ”گلگتا“ ارامی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ”کھوڑی“ ہے جبکہ کلوری لاطینی
 نام ہے۔ شاید اس علاقے کی شکل و شبہت کھوڑی کی مانند تھی۔ یا یہ نام اس لئے پڑ گیا تھا
 کہ یہاں مجرموں کی سزائے موت پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔

۱۵:۲۳۔ سپاہیوں نے یسوع کو پینے کے لئے ”مڑملی پٹوئی“ پیش کی۔ یہ نئے
 نشتر کی طرح حواس کو بے حس کرنے کا عمل کرتی تھی۔ چونکہ خداوند کا مقصد ارادہ تھا کہ انسان کے
 گناہوں کو پورے ہوش و حواس کے ساتھ اٹھائے، اس لئے اُس نے یہ نئے پٹوئی۔

۱۵:۲۴۔ جن لوگوں کو صلیب دی جاتی تھی، سپاہی اُن کے کپڑوں پر قرعہ ڈال کر بانٹ
 لیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے مسیحی کے کپڑے لے لئے تو دنیا میں اُس کی ساری مادی
 ملکیت لے لی۔

۱۵:۲۵-۲۸۔ جب انہوں نے اُس کو ”صلیب پر بڑھایا“ تو صبح کے نو بجے تھے۔
 اُس کے سر کے اوپر انہوں نے ایک کتبہ لگا دیا جس پر لکھا تھا ”یہودیوں کا بادشاہ“ (مرقس
 کتبہ کی پوری تفصیل نہیں دیتا بلکہ صرف خلاصہ پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ دیکھئے متی ۲۷:۳۸؛
 لوقا ۲۳:۳۸؛ یوحنا ۱۹:۱۹)۔ اُس کے ساتھ ”دو ڈاکو“ بھی ”مصلوب کئے“ گئے۔ ایک
 اُس کی دہنی اور دوسرا بائیں طرف۔ یسعیاہ نے یہی پیشین گوئی کی تھی کہ وہ اپنی
 موت میں ”بدکاروں میں گنا گیا“ (یسعیاہ ۵۳: ۱۲)۔

۱۵:۲۹-۳۰۔ راہ گیر بھی یسوع کو مذاق کرتے اور ٹھٹھوں میں اڑاتے تھے (آیات
 ۲۹-۳۰)۔ ”سردار کاہن“ اور ”فقیر“ (آیات ۳۱، ۳۲) اور دونوں ڈاکو (آیت ۳۲ ب) بھی
 ایسا ہی کر رہے تھے۔

راہ گیر غالباً یہودی تھے جو شہر میں عبید فسح منانے کو تیار تھے۔ شہر کے باہر وہ
 تھوڑی دیر تک ”فسح کے برہ“ کی تضحیک کرتے تھے۔ وہ یہاں بھی اُس کے بارے

میں غلط بیانی سے کام لے رہے تھے کہ اس نے ہماری محبوب ”ہیکل“ کو ”ڈھانے“ اور تین دن میں بنانے“ کی دھمکی دی تھی۔ اگر یہ آتا ہی عظیم ہے تو ”اپنے تئیں“ بچانے کے لئے ”صلیب پر سے اتر آئے۔“

۱۵:۳۱- ”سردار کاہن اور فقیہ“ اُس کے اس دعوے کا مذاق اڑاتے تھے کہ میں انسان کو بچانے آیا ہوں۔ وہ طعن سے کہتے تھے ”اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔“ اگرچہ یہ بات نہایت مبہوت اور ظالمانہ تھی، تاہم دائرستہ طور پر بالکل درست تھی۔ یہ بات مسیح کی زندگی اور ہماری زندگی میں بھی بالکل سچ ہے۔ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ہم دوسروں کو نہیں بچا سکتے۔

۱۵:۳۲- مذہبی لیڈر اُسے یہ چیلنج بھی کر رہے تھے کہ ”اسرائیل کا بادشاہ مسیح اب صلیب پر سے اتر آئے تاکہ ہم دیکھ کر ایمان لائیں۔“ مگر خدا کا اصول یہ ہے کہ پہلے ایمان لاؤ، پھر دیکھو گے۔

یہاں تک کہ مجرم بھی اُسے طعن دیتے اور مذاق کرتے تھے۔

ص۔ تین گھنٹوں کی تاریکی (۱۵:۳۳-۴۱)

۱۵:۳۳- دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک۔ بارہ بجے سے تین بجے تک۔ ”تمام ملک میں اندھیرا“ چھایا رہا۔ اُس وقت یسوع ہمارے گناہوں کے بدلے خدا کا پورا غضب برداشت کر رہا تھا۔ اُس نے خدا سے روحانی جدائی اور تنہائی کا دکھ سہا۔ انسانی ذہن اُس دکھ اور جاں کنی کو ہرگز سمجھ نہیں سکتا جو اُس پر گزری جب اُس کی جان گناہ کی قربانی کے لئے گزرائی گئی۔

۱۵:۳۴- اپنی عظیم جاں کنی کے اختتام کے قریب یسوع نے ”بڑی آواز سے جلا“ کر (ارامی زبان میں) کہا ”اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟“ خدا نے اُسے اس لئے ”چھوڑ دیا“ کہ اپنی پاکیزگی، اپنے تقدس کے باعث اُسے گناہ سے لاتعلق ہونا ضرور ہے۔ خداوند یسوع ہمارے گناہوں کے مشابہ ہو کر پوری پوری قیمت ادا کر رہا تھا۔

۱۵:۳۵، ۳۶- ظالم بھیڑ میں سے بعض کہنے لگے کہ ”وہ ایلیاہ کو بلاتا ہے۔“ جب اُس نے ”ایں۔ ایں“ پکارا تو کسی نے ”سنج کو سرکہ میں ڈبوایا اور سرگندے پر رکھ کر اُسے چسایا“

یہ اُن کی طرف سے آخری تحقیق اور تضحیک تھی۔

۱۵:۳۷۔ اب یسوع ”بڑی آواز سے“ فاتحانہ چلایا اور ”دم دے دیا۔“ اُس کی موت اُس کی

اپنی مرضی سے تھی۔ وہ بے اختیار اور بے چارگی کے عالم میں ڈھیر نہیں ہوا تھا۔

۱۵:۳۸۔ اُس وقت ”مقدس کا پردہ اُوپر سے نیچے تک پھٹ کر ڈھونڈ کرے ہو گیا۔“

یہ خدا کا کام تھا، جس سے ظاہر ہو گیا کہ اب سے ہر ایمان دار کو خدا کے پاک ترین مقام میں

رسائی کا اعزاز حاصل ہو گیا ہے (ملاحظہ کریں عبرانیوں ۱۰:۱۹-۲۲)۔ ایک عظیم نئے دور

کا آغاز ہو گیا ہے۔ یہ خدا کی قربت کا دور ہے۔ اب سے دُوریاں دُور ہو گئیں۔

۱۵:۳۹۔ رومی صوبہ دار کا اقرار اگرچہ بہت اعلیٰ ہے لیکن ضروری نہیں کہ اُس نے

یسوع کو خدا کے برابر مانا تھا۔ غیر قوم صوبہ دار نے اُسے ”خدا کا بیٹا“ ضرور کہا۔ بے شک اُسے

احساس تھا کہ تاریخ بن رہی ہے۔ لیکن یہ بات واضح نہیں کہ اُس کا ایمان سچا اور خالص تھا یا

نہیں۔

۱۵:۴۰-۴۱۔ مرقس بیان کرتا ہے کہ ”کئی عورتیں“ صلیب کے پاس ٹھہری رہیں۔ یہ

بات ماننا پڑتی ہے کہ انجیل کے بیانات میں عورتیں نمایاں بلکہ چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مرد تو

جان بچانے کے خیال سے کہیں جا چھپے تھے مگر عورتوں کی جاں نثاری دیکھئے۔ انہوں نے

یسوع کی محبت کو ذاتی حفاظت اور بہبود پر ترجیح دی۔ صلیب کے پاس سے ہٹنے میں وہ

آخر میں، اور قبر پر پہنچنے میں اول تھیں۔

ق۔ یوسف کی قبر میں دفنایا جانا (۱۵:۴۲-۴۷)

۱۵:۴۲۔ مجمع کو غروب آفتاب کے ساتھ ہی سبت شروع ہو جاتا تھا۔ سبت سے

پہلا دن، یا کسی تہوار سے پہلے کے دن کو ”تیسری کا دن“ کہا جاتا تھا۔

۱۵:۴۳۔ اب ضرورت تھی کہ بلا توقف اقدام کیا جائے۔ شاید اسی ضرورت نے

اُرتیبہ کے رہنے والے یوسف کو ”یہ جرات“ عطا کی کہ اُس نے پیلطس کے پاس جا کر یسوع

کی لاش مانگی۔ ”یوسف پکا اور کسٹریہودی تھا۔ شاید وہ صدر عدالت (سنیڈرن) کا

رکن بھی تھا (لوقا ۲۳:۵۰، ۵۱، مزید دیکھئے متی ۲۷:۵۷؛ یوحنا ۱۹:۳۸)۔

۱۵:۴۴-۴۵۔ پیلطس کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یسوع ”مرگیا“ ہے۔ جب صوبہ دار

نے حقیقت کی تصدیق کر دی تو رومی گورنر نے "لاش یوسف کو ولادی" (کلام کے اس حصے میں یسوع کے بدن کے لئے دو مختلف لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ یوسف نے یسوع کا بدن مانگا تھا۔ پیلاطس نے اُسے "لاش" دلائی)۔

۱۵:۲۶۔ بڑی محبت، عقیدت اور احتیاط کے ساتھ یوسف (اور نیکدیمس —

یوحنا ۱۹:۳۸، ۳۹) نے لاش کو خوشبوئیں لگائیں، "مہین ... چادر میں کفنایا" اور پھر اُسے ایک نئی قبر کے اندر "جو اُس نے اپنے لئے کھدوائی تھی" جو چٹان میں کھودی گئی تھی ... رکھا۔ قبر کے منہ کو سسکے کی شکل کے ایک پتھر سے بند کر دیا گیا۔ یہ پتھر بھی پتھر ہی کی کھدی ہوئی ایک جھری میں آگے پیچھے سرکایا جاسکتا تھا۔

۱۵:۲۷۔ ہمیں یہاں پھر عورتوں — یعنی مریم نام کی دو عورتوں — کا ذکر ملتا ہے۔ ہم اُن کی بے خوف اور جاندار محبت کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ عرشوں میں عورتوں کی تعداد آج بھی زیادہ ہے۔ مرد کہاں ہیں؟

۸۔ خادم کی فتح یابی (۱:۱۶-۲۰)

۱۔ خالی قبر پر عورتیں (۱:۱۶-۸)

ہفتہ (سینچر) کی شام کو دونوں مریم اور سلمیٰ نے یسوع کے بدن پر ملنے کے لئے خوشبودار مسالے تیار کئے۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ کام آسان نہیں کیونکہ ایک بھاری پتھر قبر کے منہ پر رکھا گیا ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ قبر پر رومی سردار سپاہیوں کا پہرہ ہے۔ لیکن محبت اپنے محبوب تک پہنچنے میں مشکلات کے پہاڑوں کو عبور کر جاتی ہے۔

اتوار کو بہت سیرے "وہ قبر پر آئیں۔ وہ حیران ہو کر آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لٹھکائے گا؟" جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ یہ کام تو ہو چکا ہے! کتنی دفعہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم سچی کو عزت دینے پر تیلے ہوتے ہیں تو مشکلات پہلے ہی حل ہو چکی ہوتی ہیں!

۱۶:۵-۶۔ "قبر کے اندر جا کر" انہوں نے ایک فرشتہ دیکھا۔ وہ ایک "جوان" کے روپ میں سفید جام پہننے ہوئے تھا۔ اُس نے فی القور اُن کے خوف کو دور کر دیا۔ اُس نے انہیں

بتایا کہ "یسوع ناصری ... جی اٹھا ہے۔" قبر خالی تھی۔

۷:۱۶۔ تب فرشتے نے اُن کو یسوع کے جی اٹھنے کی تقریب بنا دیا۔ اُس نے اُن سے کہا کہ تم جا کر اُس کے شاگردوں اور پطرس سے کہو کہ یسوع تم سے گلیل میں ملے گا۔ غور کریں کہ یہاں پطرس کا نام لے کر خاص ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہی "پطرس" ہے جس نے اپنے خداوند کا انکار کیا تھا۔ جی اٹھے مخلصی دینے والے خداوند نے اُسے ترک نہیں کیا تھا۔ وہ اب بھی اُس سے محبت رکھتا اور اُس سے ملنے کا آرزو مند تھا۔ بحالی کا ایک خاص کام کرنا ضروری تھا۔ ضرور تھا کہ بھٹکی ہوئی بھیڑ کو چرواہے کی رفاقت و شراکت میں واپس لایا جائے۔ ضرور ہے کہ پیچھے ہٹ جانے والا باپ کے گھر میں واپس آئے۔

۸:۱۶۔ عورتیں بھل کر "قبر سے بھاگیں"۔ لڑش اور ہیبت اُن پر غالب آگئی تھی۔ وہ اپنی خوفزدہ ہو گئی تھیں کہ کسی کو بتا نہ سکتی تھیں کہ کیا ہوا ہے۔ یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ وہ اب تک اتنی دلیر، اتنی وفادار اور اتنی جاں نثار رہیں۔

مرقس کے دو بڑے قدیم نسخوں میں آیات ۹ تا ۲۰ موجود نہیں۔ اس لئے جدید دور کے بہت سے علما ان کو مستند نہیں سمجھتے۔ لیکن اُن کو متن میں شامل کرنے کے لئے زیر دست دلیلیں موجود ہیں۔

۱۔ تقریباً باقی تمام یونانی نسخوں، اور اُن نسخوں میں یہ حصہ موجود ہے جو آباء کلیسیا کے پاس تھے۔

۲۔ اگر آیت ۸ پر خاتمہ کیا جائے تو بے حد عجیب معلوم ہوگا، خصوصاً یونانی میں جہاں آخری لفظ gar یعنی کیونکہ ہے۔ یہ لفظ تو شاید ہی کسی جملہ کے آخر میں آتا ہو، کتاب کے آخر میں آنے کی تو بات ہی رہتے ہیں۔

۳۔ اگر، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، مرقس کی انجیل کا اصل آخری حصہ "کھو" چکا ہے اور یہ خلاصہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے، تو پھر محفوظ رکھنے کے بارے میں ہمارے خداوند کے الفاظ (متی ۲۴: ۳۵) بظاہر پورے نہ ہوئے۔

۴۔ اس حصے کے مندرجات انجیل کے پیغام کے مخاطب ہیں۔

۵۔ اسلوب بیان اور خصوصاً ذخیرہ الفاظ کتاب کے پہلے باب سے بے حد مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ ایسی ساخت یا بناوٹ کو ظاہر کرتا ہے جس میں

کسی کام کا شروع اور اختتام متوازی ہوتے ہیں۔

ب۔ مریم مگدالینی پر ظاہر ہونا (۱۱-۹:۱۶)

۹:۱۶-۱۱۔ منجی سب سے پہلے ”مریم مگدالینی“ کو دکھائی دیا۔ جب اس عورت کی یسوع سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو یسوع نے اس میں سے ”سات بڑے وحین نکالی تھیں“۔ اس کے بعد سے وہ بڑی عقیدت کے ساتھ اپنے مال و متاع سے خداوند کی خدمت کرتی رہی تھی۔ اس نے اسے صلیب دے جاتے بھی دیکھا۔ اور پھر یہ بھی دیکھا کہ اس کی لاش کہاں رکھی گئی ہے۔

دوسری اناجیل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مریم مگدالینی نے جب دیکھا کہ قبر خالی ہے تو اس نے بھاگ کر پطرس اور یوحنا کو خبر دی۔ وہ مریم کے ساتھ واپس آئے اور دیکھا کہ قبر خالی ہے، جیسا کہ اس نے بتایا تھا۔ شاگرد تو اپنے گھر کو لوٹ گئے مگر مریم خالی قبر کے پاس ٹھہری رہی۔ اور یہی موقع ہے جب یسوع اس پر ظاہر ہوا۔

۱۱-۱۰:۱۶۔ اب وہ پھر شہر میں واپس گئی اور یہ خبر غم زدہ شاگردوں کو بھی بتائی۔ وہ اسے سچ نہیں مان سکتے تھے۔ ”انہوں نے... یقین نہ کیا“۔

ج۔ دو شاگردوں کو دکھائی دینا (۱۱-۱۲:۱۶)

۱۱-۱۲:۱۶۔ اس ظہور کا پورا بیان ٹوما ۲:۱۳-۳۱ میں ہے۔ یہاں ہم پڑھتے ہیں کہ یسوع ”دوسری صورت میں ان میں سے دو کو جب وہ دیہات (اماؤس) کی طرف پیدل جا رہے تھے دکھائی دیا“۔ مریم کو وہ باغبان کی صورت میں دکھائی دیا تھا۔ اب وہ ایک ہم سفر جیسا تھا، مگر اپنے جلالی بدن میں یہ وہی یسوع تھا۔

۱۱-۱۳:۱۶۔ جب یہ دو شاگرد یروشلیم میں واپس آئے اور بتایا کہ ہمیں جی اٹھے منجی سے ملاقات اور رفاقت نصیب ہوئی ہے تو ان کو بھی ویسی ہی بے یقین کا سامنا کرنا پڑا جیسی مریم مگدالینی نے دیکھی تھی۔

د۔ گیارہ کو دکھائی دینا (۱۶: ۱۴-۱۸)

وہ ”اُن گیارہ کو“ بھی اسی آوار کی شام کو دکھائی دیا (لوقا ۲۴: ۳۶؛ یوحنا ۲۰: ۱۹-۲۴)۔
 ۱۔ کرتھیوں (۱۵: ۵)۔ اگرچہ شاگردوں کے لئے گیارہ کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر حقیقتاً وہاں دس ہی موجود تھے۔ اس موقع پر تو ماغیر حاضر تھا۔ یسوع نے ان خاص اپنے افراد کو اس بات پر ملامت کی کہ انہوں نے مریم اور دوسروں کا یقین نہ کیا جنہوں نے اُس کے جی اٹھنے کی خبر سنائی تھی۔

۱۶: ۱۵۔ اس آیت میں وہ ارشادِ عظیم درج ہے جو یسوع نے اپنے آسمان پر جانے سے ایک شام پہلے شاگردوں کو دیا تھا۔ اس طرح آیت ۱۴ اور ۱۵ کے درمیان وقفہ ہے۔ شاگردوں کو حکم دیا گیا کہ تم تمام دُنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔ ”منجی کے سامنے ہی نشانہ تھا کہ ساری دُنیا کو خوشخبری سنائی جائے اور اُس نے یہ کام اپنے گیارہ شاگردوں کی وساطت سے کرنے کا ارادہ کیا جنہوں نے اُس کے پیچھے چلنے کی خاطر واقعی سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔

۱۶: ۱۶۔ اُن کی منادی سے دو نتائج برآمد ہوں گے۔ کچھ لوگ ”ایمان“ لائیں گے اور ”نجات“ پائیں گے۔ کچھ لوگ یقین نہیں کریں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ ”وہ مجرم ٹھہرائے جائیں گے۔“

بعض لوگ آیت ۱۶ کی بنیاد پر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ نجات کے لئے پانی کا پینسمہ ضروری ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ صلیب پر تو بہ کرنے والے ڈاکو نے پینسمہ نہ پایا، تو بھی اُسے یقین دلایا گیا کہ وہ مسیح کے ساتھ فردوس میں ہوگا (لوقا ۲۳: ۴۳)۔

۲۔ قیصریہ میں غیر قوم افراد کو نجات پانے کے بعد پینسمہ دیا گیا (اعمال ۱: ۴۴-۴۸)۔

۳۔ یسوع خود پینسمہ نہیں دیتا تھا (یوحنا ۴: ۱-۲)۔ اگر پینسمہ نجات کے لئے ضروری ہوتا تو یہ بہت عجیب قسم کی فروگزاشت ہوتی۔

۴۔ پوکس اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ کرنتھس میں اُس نے بہت تھوڑے افراد کو پینسمہ دیا تھا (۱۔ کرتھیوں ۱: ۱۴-۱۶)۔ اگر پینسمہ نجات کے لئے

ضروری ہوتا تو یہ شکر گزار ہی ممکن ہی نہ ہوتی۔

۵۔ نئے عہد نامہ میں تقریباً ۱۵ مرتبہ ذکر آتا ہے کہ نجات صرف ایمان سے ہے۔

کسی جگہ بھی اس زبردست گواہی کی تردید نہیں کی گئی۔

۶۔ نئے عہد نامہ میں پستہ کا تعلق روحانی پیدائش سے نہیں بلکہ موت اور حیا اٹھنے

کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔

تو پھر آیت ۱۶ کا مطلب و مفہوم کیا ہے؟ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہاں ذکر اس بات کا ہے کہ ایمان لانے والوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایمان کے ظاہری اقرار کے طور پر پستہ لیں۔ پستہ نجات کے لئے شرط نہیں بلکہ ظاہری اعلان ہے کہ اس شخص نے نجات پالی ہے۔

۱۶: ۱۷-۱۸۔ یسوع یہاں ان خاص معجزوں کا بیان کرتا ہے جو انجیل پر ایمان لانے

والوں کے درمیان ظاہر ہوں گے۔ جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں تو لازماً یہ سوال ابھرتا ہے کہ ”کیا یہ نشان آج بھی موجود ہیں؟ آج بھی ظاہر ہوتے ہیں؟“ ہم یقین رکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر ”یہ معجزے“ رسولی دور کے لئے تھے۔ جب ابھی مکمل بائبل مقدس تحریری شکل میں موجود نہیں تھی۔ ان میں سے زیادہ تر معجزے اعمال کی کتاب میں ملتے ہیں۔

۱۔ ”بدرُوحوں کو نکالیں گے“۔ اعمال ۸: ۷؛ ۱۶: ۱۸؛ ۱۹: ۱۱؛ ۱۶-۱۷۔

۲۔ ”نئی نئی زبانیں بولیں گے“۔ اعمال ۲: ۴-۱۱؛ ۱۰: ۴۶؛ ۱۹: ۶۔

۳۔ ”سانپوں کو اٹھا لیں گے“۔ اعمال ۲۸: ۵۔

۴۔ اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیشیں گے... ضرر نہ پہنچے گا۔ اعمال کی کتاب میں ایسا کوئی معجزہ درج نہیں۔ لیکن کلیسیا کا مؤرخ یوسیبس ایسے معجزے کو یوحنا اور برنیاس سے منسوب کرتا ہے۔

۵۔ ”بیماروں پر ہاتھ... اچھے ہو جائیں گے“۔ اعمال ۳: ۷؛ ۱۹: ۱۱؛ ۲۸: ۲۸؛ ۹۰۸۔

ان معجزوں کا مقصد کیا تھا؟ ہماری دانست میں اس کا جواب عبرانیوں ۲: ۳-۴ میں موجود ہے۔ جب نیا عہد نامہ مکمل نہیں پڑا تھا اور لوگوں تک نہیں پہنچا تھا تو لوگ رسولوں اور دوسروں سے ثبوت مانگتے تھے کہ انجیل کی خوشخبری خدا کی طرف سے ہے۔ ان کی منادی کی توثیق کرنے کی غرض سے خدا نشانوں اور عجیب کاموں اور روح القدس کی طرح

طرح کی نعمتوں سے گواہی دیتا تھا۔

مصنف کے خیال میں آج ان معجزوں کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمارے پاس مکمل بائبل مقدس موجود ہے۔ اگر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے تو وہ کسی طرح بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ مرقس نے یہ نہیں کہا کہ یہ معجزے جاری رہیں گے۔ متی (۲۸: ۱۸-۲۰) میں ”دنیا کے آخر تک“ کے الفاظ درج ہیں جو یہاں مرقس میں نہیں پائے جاتے۔

تاہم مارٹن کوٹھر کہتا ہے ”جن نشانوں کا یہاں ذکر ہے، اُن کا استعمال ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔ جب ضرورت پڑتی ہے اور انجیل کی منادی پر بہت دباؤ ہوتا ہے، پھر ہمیں لازماً یہ نشان دکھانے چاہئیں تاکہ دنیا انجیل پر تہمت نہ لگائے اور یہ خیال پیدا نہ ہو کہ انجیل نے شکست کھائی ہے۔“

۵۔ خادم کا آسمان پر خدا کی دہنی طرف جانا

(۱۶: ۱۹-۲۰)

۱۶: ۱۹۔ جمی اٹھنے کے چالیس دن بعد ”خداوند یسوع ... آسمان پر اٹھایا گیا اور

خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا۔“ یہ عزت اور اختیار اور قدرت کا مقام ہے۔

۱۶: ۲۰۔ اُس کے حکم کی تعمیل میں شاگردوں نے شعلہ زن آگ کی طرح نکل کر ہر جگہ

منادی کی اور اپنے نجات دہندہ کی خاطر رُوحوں کو جیتنے لگے۔ ”خداوند“ کی قدرت اُن کے ساتھ تھی۔ وہ اُن کی منادی کو معجزوں کے وسیلہ سے ثابت کرتا رہا۔“

یہاں یہ بیان اہتمام پذیر ہوتا ہے۔ مہیج آسمان پر۔۔۔ چند جاں نثار شاگرد

زمین پر۔۔۔ جن کے دلوں پر ساری دنیا کو خوشخبری سنانے کا بوجھ تھا۔ اُنہوں نے خود کو پورے طور پر اس ذمہ داری کے لئے وقف کر دیا تھا جس کی وجہ سے ابدی تاج حاصل ہوئے۔

ہم کو بھی ”ارشادِ عظیم“ سونپا گیا ہے۔ ہم بھی اپنی پشت کے لئے ذمہ دار ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ خوشخبری لے کر ہر فرد بستر تک پہنچیں۔ دنیا کے شروع سے لے کر چھٹے لوگ ہوئے ہیں، اُن کا ایک تہائی ہمارے زمانے میں اس گڑھ ارض پر موجود ہے۔ سنسکرے تک اسی تناسب سے آدھے لوگ زمین پر موجود ہوں گے۔ جوں جوں

آبادی بے تحاشا بڑھتی ہے یہ کام، یہ ذمہ داری شدت اختیار کرتی جاتی ہے، مگر طریقہ کار ہمیشہ ایک ہی ہے۔ شاگرد جنہوں نے خود کو وقف اور مخصوص کر رکھا ہو، جو سیح کی لامحدود محبت سے سرشار ہوں، جو اُس کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ ساری دُنیا میں انجیل کی منادی ہو۔ ہم اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں؟

ایک ہی سال میں پورے نئے عہد نامہ کا مطالعہ کریں
یہ تفسیری سلسلہ روزانہ مطالعہ بائبل کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اگر آپ ذیل کے خاکے کو
استعمال کریں تو ایک ہی سال میں پورے نئے عہد نامہ کا مطالعہ کر سکیں گے۔

مارچ		فروری		جنوری	
تاریخ	تاریخ	تاریخ	تاریخ	تاریخ	تاریخ
رسولوں کے اعمال		متی کی انجیل		متی کی انجیل	
25-1 : 8	1	22-1 : 21	1	1	1
40-26 : 8	2	46-23 : 21	2	2	2
21-1 : 9	3	22-1 : 22	3	3	3
43-22 : 9	4	46-23 : 22	4	4	4
23-1 : 10	5	22-1 : 23	5	26-1 : 5	5
48-24 : 10	6	39-23 : 23	6	48-27 : 5	6
11	7	28-1 : 24	7	18-1 : 6	7
12	8	51-29 : 24	8	34-19 : 6	8
25-1 : 13	9	30-1 : 25	9	7	9
52-26 : 13	10	46-31 : 25	10	17-1 : 8	10
14	11	25-1 : 26	11	34-18 : 8	11
21-1 : 15	12	50-26 : 26	12	17-1 : 9	12
41-22 : 15	13	75-51 : 26	13	38-18 : 9	13
21-1 : 16	14	26-1 : 27	14	20-1 : 10	14
40-22 : 16	15	50-27 : 27	15	42-21 : 10	15
15-1 : 17	16	66-51 : 27	16	11	16
34-16 : 17	17	28	17	23-1 : 12	17
18	18			50-24 : 12	18
20-1 : 19	19	رسولوں کے اعمال		30-1 : 13	19
41-21 : 19	20	1	18	58-31 : 13	20
16-1 : 20	21	21-1 : 2	19	21-1 : 14	21
38-17 : 20	22	47-22 : 2	20	36-22 : 14	22
17-1 : 21	23	3	21	20-1 : 15	23
40-18 : 21	24	22-1 : 4	22	39-21 : 15	24
22	25	37-23 : 4	23	16	25
15-1 : 23	26	21-1 : 5	24	17	26
35-16 : 23	27	42-22 : 5	25	20-1 : 18	27
24	28	6	26	35-21 : 18	28
25	29	21-1 : 7	27	19	29
26	30	43-22 : 7	28	16-1 : 20	30
26-1 : 27	31	60-44 : 7	29	34-17 : 20	31

جون		مئی		اپریل	
تاریخ	تاریخ	تاریخ	تاریخ	تاریخ	تاریخ
		25-1 : 15	1	44-27:27	1
		47-26:15	2	28	2
		16	3		
		رد میوں کے نام کا خط		مرقس کی انجیل	
44-31: 4	1			22-1 : 1	3
16-1 : 5	2			45-23: 1	4
39-17: 5	3	1	4	2	5
26-1 : 6	4	2	5	19-1 : 3	6
49-27: 6	5	3	6	35-20: 3	7
30-1 : 7	6	4	7	20-1 : 4	8
50-31: 7	7	5	8	41-21: 4	9
25-1 : 8	8	6	9	20-1 : 5	10
56-26: 8	9	7	10	43-21: 5	11
17-1 : 9	10	21-1 : 8	11	29-1 : 6	12
36-18: 9	11	39-22: 8	12	56-30: 6	13
62-37: 9	12	15-1 : 9	13	13-1 : 7	14
24-1 : 10	13	33-16: 9	14	37-14: 7	15
42-25: 10	14	10	15	21-1 : 8	16
28-1 : 11	15	18-1 : 11	16	38-22: 8	17
54-29: 11	16	36-19: 11	17	29-1 : 9	18
31-1 : 12	17	12	18	50-30: 9	19
59-32: 12	18	13	19	31-1 : 10	20
22-1 : 13	19	14	20	52-32: 10	21
35-23: 13	20	13-1 : 15	21	18-1 : 11	22
24-1 : 14	21	33-14: 15	22	33-19: 11	23
35-25: 14	22	16	23	27-1 : 12	24
10-1 : 15	23			44-28: 12	25
32-11: 15	24	نوتا کی انجیل		20-1 : 13	26
16	25	20-1 : 1	24	37-21: 13	27
19-1 : 17	26	38-21: 1	25	26-1 : 14	28
37-20: 17	27	56-39: 1	26	53-27: 14	29
23-1 : 18	28	80-57: 1	27	72-54: 14	30
43-24: 18	29	24-1 : 2	28		
27-1 : 19	30	52-25: 2	29		
		3	30		
		30-1 : 4	31		

تاریخ	تسمبر	تاریخ	اگست	تاریخ	جولائی			
3	1	58-29	15	1	48-28	19	1	
4	2		16	2	26-1	: 20	2	
گلیٹیوں کے نام کا خط		گرتھیوں کے نام کا ڈوسرا خط		گرتھیوں کے نام کا پہلا خط		47-27	: 20	3
1	3			1	3	19-1	: 21	4
2	4			2	4	38-20	: 21	5
3	5			3	5	20-1	: 22	6
4	6			4	6	46-21	: 22	7
تھسڈے کیوں کے نام کا پہلا خط				5	7	71-47	: 22	8
1	7			6	8	25-1	: 23	9
2	8			7	9	56-26	: 23	10
3	9			8	10	35-1	: 24	11
4	10			9	11	53-36	: 24	12
5	11	15-1	: 11	10	12	گرتھیوں کے نام کا پہلا خط		
تھسڈے کیوں کے نام کا ڈوسرا خط		33-16	: 11	11	13	1	13	
1	12			12	15	2	14	
2	13			13	16	3	15	
3	14	گلیٹیوں کے نام کا خط				4	16	
یوٹھائی انجیل				1	17	5	17	
28-1	: 1			2	18	6	18	
51-29	: 1			3	19	19-1	: 7	19
	2			4	20	40-20	: 7	20
18-1	: 3			5	21		8	21
38-19	: 3			6	22		9	22
30-1	: 4	انسٹیوں کے نام کا خط				18-1	: 10	23
54-31	: 4			1	23	33-19	: 10	24
24-1	: 5			2	24	16-1	: 11	25
47-25	: 5			3	25	34-17	: 11	26
21-1	: 6			4	26		12	27
44-22	: 6			5	27		13	28
71-45	: 6	16-1	: 5	6	29	20-1	: 14	29
27-1	: 7	33-17	: 5			40-21	: 14	30
53-28	: 7					28-1	: 15	31
27-1	: 8	فلپیوں کے نام کا خط						
59-28	: 8			1	30			
				2	31			

تاریخ	نومبر	اکتوبر
پطرس کا دوسرا عام خط	پطرس کے نام کا خط	23-1 : 9
3 1	2 1	41-24: 9
یوحنا کا پہلا عام خط	فلپیوں کے نام کا خط	23-1 : 10
1 2	3 2	42-24: 10
2 3	3 3	29-1 : 11
3 4	عبرانیوں کے نام کا خط	57-30: 11
4 5	1 4	26-1 : 12
5 6	2 5	50-27: 12
یوحنا کا دوسرا خط	3 6	20-1 : 13
7 7	4 7	38-21: 13
یوحنا کا تیسرا خط	5 8	14 11
8 8	6 9	15 12
یہوداہ کا عام خط	7 10	16 13
9 9	8 11	17 14
یوحنا عارف کا نمبر کا شفق	9 12	18-1 : 18
1 10	18-1 : 10	40-19: 18
2 11	39-19: 10	22-1 : 19
3 12	19-1 : 11	42-23: 19
4 13	40-20: 11	20 19
5 14	12 17	21 20
6 15	13 18	پیتریتیس کے نام کا پہلا خط
7 16	پیٹوب کا عام خط	1 21
8 17	1 19	2 22
9 18	2 20	3 23
10 19	3 21	4 24
11 20	4 22	5 25
12 21	5 23	6 26
13 22	پطرس کا پہلا عام خط	پیتریتیس کے نام کا دوسرا خط
14 23	1 24	1 27
15 24	2 25	2 28
16 25	3 26	3 29
17 26	4 27	4 30
18 27	5 28	پطرس کے نام کا خط
19 28	پطرس کا دوسرا عام خط	1 31
20 29	1 29	
21 30	2 30	
22 31		

تفسیر الکتاب عام ایمان داروں کے لئے تحریر کی گئی ہے جس
میں سادگی سے پاک کلام کے گہرے بھیدوں سے پردہ اٹھایا
گیا ہے۔ اس پیش کش میں نئے عہد نامے کی نہایت احتیاط
کے ساتھ آیت بہ آیت تشریح کی گئی ہے۔ سادگی اور سلاست
کے باوجود کلام مقدس کے متنازع مسائل سے پہلو تہی نہیں کی
گئی، بلکہ مُصنّف نے ان پر بھی تبصرہ کیا ہے اور اپنی رائے کے
ساتھ ساتھ دیگر مفسرین کے خیالات بھی درج کئے ہیں۔
علم الہیات کے ضمن میں مُصنّف نے اعتدال پسندی کا دامن نہیں
چھوڑا جو اس کتاب کی ایک اور خوبی ہے۔ چنانچہ یہ تفسیر بائبل مقدس
کے باضابطہ شخصی مطالعہ کے لئے از حد مفید ثابت ہوگی۔